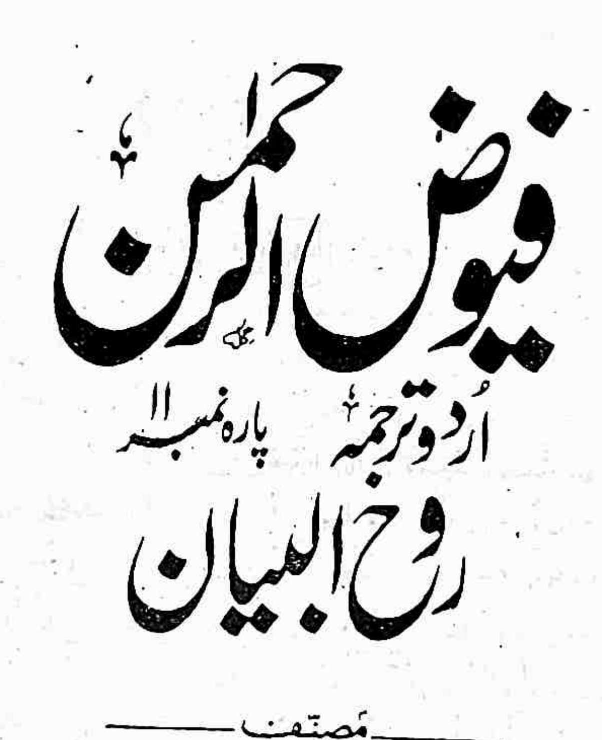


مصنف

سراج العلماء زبدۃ الفضلاء شیخ اسماعیل حقی
حضرت علامہ رحمہ اللہ تعالیٰ

مترجم

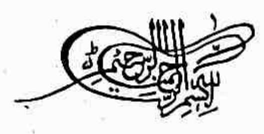
شیخ التفسیر والحدیث مولانا ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی مدظلہ

ناشر

مکتبہ اویسیہ رضویہ سیرانی روڈ بہاولپور

نام کتاب ——— فیوض الرحمٰن اردو ترجمہ رُوح البیان پارہ ۱۱
مصنف ——— علامہ اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ
مترجم ——— علامہ ابوالصالح فیض احمد اویسی مدظلہ العالی
مصحح ——— چوہدری مشتاق احمد خان لاہور
ناشر ——— مکتبہ اویسیہ رضویہ سیرانی روڈ بہاولپور
باہتمام ——— صاحبزادہ عطاالرسول اُویسی

فہرست مضامین پارہ ۱۱



يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا
اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ
فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ
اِنَّهُمْ رِجْسٌ ۫ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا
عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ
كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ
حَكِيْمٌ ۝ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيْهِمْ
دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ
سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

ترجمہ: تمہارے ہاں معذرت کریں گے جب تم ان کی طرف لوٹو گے۔ انھیں فرمائیں کہ بہانے مت بناؤ۔ ہم ھرگز تمہاری تصدیق نہیں کریں گے۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمہاری خبر دے دی ہے اور آئندہ بھی اللہ و رسول تمہارا کردار دیکھیں گے۔ پھر تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو پوشیدہ اور ظاہر سب کو جانتا ہے۔ پھر وہ جتائے گا جو کچھ تم کرتے تھے۔ اب تمہارے ہاں قسم کھائیں گے جب تم ان کے ہاں لوٹ کر جاؤ گے تاکہ تم ان کے درپے نہ ہو، سو تم ان کے درپے نہ ہو۔ بیشک وہ پلید ہیں اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے بدلہ اس کا جو وہ (دُنیا میں) کرتے تھے تمہارے ہاں قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تم اُن سے راضی ہوجاؤ۔ پس اگر تم ان سے راضی ہوجاؤ تو یقیناً اللہ فاسقوں سے راضی نہیں ہوگا۔ گنوار لوگ کفر و نفاق میں سخت تر ہیں اور اسی لائق ہیں کہ بے خبر رہیں ان احکام سے جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل فرمائے اور اللہ علم و حکمت والا ہے اور بعض دیہاتی ایسے ہیں کہ جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کریں اسے تاوان سمجھیں اور وہ تمہارے لیے گردشِ زمانہ کا انتظار کرتے ہیں انہیں پر ہے بری گردش اور اللہ سمیع علیم ہے۔ اور بعض دیہاتی ایسے بھی ہیں جو اللہ اور قیامت

پر ایمان رکھتے ہیں اور جو خرچ کرتے ہیں اسے اللہ کے قرب اور رسول کی دُعا طلبی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ ہاں واقعی وہ ان کے لیے قرب کا موجب ہے اللہ جلد تر انہیں رحمت میں داخل فرمائے گا بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

تفسیر عالمانہ یَعْتَذِرُوْنَ منافقین معذرت کریں گے۔ اِلَیْكُمْ تمہارے پاس حاضر ہو کر جنگ پہ نہ پہنچنے کے متعلق اور وہ اس وقت اسّی کے اوپر چند تھے۔ یہ خطاب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو ہے۔

شانِ نزول یہ آیت قبل از وقت نازل ہوئی۔ اسی لیے کاشفی نے اس کا ترجمہ یہی کیا ہے کہ اے پیارے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے منافقین معذرت کریں گے۔

اِذَا رَجَعْتُمْ جب تم غزوۂ تبوک سے واپس مدینہ پہنچو گے۔ اِلَیْهِمْ ان کے ہاں۔

سوال: واپس تو مدینہ طیبہ میں پہنچنا تھا۔ پھر اس کے بجائے اِلَیْهِمْ کیوں کہا گیا؟

جواب۱: معذرت کا تعلق منافقین سے تھا اس لیے ان کی تصریح کی گئی۔

جواب۲: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بعض منافقین معذرت پیش کرنے کے لیے حضور علیہ السلام کے ہاں مدینہ طیبہ پہنچنے سے پہلے حاضر ہوئے ہوں۔ اس بنا پر اِلَیْهِمْ کہا گیا۔

قُلْ اے میرے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم انھیں فرمایئے۔

سوال: جب منافقین کی معذرت کا بیان تھا تو اس میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو شامل کیا گیا ہے اور جب منافقین کو جواب دینے کی باری آئی تو صرف حضور علیہ السلام کو کہا گیا، اس کی وجہ کیا ہے؟ جواب: وجہ ظاہر ہے۔

ف: لَا تَعْتَذِرُوْا اب عذر مت کرو، اس لیے کہ لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ ہمیں تمہاری معذرت پر کوئی اعتبار نہیں کیونکہ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ بے شک اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمہارے حالات سے پہلے ہی بذریعہ وحی باخبر فرما دیا ہے کہ تم نے اپنے دلوں میں شر و فساد کے پروگرام بنا رکھے ہیں۔ مثنوی میں ہے ؎

(۱) از منافق عذر در آمد خوب
زانکہ در لب بود آں نے در قلوب

(۲) کذب چوں خس باشد دل چوں دہاں

وَسَيَرَى اللّٰهُ اور عنقریب اللہ تعالیٰ دیکھے گا عَمَلَكُمْ تمہارے کام وَرَسُوْلُهٗ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی دیکھیں گے کہ تم کفر و نفاق سے توبہ کرتے ہو یا اس پر ڈٹے رہتے ہو۔

ف : اس میں کفر و نفاق کی توبہ کا مطالبہ کرکے انہیں چند روز مہلت دینے کا وعدہ ہے۔
ثُمَّ تُرَدُّوْنَ پھر تم قیامت کے میدان میں لوٹائے جاؤ گے اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ عالمِ غیب کی طرف ۔
ف : اسے غیب اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ بندوں سے غائب ہے۔
وَالشَّهَادَةِ اور شہادت کے عالم کی طرف ۔
ف : شہادت سے وہ باتیں مراد ہیں جو بندوں کو معلوم ہیں۔
فَيُنَبِّئُكُمْ پھر تم کو اللہ تعالیٰ بتائے گا جس وقت اس کے ہاں قیامت میں حاضری دو گے اور اس کے سامنے کھڑے ہو کر زندگی کا حساب دو گے بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ اپنے ان بُرے کردار کا جو تم دنیا میں کرتے تھے۔
ف : خبر دینے سے یہاں جزا دینا مراد ہے۔
سوال : اس کے بجائے فَيُجْزِيْكُمْ کہہ دینا تھا خبر دینے کی تخصیص کیوں ؟
جواب : یہ لوگ دنیا میں اعمال کی حقیقت سے بے خبر تھے اگرچہ اُن کے مرتکب ہوئے تھے لیکن اُن کی صورتیں ان سے اوجھل تھیں مگر قیامت میں اُن کی صورتیں اُن کے سامنے منکشف ہو جائیں گی۔ اس لیے انکو سزا دیتے ہوئے اُن کی صورتیں دکھا کر اُن کی گزشتہ خبروں سے انھیں باخبر کیا جائے گا۔
سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ ان کی معذرتوں کی تاکید کا اظہار ہے کہ وہ اپنی معذرتوں میں قسمیں کھا کر تمھیں کہیں گے کہ واللہ ہمیں جنگ کی حاضری کی طاقت نہیں تھی ۔ بخدا اگر ہمیں طاقت میسر ہوتی تو ہم جنگ سے غیر حاضر نہ ہوتے۔
اِذَا انْقَلَبْتُمْ جب تم جنگ سے لوٹو گے اِلَيْهِمْ اُن کے ہاں ۔ اُن سے جد بن قیس اور معتب بن قشیر اور ان کے دوسرے ساتھی (منافقین) مراد ہیں۔ لِتُعْرِضُوْا تاکہ تم ان سے درگزر کرو ۔ اعراض بمعنے صفح یعنی روگردانی کرنا مطلب یہ ہے کہ وہ عذر کرکے چاہتے ہیں کہ ان سے درگزر کرتے ہوئے ان کو کسی قسم کی ملامت اور تحقیر نہ کرو۔ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ پس ان سے درگزر کرو۔ لیکن اظہارِ مسرت کے طور نہیں بلکہ بطور اجتناب اور اظہارِ غصہ و رنج کے ۔ اِنَّهُمْ رِجْسٌ بیشک وہ منافقین بدبودار شئے کی طرح ہیں پھر جس طرح بدبودار شئے سے اجتناب کیا جاتا ہے ان سے بھی ایسے ہی۔ اس لیے کہ ان میں روحانی نجاست و غلاظت ہے۔
ف : بیان میں ہے کہ منافقین نجس ہیں۔ ان کے کردار ایسے گندے ہیں کہ وہ اس ظاہری صفائی سے پاک اور صاف نہیں ہو سکتے۔
وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے ۔ اس میں علت کا اتمام ہے۔ یعنی اُن سے اجتناب کا اصلی موجب یہی ہے کہ وہ جہنمی ہیں۔ ایسے لوگوں کی اصلاح ملامت اور عتاب وغیرہ سے نہیں ہو سکتی۔ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ اُن کے بُرے اعمال کی جزا ہے جن کا وہ دُنیا میں ارتکاب کرتے تھے۔ يَحْلِفُوْنَ اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں لَكُمْ تمہارے سامنے

لِتَرۡضَوۡا عَنۡهُمۡ تاکہ تم ان کی جھوٹی قسمیں سُن کر اُن سے خوش ہو جاؤ اور پہلے کی طرح اُن کے ساتھ رعایت و مروت کرو۔ فَإِنۡ تَرۡضَوۡا عَنۡهُمۡ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يَرۡضٰى عَنِ الۡقَوۡمِ الۡفٰسِقِيۡنَ ○ پس اگر تم ان سے راضی ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ فاسق لوگوں سے راضی نہ ہوگا اس لیے کہ وُہ کفر میں بہت زیادہ منہمک ہیں فلہذا اُن کے ساتھ تمہاری رضا مندی سے ضروری نہیں کہ اللہ تعالیٰ بھی ان سے راضی ہو اور صرف تمہاری رضا ان کے لیے مفید بھی نہیں۔ اس لیے کہ تمہاری رضا نہ اُنھیں اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچا سکتی ہے اور نہ ہی انھیں عذاب سے نجات دے سکتی ہے۔

خلاصۃ التفسیر آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو روکا ہے کہ منافقین سے اظہارِ رضامندی نہ کرو اور نہ ہی ان کے جھوٹے عذروں اور جھوٹی قسموں کا اعتبار کرو۔ اس میں بہت زیادہ تاکید فرمائی ہے اور ساتھ یہ بھی بتایا ہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں اس کے لیے مومن کو لائق نہیں کہ وہ اس سے راضی خوشی ہو کر گزارے۔ (کذا فی الارشاد)

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں غزوۂ تبوک کی واپسی پر اعلان فرمایا کہ خبردار! آج کے بعد منافقین کے ساتھ بیٹھنا اُٹھنا اور اُن سے کلام کرنا بند کر دو

مسئلہ: اس سے ثابت ہُوا کہ منافقین اور کبیرہ گناہوں سے بیباک لوگوں سے میل جول نہیں ہونا چاہیے جب تک کہ وہ اپنی غلطیوں سے سچے دل سے توبہ نہ کریں۔

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی امام باقر رضی اللہ عنہ کو نصیحت سیدنا امام زین العابدین نے اپنے صاحبزادہ حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ پانچ شخصوں کی صحبت سے بچنا، بلکہ جس راستے پر وہ گامزن ہیں وہ راستہ بھی چھوڑ دینا۔ اُن کے ساتھ کسی قسم کی یاری دوستی نہ رکھنا۔ وُہ پانچ شخص یہ ہیں:

① فاسق کے ساتھ کسی وقت بھی صحبت و سنگت نہ کرنا اس لیے کہ وُہ اپنی عادت بد سے تمہیں ایک لقمہ پر بیچنے سے گریز نہیں کرے گا۔

حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اباجی! فاسق اتنا لالچی ہوتا ہے؟

انہوں نے فرمایا: ایک لقمہ کی قید بھی میں نے لگائی ہے وہ اس سے بھی کم خسیس ترین چیزوں پر للچا جاتا ہے اگرچہ وہ اسے حاصل بھی نہ کر سکے۔

② بخیل کو کبھی دوست نہ بنانا اس لیے کہ وہ تمہاری بہت سی ضروریات میں رُکاوٹ ڈالے گا۔

③ جھوٹے کی دوستی بھی تمہارے لیے سخت مُضر ثابت ہوگی اس لیے کہ وُہ بمنزلہ سراب کے ہے۔ وہ تمہارے قریبی عزیزوں کو دُور کر دے گا اور دُور کے تعلق داروں کو تمہارے قریب تر کر دے گا۔

④ احمق سے بھی دُور رہنا اس لیے کہ اس کا تمہارے متعلق ارادہ تو نیک ہوگا اور کوشش کرے گا کہ وُہ تمہیں فائدہ

پہنچائے لیکن وہ اتنا شدید ترین نقصان پہنچائے گا کہ جس کا مداوا ناممکن ہوگا۔
ایک عربی مقولہ مشہور ہے:
عَدُوٌّ عَاقِلٌ خَیْرٌ مِّنْ صدیق احمق۔
جس کا مفہوم شیخ سعدی قدس سرہٗ نے یوں ادا فرمایا: ؎

اگر خصمِ جاں تو عاقل بود
بہ از دوستدارے کہ جاہل بود

ف: جاہل سے یہاں احمق مراد ہے۔

۵ قاطع رحم، یعنی قریبی رشتہ داروں سے بلاوجہ بگاڑنے والے سے بھی دوستی نہ کرنا اس لیے کہ میرے نزدیک وہ ملعون ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اسے تین مقامات پر لعنتی کہا ہے۔

مسئلہ: آیات سے ثابت ہوا کہ غلط عذر اور جھوٹی معذرت غیر قابل قبول ہے۔ اگرچہ قبول کر لینا کریم النفسی میں داخل ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

عذر احمق بدتر از جرمش بود
عذر ناداں زھر ہر دانش بود

مسئلہ: آیات سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اپنے عذر کو وزنی بنانے کے لیے جھوٹی قسمیں کھانا نہایت مذموم اور سخت غلط اقدام ہے۔ بلکہ تقوٰی کا تقاضا تو یہ ہے کہ سچی قسم بھی نہ کھانی چاہیے۔ بہرحال قسم کھانے سے اجتناب لازم ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے اسمِ گرامی کی تعظیم و تکریم ہو۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ وہ ہر غلط قول سے اپنی زبان کی حفاظت کرے۔

رُوحانی نسخہ متقی وہ ہے جو مباح امور سے بچنے کی کوشش کرے اس خطرہ سے کہ شاید یہ غیر مباح ہوں۔

مسئلہ: آیات سے یہ بھی واضح ہوا کہ منافقین نجس اور غلیظ ہیں۔ ان کا خمیر پلید اور غیر پاکیزہ مٹی سے ہوا۔ اس لئے اس مٹی کی تاثیر

سے اعمالِ خبیثہ و اوصافِ ذمیمہ اُن سے سرزد ہوتے ہیں اسی وجہ سے انہیں ظاہری جہنم یعنی دوزخ اور معنوی نار یعنی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان سے جُدا رہنا نصیب ہوا۔

حکایت شیخ شبلی حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک عورت کو دیکھا کہ وُہ اپنے گمشدہ بچے کی وجہ سے رو رہی ہے اور بار بار کہتی ہے ہائے میرا لختِ جگر۔ حضرت شیخ شبلی قدس سرّہٗ کے اُس رونے والی عورت کے ساتھ آنسو آ گئے اور وہ فرماتے تھے ؛ ہائے مجھ سے جُدا ہونے والے یار د۔ اس عورت نے شیخ شبلی قدس سرّہٗ سے عرض کی کہ میں تو اپنے بچے کو روتی ہُوں اور آپ کس لیے روتے ہیں؟ آپ نے فرمایا : تُو ایک فانی کی جُدائی پر روتی ہے جس نے آخر مرنا تھا۔ اور میں اس ذات کی جُدائی پر روتا ہُوں جس کو دائمی بقا ہے۔

ے

فرزند و یار چونکہ بمیرند عاقبت
اے دوست دل بلند بجز حیّ لایموت

سبق : عاشق مہجور پر لازم ہے کہ وہ فراق اور جدائی کے درد سے روئے بلکہ غم شوق اور درد اشتیاق کے اظہار میں بہت بڑی جدوجہد کرے اور اُمید رکھے کہ کبھی اللہ تعالیٰ اس کے درد والم کو ختم کر کے اس کی آنکھیں ٹھنڈی کرے گا اور اس سے وہی نوازشات ہوں گی جو وُہ اپنے محبوبوں سے فرماتا ہے اور اس کی قسمت جاگ اُٹھے گی کہ جس سے وہ کریم تا ابدالآباد اس سے ناراضگی ختم کر دے گا۔ بقول شخصے : ع

کبھی تو میری کھُلے گی قسمت کبھی تو میرا اسلام ہوگا

اَلْاَعْرَابُ یہ اعرابی کی جمع ہے۔ جیسے عربی کی عرب اور مجوسی کی مجوس اور یہودی کی یہود۔

قاعدہ : جمع کے لیے نسبت کی "یا" حذف کی جاتی ہے۔

فائدہ : عرب اور اعراب میں فرق ہے اور عربی کئی قسم ہیں وہ حضرات جو شہروں اور دیہاتوں اور جنگلوں میں بسر کریں، وہ عرب کہلاتے ہیں۔ اور جو صرف جنگلوں میں ہی زندگی بسر کریں وہ اعراب کہلاتے ہیں اُن میں عموم و خصوص کی نسبت ہے کہ ہر عرب اعرابی ہے لیکن ہر اعرابی عرب نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ عرب وُہ ہیں جو آبادیوں میں رہتے ہیں اور اعراب وُہ جو جنگلوں ویرانوں میں گزاریں۔ اس طرح سے اُن میں تباین کی نسبت ہے۔ اس معنے پر الاعراب بمعنے دیہاتی ہے **اَشَدُّ کُفْرًا اَوْنِفَاقًا** کفر و نفاق میں سخت ترین ہیں بہ نسبت آبادی والوں کے اس لیے کہ اعراب وحشیوں کی طرح ہیں کہ جس طرح وحشی کسی کے تابع نہیں ہو سکتے ایسے ہی یہ لوگ کسی کے سامنے سر جھکانے کے لیے تیار نہیں ہوتے کیونکہ گرم اور خشک ہوا ان کے دلوں کو سخت بنا دیتی ہے اور ان پر قساوتِ قلبی غالب ہو جاتی ہے۔

ف : قساوۃ قلبی تکبّر اور فرار حق سے بھاگنے کا دُوسرا نام ہے۔ قاعدہ ہے کہ جو کسی استاد سے کوئی سبق نہ سیکھے

اور نہ ہی کتاب اللہ جل جلالہ، سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مواعظ سُنے اور نہ ہی کسی نیک آدمی کی صحبت سے مستفیض ہو وہ اس جیسا کس طرح ہو سکتا ہے جو ہر وقت اہل علم کی صحبت سے بہرہ ور ہوتا رہتا ہے اور ہر وقت اس کے کانوں میں قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز گونجتی رہتی ہے۔

حدیث شریف اهل الکفور اهل قبور دیہاتی مُردہ ہیں۔

ف : کفور کفر کی جمع ہے۔ اس سے دیہات مراد ہیں اس لیے کہ دیہات لوگوں کو چھپائے رکھتے ہیں۔ اسی لیے دیہاتیوں کو حدیث شریف میں مُردگاں سے تشبیہ دی گئی ہے اس لیے کہ دیہاتی حضرات شہروں اور اجتماعات میں حاضری بہت کم دیتے ہیں۔

ف : الفردوس الاعلیٰ میں ہے کہ دیہات سے یہاں وہ بستیاں مراد ہیں جو اہلِ علم کے اجتماعات اور شہروں کی حاضری سے دُوری رکھتے ہوں اس لیے کہ ایسے لوگوں پر جہالت چھا جاتی ہے اور وہ بدعات سیئہ کا ارتکاب بہت زیادہ کرتے اور بدعات کو جلد تر قبول کر لیتے ہیں۔ حضرت مولانا روم رحمہ اللہ تعالیٰ مثنوی شریف میں فرماتے ہیں : ؎

(۱) دہ مرو دہ مرد را احمق کند
عقل را بے نور و بے رونق کند

(۲) قول پیغمبر شنو اے مجتبےٰ
گورِ عقل آمد وطن در روستا

ف : اگر شہری دیہاتی ماحول کا فرق معلوم کرنا ہو تو پہاڑی اور باغ والے میوہ جات کو دیکھ لیجئے جیسے ان کے مزہ اور ذائقہ میں فرق ہے ایسے ہی ان کی تہذیب و تمدن میں ہے۔

ازالۂ توہم اس سے یہ نہ سمجھنا کہ ہر دیہاتی بیکار اور ہر شہری سمجھدار ہوتا ہے بلکہ یہاں جنسیت کے طور فرق بتایا گیا ہے ورنہ بہت سے دیہاتی ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی پرواز سے بہت سے شہری عاجز رہ جاتے ہیں۔ اور جنسیت کی حیثیت کو قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے۔ یعنی ہر دیہاتی کے لیے اشد کفراً و نفاقاً نہیں کہا گیا۔

ف : کاشفی فرماتے ہیں کہ آیت میں الاعراب سے بنو تمیم و بنو اسد اور غطفان کے علاوہ مدینہ طیبہ کے گرد و نواح کے بادیہ نشین مراد ہیں۔ اس سے تمام بادیہ نشین مراد نہیں گویا یہ جمع مخصوص عنہ البعض ہے۔

وَاَجْدَرُ اَلَّا یَعْلَمُوْا اور اُن کے لیے زیادہ لائق بھی یہی ہے کہ وہ نہ جانیں۔ حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ عبادات و شرائع کے وُہ حدود جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائے یعنی فرائض و سُنن و دیگر احکام۔ یہ اس لیے کہ وہ لوگ قرآن و حدیث نہیں سُنتے تھے۔

مسئلہ : بادیہ نشین جاہل کی امامت مکروہ ہے۔ (الحدادی)

مسئلہ: جو امام نماز میں کروہات کا ارتکاب کرے اُس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ ایسے امام کو امامت سے علیحدہ کرنا ضروری ہے۔ (فتح القریب)

وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ اور اللہ بادیہ نشین اور جبل نشین لوگوں کے حالات کو خوب جانتا ہے حَکِیْمٌ ۝ بُرے کو برائی کی سزا اور نیک کو نیکی کی جزا دینے کی حکمتوں کا مالک ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ دیہات سے عالم انسان کا نفس اور شہر سے اس کا قلب مراد ہے۔ جیسے عالمِ صورت میں بعض مقامات دیہاتی اور بعض شہری ہیں۔ ایسے ہی حضرت انسان میں ہیں۔ آیت میں الاعراب سے نفس اور اس کے خواہشات کی طرف اشارہ ہے۔ کفر و نفاق نفس کے ذاتی افعال ہیں۔ ایسے ہی ایمان قلب کا ذاتی فعل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک کو اس کی فطرت پر پیدا فرمایا ہے پھر انسان میں جب نفس کی صفت سرایت کر جاتی ہے تو اس سے کفر سرزد ہوتا ہے اور وہ نفس کے صفات سے موصوف ہو کر زندگی بسر کرتا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

اندک اندک آب را دزدد ہوا
وین چنیں دزدد ہم احمق از شما
گرمیت را دزدد و سردی دہد
ہمچناں کو زیر خود سنگے نہد

کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ جب انسان پر قلب کے صفات کا غلبہ ہوتا ہے تو پھر اس سے قلب کے واردات نمودار ہوتے ہیں ؎

مگو زنہار اصل خود چہ لیست
ببیں دودش چہ مستثنیٰ و خو لیست

یعنی گلاب کی صحبت سے لکڑی کو خوشبو نصیب ہوئی حالانکہ وہ تو بیچاری لکڑی تھی اس میں خوشبو کا کیا معنیٰ۔ لیکن صحبت کی برکت سے لکڑی کو خوشبو نصیب ہوگئی۔ نفس قلب سے منافقت و کفر میں قلب سے زائد ہے۔ جب انسان کو دولتِ ایمان نصیب ہو اور اس کے صفات اس لائق ہیں کہ ارواح پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ واردات کو نہ جانیں۔

ف: رُوح جسم میں بمنزلہ رسُول کے ہوتا ہے کہ جس طرح عالم ظاہر میں رسول علیہ السلام کو واردات ربانیہ نصیب ہوتے ہیں۔ ایسے ہی رُوح اگر قابلِ واردات ہو تو اس پر بھی وارداتِ ربانیہ نازل ہوتے ہیں۔ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ۝ اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور اس کی حکمت پر مبنی ہے کہ کون سے کافر نفس کو مومن بناتا ہے اور کون سے مومن قلب کو کافر۔

تفسیر عالمانہ وَمِنَ الْاَعْرَابِ اور اعراب کی بعض جنہیں مَنْ یَّتَّخِذُ مَا یُنْفِقُ ایسی ہیں یعنی ان کے بعض وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کو مَغْرَمًا تاوان سمجھتے ہیں۔

ف : مَغْرَمًا مصدر ہے بمعنے الغرامۃ الغرم یعنی تاوان ۔ ہر وہ مال جو انسان اپنے اس بچاؤ کے عوض پیش کرے جس کے متعلق سمجھتا ہے کہ یہ مال مجھ سے بلا قصور وصول کیا جا رہا ہے ۔ اسے عربی میں مغرم ، غرامۃ اور غرم اور اُردو میں تاوان کہا جاتا ہے ۔

ف : جس کو خدا تعالیٰ اور آخرت پر ایمان نہ ہو اور نہ ہی وہ ثواب کی خاطر مال خرچ کرتا ہے بلکہ کسی خوف سے یا ریاکاری کے طور پر خرچ کرکے اس کا نام تاوان رکھے ، وہ اس کی اپنی بدقسمتی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ نے تو ایسے خرچ کرنے پر بہت سے اجر و ثواب کا وعدہ کریمہ فرمایا ہے ۔

وَيَتَرَبَّصُ انتظار کرتے ہیں بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ط الدوائر دائرہ کی جمع ہے وہ آفات و بلیات اور آلام و مصائب جو انسان کو گھیر لیں ۔ منافقین کی تمنا تھی کہ (معاذ اللہ) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو جائیں اور مسلمانوں پر کفار کا غلبہ ہو جائے اس طرح ہم مال خرچ کرنے کے تاوان سے بچ جائیں گے ۔

ف : صاحب رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اس قسم کے لوگ آج بھی موجود ہیں جن کا خیال ہوتا ہے کہ مسلمانوں پر کفار کا غلبہ ہو جائے پھر ہم دینی کاموں پر خرچ کرنے سے بچ جائیں گے ورنہ جب تک مسلمان زندہ ہے وہ اسلام کی ضروریات کے لیے کچھ خرچ کرتا ہی رہے گا ۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ ہمیں نفس و شیطان کے مکر و فریب سے بچا کر اپنے احکام کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کی توفیق بخشے (آمین)

عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ط ان پر ہو بُری گردش ۔ یہ بددُعا جوابی کارروائی کے طور پر کی گئی ہے جیسا کہ وہ اہلِ اسلام کے لیے بُری گردشوں کے آرزومند ہیں تو اس کا جواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہی ہے کہ اے کافرو ! خدا کرے تم ہی بُری گردشوں میں مبتلا رہو ۔

ف : السّوء بالفتح سا کا مصدر ہے بمعنے خوش کی نقیض ہے ۔ لیکن اہلِ عرب ہر شر اور ہر ضرر کو سَوْءٌ کہتے ہیں ۔

ف : دائرہ کو السوء کی طرف مضاف از رُوئے ذات کیا گیا ۔ مثلاً کہا جاتا ہے رجل سوءٍ ، اس لیے کہ جس پر گردش کا نزول ہوتا ہے تو وہ اس کی مذمت کرتا ہے ۔ یہ اضافہ الموصوف الی الصفۃ کے قبیل سے ہے گویا پہلے اس دائرہ کو اس مصدر سے بطور مبالغہ موصوف پھر اسے اپنی صفت کی طرف مضاف کیا گیا[1]

وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ اللہ تعالیٰ ان کی باتوں کو جانتا ہے جو خرچ کرتے وقت کہتے ہیں عَلِيْمٌ ○ اُن کے اُن امورِ فاسدہ کو بھی جانتا ہے جو وہ اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں منجملہ اُن کے ایک یہ بھی کہ وہ اس انتظار میں رہتے ہیں کہ اہلِ اسلام کو گردشِ زمانہ کب گھیرتی ہے وَمِنَ الْاَعْرَابِ اس سے ان دیہاتیوں کے مطلقاً بعض افراد مراد ہیں ۔ (الارشاد)

---

[1] اس کی بحث شروح کافیہ بالخصوص فقیر کی شرح "نعم الحامی" میں دیکھئے ۱۲

تبیان میں ہے کہ اس سے قبیلۂ اسد، جہینہ، اسلم اور غفار کے لوگ مراد ہیں۔ مَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ، ہیں جو اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔

اعجوبہ وحکایت منقول ہے کہ ایک دیہاتی نے پہلی آیت سُنی تو بہت مغموم ہُوا کہ ہائے افسوس ہم دیہاتی ایسے گندے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ مذمت کرتا ہے۔ اس کے بعد جب پھر بھی آیت سنی تو بہت خوش ہوا کہ الحمدللہ دیہاتی سب گندے نہیں بلکہ ان میں بعض وہ بھی ہیں جن کی اللہ تعالیٰ تعریف فرماتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ دونوں آیتیں سُن کر دیہاتی نے کہا، اللہ اکبر، ھجانا اللہ ثم مدحنا، یعنی اللہ نے ہماری ہجو بھی کی اور مدح بھی۔

وَیَتَّخِذُ مَا یُنْفِقُ قُرُبٰتٍ اور جتنا مال خرچ کرتے ہیں اسے اللہ تعالیٰ کی قربتوں اور نزدیکیوں کا مُوجب سمجھتے ہیں۔ قُرُبَات سے اللہ تعالیٰ کی نزدیکیوں کے اسباب اور ذرائع مراد ہیں اور یہ یتخذ کا دُوسرا مفعول ہے۔ عِنْدَ اللّٰہِ یہ قُرُبٰت کی صفت ہے۔

ف : حدادی نے اس کا مطلب یُوں لکھا ہے کہ بعض دیہاتی ایسے نیک بخت ہیں جو جہاد میں اپنا مال دل کھول کر خرچ کرتے ہیں اس ارادہ پر کہ اس طرح سے اللہ تعالیٰ کا قُرب نصیب ہوگا اور وہ اس کے صلہ میں ہمیں بہت بڑے مراتب اور ثواب عنایت فرمائے گا۔

سوال : قُربِ الٰہی واحد ہے اسے قربٰت جمع کے صیغے سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے؟

جواب : قُرب کے اسباب اور ذرائع اور افراد مختلف ہیں۔ بنا بریں انھیں جمع کے صیغے سے بیان کیا گیا ہے۔

ف : لفظ قربٰت میں حدیث قدسی کی طرف اشارہ ہے قال تعالیٰ من تقرب الی شبرا تقربت الیہ ذراعًا۔ جو ایک بالشت بھر قریب ہوتا ہے مَیں ایک گز اس کے قریب ہوتا ہُوں۔

وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ط اور وہ لوگ اپنا مال خرچ کرتے وقت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں لینے کو ذریعہ سمجھتے ہیں یعنی ان کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے دُعائیں فرمائیں گے جس سے ہماری نجات ہوگی۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ کریمہ تھی کہ صدقہ دینے والوں کے لیے خیر و برکت اور مغفرت کی دُعا فرماتے تھے۔

مسئلہ : صدقہ لینے والا صدقہ دینے والے کو صدقہ لیتے وقت دُعا کرے۔ یہ سنّت ہے۔

مسئلہ : لیکن کسی کے لیے لفظ صلوٰۃ کا اطلاق نہ کرے جیسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا طریقہ تھا کہ آپ صدقہ دینے والے کے لیے فرماتے اللّٰھم صل علیٰ ابی اوفیٰ کیونکہ یہ صرف آپ کا خاصہ تھا کہ آپ جسے جس طرح کی فضیلت بخشیں۔ دُوسرے کے لیے ایسے بڑے منصب سے یاد کرنا مناسب نہیں ہے۔

اَلَآ یہ تنبیہ کا کلمہ ہے خبردار اِنَّھَا بے شک وہ نفقہ (خرچ)۔

سوال : ضمیر کا مرجع تم نے نفقہ کہاں سے نکالا ؟
جواب : یُنفق مذکور ہے۔
سوال : یُنفق سے مصدر مرجع نکالا گیا تو اس کی ضمیر مونث کی کیوں لائی گئی ؟
جواب : چونکہ اس کی خبر مونث ہے اس کی رعایت کرتے ہوئے ضمیر مونث لائی گئی ہے۔
قُرْبَةٌ لَّهُمْ وہ خرچ اُن کے لیے بہت بڑے فخر کا باعث ہے۔ یعنی جب وہ لوگ اپنا مال راہ حق میں خرچ کریں گے تو اس کے باعث وہ اللہ تعالیٰ کا قُرب حاصل کر لیں گے۔

ف : اس سے اللہ تعالیٰ نے اُن کے اعتقادِ صحیح کی شہادت دی ہے اور بتایا ہے کہ یہی خرچ اُن کے قُربِ الٰہی کے لیے بہترین ذریعہ ہے اور انھیں اس کے بعد رحمتِ الٰہی کی اُمید میں رہنا چاہئے کہ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِي رَحْمَتِهٖ عنقریب اللہ تعالیٰ انھیں اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے اُن سے وعدہ کریمہ فرمایا کہ انھیں وہ کریم اپنی آغوش رحمت میں لے گا۔ یہ جُملہ قُربت کی تفسیر ہے اور لفظ "سین" وعدے کی تحقیق کے لیے ہے اس لیے کہ جملہ مثبت میں جب واقع ہوتا ہے تو تحقیق کا فائدہ دیتا ہے جیسے لفظ لَن جُملہ منفیہ پر داخل ہو کر تاکید نفی کا افادہ کرتا ہے۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ عنقریب اللہ تعالیٰ انھیں اپنی بہشت میں جگہ دے گا جو کہ وہی بہشت نزولِ رحمت کا مرکز ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ بے شک اللہ تعالیٰ صدقہ دینے والوں کے لیے غفور ہے۔ رَّحِيْمٌ ۝ اپنے مقربین کے لیے مہربان ہے۔

ف : صدقہ و انفاق فی سبیل اللہ بیشمار ہیں اور کسی پر مخفی نہیں۔

حکایت بنی اسرائیل میں ایک دفعہ قحط پڑا، اور ایک فقیر ان کے کسی شہر میں تشریف لایا۔ ایک دولت مند کے گھر کے قریب کھڑے ہو کر اس نے اعلان کیا "تَصَدَّقُوْا خدا کے لیے مجھے کچھ دو"۔ دولت مند کی لڑکی ایک گرم روٹی فقیر کو دینے کے لیے گھر سے باہر نکلی۔ راستہ میں وہی دولت مند ملا، پُوچھا : یہ روٹی کسے دیتی ہو ؟ اُس نے کہا : اس صدا لگانے والے فقیر کو دیتی ہُوں۔ دولتمند جوش میں آیا، اس لڑکی کو نہ صرف روٹی دینے سے روکیا بلکہ اس کا دایاں ہاتھ کاٹ ڈالا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کو یہ بات ناگوار گزری تو اس نے اس دولت مند کو اس قدر مفلس و قلاش بنا دیا کہ چند روز بعد مرگیا اور وہ فقیر جس نے روٹی مانگی تھی وہ دولت مند ہو گیا اور اس رئیس کی بیٹی سے نکاح کر لیا۔ وہ لڑکی مرقعِ حُسن و جمال تھی۔ جب لڑکی سے طعام منگوایا گیا تو اس نے بائیں ہاتھ سے پیش کیا۔ اس نے بگڑ کر کہا کہ دائیں ہاتھ سے دینا سُنّت ہے تو سُنّت کی تارک ہو رہی ہے لیکن پھر بھی اس نے بائیں ہاتھ سے ہی کھانا

---

[1] انہیں اسباب و ذرائع کو سلاسلِ طیبہ قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سُہروردیہ، اویسیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے جسے وہابیہ شرک کہتے ہیں ۱۲

دینا چاہا۔ اسی طرح سے بار کیا۔ ہاتف غیبی نے کہا، بیدھے ہاتھ سے دے دے تجھے اللہ تعالیٰ نے اس روٹی کے بدلے میں ہاتھ عنایت فرما دیا ہے۔ چنانچہ غیبی آواز پر دایاں ہاتھ دیکھا تو وہ صحیح سالم تھا اور اس سے اپنے شوہر کے ساتھ مل کر کھانا کھایا۔ (کذا فی روضۃ العلماء)

سبق: اس حکایت سے ثابت ہُوا کہ جو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت کا شکر ادا نہیں کرتا تو سزا کے طور پر اس سے وہ نعمت چھن جاتی ہے۔ دیکھیے بلعم باعورا کیسا بلند مراتب تھا۔ لیکن جب اس نے دینِ حق کا شکریہ ادا نہ کیا تو اس کا خاتمہ خراب ہوا اور وہ کافر ہو کر مرا۔ (کذا فی منہاج العابدین)

اس حکایت سے دُوسرا فائدہ یہ حاصل ہُوا جو شخص کوئی کام کرے یا کسی غلط کاری سے محض رضائے حق کی طلب میں باز آئے تو اللہ تعالیٰ اس کی جمیع مُرادیں پُوری فرماتا ہے۔

مسئلہ: بائیں ہاتھ سے طعام کھانا سوءِ ادب ہے اس لیے شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے۔ ہاں معذور کو اجازت ہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

(۱) گفت پیغمبر کہ دائم بہر پند
دو فرشتہ خوش منادی میکنند

(۲) کائے خدایا منفقاں را سیر دار
ہر درمشان را عوض دہ صد ہزار

(۳) اے خدایا ممسکانرا در جہان
تو مدہ الّا زیاں اندر زیاں

(۴) آں درم دادن سخی را لایق است
جاں سپُردن خود سخاتے عاشق است

(۵) ناں دہی از بہر حق نانت دہند
جاں دہی از بہر حق جانت دہند

(۶) ہر کہ کارد گردد انبارش تہی
لیکنش اندر مزرعہ باشد بہی

(۷) وانکہ در انبار ماند و صرفہ کرد
اسپش موش و حوادث نہانش خورد

نکتہ: جو شخص راہِ حق میں خرچ کرنے سے مال روکتا ہے اس کا مال کسی طریق سے ضائع ہو جاتا ہے۔

(بر صفحہ ۱۶)

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ
وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ
الْعَظِيْمُ ۝ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛؕ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛؔ مَرَدُوْا
عَلَى النِّفَاقِ ۫ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى
عَذَابٍ عَظِيْمٍ ۝ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ
عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ
وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا
اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝
وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ
الشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ
وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا
وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ
اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ
اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ
وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ
مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي
الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ ع

ترجمہ : اور تمام اگلے پہلے مہاجرین و انصار (صحابہ) اور جو لوگ بھلائی میں ان کے پیرو ہیں۔ اللہ ان سب سے راضی اور وہ اللہ سے راضی، اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہونگی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہی بڑی کامیابی ہے اور تمہارے ارد گرد بعض دیہاتی منافق ہیں۔ اور بعض اہلِ مدینہ بھی ایسے ہیں کہ وہ منافقت میں انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں تم انھیں جانتے ہم انہیں جانتے ہیں ہم جلد انھیں دوہرا عذاب کریں گے پھر بہت بڑے عذاب کی طرف پھیرے جائیں گے اور ان میں دیگر ایسے ہیں جو اپنے گناہوں کے معترف ہیں جنھوں نے نیک اور بُرے عمل کو ملا دیا۔ عنقریب اللہ اُن کی توبہ قبول فرمائے گا بیشک

اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے مال سے خیرات لیجیے جس سے آپ انہیں ستھرا اور پاکیزہ کردیں اور ان کے لیے دعائے خیر فرمائیں یقیناً آپ کی دُعا ان کے دلوں کا چین ہے اللہ سمیع علیم ہے۔ کیا انہیں معلوم نہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور صدقات لیتا ہے اور بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے اور فرمایا کہ عمل کرو عنقریب اللہ و رسول اور اہلِ ایمان تمہارے اعمال دیکھیں گے اور عنقریب تم پلٹ جاؤ گے اس کی طرف جو غیب اور ظاہر سب کو جانتا ہے تو وہ تمہارے اعمال کی تمہیں خبر دے گا اور کچھ لوگ اور ہیں جو ڈھیل دیے گئے ہیں اللہ کے حکم پر یا ان کو عذاب کرے یا ان کی توبہ قبول کرے اور اللہ علم و حکمت والا ہے اور وہ لوگ جنہوں نے نقصان پہنچانے اور کفر اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کے لیے مسجد بنائی اور اس کے انتظار میں جس نے اللہ و رسول کے ساتھ پہلے سے جنگ کی اور وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے صرف بھلائی کا ارادہ کیا ہے اور اللہ گواہ ہے کہ بے شک وہ جھوٹے ہیں آپ اس مسجد میں کھڑے بھی نہ ہوں بیشک وہ مسجد جس کی پہلے دن سے پرہیزگاری پر بنیاد رکھی گئی وہ زیادہ مستحق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں اس میں وہ لوگ ہیں جو خوب ستھرے ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ کو ستھرے لوگ محبوب ہیں، تو کیا جس نے اللہ کے ڈر اور اس کی خوشنودی پر بنیاد رکھی وہ بہتر ہے یا وہ کہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد رکھی جو گرنے والے گڑھے کے کنارے پہ ہے تو وہ اسے لے کر جہنم کی آگ میں ڈھ پڑا اور اللہ کو ظالموں کو راہ ہدایت نہیں دیتا اور ان کی وہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہمیشہ ان کے دلوں میں کھٹکتی رہے گی مگر یہ کہ ان کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔

(بقیہ صفحہ ۱۴) مسئلہ: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اغنیا کے مال پر غریبوں کے اخراجات فرض ہیں۔

مسئلہ: کوئی غریب فاقہ کشی میں مبتلا ہو اور دولت مند معلوم ہونے کے باوجود اس پر خرچ نہ کرے تو قیامت میں دولتمند سے باز پُرس ہوگی۔

(تفسیر آیاتِ صفحہ گزشتہ)

تفسیر عالمانہ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ اور مہاجرین میں سے سب سے پہلے ایمان میں سبقت کرنے والے۔

ف: اس سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین مراد ہیں۔ یعنی وہ حضرات جنہوں نے ایمان لانے میں سبقت کی اور ہر دونوں قبلوں، کعبۃ اللہ اور بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی اور غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔

ف: عورتوں میں سب سے پہلے بی بی خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ایمان لائیں۔ جمہور کا یہی مذہب ہے۔

وَالْاَنْصَارِ اور انصار یعنی اہلِ بیعۃ عقبہ اُولیٰ وہ سات افراد تھے اور اہلِ بیعۃ عقبہ ثانیہ وہ ستر تھے اور وہ لوگ

جن کے ہاں مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے جس کی تفصیل ہم آگے چل کر عرض کریں گے۔ ان شاء اللہ

نکتہ: سبقت کرنے والوں کی اللہ تعالیٰ نے اس لیے تعریف فرمائی کہ بعد میں آنے والوں سے وہ پہلے اہلِ ایمان شمار ہوں گے اور قاعدہ ہے الفضلُ للمتقدم[1] فضیلت پہلے کو حاصل ہوتی ہے۔

وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ اور وہ لوگ جو اُن کے ساتھ نیکیوں میں ملتبس ہوئے۔

ف: احسان سے ہر نیک عادت مراد ہے۔ اور یہاں پر وہ لوگ مراد ہیں جو مذکورہ بالا دونوں فریقوں کے بعد مسلمان ہوئے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں اس سے تمام مہاجرین وانصار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مراد ہیں اس لیے کہ باقی مسلمانوں سے یہی حضرات اسلام قبول کرنے میں سبقت کرنے والے ہیں۔ اس معنے پر مِن بیانیہ ہے اور تابعین سے قیامت تک آنے والے تمام اہلِ اسلام مراد ہیں۔

رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اللہ تعالیٰ ان تمام مذکورہ بالا حضرات سے راضی ہے[2]۔ یہ مُبتدا مذکور کی خبر ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان کی طاعات قبول کرکے اُن سے راضی ہے اور اُن کے جملہ اعمال اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول اور پسندیدہ ہیں۔ وَرَضُوْا عَنْهُ اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں سے خوش ہیں۔ یہاں دینی و دُنیوی ہر طرح کی نعمتیں مراد ہیں وَاَعَدَّ لَهُمْ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے تیار فرمائے جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ باغات جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ جمیع قراء یہاں پر مِن کے بغیر یعنی صرف تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ پڑھتے ہیں۔ لیکن ابن کثیر نے قرآن مجید کے دُوسرے مقامات کی طرح لفظ مِنْ کے ساتھ پڑھا ہے خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اس میں وُہ ہمیشہ رہیں گے۔ یعنی اُن کا ان باغات میں ہمیشہ رہنا مقدر ہو چکا ہے اَبَدًا ط ایسی ہمیشگی کہ جس کی کوئی انتہا نہ ہو اسے ابداً سے تعبیر کرتے ہیں گویا کہ زمانہ مستقبل کے جمیع ازمنہ کو حاوی ہوتا ہے جیسے لفظ ازل ماضی کے جمیع ازمنہ کو حاوی ہوتا ہے اور بطور مجاز ہر دونوں یعنی ابد و ازل بہت طویل زمانہ کے لیے بھی مستعمل ہوتے ہیں۔

ف: کبھی اپنی جمع کی طرف مضاف ہو کر بھی آتے ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے ابدالاباد و ازل الازال لفظ سرمد ماضی و مستقبل ہر دو کے جملہ زمانوں کے لیے مستعمل ہے۔

---

[1] اس سے صحابہ ثلاثہ (حضرات ابوبکر، عمر، عثمان) اور اُن کے جملہ احباب کی فضیلت کا اندازہ کیجئے۔ لیکن افسوس کہ شیعہ ان حضرات کے ایمان پر شک کرتے ہیں مگر اہلِ فہم کو یقین ہے کہ جن کی خود اللہ تعالیٰ اپنے سچے کلام میں تعریف بیان فرمائے اُس کے بعد اگر کوئی نہیں مانتا تو وُہ اپنی شومیٔ قسمت پر ماتم کرے۔

[2] اس سے شیعہ فرقہ کا رد ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے میں ان سب سے راضی ہوں۔ لیکن یہ لوگ صدیوں بعد اپنے غلط خیالات کی بنا پر اُن پر کیچڑ اُچھالتے ہیں۔ ۱۲

ذٰلِکَ یہ اشارہ اس طرف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے مذکورہ بالا حضرات کے لیے جو کرامات عظیمہ تیار فرمائی ہیں اَلْفَوْزُ الْعَظِیْمُ○ ایسی عظیم کامیابی کہ اس کے بعد کسی دیگر کامیابی کا تصور ناممکن ہے۔

آغازِ اسلام کی داستان حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی مبارک کے چالیسویں سال مکہ معظمہ میں اظہارِ نبوت فرمایا تو چند گنتی کے افراد نے اسلام قبول فرمایا۔ اُن پر کفار نے ظلم وستم کے پہاڑ ڈھانے شروع کر دیے تاکہ مسلمان اسلام ترک کر کے کفر کو لوٹ آئیں لیکن مسلمان اپنے عزم پر چٹان بن گئے۔ انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم حبشہ کی طرف ہجرت کر جاؤ وہاں کا بادشاہ نجاشی نیک طینت ہے۔ مسلمانوں نے حبشہ کو نبوت کے پانچویں سال ماہِ رجب میں ہجرت فرمائی۔ ہجرت کرنے والے اسّی افراد تھے یہی اسلام کی پہلی ہجرت ہے۔ پھر عقبتین میں انصار کی ایک جماعت نے اسلام قبول کیا۔ عقبہ اُولیٰ کی بیعت نبوت کے گیارھویں سال اور عقبہ ثانیہ کی بیعت بارھویں سال ہوئی۔ جب عقبہ ثانیہ میں بیعت کر کے انصار واپس مدینہ طیبہ آئے تو اُن کے ساتھ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو بھیجا تاکہ وہ انہیں مدینہ طیبہ پہنچ کر مسائل شرعیہ سمجھاتے رہیں اور جتنا قرآن مجید نازل ہو چکا اُس کی تعلیم سے انہیں روشناس کراتے رہیں۔ اس اثناء میں انصار کی بہت بڑی جماعت نے اسلام قبول کیا۔

سوال: اہلِ مدینہ کو انصار سے کیوں تعبیر کیا جاتا ہے حالانکہ مہاجرین نے بھی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد میں کسی قسم کی کسر نہیں چھوڑی تھی؛

جواب: اس لیے کہ اہلِ مدینہ نے ہجرت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین کی بہت مدد فرمائی۔ اس خصوصیت سے یہ نام صرف اُن کے لیے مخصوص ہوگیا۔ اُس کے بعد نبوت کے چودھویں سال حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی اُسے ہجرتِ ثانیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ف: تحویلِ قبلہ یعنی بیت المقدس سے کعبۃ اللہ کو قبلہ بنانے کا حکم مدینہ طیبہ میں بروز منگل ماہ شعبان میں ہوا جبکہ حضور علیہ السلام کو مدینہ طیبہ تشریف لائے ہوئے اٹھارواں مہینہ تھا۔ اس سال غزوہ بدر کبریٰ ۱۹ ار رمضان المبارک کو ہوا، اور غزوہ حدیبیہ ۶ھ میں ہوا۔ اس سال بیعتِ رضوان واقع ہوئی۔

ترتیب عقیدہ دربارہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اہلسنت کا اجماع ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے اوّل[1] و افضل صدیقِ اکبر، پھر فاروقِ اعظم، پھر عثمانِ غنی، پھر علی المرتضیٰ، پھر

---

[1] جاہل اہلسنت رافضی، شیعوں یا تفضیلیوں سے متاثر ہو کر کہتے ہیں: ع

ہم مرتبہ ہیں یارانِ نبی کچھ فرق نہیں ان چاروں میں

یہ غلط ہے۔ صحیح وہی ہے جو مذکور ہوا۔

ہم کہتے ہیں: ع

یہ بات محض ہے اندھوں کی کچھ سُوجھ نہیں لا چاروں میں

جو شعور نہیں رکھتا وہ اندھوں سے بھی بدتر ہے۔

باقی عشرہ مبشرہ مع سابقین اولین، پھر اصحابِ بدر، پھر غزوۂ اُحد میں شریک ہونے والے، پھر غزوۂ حدیبیہ مع بیعت رضوان والے رضی اللہ عنہم اجمعین۔

تفسیر صوفیانہ

۱۔ السابقون الاوّلون کے متعلق صوفیاءِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان سے وہ حضرات مراد ہیں جن کو عنایت ازلیہ سب سے پہلے نصیب ہوئی۔ کما قال تعالیٰ:

اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰی۔

یعنی یہ وہی لوگ ہیں جن کو ازل میں سب سے پہلے عنایتِ ربانی نصیب ہوئی۔

۲۔ السابقون سے وہ لوگ مراد ہیں جو سب سے پہلے عدم سے وجود میں آئے۔ اوّلون وہ عدم وجود میں سب سے پہلے نکلے۔ یہ وہ حضرات ہیں جو عالمِ ارواح میں صفِ اوّل میں تھے جبکہ ازل میں ارواح صف بہ صف بہت بڑے لشکر کی طرح کھڑے تھے۔

۳۔ السابقون سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کی آواز سب سے پہلے سُنی۔

۴۔ السابقون الاوّلون سے وہ ذرّات مراد ہیں جنہیں اللہ کی قدرت کا ہاتھ سب سے پہلے نصیب ہوا جبکہ آدم علیہ السلام کا خمیر چالیس روز میں گوندھا گیا۔

۵۔ السابقون سے وہ سالک مراد ہیں جو سلوک طے کرتے ہوئے سب سے پہلے راجع الی اللہ ہوتے ہیں الاوّلون وہ لوگ جو سلوک طے کرتے ہوئے جلال کے پردوں تک سب سے پہلے پہنچتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اُمت کی فضیلت

ان تمام وجوہِ مذکورہ میں اسبقیت واوّلیت ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے اور اُمم میں آپ کی اُمّت کو۔ اس لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ ہم پچھلے بھی ہیں اور پہلے بھی۔ یعنی صورت کے خروج سے آخر اور معنے کے دخول میں سب سے اوّل۔

ف: فصل القریب میں ہے کہ زمانہ اور وجود اور کتاب دیے جانے کے لحاظ سے ہم آخر اور قیامت میں حصول فضل و دخول جنۃ و فیصلہ و حساب کے لحاظ سے اوّل۔ یہی وجہ ہے کہ تمام اُمتوں سے سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والی اُمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوگی۔

ف: اس سبقت سے کام پہلے کرنا مراد ہے یا کام کا ارادہ کرنا۔ لیکن ترجیح دُوسرے قول کو ہے۔

حکایت

سیدنا جنید بغدادی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جمعہ کے دن سب سے پہلے جامع مسجد میں حاضر ہوتا تھا۔ ایک دن حسبِ دستور جب حاضر ہوا تو مجھے آواز سُنائی دی کہ ایک بندہ تجھ سے پہلے سبقت کر چکا ہے۔ چنانچہ میں دوسرے جمعے میں اُس پہلے وقت سے بھی کچھ پیشتر حاضر ہُوا تو پھر وہی آواز میرے کانوں

میں پڑی کہ اے ابوالقاسم! تجھ سے ایک اور بندہ سبقت کر گیا۔ میں ہر جمعہ میں سبقت کرنے کی کوشش میں رہا لیکن ہر بار وہی آواز سُنی۔ میں ورطۂ حیرت میں گم ہو گیا اور بارگاہِ ایزدی میں ملتجی ہُوا: یا الٰہی! مجھے اس راز سے آشنا فرمائیے کہ وہ کون ساخوش بخت انسان ہے جو مجھ سے سبقت کر جاتا ہے۔ میری دعا قبول ہُوئی کہ مسجد کی محراب کے ایک کونے سے آواز آئی تجھ سے سبقت کرنے والا وہ ہے جو آج جامع مسجد سے سب سے آخر میں نکلے گا۔ میں جمعہ پڑھ کر جامع مسجد میں بیٹھ گیا یہاں تک کہ نمازِ عصر پڑھی گئی۔ بعدہٗ تمام لوگ جامع مسجد سے نکل گئے۔ سب سے آخر میں مسجد سے نکلنے والا ایک نحیف و ناتواں بُوڑھا تھا۔ میں نے اسے پکڑ لیا اور عرض کی: حضرت! آپ مسجد میں کس وقت تشریف لاتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ جمعہ کے دن زوال کے بعد۔ میں نے انھیں اپنی پوری داستان سُنائی اور عرض کی اب بتائیے آپ کس عمل کی وجہ سے مجھ سے سبقت کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: اے جنید! میں جب جمعہ پڑھ کر مسجد سے نکلتا ہُوں تو نیت کر لیتا ہوں کہ ان شاء اللہ تعالیٰ اگر زندگی ہُوئی تو آئندہ جمعہ پھر حاضر ہوں گا۔

حضرت جنید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس سے مجھے سبق ملا کہ سبقت پہلے آنے سے نہیں بلکہ سبقت دل کے ارادے کا نام ہے۔ مثنوی شریف میں ہے، ؎

① فکر اوّل ہرچہ آمد در عمل	خاصہ فکرے کو بود وصفِ ازل
② دل بکعبہ میرود در ھر زماں	جسم طبعی دل بگیرد ز امتناں
③ ایں دراز و کوتہی مرجسم راست	چہ دراز و کوتہ آنجا خدا ست
④ چوں خدا مرجسم را تبدیل کرد	رفتنش بے فرسخ و بے میل کرد

تفسیر عالمانہ (وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ ممّن حولکم خبر مقدم اور مُنَافِقُوْنَ اس کا مُبتدا مؤخر ہے یعنی اور تمہارے مدینہ طیبہ کے گرد بعض مِّنَ الْاَعْرَابِ دیہاتیوں میں سے۔ (اعراب اور عرب کا فرق ہم نے پہلے عرض کر دیا ہے) مُنٰفِقُوْنَ ط منافق ہیں۔ ان سے قبیلہ جُہَینہ، مزینہ، اسلم، اشجع اور غفار مراد ہیں۔ یہی لوگ مدینہ طیبہ کے گرد بستے تھے۔ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ قف اور اہلِ مدینہ میں سے ایک قوم ہے مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ قف جو منافقت کی خوگر ہے۔ وہ ہر وقت منافقت پہ کمر بستہ رہتی ہے یا وہ منافقت میں مہارت تامہ رکھتی ہے۔ اَلمَرَد علی الشئی۔ یعنے کسی فن کا کاریگر اور ماہر اور عادی ہونا۔

تحقیق لفظِ مدینہ لفظِ مدینہ جب مطلق ہو تو اس سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی دارِ ہجرت مراد ہو گی یعنی وہ شہر جس کی طرف آپ ہجرت فرما گئے یا جس شہر میں آپ کا منبر اور قبرِ انور ہے۔ مَدَنَ، بالمکان سے مشتق ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی وہاں اقامت پذیر ہو جائے۔ اس معنے پر مدینہ کا میم اصلی ہوگا۔ اس کی جمع المدن (بضم الدال وبکسرہا) آتی ہے اور مدائن بھی ہمزہ کے ساتھ یا دان سے مشتق ہے۔ یہ اُس

وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کی اطاعت کرے ۔ دین بمعنے طاعت مشہور ہے۔ اس معنے پر مدینہ کا میم زاید ہوگا۔ اس کی جمع مداین ہمزہ کے بغیر معایش (بالیاء) ہوگی۔

مدینہ طیبہ کے بعض اسماءِ گرامی مدینہ پاک کے اسماءِ گرامی بکثرت ہیں ان میں ایک طابہ وطیبہ (بفتح الطاء و سکون الیاء) بھی بمعنی پاکیزہ ہے ۔ چونکہ یہ شہر مبارک شرک سے مبرا ہے یا اس شہر مبارک کے لوگ امن وسکون اور دعوتِ حق کی وجہ سے خوشی میں ہیں یا اپنے عیش عشرت کے لحاظ سے شاداں وفرحاں ہیں یا اس شہر اقدس کی خاک پاک ہے یا یہ شہر منافقت سے پاک ہوگیا ۔ بنابریں ان دو اسماء سے موسوم ہوا ۔

حدیث شریف میں ہے : مدینہ طیبہ شریر (منافق) لوگوں کو اپنے سے باہر پھینک دیتا ہے جیسے بھٹی لوہے سے زنگ نکال دیتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے: ایمان مدینہ طیبہ کی طرف ایسے جاتا ہے جیسے سانپ اپنی بل میں یعنی جیسے سانپ اپنی بل میں جاتے ہوئے سیدھا چلا جاتا ہے اسی طرح ایمان مدینہ طیبہ کو ۔

ف : مدینہ سے شام کا تمام حصہ مراد ہے ۔ اس لحاظ سے مدینہ شام کا جز ہوگا ۔ صرف مدینہ کا نام لیا گیا ۔ اس کی شرافت اور بزرگی کی وجہ سے اس لحاظ سے مدینہ شام کی طرف منسوب ہوگا ۔ ابنِ ملک کا یہی مذہب ہے ۔

ف : امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؛ مدینہ طیبہ نہ شامیہ ہے نہ یمانیہ بلکہ حجاز میں شامل ہے ۔

ف : امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؛ مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ دونوں یمانیہ ہیں ۔

لَا تَعْلَمُهُمْ ط یہ مردوا علی النفاق کا بیان ہے یعنی وہ منافق اپنی منافقت میں ایسی مہارت رکھتے ہیں کہ تم پر[1] ان کی منافقت کی چال واضح نہیں ہوتی باوجودیکہ تم کمال درجہ کی فطانت وفراست کے مالک ہو ۔

خلاصہ یہ کہ آپ اُن کے احوال کل اور اُن کی منافقت کو (ذاتی علم سے) نہیں جانتے ۔

نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ط ہم انہیں جانتے ہیں کہ یہ منافق ہیں ہمیں ان کے پوشیدہ اسرار کا علم ہے ۔ اپنی منافقت سے آپ کے ساتھ ہیرا پھیری کرسکتے ہیں لیکن میرے ساتھ کچھ نہیں کرسکتے ۔ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ یہ سین تاکید کا ہے ہم ان کو دوبارہ عذاب میں مبتلا کریں گے ۔

---

[1] جمل علی الجلالین میں ہے کہ یہ آیت " ولتعرفنهم بسيماهم " الخ سورہ محمد کی آیت سے پہلے اُتری ۔ اس تقریر پر حضور علیہ السلام کے علم مبارک کی نفی ثابت نہیں ہوتی ۔ اس دعویٰ پر جو اہلسنت حضور علیہ السلام کے وصالِ مبارک سے پہلے علم کلی کا عقیدہ رکھتے ہیں تفصیل تفسیر اویسی میں ملاحظہ فرمائیں ۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا علم مبارک منافقین کے بارہ میں

مروی ہے کہ ایک دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کا خطبہ دیتے ہوئے منافقین سے فرمایا:
"اے فلاں! میری مجلس سے اُٹھ کھڑا ہو، اس لیے کہ تو منافق ہے۔"
اسی طریق سے آپ نے اپنی مجلس سے بہت سے منافقین کو نکال کر برسرِ مجلس اُنھیں رُسوا کیا۔ عذابِ اوّل تو یہی تھا۔ دُوسرا عذاب انھیں قبر میں نصیب ہوگا۔

ف: بعض روایات میں ہے کہ منافق سے قبر میں چالیس دن منکر نکیر سوال کرتے رہیں گے لیکن اُس سے کوئی جواب نہ بن سکے گا۔

ف: یہ بھی کہ یہاں مرّتین سے کثرت مراد ہے، دُو کی گنتی مقصود نہیں۔ جیسے آیت فارجع البصر کرّتین سے کثرت مراد ہے۔ یعنی آنکھ بار بار لوٹائیے۔

ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ۝ پھر اُنھیں ایک بہت بڑے عذاب کی طرف لوٹایا جائے گا۔ اس سے جہنّم کا عذاب مراد ہے۔

تفسیر صُوفیانہ عذاب عظیم سے مراد یہ ہے کہ اُنھیں بارگاہِ حق سے دُور رکھا جائے گا۔ درحقیقت عذاب بھی ہے کہ بندے کو اپنے مولیٰ کی درگاہ سے دُوری اور محجوبیت ہو کہ اپنے آقا کے دیدار سے محروم ہو جائے اِس عذاب سے بڑھ کر اور کون سا عذاب ہوگا۔ ؎

(۱) از فراق تلخ میگوئی سخن — ہر چہ خواہی کن و لیکن آں مکن
(۲) تلخ تر از زہر ہجراں ہیچ نیست — در فراقت غیر بیجا ہیچ نیست
(۳) صد ہزاراں مرگ تلخ از شوق تو — نیست مانند فراقِ رُوئے تو
(۴) جور دوراں و ہجراں رنجے کہ ہست — سہلتر از بُعدِ حق و غفلتست
(۵) از فراق ایں خنکہا شورہ شود — جملہ ذوق از فراق غورہ شود

تفسیر عالمانہ وَاٰخَرُوْنَ اور اہل مدینہ سے دوسرے بعض وُہ ہیں اعْتَرَفُوْا جنھوں نے اقرار کیا بِذُنُوْبِهِمْ اپنے گناہوں کا، جو جنگ سے باز رہنے کی وجہ سے ان سے سرزد ہوا اور ضروریات کو عزیز جان کر جنگ پہ نہ جا سکے اور منافقین کے ساتھ گھروں میں رہنے پر راضی رہے لیکن بعد کو نادم ہو کر معذرت کی لیکن جھُوٹ نہ بولا بلکہ سچ کہہ دیا۔ اس سے وہ حضرات مراد ہیں جنھوں نے اپنے آپ کو سزا کے طور پر مسجد نبوی سے باندھ دیا۔ جب سُنا کہ غزوہ پہ نہ جانے والوں کے لیے عتاب کی آیات نازل ہوئی ہیں۔ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ سے فارغ ہو کر حسبِ دستور مسجدِ نبوی میں تشریف

لائے تو آپ نے اپنی عادتِ کریمہ کے مطابق مسجد شریف میں دوگانہ ادا فرمایا۔ ان لوگوں کو دیکھا کہ وہ مسجد کے ستونوں سے بندھے بیٹھے ہیں۔ آپ نے اُن کے متعلق پُوچھا تو جواب ملا کہ ان لوگوں نے اپنے آپ کو سزا کے طور پر باندھا ہُوا ہے۔ اس جُرم کی وجہ سے کہ وہ جنگ کے لیے آپ کے ساتھ نہ جا سکے۔ انہوں نے معاہدہ کیا ہے اور قسمیں کھائی ہیں کہ جب تک انہیں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دستِ مبارک سے نہ چھوڑیں گے یہ ایسے ہی بندھے رہیں گے۔ آپ نے بھی قسم کھائی کہ میں بھی انھیں نہیں چھوڑوں گا جب تک کہ مجھے حکمِ ربّانی نہ ہوگا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا، تب آپ نے انہیں چھوڑا اور اُن کا عذر قبول فرمایا۔ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا انھوں نے ملایا عملِ صالح یعنی وہ اعمالِ صالحہ جو اس سے قبل انہوں نے کیے اور جنگوں پر جاتے رہے اور اس جنگ پر نہ جانے پر غلطی کا اعتراف کیا بلکہ اپنی مذمت کی اور ندامت کا اظہار کیا۔ وَّ اٰخَرَ سَيِّئًا ط اور دُوسرے وُہ ہیں جنہوں نے اپنے اعمال کو بُرائی سے ملایا یعنی اوّل و آخر میں ہر طرح بُرائیوں سے ملوّث ہُوئے منجملہ اُن کے غزوہ تبوک کی غیر حاضری بھی ہے۔

نکتہ : یہاں پر بالآخر کی بجائے واٰخر لانے میں اشارہ ہے کہ ہر گروہ مخلوط و مخلوط بہ ہے یہ "خلطت الماء باللبن" کے محاورہ سے ابلغ ہے۔ اس لیے کہ اس عبارت سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ پانی دُودھ پر ڈالا گیا لیکن اس سے "پانی پر دُودھ ڈالا گیا" کا معنیٰ نہیں نکل سکتا بخلاف اس کے کہا جائے "خلطت الماء واللبن" اس سے ہر دو کا ملنا ثابت ہوتا ہے۔ ہر دو مخلوط و مخلوط بہ سے موصوف ٹھہرتے ہیں۔

نکتہ : حدادی نے فرمایا کہ وُہ ایک دفعہ جنگ پر حاضر ہُوئے، دُوسری دفعہ غیر حاضر ہوئے تو اُن کے دونوں کام آپس میں مل گئے، جیسے کہا جاتا ہے:

"خلط الدنانیر والدراھم" یعنی دنانیر و دراہم کو اُس نے ملا دیا۔

اور کہا جاتا ہے:

"خلط الماء واللبن" یعنی پانی اور دُودھ کو آپس میں ملایا۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ط عنقریب اللہ تعالیٰ اُن کی توبہ قبول کرے گا۔

سوال : تم نے توبہ کہاں سے نکال لی جبکہ اُنھوں نے توبہ کا اظہار نہ کیا۔

جواب : گناہوں کے اعتراف کا دُوسرا نام توبہ ہے اور اُن کے اعتراف کا بیان سابقاً گزرا۔ اس بنا پر ان کی توبہ قبول کرنے کا اظہار جملہ ہٰذا میں ہُوا۔

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے کہ تائب کے گناہوں سے درگزر فرما کر اسے فضل و احسان سے نوازتا ہے۔ کلمۂ عسٰی سے جو توبہ کی قبولیت کا وعدہ دیا گیا اس کی علت کا اظہار ہے کہ اعتراف کرنے والے کی توبہ لازماً قبول ہوتی ہے۔ کریم کی عادت ہوتی ہے کہ وہ جس طرح جس طور طریق سے چاہے گدا کو پُر اُمید کرے۔

نکتہ : صاوی نے فرمایا کہ لفظ علیٰ میں اشارہ ہے کہ بندے کو بین الخوف والرجاء میں ہونا ضروری ہے۔ نہ اتنا رحمت سے پُر اُمید ہو کہ خوفِ الٰہی بھی دل سے اُٹھ جاتے اور نہ ہی اتنا پُرخطر رہے کہ رحمت کریم کا تصور اُٹھ جائے۔ ؎

چوں بدی گناھرا دانی
گشت جانبِ پشیمانی
ور ندانی گناھرا کہ بداست
آں شقاوت ابداست

تفسیر صوفیانہ

نفوس تین قسم کے ہوتے ہیں:

① منافق
② کافر
③ مومن

۱ ـــــ نفسِ منافق وہ ہے جس میں حیوانوں کی طرح خواہشات کا غلبہ ہو۔ یہ عادت تبدیل ہو سکتی ہے جبکہ قلب کو شریعت و طریقت کے تابع کر کے نفس کو قابو میں لیا جائے لیکن اس سے صرف قلب کا ظاہر صاف ہوگا۔ ابھی باطنی حالت کے لیے صفائی باقی رہے گی۔ وہ اس وقت تک حقیقی طور صاف نہیں ہوگی جب تک اس سے شہواتِ نفسانیہ کو پورے طور نہ نکالا جائے بلکہ نفس کو یقینی طور مغلوب کر دیا جائے۔

۲ ـــــ نفس کافر وہ ہے جسے کھانے پینے کی طلب کا غلبہ درندوں کی طرح ہو۔ یہ اس وقت پاک ہو سکتا ہے جب اس کی ضد اس پر غالب ہو۔ یعنی اُسے ایسے مغلوب کیا جائے کہ اُسے کھانے پینے کی طلب بالکل نہ رہے۔ اگر کھائے پئے تو جسم کی خواہشات کے لیے نہیں بلکہ جسم کی بقاء کے لیے۔

۳ ـــــ نفسِ مومن وُہ ہے جس میں درندگی اور شیطنت کے اوصاف موجود ہوں۔ جیسے غصّہ، تکبّر، عداوت، خیانت وغیرہ۔ سالک یہ اوصاف ایسے مٹاتے کہ اُسے غصّہ کے بجائے حوصلہ تکبّر کے بجائے تواضع، عداوت کے بجائے محبت و اخوت اور خیانت سے امانت نصیب ہو جاتے۔ یہاں تک کہ نورِ ربانی سے اسے انشراح صدر نصیب ہو۔

ف : اگر کسی سے نفس کے اوصاف نہیں مٹ سکتے یا ان اوصاف سے مغلوب الحال ہے تو سمجھو کہ اس میں منافقت کا کچھ حصہ باقی ہے اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جھوٹ، خیانت، وعدہ خلافی، دھوکہ بازی کو منافقت سے تعبیر فرمایا۔ کما قال علیہ السلام:

اربع من کن فیه فهو منافق وان صام وصلی وزعم انه مسلم اذا حدث کذب واذا ائتمن خان واذا وعد اخلف واذا عاهد غدر ومن کانت فیه واحدة منهن کانت فیه خصلة من النفاق

حتی یدعہا۔

چار ایسی خصلتیں جس میں وہ پائی جائیں وہ منافق ہے خواہ روزے رکھتا ہو، نماز پڑھتا ہو اور اپنے خیال میں اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو۔ وہ چار خصلتیں یہ ہیں :

۱ ——— جب بولے جھوٹ بکے۔

۲ ——— جب اُس کے پاس امانت رکھی جائے، خیانت کرے۔

۳ ——— جب کسی سے وعدہ کرے اس کے خلاف کرے۔

۴ ——— جب معاہدہ کرے تو پھر دھوکہ دے۔

مذکورہ بالا خصلتوں میں سے جس میں ایک بھی ہوگی اس میں منافقت ہوگی۔

سبق : عاقل وُہ ہے جو احکامِ شریعت و آدابِ طریقت کے لیے جدوجہد کرے یہاں تک کہ وہ منافقت سے چھٹکارا پا لے۔

ف : گناہوں کا اعتراف مومن کی میراث ہے جو اُسے آدم علیہ السلام سے نصیب ہُوئی۔ چنانچہ مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اپنی لغزش پر دو سو سال روتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی توبہ قبول فرمائی اور آپ کی لغزش معاف ہوگئی۔

توبہ کی قبولیت کا نسخہ جو چاہے کہ اس کی توبہ یقیناً قبول ہو تو وُہ بوقتِ توبہ بہت روئے اور گڑگڑائے اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے۔

شفیعِ ہر نبی و ولی ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہر نبی علیہ السلام اور ہر ولی کے شفیع ہیں۔ اس لیے آدم علیہ السلام نے حضور علیہ السلام کا نام بطور وسیلہ پیش کیا۔ چنانچہ کہا :

"اَللّٰھی بحق محمّد ان تغفرلی" اے اللہ! حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل مجھے بخش دے۔

اور توبہ کے وقت جمیع مردوزن کے لیے بخشش مانگی۔

ف : استغفار کا معنےٰ یہ ہے کہ بندہ اپنے ربِ کریم سے اپنے گناہوں کی بخشش مانگے۔ اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت کا معنےٰ یہ ہے کہ وُہ اپنے بندے کے گناہ اپنے فضل وکرم سے چُھپا دے اور اس کی غلطیاں بندوں کے سامنے ظاہر نہ کرے اور نہ ہی بندے کا عیب کسی کے سامنے ظاہر ہونے دے۔ توبہ کی قبولیت کے لیے ایک شرط ضروری یہ ہے کہ پختہ عزم کرے کہ آیندہ یہ گناہ نہیں کرے گا۔

مسئلہ : خدانخواستہ اگر اس سے پھر وہی گناہ سہواً یا خطاءً ہو جائے تو معاف ہے۔

حضرت حافظ نے فرمایا : ؎

جائیکہ برق عصیاں بر آدم صفی زد
مارا چگونہ زیبد دعویٰ بیگناہی

تفسیر عالمانہ خُذْ اے پیارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے لیجئے مِنْ اَمْوَالِهِمْ ان لوگوں کے اموال جو جنگ پہ نہیں جا سکے۔ لیکن اب اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے پیش کرتے ہیں صَدَقَةً صدقہ۔ درانحالیکہ آپ تُطَهِّرُهُمْ انکو پاک فرما دیں۔ ان کی وہ بُل وغش جو ان سے جنگ کی غیر حاضری سے ہوئی۔ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا اور ان سے صدقات لے کر اُن کا تزکیہ فرمائیں۔ یعنی اُن کے اموال صدقہ کے طور لے کر اُن کی نیکیاں بڑھائیں اور انھیں مراتب مخلصین تک پہنچائیں۔

واقعہ ستون والوں کا مروی ہے کہ جب ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ستونوں سے چھوڑا تو وہ سیدھے اپنے گھروں کو چلے گئے اور اپنے تمام اموال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور میں لائے اور عرض کی: یہی مال تھے جنہوں نے ہمیں آپ کے ساتھ جنگ پہ جانے سے محروم رکھا، ہم آپ کی خدمتِ اقدس میں لائے ہیں آپ انھیں جس طرح چاہیں خرچ کریں۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں تمہارے ان اموال کو خرچ نہیں کرتا۔ تو یہی آیت نازل ہوئی۔ آپ نے ان کا تہائی مال خرچ کیا تاکہ ان کی توبہ کی تکمیل ہو کر اُن کی جنگ پہ نہ جانے کے گناہ کا کفارہ بن جاتے۔

ف: یہ صدقہ واجب نہیں تھا اس لیے کہ صدقہ واجبہ اس طرح نہیں لیا جاتا۔ جیسے حضور علیہ السلام نے اُن سے لیا۔

ف: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیت کسی واقعہ پہ نہیں اُتری بلکہ یہ جملہ مستانفہ ہے اور زکوٰۃ کی فرضیت کے لیے نازل ہوئی کہ دولت مندوں سے مال لے کر غریبوں اور مسکینوں کو دیا جائے اگرچہ دولت مندوں کا ذکر پہلے نہیں ہوا۔ اس کی نظیر آیت "اِنَّا اَنْزَلْنَاہُ فِی لَیْلَۃِ الْقَدْرِ" (الآیہ) ہے۔

سوال: کم ازکم اس کے لیے کوئی قرینہ تو ہوتا ایسے ہی زکوٰۃ کی فرضیت کیسے ثابت ہوتی ہے؟

جواب: دلالت حال قرینہ ہے اور ایسے مقامات کے لیے اتنا ہی کافی ہوتا ہے۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ دولتمند مسلمانوں سے اموال کی زکوٰۃ لیجئے۔

نکتہ: زکوٰۃ کو اس لیے زکوٰۃ کہا جاتا ہے کہ اس سے بندے کی صداقت فی العبودیۃ کا پتہ چلتا ہے۔

مسئلہ: اکثر فقہاء کرام اس طرف گئے ہیں کہ اگر کوئی زکوٰۃ ادا نہ کرے تو اس سے حاکمِ وقت جبراً لے سکتا ہے اس کی دلیل اُنھوں نے یہی آیت "خذ من اموالھم" پیش کی ہے اور یہی مختار ہے۔

مسئلہ: اشباہ کتاب میں ہے کہ زکوٰۃ جبراً نہ لینی چاہیے۔

مسئلہ: محیط میں ہے کہ جو شخص زکوٰۃ ادا نہ کرے تو اس سے جبراً لینا جائز نہیں۔ اگر جبراً لے گا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی

اس لیے کہ زکوٰۃ دینے والے سے اختیاراً ادا نہیں ہوئی بلکہ جبراً وصول کی گئی ہے البتہ اسے قید کیا جا سکتا ہے تاکہ اس کے بعد وہ اپنے اختیار سے ادا کرے۔

مسئلہ: ہمارے دور میں جو حکام زکوٰۃ و عشر اور جزیہ اور خراج اور دیگر تاوان وغیرہ جبراً وصول کرتے ہیں صحیح تر یہ ہے کہ ان لوگوں سے زکوٰۃ وغیرہ کی فرضیت ساقط ہو جائے گی بشرطیکہ وہ زکوٰۃ وغیرہ دیتے وقت ادائیگی کی نیت کریں۔

مسئلہ: لیکن اس میں صحیح یہی ہے کہ ایسی ادائیگی کے بعد زکوٰۃ وغیرہ دوبارہ ادا کرنی چاہیے۔

وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اور اس پر ان کے لیے خیر و برکت کی دعا و استغفار فرمایئے اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ اس لیے کہ آپ کی خیر و برکت کی دعا سے انھیں تسکین قلبی اور اطمینان نصیب ہوگا۔

ف: سکن مصدر بمعنے مفعول نقص بمعنے منقوص کی طرح ہے وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ اور اللہ تعالیٰ ان کا اعتراف سننے والا عَلِيْمٌ ○ اور ان کی ندامت کو جاننے والا ہے۔

مسئلہ: کافی (کتاب) میں ہے کہ میت کے لیے نماز جنازہ کا ثبوت اس آیت وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ اور حدیث شریف "صلوا علیٰ کل بر و فاجر" "ہر نیک و برے پر نماز پڑھو" سے حاصل ہوا۔

سب سے پہلی نماز جنازہ

مروی ہے کہ جب آدم علیہ السلام کا وصال ہوا تو آپ کے لیے تجہیز و تکفین کے کپڑے اور خوشبو وغیرہ بہشت سے لائی گئی۔ آپ کی تجہیز و تکفین اور نماز وغیرہ کے لیے ملائکہ نازل ہوئے اور آپ کی تغسیل کے فرائض انجام دیے۔ اور تین کپڑوں میں کفنایا اور خوشبو لگائی۔ اور ایک فرشتے نے امام بن کر نماز پڑھائی اور دوسرے فرشتے مقتدی ہوتے۔

ایک روایت میں ہے کہ آدم علیہ السلام کی نماز جنازہ حضرت شیث علیہ السلام نے پڑھائی اور یہ حکم آپ کو جبریل علیہ السلام نے سنایا اور فرمایا کہ اپنے والد ماجد کی نماز جنازہ خود پڑھائیں اور نماز کی تیس تکبیریں کہی گئیں۔ اس کے بعد آدم علیہ السلام کو قبر میں دفنایا گیا اور آپ کی قبر میں لحد بنائی گئی تھی اور ان کی قبر پر نشان کے طور پر چند اینٹیں رکھی گئیں۔

ف: شیث علیہ السلام آدم علیہ السلام کے جانشین مقرر ہوئے۔ جب آدم علیہ السلام کی تجہیز و تکفین و تدفین سے ملائکہ کرام فارغ ہوتے تو شیث علیہ السلام نے فرمایا: اسی طرح اپنی اولاد اور بہن بھائیوں کی تجہیز و تکفین اور تدفین کرنا۔ یہی تمہارا یعنی آدم زادوں کا طریقہ ہے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ غسل میت اور تکفین اور نماز جنازہ اور تدفین و لحد تمام سابقہ شریعتوں کا طریقہ ہے۔

سوال: بعض روایات میں ہے کہ نماز جنازہ امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا خاصہ ہے۔

جواب: چونکہ نماز جنازہ شرائع سابقہ میں سے چلی آ رہی تھی لیکن قریش کو اس کا علم نہ تھا ورنہ وہ بھی اسی طریقہ سے نماز جنازہ پڑھتے، اس لیے انہوں نے جب حضور علیہ السلام سے یہ طریقہ دیکھا تو سمجھ رکھا کہ یہ طریقہ صرف اسی امت کا ہے۔

ف : زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا طریقہ یوں تھا کہ میت کو نہلا دُھلا اور نئے کپڑے پہنا کر چارپائی پر لٹا دیتے۔ پھر میت کے متولی کو حکم ہوتا کہ وہ عام مجلس میں کھڑے ہو کر اس کے اوصاف و محاسن بیان کرے۔ پھر اتنا کہہ دے کہ علیك رحمة الله (تجھ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو) ۔ بعدہٗ اسے دفن کر دیتے ۔

حدیث شریف مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ میں ہجرت کر کے تشریف لائے تو آپ کی آمد سے پہلے براء بن معرور فوت ہو چکے تھے۔ آپ نے ان کی قبر پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مل کر نمازِ جنازہ پڑھائی اور اس میں چار تکبیریں کہیں۔

ف : اس سے ثابت ہُوا کہ نمازِ جنازہ ہجرت کے پہلے سال فرض ہُوئی ۔ ایسے ہی علماءِ کرام سے منقول ہے ۔

مسئلہ : نمازِ جنازہ کی فرضیت کا منکر کافر ہے ۔ (کذا فی القنیہ)

مسائلِ فقہیہ مسئلہ : غسلِ میت سابقہ شرائع کی طرح ہماری شریعت میں بھی فرض ہے۔

مسئلہ : غسلِ میت کی نیت اس لیے نہیں تا کہ میت پر نمازِ جنازہ جائز ہو سکے ، بلکہ مکلفین سے فرضیت کے اسقاط کے لیے ہے کہ ان سے غسلِ میت کی فرضیت ساقط ہو جائے ۔ اس لیے میت کو غسل دینا فرض کفایہ ہے اگر ان میں سے ایک بھی میت کو نہلائے گا تو سب سے فرضیت ساقط ہو جائے گی (اور ثواب صرف نہلانے والے کو ملے گا) اگر کسی نے بھی (میت کو) نہ نہلایا تو سب گنہگار ہوں گے ۔ اس سے معلوم ہُوا کہ میت کے غسل کی نیت غسل دینے والے کے لیے ہے اور وُہ نیت یہ ہے :

" نویت الغسل للّٰہ " (میں نے میت کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے غسل دینے کی نیت کی)

نکتہ : میت کو اس لیے نہلایا جاتا ہے کہ انسان موت کے وقت دُوسرے دموی حیوانات کی طرح نجس ہو جاتا ہے دوسرے حیوانات تو مرنے کے بعد پاک نہیں ہوتے البتہ انسان نہلانے کے بعد پاک ہو جاتا ہے اور یہ صرف انسانی شرافت کی وجہ سے ہے۔

مسئلہ : کوئی انسان اگر پانی میں مرجائے یا مرنے کے بعد پانی میں پڑا ہُوا ملے تو اُسے بھی نہلانا واجب ہے اس لیے کہ میت کے نہلانے کا حکم بنو آدم کو ہے اور وہ پانی میں پائے جانے سے پُورا نہ ہُوا ۔

ف : بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جب میت پر نزع رُوح کی شدت ہوتی ہے تو اس سے اس کے ذکر سے منی خارج[1]

---

[1] شیعہ کی فقہ میں گندگی کا کیا کہنا ۔ انہوں نے لکھ دیا کہ جسم کے کسی حصہ یا مُنہ سے منی نکلتی ہے ۔ حالانکہ مُنہ کا لفظ لکھنا سخت قبیح ہے اس لیے کہ مُنہ سے کلمہ طیبہ پڑھا جانا ضروری ہے ۔

(فافہم ۱۲)

ہوجاتی ہے۔ اس بنا پر اسے نہلانا ضروری ہے جیسے زندہ انسان کے ذکر سے جب منی نکلے تو اسے نہانا واجب ہے۔ (کذا فی اسئلہ الحکم)

صاحبِ روح البیان کی تحقیق صاحبِ رُوح البیان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ مذکورہ بالا حکم ہمارے نزدیک نہایت درجہ کا ضعیف اور ناقابلِ اعتبار ہے اس لیے کہ ذکر سے منی کے خروج کے لیے غسل کے وجوب کی شرط (عند الاحناف) اُس وقت ہے جبکہ شہوت سے ہو اور میّت میں اُس وقت شہوت کہاں۔ البتہ یہ قول ضعیف ہونے کے باوجود امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے کہ اُن کے نزدیک اس شخص پر غسل واجب ہے کہ جس نے سخت بوجھ اٹھایا ہو اور اس کے ذکر سے منی خارج ہُوتی۔

مسئلہ: میّت کے غسل میں شرط یہ ہے کہ وہ مسلمان ہُو اور اس کا بدن سالم یا اکثر باقی ہو۔

مسئلہ: نصف بدن مع سر سالم بدن کے حکم میں ہے۔

مسئلہ: کافر میّت کا غسل ضروری نہیں اور نہ ہی اس مسلمان کے لیے جس کا بدن سر کے بغیر ہو۔

مسئلہ: نہلانے والے کو مغسول میّت کی ہر شے کو دیکھنا بوجہ ضرورت جائز ہے۔

مسئلہ: عورت سفر میں مر جائے اور نہلانے والی کوئی عورت میسّر نہ ہو تو ذی محرم غسل کے بجائے تیمم کرائے۔

مسئلہ: اگر کسی عورت کے لیے نہ عورت میسر ہو اور نہ ذی محرم، تو اجنبی مرد ہاتھ پر کپڑا لپیٹ کر اسے تیمم کرائے۔ اسی طرح مرد سفر میں فوت ہو تو مرد نہلانے والا نہ ملے تو اسے ذی محرم عورت یا اس مرد کی اپنی لونڈی کپڑے کے بغیر تیمم کرا سکتی ہے۔

مسئلہ: اگر نابالغ لیکن مشتہی لڑکا یا لڑکی جن سے شہوت کا اندیشہ نہیں تو بوقتِ ضرورت اجنبی مرد یا عورت کو نہلا سکتے ہیں۔

مسئلہ: قاضی ابو یُوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رضاعی رشتہ دار کو بھی ذی محرم نہلائے۔ لیکن دُوسرے ائمہ نے رضاعت کے ذی محرم کے غسل کو بھی مکروہ بتایا ہے۔

مسئلہ: زوج اپنی زوجہ کو نہیں نہلا سکتا البتہ زوجہ اپنے زوج کو بوقتِ ضرورت نہلا سکتی ہے۔ ہاں اگر موت سے پہلے زوجیت کا سلسلہ کسی وجہ سے منقطع ہو گیا، مثلاً طلاق واقع ہُوئی تو پھر یہ عورت بھی اسے نہیں نہلا سکتی۔

مسئلہ: میّت کو وُہ نہلائے جو رشتہ میں اسے زیادہ قریب ہو۔ یہی مستحب ہے۔ مثلاً باپ بیٹے کو، بیٹا باپ کو وغیرہ وغیرہ[1] اگر قریبی رشتہ دار کو میّت کے نہلانے کے مسائل نہیں آتے تو جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو

---

[1] لیکن افسوس کہ دورِ حاضرہ میں میّت کا نہلانا ایک معیوب فعل شمار ہوتا ہے۔

وہی نہلائے۔
مسئلہ: میت کو ایسی جگہ نہلایا جائے جو باپردہ ہو، جہاں عام لوگوں کی اس پر نگاہ نہ پڑے اور غسل کے وقت غاسل (یعنی نہلانے والا) اور اس کے معاونین کے سوا اور کوئی نہ جائے۔ (کذا فی السیرۃ الحلبیہ)
مسئلہ: جہاں اہلِ اسلام اور کفار کی اموات مختلط ہو جائیں اور ان میں سے مسلمان اور کافر کی تمیز نہ ہو سکے تو اسلامی شعار کو دیکھ کر غسل دیا جائے اور نماز پڑھی جائے ورنہ غسل اور نماز کے بغیر گڑھوں میں پھینکا جائے۔[1]
مسئلہ: اگر کفار و مسلمین کی اموات میں اکثر مسلمان ہوں تو سب کو نہلایا، کفنایا جائے اور نماز پڑھ کر اسلامی ... کے مطابق دفنایا جائے لیکن نمازِ جنازہ اور دعا میں صرف اہلِ اسلام کے لیے ارادہ ہو۔ یہ اس وقت ہے جب اسلام اور کفر کی علامات میں امتیاز نہ ہو سکتا ہو۔
مسئلہ: اگر کفار زیادہ ہوں اور اہلِ اسلام تھوڑے، اور شعارِ اسلام اور علاماتِ کفر کی تمیز بھی نہیں تو سب کو غسل دے کر اور کفن پہنا کر نماز پڑھے (بغیر مشرکین کے) کہ وہ گورستان میں گڑھے کھود کر دبا دیے جائیں۔
مسئلہ: جو بچہ پیدا ہوتے ہی آواز نکال کر مر گیا تو اُسے نہلا کر نام رکھ کر اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے۔
مسئلہ: اگر بچہ مردہ حالت میں پیدا ہوا تو مختار یہ ہے کہ اُسے ایک کپڑے میں لپیٹ کر دفنایا جائے اس پر نماز نہ پڑھی جائے۔
مسئلہ: اگر کسی مسلمان کا قریبی رشتہ دار مر جائے تو اسے نجاست کی طرح دھو کر کپڑا لپیٹ کر گڑھے میں پھینک کر اُوپر مٹی ڈال دی جائے یا اس کے ہم مذہب کافر کے سپرد کر دیا جائے۔
مسئلہ: قہستانی میں لکھا ہے کہ کافر کو کسی طرح نہلانا جائز نہیں۔ ہاں غیر حربی کافر کا مسلمان رشتہ دار کو نہلانا مباح ہے۔ (کذا فی الجلالی)
مسئلہ: شہید شرعی کو نہ نہلایا جائے۔
مسئلہ: اگر شہید شرعی کے لیے جنبی ہونا معلوم ہو تو اسے نہلانا چاہیے۔ یہی امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب ہے، صاحبین رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس کے خلاف ہیں۔
مسئلہ: عورت کا حیض و نفاس ختم ہوا ابھی اس نے غسل نہ کیا تھا تو شہید ہوئی تو امام صاحب کے نزدیک نہلانا چاہیے اور صاحبین کے نزدیک نہیں۔ (اگر ابھی عورت حیض و نفاس کے ایام میں تھی تو شہید ہو گئی، تو صحیح تر یہ ہے کہ اُسے نہلانا چاہیے)

---

[1] اس لیے اسلامی شعار داڑھی رکھنا اور اسلامی لباس کے لیے اسلام نے تلقین کی ہے لیکن افسوس کہ آجکل اُلٹا ان کا مذاق اڑاتے ہیں۔

مسئلہ : اگر معرکۂ جنگ میں قتل کے بغیر مر گیا تو اسے نہلانا چاہیے۔
مسئلہ : رجم یا قصاص یا تعزیر کی سزا سے مر گیا یا درندے کے حملے یا دیوار وغیرہ کے گر ... یا پانی میں ڈوب کر یا کسی دوسرے حادثے وغیرہ سے مرا تو بلا خلاف نہلانا چاہیے۔ یہ ایسے ہیں جیسے کوئی بغاوت کرتا ہوا یا ڈاکہ زنی کرتا ہوا مارا گیا۔ تو ایک روایت میں اسے نہلانا چاہیے۔ لیکن باغی اور ڈاکو کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی جائے۔ یہی ظاہر الروایۃ میں ہے۔
مسئلہ : سُولی پر لٹکانے سے مر گیا، تو اس کے متعلق امام ابُوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی دو روایتیں ہیں :
۔۔۔ جس نے اپنے آپ کو خطاءً قتل کر دیا تو بلا خلاف اس کی نمازِ جنازہ پڑھنی چاہیے۔ خطاءً قتل کرنے کا یہ مطلب ہے کہ اس نے کسی شئے کو مارنا چاہا تو بجائے اس شئے کے خود مارا گیا۔
۔۔۔ اگر عمداً خودکشی کر لی تو زجراً صحیح تر یہ ہے کہ اس کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی جائے۔ (اگر پڑھی جائے تو حرج بھی نہیں) اس لیے کہ اُسے توبہ کا موقع نہ ملا تو پھر اس کے لیے شفاعت کیسی ! نمازِ جنازہ بھی ایک شفاعت ہے۔
مسئلہ : میّت کی نمازِ جنازہ فرض کفایہ ہے (عند عامۃ الفقہاء) اس کا وقت وہی ہے کہ جب جنازہ تیار ہو جائے یہی وجہ ہے کہ اسے مغرب کی نمازِ فرض کے بعد فوراً ادا کیا جائے۔ مغرب کی سُنتیں بھی بعد کو پڑھی جائیں۔ (کذا فی الخزانۃ)

حدیث شریف : نمازِ جنازہ پڑھنے میں عجلت کرو۔
تنبیہ : بعض لوگ نمازِ جنازہ میں اپنی مصلحات کی بناء پر بہت دیر کرتے ہیں۔ علماءِ کرام کے نزدیک یہ بہت قبیح امر ہے یہاں تک کہ اہلِ مکّہ کی اس عادت کو علماءِ کرام نے غفلت سے تعبیر کیا، جبکہ ان کا طریقہ تھا کہ وہ اکثر نمازِ جنازہ ظہر کے وقت لاتے یا صبح کی نماز کے وقت۔ اس خیال پر کہ اس وقت نمازیوں کی کثرت ہوگی حالانکہ میّت کو فوت ہوئے بہت وقت گزر جاتا۔ صرف انہی اوقات میں میّت کو لا کر باب الکعبہ کے سامنے رکھ دیتے۔ پھر نمازِ ظہر یا صبح کے بعد نمازِ جنازہ پڑھتے (کذا فی المقاصد الحسنہ) صاحبِ رُوح البیان نے فرمایا : یہ غفلت عموماً اکثر لوگوں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمائے۔ آج تو غفلت کچھ اور بڑھ گئی ہے۔
مسئلہ : شدید ضرورت ہو تو طلوعِ شمس اور دوپہر کے وقت اور بوقتِ غروب نمازِ جنازہ بلا کراہت پڑھی جا سکتی ہے۔
مسئلہ : اگر ان اوقات سے پہلے جنازہ لایا گیا تو اُن اوقات کے گزرنے کے بعد نماز پڑھنی چاہیے۔
مسئلہ : امام جنازہ کو میّت کے سینہ کے بالمقابل کھڑا ہونا چاہیے اس لیے کہ یہی سینہ علم اور نورِ ایمان کی جگہ ہے۔ پہلی تکبیر کہہ کر امام و مقتدی اور منفرد سب کے سب ثناء یعنی سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَجَلَّ ثَنَاءُكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ پڑھیں۔
ف : احادیثِ مشہورہ میں تَبَارَكَ اسْمُكَ وَجَلَّ ثَنَاءُكَ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فرض نمازوں میں وجلّ ثناءک

نہیں پڑھا جاتا۔ ہاں نوافل میں اس کا اضافہ جائز ہے اس لیے کہ نوافل میں وسعت رکھی گئی ہے اور فرائض ایسے اضافات کے متحمل نہیں۔ حلبی نے فرمایا: نمازِ جنازہ میں اس کا اضافہ اولیٰ ہے۔

مسئلہ: جنازہ میں دوسری تکبیر کے بعد درود شریف پڑھے۔

ف: جلابی کتاب میں ہے کہ جنازہ میں ہر درود شریف پڑھنا جائز ہے یا وہ درود شریف پڑھے جو فرض نمازوں میں پڑھا جاتا ہے یعنی درود ابراہیمی مصنفی (کتاب) میں ہے کہ درود ابراہیمی شریف یہ ہے: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ، اللّٰھم بارک علٰی محمد وعلٰی آل محمد کما بارکت علٰی ابراھیم وعلٰی آلِ ابراھیم انّکَ حمیدٌ مجید۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یا اللہ! اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر کامل صلوٰۃ بھیج جیسا کہ اس کے اطلاق سے معلوم ہوتا ہے۔ وعلٰی آل محمد عطف الجملہ علی الجملہ کے قبیل سے ہے یعنی جس طرح آل ابراہیم پر درود ہے۔ ایسے ہی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پر بھی درود ہو۔ اس تقریر سے وہ اشکال رفع ہوگیا جو عام مشہور ہے کہ درود ابراہیمی میں حضور علیہ السلام مشبہ اور ابراہیم علیہ السلام مشبہ بہ ہیں اور قاعدہ ہے کہ مشبہ بہ مشبہ سے اقوی اور افضل ہوتا ہے حالانکہ حضور علیہ السلام سے ابراہیم اقوی افضل نہیں ہمارے مذکورہ ترجمہ پر اشکال مذکور وارد نہیں ہوتا۔[1] (کذا فی القہستانی)

مسئلہ: تیسری تکبیر کہہ کر "میت کے ساتھ تمام اہل اسلام واہلِ ایمان مُردہ اور زندہ کے لیے دُعا مانگے اور وہ دُعا مسنون یہ ہے: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا وَشَاھِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِیْرِنَا وَکَبِیْرِنَا وَذَکَرِنَا وَاُنْثَانَا اَللّٰھُمَّ مَنْ اَحْیَیْتَہٗ مِنَّا فَاَحْیِہٖ عَلَی الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّیْتَہٗ مِنَّا فَتَوَفَّہٗ عَلَی الْاِیْمَانِ۔

مسئلہ: میت کے لیے خصوصیت سے رحمت ومغفرت اور روضہ ورضوان کی دُعا مانگے اور یوں کہے[2]: اَللّٰھُمَّ اِنْ کَانَ مُحْسِنًا فَزِدْ فِیْ اِحْسَانِہٖ وان کان شیئًا فتجاوز عنہ برحمتك یا ارحم الرّاحمین۔ (کذا فی عیون الحقائق)

مسئلہ: غیر بالغ لڑکے اور مجنون کے لیے استغفار نہیں کی جاتی اس لیے کہ وہ گناہوں سے مرفوع القلم ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان کے لیے یہ دُعا پڑھی جاتی ہے: اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ لَنَا فَرَطًا وَّاجْعَلْہُ لَنَا اَجْرًا وَّذُخْرًا وَّاجْعَلْہُ لَنَا شَافِعًا وَّمُشَفَّعًا۔

---

[1] اس کے اور جوابات بھی ہیں جو ہم نے تفسیر اویسی میں لکھ دیے ہیں۔ ۱۲

[2] صاحبِ رُوح البیان نے یہ تصریح نہیں کی کہ یہ دُعا جنازہ سے فراغت کے بعد مانگے یا نماز کے اندر۔ اہلسنت کے نزدیک فراغت کے بعد صفیں توڑ کر دُعا مانگنا مستحب ہے۔ یہی دیوبندیوں کے مفتی کفایت اللہ دہلوی "دلیل الخیرات" کتاب میں لکھ گئے ہیں۔ لیکن جہاں دیوبندی اور غیر مقلدین اسے ناجائز اور حرام کہتے ہیں۔ اس کی تحقیق فقیر کے رسالہ "نماز جنازہ کے بعد دُعا کا ثبوت" پڑھیے۔ ۱۲ اویسی غفرلہٗ

ف : غیر بالغہ لڑکی کے لیے مذکورہ بالا دُعا میں صرف ضمیر اور صیغہ کا فرق کرنا پڑے گا۔ مثلاً اَللّٰھُمَّ اجْعَلْھَا لَنَا فَرَطًا وَّ اجْعَلْھَا لَنَا اَجْرًا وَّ ذُخْرًا وَّ اجْعَلْھَا لَنَا شَافِعَةً وَّ مُشَفَّعَةً۔

ف : مُشَفَّعَة بمعنے مقبول الشفاعۃ۔

مسئلہ : جو بیچارہ مذکورہ دُعائیں نہیں یاد کر سکا تو وہ یہ دُعا پڑھے : اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ لِجَمِیْعِ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِرَحْمَتِکَ یَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ اور صدیق اکبر و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مروی ہے کہ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفن مبارک پہنا کر منگل کے دن قبرِ انور کے قریب لایا گیا تو صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مع چند صحابہ مہاجرین و انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ساتھ لے کر حجرۂ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں حاضر ہوئے۔ یعنی جب آپ کی بیعت پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اتفاق ہو گیا اور آپ کی خلافت سب نے تسلیم کر لی تو آپ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ کے لیے حاضری دی اور حسبِ حکم شرع نمازِ جنازہ کی چار تکبیریں کہیں اور آخری دُعا معروفہ کے بجائے یہ الفاظ پڑھے :

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَشْھَدُ اَنَّہٗ صلی اللہ علیہ وسلم قَدْ بَلَّغَ مَا اُنْزِلَ اِلَیْہِ وَنَصَحَ لِاُمَّتِہٖ وَجَاھَدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ حَتّٰی اَعَزَّ اللّٰہُ دِیْنَہٗ وَتَمَّتْ کَلِمَتُہٗ فَاجْعَلْنَا اِلٰھَنَا مِمَّنْ تَبِعَ الْقَوْلَ الَّذِیْ اُنْزِلَ مَعَہٗ وَاجْمَعْ بَیْنَنَا وَبَیْنَہٗ حَتّٰی تُعَرِّفَہٗ بِنَا وَتُعَرِّفَنَا بِہٖ فَاِنَّہٗ کَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفًا رَّحِیْمًا لَا نَبْتَغِیْ بِالْاِیْمَانِ بِہٖ بَدَلًا وَّلَا نَشْتَرِیْ بِہٖ ثَمَنًا اَبَدًا[1]

ترجمہ : یا اللہ ! ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہمارے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرے جملہ احکام ہم تک پہنچائے اور اپنی اُمت کو ہر طرح کی بھلائی کی تلقین فرمائی اور جہاد فی سبیل اللہ کا حق ادا کیا یہاں تک کہ تُو نے اُن کے دین کو غلبہ دیا اور ان کے کلمہ اسلام کو مکمل فرمایا۔ اے اللہ تعالیٰ ! ہمیں ان لوگوں سے بنا جو ان کے جملہ احکام کی تابعداری کرنے والے ہیں۔ اور ہمیں قیامت میں اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ملا کر انھیں ہمارے پہچاننے اور ہمیں ان کو پہچاننے کی توفیق بخش اس لیے کہ وہ اہلِ ایمان کے ساتھ بہت بڑے مہربان اور رحیم تھے۔ ہم ان پر ایمان لانے کا

---

[1] شیعہ کہتے ہیں کہ خلیفۂ اوّل کی طرح دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور علیہ السلام کی نمازِ جنازہ میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ یہ ان کی بہتان تراشی ہے ورنہ ہماری کتابوں کے علاوہ اُن کی مذہبی اور مشہور کتاب "اصولِ کافی" میں تصریح موجود ہے کہ جملہ صحابہ مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم نے حضور علیہ السلام کی نمازِ جنازہ پڑھی۔ تفصیل فقیر کی کتاب "سداد الزندیق عن مطاعن الصدیق" میں ہے۔

نہ تجھ سے بدلہ لیتے ہیں اور نہ ہی اس سے کچھ دنیوی مفاد چاہتے ہیں۔

نکتہ: صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عام جنازہ کی دُعا چھوڑ کر دُعا مذکورہ کیوں پڑھی۔ اس میں وہی راز ہے جو اللہ تعالیٰ نے صرف اہلسنت کو نصیب فرمایا ہے کہ حضور علیہ السلام کا ہر معاملہ عند اللہ وعند العشاق جُداگانہ حیثیت رکھتا ہے۔ اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نمازِ جنازہ پڑھنے سے پہلے مشورہ کیا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز میں کون سی دُعا پڑھی جائے۔ مشورہ کے بعد طے پایا کہ عام دُعا کے بجائے دعا مذکور پڑھی جائے۔[1]

مسئلہ: میت کی دُعاءِ جنازہ پڑھنے کے بعد چوتھی تکبیر کہہ کر سلام پھیر دیں اور سلام دونوں طرف پھیرنا چاہیے۔ لیکن میّت کے سوا جملہ حاضر کے لیے (السلام علیکم میں) سلام کی نیت کریں۔

مسئلہ: ہر دُوسری تکبیر پہلی تکبیر کی بہ نسبت آہستہ آواز میں ہو یہی سنّت ہے۔

مسئلہ: چوتھی تکبیر کہہ کر ہاتھ چھوڑ دے۔ اس کے بعد اور کوئی ذکر نہیں۔

مسئلہ: نمازِ جنازہ کے ارکان صرف چار تکبیریں ہیں۔ ثناء، درود شریف اور دُعا (السلام علیکم کہنا) سنت ہیں۔ (کذا فی الجلابی)

مسئلہ: نمازِ جنازہ میں صرف پہلی تکبیر میں ہاتھ کانوں تک اُٹھائے۔ اس لیے کہ اس کے بعد کی تکبیروں میں ذکر مشروع موجود ہے۔ جب چوتھی تکبیر کہے گا اُسے معلوم ہوگا کہ اس کے بعد نماز ختم ہے۔

مسئلہ: الاشباہ میں ہے اگر نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ، ثناء و دُعا کی نیت سے پڑھے تو بلا کراہت جائز ہے اگر قرأت کی نیت سے پڑھے تو نماز مکروہ ہوگی۔

مسئلہ: کسی سے چند تکبیراتِ نمازِ جنازہ رہ گئی ہوں تو وہ امام صاحب کے سلام پھیرنے سے پہلے کہہ لے۔

مسئلہ: جو شخص چوتھی تکبیر کے بعد نمازِ جنازہ میں شریک ہُوا تو وہ تکبیریں نہ کہے اس لیے کہ اب اس سے نماز فوت ہوگئی۔ یہ امام اُبوحنیفہ و امام محمد رحمہما اللہ کا قول ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسے اس وقت ایک تکبیر کہہ لینی چاہیے۔ باقی تین تکبیریں امام کے سلام پھیرنے کے بعد کہے۔

مسئلہ: اگر ایک سے زائد جنائز ہوں تو سب پر ایک نمازِ جنازہ کافی ہے۔ (کذا فی المحیط)

مسئلہ: اگر بالغ و نابالغ جمع ہوں تو سب کے لیے ایک نمازِ جنازہ کافی ہے۔ لیکن دُعا بالغوں والی پڑھی جائے۔ (کذا فی المضمرات)

سوال: جنازہ میں رکوع وسجود کیوں جائز نہیں حالانکہ یہ بھی تو نماز ہے۔

---

[1] اس سے وہابیہ، دیوبندیہ، نجدیہ کے لیے عبرت کا موقعہ ہے، اگر نصیب ہو تو ورنہ....

جواب ۱: یہ لفظاً نماز ہے لیکن درحقیقت یہ دُعا و استغفار اور میت کے لیے سفارش کی صورت ہے اور رکوع و سجود تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اگرچہ سجدۂ تعظیمی سابقہ اُمم کے لیے جائز تھا لیکن ہمیں غیر اللہ سے ہر طرح کے رکوع و سجود سے روکا گیا ہے [۱]

جواب ۲: چونکہ میت نماز کے وقت نمازیوں کے سامنے ہوتی ہے اور وہ نمازیوں اور اللہ تعالیٰ (کی تجلیات) کے درمیان حائل ہے۔ اگر اس وقت رکوع و سجود کا حکم ہو تو جہال اور دیگر اعدائے اسلام سمجھیں گے کہ بہ غیر خدا کو سجدہ ہو رہا ہے جیسے شیطان کو دھوکہ لگا جب ملائکہ نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا تو شیطان نے جہل و حسد سے سمجھا کہ شاید آدم علیہ السلام کو ہوگا اس لیے اس وقت وہ سجدے سے انکار کر گیا حالانکہ اس سے قبل وہ بہت بڑا ساجد و عابد تھا۔ اس طرح سے وہ حقیقی مسجود لہ سے محجوب و محروم ہو گیا حالانکہ ظاہر ہے کہ اس وقت بھی حقیقی مسجود اللہ تعالیٰ ہی تھا، اگرچہ بظاہر آدم علیہ السلام درمیان میں بمنزلہ محراب کے تھے۔ حضرت عارف جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

اے آنکہ بقبلۂ بتاں روست ترا
بر مغز چرا حجاب شد پوست ترا
دل در پئے ایں و آں نہ نیکو ست ترا
یک دل داری بست یک دوست ترا

کسی دوسرے شاعر نے کہا: ؎

ازاں محراب ابرو رو مگرداں
اگر در مسجدے ور در خرابات

مسئلہ: نماز جنازہ میں تین صفیں مستحب ہیں۔

حدیث شریف: جس مسلمان میت کے جنازہ پر تین صفیں نماز کے لیے ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے۔
طبرانی شریف میں چالیس سے سو عدد کا لفظ ہے۔ مسلم شریف میں بھی عدد کی تصریح موجود ہے۔ چنانچہ اس میں ہے کہ جس مسلمان میت پر چالیس بندگانِ خدا نماز پڑھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس میت کے حق میں اُن کی شفاعت قبول فرما لیتا ہے۔

نکتہ: تین صفوں کا راز یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں: یا اللہ! ہم تیرے حضور میں تین صفیں بنا کر

---

[۱] وُہ جاہل ہیں جو سجدہ تعظیمی کے قائل ہیں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے اس موضوع پہ ایک کتاب لکھی ہے "الزبدۃ الزکیہ فی تحریم سجود التحیۃ" ۱۲

تیرے اِس بندے کی بخشش کا سوال کرنے آئے ہیں۔ ہمیں اپنے فضل وکرم سے خائب وخاسر نہ لوٹانا۔

نکتہ ومسئلہ مسجد کی طرف جاتے ہُوئے چھوٹے چھوٹے قدم بڑھانے کی بھی یہی حکمت ہے کہ اس سے جتنے قدم بڑھیں گے ہر قدم پر نیکی ملے گی اور گناہ معاف اور درجات بلند ہوں گے اور یہ مستحب اور رحمتِ ربانی سے پُرامید ہونے کے باب سے ہے۔

مسئلہ: میّت کی نمازِ جنازہ کی تینوں صفوں کا ثواب برابر ہے۔ اس میں کسی صف کی ترجیح اور افضلیت کا مسئلہ نہیں اس لیے کہ بندوں کو میّت سے تھوڑا دُور ہٹ کے کھڑے ہونے کا حکم ہے اور وہ اس میں برابر ہیں۔ لیکن حلبی نے فرمایا نمازِ جنازہ کی پچھلی صف میں کھڑا ہونا افضل ہے بخلاف دوسری نمازوں کے کہ ان میں پہلی صف میں کھڑا ہونا فضیلت رکھتا ہے اس لیے کہ پہلی صف والے امام کے کوائف سے زیادہ علم رکھتے ہُوئے جلد تر اتباع کریں گے بخلاف پچھلی صف والوں کے کہ ان میں پہلی صف والوں کے بعد معلوم ہوگا اور نماز میں متابعتِ امام ملحوظ ہوتی ہے اور جنازہ میں دُعا ہے اور وہ اس میں سب برابر ہیں۔

فائدہ اور حدیث شریف حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اوّل صف سے مراد وہ لوگ ہیں جو نماز کے لیے سب سے پہلے حاضر ہُوئے خواہ بوقتِ ادائیگی مسجد کے کسی گوشہ میں اُنھیں جگہ ملے۔ (کذا فی خالصۃ الحقائق)

نکتہ در لفظِ چہلم حدیث شریف میں چالیس آدمیوں کی قید میں بھی یہی راز ہے کہ جہاں چالیس مسلمان ہوتے ہیں، اُن میں ایک ولی اللہ ضرور ہوتا ہے (کذا فی اسئلۃ الحکم)

خلاصہ یہ کہ میّت کو دو امروں سے ہی شفاعت نصیب ہوتی ہے۔ اُس کی نماز جنازہ میں تین صفیں ہوں یا چالیس افراد۔ (کذا فی فتح القریب) مستحب نمازِ جنازہ میں یہی ہے کہ صفیں تین ہوں۔ افراد چالیس سے کم ہوں یا زائد۔

ردِّ نجدیہ وہابیہ در مسائل شرعیہ اہلسنّت کا مذہب ہے کہ میّت کو ہماری دُعا اور استغفار فائدہ بخشتی ہے اور ہم ان کی ارواح کو جتنا ثواب بخشتے ہیں انھیں پہنچتا ہے۔ بدنی عبادتوں کا ثواب ہو یا مالی کا، مثلاً ان کے لیے صدقہ دینا یا اُن کے لیے غلام آزاد کرنا یا نماز پڑھ کر یا روزہ رکھ کر یا حج کرکے یا قرآن پڑھ کر ان کو ثواب بخشا جائے تو مُردگاں کو پہنچتا ہے[1]

مسئلہ: اہلِ اسلام کا اتفاق ہے کہ میّت کا قرض ادا کر دیا جائے تو اس کے ذمہ سے قرض اُتر جائے گا، بلکہ

---

[1] لفظاً نجدیہ وہابیہ مذکورہ بالا امور کے قائل ہیں لیکن، اگر، چونکہ، چنانچہ وغیرہ سے ایسے روڑے اٹکاتے ہیں جن سے نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ یہ وہابی نجدی وہی پُرانے معتزلی خارجی ہیں۔

اس طرح سے اسے قبر میں فائدہ بھی ہوگا۔ خواہ غیر انسان اس کا قرض اتار دے یا اس کے ترکہ سے اتارا جائے۔

مسئلہ: اہلِ اسلام کا اتفاق ہے کہ اگر زندہ آدمی کے کسی مُردے پر حقوق ہوں اور وہ اُس کی موت کے بعد اسے معاف کردے تو مُردہ سے اُس زندہ کے حقوق ساقط ہوجائیں گے جیسے زندہ آدمی کو اس کی زندگی میں معاف کرنے سے معافی ہوجاتی ہے ایسے ہی مُردے کو بھی معافی ہوجاتی ہے۔

مسئلہ: ابن الملک نے فرمایا کہ اگر کوئی انسان اپنی نماز اور صدقہ کا ثواب کسی مُردے کو بخشے تو جائز ہے اور وہ ثواب اُس مُردے کو فائدہ پہنچائے گا۔ (خلافاً للمعتزلہ) (صراحۃً وللوھابیۃ والنجدیہ والدیوبندیہ عملاً وکنایۃً) معتزلہ کہتے ہیں کہ ثواب سے مراد بہشت ہے اور وہ بندے کا کام نہیں کہ نماز روزے و دیگر عبادات صدقات کسی مُردے کو پہنچا کر اسے بہشت کا مالک بنا دے اس لیے کہ اسے اس کی قدرت نہیں اس کی قدرت صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔

اہلسنت کا استدلال

اہلسنت ایصالِ ثواب کا استدلال اس حدیث شریف سے کرتے ہیں کہ "حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے وقت دو مینڈھے چتکبرے ذبح کر کے فرمایا ایک میرے لیے، دوسرا میری تمام اُمت کے مسلمانوں کے لیے۔ اگر شرعاً مُردہ کو کسی قسم کا فائدہ نہ پہنچتا تو حضور علیہ السلام اپنی تمام امت کا نہ فرماتے جس میں اہلِ اموات بھی شامل ہیں اور شارع علیہ السلام کے اجرائے شریعت پر کسی کو اعتراض کی گنجائش نہیں۔

ف: عبادت کئی قسم ہے:

۱۔۔۔ خالص بدنی، جیسے نماز۔ اس میں تو نیابت جائز نہیں یعنی ایسے ہو کہ اپنی فرضی نماز کے بجائے کسی دیگر کو اس کی ادائیگی کا حکم دے یا کوئی دُوسرا اس کی طرف سے پڑھ لے (البتہ نوافل کا ثواب ایک دوسرے کو دیا جا سکتا ہے) اس لیے کہ اس عبادت بدنی میں امارہ نفس کو تکلیف دینا مطلوب ہے اور وہ جب تک خود نہ پڑھے گا مقصد حاصل نہ ہو سکے گا۔

۲۔۔۔ عبادت خالص مالی، جیسے زکوٰۃ۔ اس میں نیابت جائز ہے۔ اس کی طرف سے اگر کوئی دُوسرا زکوٰۃ ادا کر دے تو فرضیت ساقط ہوجائے گی، اس لیے کہ اس میں غرض ہے۔ غریب مسکین کو مالک بنانا اور وہ حاصل ہوگیا۔

مسئلہ: میّت کی طرف سے زکوٰۃ ادا کرنی ہے تو اس نے مرتے وقت وصیت کی ہو تو اس کے ترکہ سے تہائی مال تک ادائیگی ضروری ہے۔ اگر وصیت نہ کی ہو تو وُرثا کو ادا کرنا مستحب ہے۔

۳۔۔۔ بدنی اور مالی سے مرکب، جیسے حج۔ یہ ایک اعتبار سے بدنی عبادت ہے، بنا بریں نیابت ناجائز ہے

لیکن دُوسرے اعتبار سے مالی عبادت ہے اس لیے نیابت جائز۔ لیکن جبکہ سخت مجبوری ہو کہ اس کی ادائیگی بوجہ بڑھاپا، شدید دائمی بیماری نہ ہو سکتی ہو تو اس کی طرف سے دُوسرا آدمی حج کر سکتا ہے۔ لیکن حج فرض کے لیے ہے اگر نفلی ہو تو مجبوری، نہ ہو تب بھی اُس کی طرف سے دُوسرا آدمی حج پڑھ سکتا ہے اس لیے کہ نوافل میں وسعت رکھی گئی ہے۔

مسئلہ: فوائد الفتاوی میں ہے کہ افضل یہ ہے کہ بعد بلوغ اپنی تمام عمر کی نمازوں کے لیے اسقاط کی وصیت کرے اگرچہ زندگی بھر نماز پڑھتا رہا ہو، کیونکہ اسے کیا خبر کہ اس نے صحیح طور پڑھی یا فاسد کر کے۔

مسئلہ: اگر کوئی اپنے کسی تعلق والے کو وصیت کرے کہ میرے مرنے کے بعد میری نمازوں کا کفارہ (اسقاط وغیرہ) کر دینا تو ایسی وصیت جائز ہے۔ اگر اس کے اپنے مال سے ادا کرنا مطلوب ہے تو تہائی مال تک اسقاط (کفارہ) ادا کر سکتے ہیں۔

مسائلِ اسقاط

مسئلہ: ہر فرض نماز کا فدیہ (اسقاط) گندم کا نصف صاع۔ اسی طرح نذر کے روزوں میں ایک روزہ پر نصف صاع گندم دینی ہو گی۔

مسئلہ: میت پر روزہ فرض تھا تو اس کے لیے اس کا متولی یا کوئی اور کفارہ کے لیے روزہ نہ رکھے اور نہ ہی اس کی طرف سے نماز پڑھے بلکہ اس کے لیے اسقاط (کفارہ، فدیہ مالی) دینا ہو گا۔

حدیث شریف: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میت کی طرف سے نہ روزہ رکھا جائے نہ نماز پڑھی جائے۔

مسئلہ: قہستانی نے کہا کہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ نماز کے لیے کوئی اسقاط (کفارہ، فدیہ) وغیرہ نہ ہو۔ یہی بلخی کا مذہب ہے (کذا فی قاضی خاں) لیکن استحسان کا تقاضا ہے کہ نماز کا بھی اسقاط (کفارہ، فدیہ) ہو۔

مسئلہ: روزے کی اسقاط کے لیے نص قرآنی موجود ہے (کما قال تعالیٰ وعلی الذین یطیقونہٗ الخ)

پھر چونکہ نماز روزے سے افضل ہے بنا بریں جب مفضول میں اسقاط جائز ہے تو افضل عبادت میں بطریق اولیٰ جائز ہو اسی لیے امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: و یجزی بہما انشاء اللہ تعالیٰ۔

مسئلہ: اسقاط کا مال دفن سے پہلے ادا کرنا چاہیے۔ اگر دفن کے بعد ادا کیا جائے تب بھی جائز ہے۔

حیلۂ اسقاط اور ردّ وہابیہ و دیوبندیہ

اگر کوئی شخص اپنی طرف سے اپنے ماں باپ یا کسی عزیز کا اسقاط (کفارہ، فدیہ) ادا کرنا چاہتا ہے اور خود غریب اور مسکین ہے تو اس کے لیے جائز ہے کہ حسبِ استطاعت اپنی ملکیت سے کچھ گندم یا نقد وغیرہ لے کر کسی فقیر مسکین کو ہبہ کرے۔ وہ کسی اور کو وہ کسی دوسرے کو۔ اسی طرح دَور کے طور ایک دُوسرے کو مالک بناتے جائیں یہاں تک کہ روزے نماز کا (کفارہ، فدیہ) اسقاط ادا ہو جائے[۱]

[۱] (بر صفحہ آئندہ)

مسئلہ: ہر میت کا اسقاط دیتے وقت اس کی زندگی کے مرد کے بارہ اور عورت کے نو سال کے حساب سے نفی کر لیے جائیں۔ اس لیے کہ ان کے بالغ ہونے کی ادنیٰ مدت وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔ چنانچہ وقایہ (فقہ کی کتاب) میں مدت مذکورہ بالا تحریر فرمائی ہے۔

مسئلہ: نماز میں طعام کا اعتبار ہے۔ مساکین کی گنتی معتبر نہیں یہاں تک کہ اگر ایک مسکین کو ایک دن میں نصف صاع سے زاید گندم نماز کے کفارہ میں دے دے تو جائز ہے۔ روزے اور ظہار کے کفارہ میں اس طرح ناجائز ہے اس لیے کہ ان میں مسکینوں اور غریبوں کی گنتی معتبر ہے کہ انھیں گن کر کفارہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ (کذا فی شرح النقایہ)

مسئلہ: غیر مقروض فقیر کو بمقدار نصاب یا اس سے زائد مال دے دینا مکروہ ہے اس لیے کہ اتنا مال دولت دے دینے سے تو وہ بھی غنی دولت مند بن گیا، وہ فقیر نہ رہا، حالانکہ یہ مال فقراء کا حق ہے۔ ہاں اگر وہ قرضدار یا صاحب عیال ہو تو اسے نصاب یا اس سے کچھ زاید مال دینا مکروہ نہیں اس لیے کہ بوجہ قرض وعیالداری اسے دولتمندی کی حیثیت حاصل نہیں ہو سکے گی۔

تفسیر عالمانہ اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا یہ استفہام تقریری ہے یعنی ان تائبین کو معلوم نہیں یعنی انھیں یقین ہے کہ اَنَّ اللّٰہَ ھُوَ یَقْبَلُ التَّوْبَۃَ بیشک اللہ تعالیٰ سچی اور خالص توبہ قبول کر لیتا ہے عَنْ عِبَادِہٖ اپنے مخلص بندوں کی، اور ان کے گناہوں سے درگزر فرماتا ہے۔

سوال: تم نے گناہوں سے درگزر کرنے کا معنیٰ کہاں سے نکالا ہے؟

جواب: آیت میں لفظ عن سے معلوم ہوا۔

ف: حدادی نے فرمایا کہ قبول توبہ کا معنیٰ ہے کہ توبہ پر اپنے بندہ کو اپنے فضل وکرم سے لازماً ثواب عنایت فرماتا ہے۔

وَیَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ اور صدقات لیتا ہے خواہ توبہ کرنے والے کفارہ کے طور صدقہ دیں یا ان کے غیر ثواب کے طور صدقہ کریں۔

ف: یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اپنا نام لے کر اپنے محبوب علیہ السلام یا آپ کے خلفاء مراد لیے ہیں، اس لیے کہ ان کا صدقات وصول کرنا اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا۔ اس معنے پر مجازاً صدقہ وصول کرنے والے وہ ہوں گے اور حقیقی لینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) لہ دورِ حاضرہ کے معتزلہ یعنی دیوبندی وہابی اس حیلہ اسقاط کے منکر ہیں ان کے لیے تفسیر ہذا کا حوالہ ہی کافی ہے مزید تحقیق فقیر کے رسالہ "الاقساط فی الاسقاط" میں دیکھئے۔

نوٹ: اہلسنت جہلاء بھی غلط حیلہ اسقاط کرتے ہیں جس پر ہمارے علماء اہلسنت بھی چشم پوشی کرتے ہیں، یہ ان کی غلطی ہے ۱۲۔ (اویسی)

ف : بیضاوی شریف میں ہے قبول سے مراد یہ ہے کہ جو کچھ اُن سے لیتا ہے اُن سے راضی ہو کر لیتا ہے ۔ یہ استعارہ تبعیہ ہے اس لیے کہ حقیقی طور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم صدقات وصول کرنے والے تھے نہ کہ وہ جسے وصولی کے لیے بھیجا جاتا تھا ۔

ف : صدقات صدقہ کی جمع ہے ۔ اس کا اطلاق صدقہ واجبہ اور نافلہ دونوں پر ہوتا ہے لیکن عوام صرف جانوروں کو صدقاتِ واجبہ کہتے ہیں اور غلّہ وغیرہ سے جو صدقہ دیا جائے اُسے عُشر سے تعبیر کرتے ہیں اور نقد صدقات واجبہ کو زکوٰۃ کہا جاتا ہے ۔ (کذا فی فتح القریب)

وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَالتَّوَّابُ اور بے شک اللہ تعالیٰ تائب سے تجاوز کرتا ہے ۔ یعنی توبہ کے بعد اُلٹا اُس مُجرم کو انعامات سے نوازتا ہے بشرطیکہ بندہ بھی طاعات پر التزام کرے ۔

تفسیر صُوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے توّاب بمعنے اپنے لطف وکرم سے توبہ کی توفیق بخشنے والا ۔ اس لیے کہ اگر توفیق شاملِ حال نہ ہو تو کوئی مُجرم بھی توبہ نہ کر سکتا ۔ جیسے ابلیس کو توبہ کی توفیق نصیب نہ ہُوئی ۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

جز عنایت کہ کشاید چشم را
جز محبّت کہ نشاید خشم را
جہد بے توفیق خود کس را مباد
در جہان و اللہ اعلم بالرشاد

الرَّحِيْمُ ○ جو بندہ توبہ کر کے مرے اس کے لیے مہربان ہے ۔

ف : اللہ تعالےٰ کی رحمت کا معنےٰ یہ ہے کہ وُہ جس پر رحمت کرے اسے انعامات سے نوازتا اور ضرر سے بچاتا ہے ۔

ف : یہ بھی جائز ہے کہ اَلَمْ یَعْلَمُوْا کی ضمیر غیر تائبین کی طرف لوٹائی جائے یعنی عام مومنین کے لیے توّاب رحیم ہے ۔

ف : آیت میں گنہگار مومنین کو توبہ اور صدقہ کی ترغیب دی گئی ہے ۔

تفسیر عالمانہ

وَقُلِ اور اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ! انھیں فرمائیے جب ان کے توبہ کی یہ حالت ہے تو اِعْمَلُوْا اب جس طرح چاہو عمل کرتے جاؤ ۔

فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ پس اللہ اور اُس کے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان بھی تمہارے اعمال کو دیکھیں گے ۔

ف : بظاہر تو اس میں ہر طرح کے عمل کی رخصت اور اختیار دیا گیا ہے لیکن درحقیقت اس سے ترغیب و ترہیب کی تاکید اور سین تاکید یہ ہے ۔

حدیث شریف اگر کوئی بندہ ایسے پہاڑ میں چھپ کر عمل کرے جس کا کوئی دروازہ نہ ہو اور نہ دریچہ، تو بھی اس کے اعمال لوگوں سے اوجھل نہیں رہتے، کسی نہ کسی طریق سے اُنہیں معلوم ہو ہی جاتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالےٰ کے ہاں تمہارے اعمال پوشیدہ نہیں۔ وہ تمہارے اعمال کو ایسے دیکھتا ہے جیسے تم ایک دُوسرے کے اعمال دیکھتے اور جانتے ہو۔

ف: اس سے یا تو حقیقی رویت مراد ہے تو آیت کے معنیٰ میں کسی قسم کا اشکال نہیں یا اس کا معنیٰ مجازی ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ تمھیں تمہارے اعمال کی جزا دے گا۔ اگر نیکی کرو گے تو نیک جزا ملے گی ورنہ سزا پاؤ گے۔ اس لحاظ سے مطلب یہ ہُوا کہ نیکی کرو گے تو اللہ جلّ جلالہٗ و رسُولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان تمہاری مدح و ثناء اور ذکرِ جمیل وغیرہ کریں گے اور اعزاز سے نوازیں گے۔ اگر بُرائی کرو گے تو مذمّت اور ذلّت و پریشانی سے دوچار ہو گے۔

وَسَتُرَدُّوْنَ اور مرنے کے بعد لوٹائے جاؤ گے اِلٰی عَالِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ عالمِ غیب و شہادت کے حضور میں۔

نکتہ: غیب کو شہادت پر مقدم کرنے میں راز یہ ہے کہ عالمِ غیب بہ نسبت عالمِ شہادت کے وسیع تر ہے۔ نیز غیب بہ نسبت شہادت کے عظیم الشان ہے۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ غیب سے وہ اعمال مراد ہیں جو چھپکے اور شہادت سے وہ اعمال مراد ہیں جو کُھلم کُھلا کیے جائیں۔ چنانچہ دُوسرے مقام پر فرمایا: "یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ"۔

نکتہ: اس سے لفظ غیب کی تقدیم میں ایک نکتہ واضح ہُوا کہ اللہ تعالےٰ کا علم ہر پوشیدہ اور کھلے امور پر محیط ہے اس کے لیے غیب و شہادت برابر ہے۔ اس میں تنبیہ ہے کہ جب اس سے مخفی امور پوشیدہ نہیں تو کھلے اُمور اس سے کب مخفی رہ سکتے ہیں اسی لیے غیب کو مقدم کیا گیا تاکہ یقین ہو کہ وہ ہر شئے کو ہر حالت میں جانتا ہے کیونکہ اس کا علم حصولی نہیں بلکہ ہر شئے کا وجود و تحقق اس کے علم کی طرف منسوب ہے۔ نتیجہ نکلا کہ اس سے نہ امور ظاہرہ مخفی ہیں نہ باطنہ۔

دوسری تقریر وَسَتُرَدُّوْنَ الخ یعنی تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ جس کے حضور میں تمہارے اعمال پیش ہوتے ہیں وہ تمہارے غیبی امور کو جانتا ہے بلکہ ان امور کو بھی جانتا ہے جن سے تم غائب ہو، یعنی جو شئے تم سے غائب ہے۔ وُہ تمہارے ہر نیک اور بُرے عمل کے نتائج سے واقف اور جزا و سزا کا مالک ہے۔ وہ بندوں سے پوشیدہ نہ ہوتے تو بندے نیکی ہی نیکی کرتے، برائیوں کے قریب بھی نہ پھٹکتے اور وہ امور جن سے ہم غائب ہیں وہ تقدیرِ ازلی اور حکمتِ ربّی ہے۔ یعنی جس طرح ازل میں خیر و شر کے لیے تقدیر کے قلم نے لکھا ہم اس سے غیب ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ملک و ملکوت میں جن عیون و قلوب کا تم مشاہدہ کرتے ہو اُن سب کو اللہ تعالیٰ

جانتا ہے۔

فَيُنَبِّئُكُمْ جب تم مرنے کے بعد بارگاہِ حق میں حاضری دو گے تو وہ تمہیں خبر دے گا۔ اس سے قیامت تک کا وقت مراد ہے۔ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۞ دُنیا میں جن اعمال کا تم ارتکاب کرتے تھے۔

ف: يُنَبِّئُكُمْ یعنے اظہار ہے اس لیے کہ خبر دینے اور ظاہر کرنے کو آپس میں بایں معنٰی ملابست ہے کہ یہ ہر دو علم کے مسبب ہیں۔ اس بیان بندوں کو تنبیہ ہے جو اپنے ارتکاب کردہ اعمال سے بے خبر اور اس کے انجامِ بد سے غافل ہیں اللہ تعالیٰ برسرِ میدان قیامت میں اُن کے اعمال ظاہر کرکے بتائے گا کہ تمہارے اعمال کتنے گندے ہیں جن کا تم دُنیا میں ارتکاب کرتے تھے اور شب و روز انہی کے ارتکاب کی دُھن میں تھے۔ اب تمہاری سزا انہی پر مرتب ہوگی۔

سبق: عاقل کے لیے ضروری ہے کہ وہ اعمال صالح کے لیے جدّ و جُہد کرے اور بُرے اعمال سے بہت دُور رہے تاکہ قیامت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان کے سامنے رُسوا نہ ہو۔

تفسیر صوفیانہ "تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ نیک عمل اور اس کا خلوص ایک نور ہے جو اپنے اخلاص و صدق کی قوت پر آسمانوں کی طرف جاتا ہے اُسے اللہ تعالےٰ اپنے نورِ اُلوہیت سے اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوحِ اقدس سے اپنے نورِ نبوت سے اور اہلِ ایمان کی ارواح اپنے نورِ ایمان سے ایسے ملاحظہ فرماتے ہیں ہر عمل صالح اس قدر آسمانوں پر پرواز کرتا ہے جس قدر عمل والے کے خلوص اور صدق کے نور کے اندر صفائی اور روشنی ہوتی ہے۔ اسی طرح ہر بُرا عمل آسمان پر چڑھتا ہے اس کے اندر ظلمات ہوتے ہیں جس قدر بُرا ہوتا ہے اتنے ظلمات کثیر ہوتے ہیں اسے بھی اللہ تعالےٰ اور اس کے حبیبِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان دیکھتے ہیں[1]۔

حدیث شریف: بندے کو مرنے کے بعد نگران فرشتے اعمال صالح مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وعمرہ اور حسنِ خلق اور دیگر نیکیاں، یہاں تک کہ ہر ذکر و فکر لے کر اللہ تعالیٰ کی طرف لے جاتے ہیں یہاں تک کہ آسمانوں کو طے کرتے ہوئے جملہ حجابات سے آگے نکل کر جب بارگاہِ حق میں پہنچتے ہیں تو تمام ملائکہ اس بندے کی بہت تعریف کرتے ہیں اور اس کے اعمال صالح کو سراہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں فرماتا ہے: اے فرشتو! تم بندے کے اعمال کے نگران تھے۔ تم سچ کہتے ہو اس لیے کہ تمہاری اس کے ظاہر پر نظر تھی۔ لیکن مجھے تو اس کے باطن پر نگاہ ہے یہ اپنے ان جملہ امور میں میری رضا کا طالب نہیں تھا اس لیے میرے نزدیک اُس کے تمام اعمال ناقابلِ قبول ہیں۔ مجھے معلوم ہے یہ اپنے اعمال سے لوگوں کو دھوکہ میں ڈال سکتا ہے لیکن مجھ سے کہاں جا سکتا ہے اس لیے کہ میں عالمِ غیب اور اس کے تمام پوشیدہ امور پر مطلع ہوں؛ اس کے تمام امور مجھ سے مخفی نہیں اور نہ ہی کوئی شئے میرے علم سے باہر ہو سکتی ہے یہ نہ تھا تب بھی میں جانتا تھا اور جو کچھ کر چکا ہے اس کا بھی مجھے علم ہے اور جو کچھ چھوڑ آیا ہے میں اُسے بھی جانتا ہوں یہ مخلوق کو دھوکہ

[1] اسی بنا پر اہلِ سنت رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیائے کرام کے لیے علمِ غیب کے معتقد ہیں اور حاضر و ناظر کی تقریر بھی اسی مطابق ہوتی ہے جسے وہابیہ شرک کہتے ہیں ۱۲ فافہم

دے سکتا ہے کہ انھیں اُس کی حقیقت معلوم نہیں لیکن مَیں تو سب کچھ جانتا ہُوں فلہٰذا اے فرشتو! سُن لو اُس پر میری لعنت ہے اس کے ساتھ جانے والے ہزاروں فرشتے کہیں گے یا اللہ! جب تو اس کو لعنتی کہتا ہے تو ہم کہتے ہیں اُس پر تیری اور ہم سب کی لعنت۔ یہ سُن کر آسمان کے تمام فرشتے کہتے ہیں: اس پہ اللہ تعالےٰ کی لعنت بلکہ تمام لعنت والوں کی لعنت۔ (معاذ اللہ)

شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ؎

وگر سیم اندوہ باشد نحاس
تواں خرج کردن بر نا شناس
منہ آب زر جان من بر پشیز
کہ صراف دانا نگیرد ذیچیز

ف: تقدیر ربانی کے قلم نے جُملہ عالم کے ظاہری باطنی احوال تختیوں پر لکھ کر وہ تختیاں خزانچی فرشتوں کے سپرد کر دیں اس کے بعد بے شمار نگران فرشتے مقرر کیے گئے کما قال تعالےٰ: "وان من شئ الا عندنا خزائنہ" تقدیر لکھنے والے فرشتے ان خزانہ والوں اور نگران فرشتوں سے لکھتے ہیں۔ ہر شعبۂ اعمال کے علیحدہ علیحدہ خزانے ہیں جن میں ہمارے دُنیا کے جُملہ اعمال انہیں خزانوں میں جمع ہوتے ہیں۔ ان سب کا منتہٰی "سدرۃ المنتہٰی" ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نگران فرشتے ہمارے اعمال ظاہری و باطنی کو تو جانتے ہیں لیکن انھیں یہ معلوم نہیں کہ ان میں مقبول اعمال کون سے ہیں اور غیر مقبول کون سے۔ ہاں انھیں اُس وقت معلوم ہوگا جب وہ بندے کو اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کریں گے جیسا کہ اُوپر معلوم ہُوا۔

سبق: بندے کا وہ عمل قبول ہوگا جس میں صدق اور خلوص ہو ورنہ وہ بندوں سے تو اپنی چالاکی سے اوجھل رہ سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اور اُس کے نگران فرشتوں سے نہیں چُھپ سکتا۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

در بستہ ز روئے خود بمردم
تا عیب نگسترند ما را
در بستہ چہ سود عالم الغیب
دانائے نہاں و آشکارا

تفسیر عالمانہ وَاٰخَرُوْنَ اُس کا عطف پہلے اٰخرون پر ہے۔ یعنی جنگ پہ نہ جانے والوں میں سے دُوسرے اہلِ مدینہ اور اس کے گرد و نواح کے رہنے والے بعض دیہاتی ایسے ہیں جو مذکورہ

لوگوں کی طرح اپنی غلطیوں کا اعتراف نہیں کرتے مُرْجَوْنَ نافع وحمزہ وکسائی وحفص رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے واؤ کے ساتھ پڑھا ہے اس لیے کہ یہ دراصل مُرجیون تھا (بقاعدہ صرفی ، موجون ہُوا) باقی قرأ نے اسے مُرجاؤن ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ویسے یہ دونوں لغات سے مستعمل ہے مثلاً کہا جاتا ہے ارجیتہ (بالیاء) وارجأتہ (بالهمزة) بمعنے اخرتہ یعنی میں نے اسے پیچھے ہٹایا۔ ہمزہ والے صیغہ کی طرف منسوب کرنا ہوگا تو مرجئی مرجعی کی طرح کہا جائے گا۔ مرجیّ یعنی جیم کے بعد یاء کو مشدّد کر کے اور جماعت کے لیے کہیں گے " ھم المرجئة " بالھمزہ ' والمرجیة یعنی تخفیف الیاء۔ (کذافی القاموس)

ف : مرجئہ ایک گمراہ فرقہ کا نام ہے جو کبیرہ گناہ کے مرتکب کے لیے سزا وجزا کا کوئی حکم صادر نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں اس کا نتیجہ قیامت میں کھلے گا۔ انہیں اسی لیے مرجئہ کہتے ہیں کہ وہ مرتکب کبیرہ کے حکم کو قیامت تک موخر کرتے ہیں[1] (کذافی المغرب)

یعنی دُوسرے وُہ ہیں جو جنگ سے پیچھے رہ گئے لِاَمْرِ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کے حکم میں ہے کہ اُن کے لیے جو چاہے جس طرح کا حکم نافذ فرمائے۔ اِمَّا یُعَذِّبُھُمْ یا انہیں عذاب میں مبتلا کرے کہ وُہ زندگی بھر اس حالت میں رہیں کہ نہ توبہ کریں نہ معذرت ظاہر کریں اور اُن کا یہ طریقہ منافقت سے بھی نہ ہو اس لیے کہ منافقین تو ہمیشہ غیر مخلص ہوتے ہیں۔ لیکن یہ دُوسرے تو غلطی کے مرتکب ہُوئے لیکن خلوص میں تو انہیں کسی قسم کی کمی نہیں تھی۔ وَاِمَّا یَتُوْبُ عَلَیْھِمْ یا اُن کی توبہ قبول فرمالے ، اگر خالص نیت سے توبہ کا اظہار کریں۔ یہ جملہ محلاً منصوب ہے اس لیے کہ ماقبل سے حال ہے یعنی ان میں بعض سزا یافتہ ہیں اور بعض کی توبہ قبول ہو جائے گی۔

سوال : لفظ اِمَّا شک کے لیے ہوتا ہے اور اللہ کو شک کیسا۔ وُہ تو منزّہ ومقدس ذات ہے بلکہ وُہ تو ہر ایک حالاتِ ظاہرہ باطنہ کو جانتا ہے۔

جواب : یہ امّا تردیدیہ ہے اور یہ بندوں کے لیے ہے۔ آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اے مسلمانو ! تم خوف ورجاء کے مابین رہو۔

قاعدہ : امّا تردیدیہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کا مدخول اسم ہو یا فعل ہر دو طرح جائز ہے۔ اگر اِمّا تخییریہ ہو تو اس کا مدخول لازماً فعل ہونا چاہیے۔ اس کی علامت یہ بھی ہے کہ اس کے ساتھ اَنْ مفتوحہ مخففہ ہوتا ہے۔ مثلاً وَاِمَّا

---

[1] غنیۃ الطالبین نامی کتاب منسوب بہ غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کا حوالہ دے کر غیر مقلدین بہکاتے ہیں کہ حضور غوثِ اعظم نے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اس گمراہ فرقے سے گنا ہے۔ ان کا افتراء ہے۔ تحقیق مطلوب ہو تو فقیر کے رسالہ " ہدیۃ السالکین فی غنیۃ الطالبین " کا مطالعہ کیجئے۔ ۱۲ (اویسی غفرلہ)

اَنْ تُلْقِیَ۔

وَ اللّٰہُ عَلِیْمٌ اور اللہ تعالیٰ اُن کے حالات جانتا ہے حَکِیْمٌ ○ اپنے جملہ امور میں ہزاروں حکمتیں رکھتا ہے۔ ایسے ہی جنگ پہ حاضر ہونے اور نہ ہونے والوں کے متعلق بھی اس کی بیشمار حکمتیں ہیں۔

شانِ نزول یہ آیت ان تین صحابیوں کے بارے میں نازل ہوئی جو جنگ پہ نہ جا سکے۔ وہ تین حضرات یہ ہیں:

۱۔ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ

۲۔ مرارہ بن الربیع العمری رضی اللہ عنہ

۳۔ ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ

یہ حضرات غزوۂ بدر میں بھی شریک ہوئے تھے اور تھے مالدار۔ اس کے باوجود غزوۂ تبوک پہ حضور علیہ السلام کے ساتھ نہ جا سکے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، اس وقت میں اہلِ مدینہ سے مالی لحاظ سے خوشحال تھا۔ میرے پاس اُونٹ بھی بہت اچھے تھے۔ ہر روز ارادہ کرتا تھا کہ میرے پہنچنے میں کیا دیر لگے گی۔ جب لشکر روانہ ہوگا اسے راستہ میں پالوں گا۔ لیکن اس کے باوجود کئی روز ایسے ہی گزر گئے اور میں جنگ پہ نہ جا سکا۔ اس پر مجھے اور میرے دُوسرے مذکورہ ساتھیوں کو سخت ندامت ہُوئی۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ سے فراغت کے بعد واپس تشریف لائے ان حضرات نے خود کو نہ تو حضرت ابُولبابہ اور دُوسرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرح ستونوں سے باندھا اور نہ ہی اتنا شدید اظہارِ غم اور جزع فزع کی۔ حضور علیہ السلام نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرما دیا کہ اُن کے ساتھ کوئی نہ بیٹھے اور نہ ان کے ساتھ کوئی کھانا کھائے اور نہ ہی ان سے کسی قسم کا مشورہ کرے۔ یہاں تک کہ ان حضرات کی عورتوں کو فرمایا کہ وہ ان سے علیحدہ ہو کر اپنے میکے چلی جائیں۔ حضرت ہلال بن اُمیہ رضی اللہ عنہ نے اتنی اجازت لی کہ چونکہ وہ ضعیف العمر ہیں صرف انھیں کھانا پہنچانے کی اجازت ہو۔ حضور علیہ السلام نے صرف ان کے لیے اتنی اجازت بخشی۔ ادھر شام کے عیسائیوں کے بادشاہ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ وہاں تمہاری ناقدری ہُوئی ہے تم ہمارے ہاں آ جاؤ۔ حضرت کعب نے کہا، افسوس کہ ہم سے اتنا بھاری گناہ سرزد ہوا ہے کہ اب مشرکین ہمیں اپنے ساتھ ملانے کے لیے تیار ہو گئے ہیں۔ اس غم سے زمین میرے پاؤں سے نکل گئی۔ اسی طرح ہلال بن اُمیّہ بھی اس صدمہ سے زار و قطار روئے یہاں تک کہ ان کی آنکھیں ضایع ہو جانے کا اندیشہ پیدا ہو گیا۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہتے کہ اگر اُن کے متعلق معافی کا پیغام مِن جانب اللہ نازل نہیں ہوتا تو یہ مارے گئے۔ بعض فرماتے کہ اللہ کریم ہے انھیں ضرور بخش دے گا۔ اُن کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دو گروہ ہو گئے، کہتے: انھیں عذاب ملے گا یا معافی نصیب ہوگی۔ یہاں تک کہ پچاس دن گزرنے کے بعد اُن کی توبہ کی قبولیت کے لیے آیت نازل ہُوئی۔ (لقد تاب اللّٰہ علی النبی الی ان قال وعلی الثلثة الذین خلفوا الآیہ) اُن کی معافی کو پچاس دن تک موخر کر کے ایسے احسن وجوہ سے ظاہر فرمایا

معافی نامہ میں حضور علیہ السلام اور مہاجرین و انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھی ساتھ شامل فرمایا۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ اخلاص اور تفویض الامور الی اللہ نزولِ رحمتِ ربانی کا بہترین ذریعہ ہیں۔

مسئلہ: نیز اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ رونا، گڑگڑانا توبہ کی قبولیت کا نشان ہے۔ لیکن اس میں خلوص بھی ضروری ہے۔

سبق: بندے پر لازم ہے کہ وہ اپنے گناہوں سے استغفار کرے اور اس غلطی پر خوب آنسو بہائے۔

حکایت حضرت فتح موصلی قدس سرہٗ کے ایک مرید کا بیان ہے کہ ایک دن میں اُن کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انھیں دیکھا کہ وہ خون کے آنسو بہا رہے ہیں۔ میں نے انھیں قسم دے کر ماجرا پوچھا، انہوں نے فرمایا کہ اگر تم قسم دے کر نہ پوچھتے تو میں اس کا کبھی انکشاف نہ کرتا۔ فرمایا اگر یہ کیا اپنے مولیٰ سے خلاف عہدی پر، جو الست کے موقعہ پر عہد کر کے اس کے خلاف زندگی بسر کر رہا ہوں اور خون کے آنسو اس لیے بہائے کہ نامعلوم اس کریم نے میری توبہ قبول کی یا نہ۔ آپ کا وہی مرید فرماتا ہے کہ میں نے حضرت فتح موصلی قدس سرہٗ کو ان کے وصال کے بعد خواب میں دیکھا تو میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کے ساتھ آپ کے رب کریم نے کیا کیا۔ فرمایا کہ اس کریم نے مجھے نہ صرف بخش دیا بلکہ اپنے قربِ خاص سے نوازا، اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اے فتح موصلی! تم روئے کیوں؛ اور خون کے آنسو کیوں بہائے؟ میں نے عرض کی: یا رب! میں تو اس لیے رویا تھا کہ مجھ سے تیرے حقوق کی ادائیگی نہ ہو سکی اور خون کے آنسو بہائے اس خطرہ سے کہ نامعلوم تُو نے میری توبہ قبول کی یا نہ۔ اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے فرمایا: اے موصلی! تم کیا کہہ رہے ہو۔ میں نے تمہارے اعمال نامے کو چالیس سال تک نگران فرشتوں کے سامنے رکھا کہ کوئی غلطی ظاہر ہو۔ لیکن اعمال نامے میں ایک بھی گناہ نہ ملا۔

سبق: جب اکابر اولیاء کرام کا یہ حال ہے باوجودیکہ اُن سے گناہوں کا صدور بھی نہیں ہوتا لیکن خوفِ خدا سے خون کے آنسو بہاتے ہیں۔ افسوس کہ ہم سرتاپا گناہوں میں غرق ہیں لیکن کسی وقت بھی خوفِ خدا کا خیال تک نہیں آتا۔

حکایت حضرت فضیل رضی اللہ عنہ حج پر گئے۔ ان کا یومِ حج سالم خاموشی میں گزرا۔ جب سورج غروب ہوا تو دھاڑیں مار کر رونے لگے کہ ہائے گناہوں کا بوجھ ہلکا نہ ہو سکا۔ اے الٰہ العٰلمین! تیری رحمت کے سوا مجھے اور کوئی سہارا نہیں، اگرچہ تُو نے عفو و مغفرت کا پیغام بھی بھیجا ہے۔

نکتہ: صاحبِ رُوح البیان نے فرمایا کہ ان حضرات اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کو عفو و مغفرت کے یقین کے باوجود رونا اس لیے آتا ہے کہ دنیوی گناہوں کے اثرات کا ازالہ بہت دیر سے ہوتا ہے۔ مثلاً جن جہنمیوں کو جہنم سے نکال کر بہشت میں لایا جائے گا وہ بہشت میں پہنچ کر اس وقت تک بیقرار رہیں گے جب تک کہ اُن کی پیشانیوں سے پورے طور گناہوں کے اثرات مٹائے نہیں جائیں گے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

ہرچند کہ ہجران ثمر بر آرد
دہقان ازل کاشکے این تخم نکشتی

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

بسا نام نیکوئے پنجاہ سال
کہ یک نام زشتش کنند پائمال

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ حکمتِ الٰہیہ کا تقاضا ہوا کہ بعض نفوس کو گناہوں میں مبتلا کرکے انہیں خوف و رجا کے درمیان متردد کرے یہاں تک کہ وہ مقام قبض و بسط میں پہنچ کر انس کے خیمہ تک جانے کے لائق بن جائیں اور انہیں مقام ہیبت نصیب ہو۔ اُن کی اِس خوف و رجا سے تربیت ہوتی ہے انہیں خوف و رجا کے دو دو پر نصیب ہوتے ہیں جس کی وجہ سے وہ خیمہ انس تک پہنچتے ہیں۔ انس و ہیبت تک پہنچنے پر یہاں سے انہیں دُوسرے پر ملتے ہیں جس سے وہ سیر و تجلی کی قاب قوسین اور وحدۃ ادنیٰ سے شرف پاتے ہیں۔ وَاللّٰہُ عَلِیۡمٌ اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہے کہ بندوں کی تربیت کس طرح ہوتی ہے حَکِیۡمٌ وہی ان حکمتوں کا مالک ہے کہ قربِ قبول کی صلاحیت کس میں ہے اور بُعد و رد کسے نصیب ہوتا ہے۔ (کذا فی التاویلات)

تفسیر عالمانہ وَالَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا مَسۡجِدًا اور جن لوگوں نے مسجد تیار کی۔ اس سے وہ منافق مراد ہیں جو غزوہ تبوک سے غیر حاضر رہ کر مسجد قبا شریف کے مقابلہ میں ایک اور مسجد تیار کرلی۔ قبا بضم القاف مذکر و مونث دونوں طرح جائز ہے۔ یہ ایک گاؤں (کا نام) ہے جو مدینہ طیبہ سے ڈیڑھ میل دُور ہے۔ (کذا فی التبیان)

حضور علیہ السلام کی ہجرت اور مسجدِ قبا کا سنگِ بنیاد

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ معظمہ سے ہجرت کرکے مدینہ طیبہ میں جانے سے پہلے بستی قبا میں تشریف لائے تو بنی عمرو بن عوف کے ہاں قیام پذیر ہُوئے۔ بنی عمرو بن عوف کے امیر کے متعلق اختلاف ہے کہ کیا وُہ حضور علیہ السلام کی اُس بستی میں تشریف لانے کے بعد مسلمان ہُوئے یا قبل ازیں مسلمان ہو چکے تھے۔ جو کچھ بھی ہو وہ بہرحال مسلمان تھے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲ ربیع الاوّل بروز پیر بستی قبا میں تشریف لائے۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کوئی مسجد تیار کی جائے، جہاں چاہیں نماز پڑھیں، اور اگر چاہیں تو آرام بھی فرمائیں۔ بایں ارادہ چند پتھر اُٹھا لائے اور مسجد تیار کرلی۔ اسلام میں یہ سب سے پہلی مسجد ہے جسے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے اہلِ اسلام کے لیے تیار فرمائی۔ یہی مسجد قبا شریف وہ پہلی مسجد ہے جس میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت اطمینان سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ

باجماعت نماز ادا فرمائی۔

مسجدِ قبا کی فضیلت

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن مدینہ طیبہ میں پہنچے۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ نے مسجدِ قبا میں صرف چار دن قیام فرمایا۔ یعنی پیر، منگل، بدھ اور جمعرات۔

بعض روایات میں ہے کہ آپ دس سے اُوپر چند راتیں ٹھہرے۔ بخاری شریف میں یہی ثابت ہے اور مسلم شریف میں چودہ راتیں مروی ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ طیبہ سے مسجدِ قبا میں نماز پڑھنے کے لیے ہر ہفتہ کے دن تشریف لایا کرتے، کبھی پیدل کبھی سوار ہو کر۔ پھر نماز پڑھ کر مدینہ طیبہ کو لوٹتے۔

حدیث شریف: جو مکمل وضو کر کے مسجدِ قبا میں ایک دوگانہ پڑھے گا اسے حج و عمرہ کا ثواب نصیب ہوگا (کذا فی السیرۃ الحلبیہ)

مسجدِ قبا کا سنگِ بنیاد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا، جسے حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کی معاونت سے تیار کیا۔ یہی اکثر علماء و محدثین کا مذہب ہے۔

تعمیرِ مسجد کے فضائل

حدیث شریف میں ہے کہ جو مسجد تعمیر کرے لیکن اس میں نہ ریا کا دخل، نہ شہرت مقصود ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے بہشت میں محل تعمیر فرمائے گا۔

ف: امام قرطبی نے فرمایا کہ اس سے حدیث شریف کا مفہوم اپنے حقیقی معنیٰ پر نہیں بلکہ اس میں مجاز ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کو ثواب بخشے گا جس کی برکت سے اسے بہشت میں بہترین اور عظیم الشان اور ارفع و اعلیٰ مقامات نصیب ہوں گے۔ اس لیے کہ اعمال کا ثواب کئی گنا زاید نصیب ہوتا ہے کیونکہ ایک نیکی کا عوض دس کا وعدہ تو قرآن مجید میں ہے اور حدیث شریف میں بھی ہے کہ جو ایک کھجور راہِ حق میں کسی مسکین کو دیتا ہے تو قیامت میں اس کا ثواب اسے پہاڑ کے برابر ملے گا۔

مسئلہ: ثواب کا اضافہ اخلاص پر مبنی ہے اگر کسی کی نیکی اخلاص سے خالی ہو تو اسے خس برابر بھی ثواب نصیب نہیں ہوگا۔ اسی طرح نہ وہ مسجد کسی کام کی جس میں اپنی دنیوی غرض یا ریاکاری یا شہرت مطلوب ہو اگرچہ ہم اس پر ظاہری شرعی طور فتویٰ مسجدیت کا دیں گے اور اس کی تعظیم و تکریم اور عزت و احترام اور اس پر جملہ احکام مسجد کے جاری ہوں گے۔ اسی طرح رباط ہو یا سرائے، پُل ہو یا سقایہ وغیرہ وغیرہ سب کے لیے قبولیتِ بارگاہِ حق کی یہی شرط ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر تیار کیے جائیں۔ (کذا قال فی شرح الامام)

مسئلہ: اس حکم میں وہ مسجد بھی شامل ہے جسے گرا کر از سرِ نو دوبارہ تیار کیا جائے۔ (کذا قال النووی)

مسئلہ: مسجد میں جتنے لوگ شریک ہو کر کام کریں گے سب کو مکمل مسجد بنانے کا ثواب ملے گا۔ جیسے ایک جماعت نے غلام خرید کر آزاد کیا تو ان سب کو جہنم سے آزادی یکساں طور نصیب ہوگی۔ ایسے نہیں کہ تھوڑا حصہ ملانے والے کو

تھوڑی اور زیادہ حصہ ملانے والے کو زیادہ آزادی حاصل ہو۔ کما قال تعالیٰ "وما ادراك ما العقبة فك رقبة"۔
فك رقبة کی تفسیر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غلام آزاد کرنے سے کی ہے۔
ف: مسجد کی بناء کو غلام آزاد کرنے پر اس لیے قیاس کیا گیا ہے کہ دونوں میں ترغیب دی گئی ہے۔
مسئلہ: کافر بھی مسجد میں حصہ لے سکتا ہے۔ بعض کہتے ہیں ان کا حصہ ملانے یا مستقل مسجد بنوانے میں کوئی حرج نہیں اس لیے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"ان اللہ یؤید دینه بالرجل الفاجر"۔

بیشک اللہ تعالیٰ اپنے دین کی مدد فاجر سے بھی کراتا ہے۔ (کذا فی البغوی)

مسئلہ: امام واحدی نے مَا کَانَ لِلْمُشْرِکِیْنَ اَنْ یَّعْمُرُوا مَسَاجِدَ اللّٰہِ کی تفسیر میں لکھا کہ آیت ہذا سے ثابت ہوتا ہے کہ کافروں کو اہلِ اسلام کی مساجد کی تیاری یا حصہ ملانے سے روکا گیا ہے اگر کافر نے مرتے وقت وصیت کی ہو کہ اس کے مال سے مسجد کی تعمیر کی جائے تو اس کی وصیت کا اجراء نہیں ہوگا۔
مسئلہ: حضرت مفتی سعدی چلپی مرحوم نے فرمایا: احناف کا اجماع ہے کہ کافر کی ایسی وصیت ہرگز جاری نہیں ہوگی۔
مسئلہ: کافر مسجد بنانے سے مسلمان متصور نہیں ہوگا، اگرچہ کتنی ہی عظیم الشان مسجد بنائے جب تک کلمۂ شہادت کا اقرار و تصدیق نہ کرے۔
مسئلہ: اگر کوئی مسلمان گرجا اسی طرح بد مذاہب کفار کی عبادت گاہوں میں آمد و رفت رکھے اور ان کی تعظیم و تکریم کا عقیدہ رکھے تو وہ کافر ہے۔
نکتہ: کفر کے فتوٰی کا دار و مدار نیت پر اور اسلام کا انحصار اظہار کلمۂ شہادتین پر ہے۔ (کذا فی فتح القدیر)
ف: صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس سے ثابت ہوا کہ روم کے بعض مقامات کے باشی قبطی اگرچہ کلمۂ اسلام ظاہر کرتے ہیں بلکہ نماز اور روزہ کے بھی پابند ہیں اور نہایت خلوص سے عبادتِ الٰہی بجا لاتے ہیں۔ انگریزوں نصرانیوں کے ساتھ ان کی عبادت گاہوں گرجوں میں بھی اُن کی عبادات کے لیے چلے جاتے ہیں۔ نصارٰی کی موافقت میں وہ جملہ امور بجا لاتے ہیں جو وہ کرتے ہیں وہ مرتد ہیں وہ مرجائیں تو اُن کے جنازوں کی نمازوں میں شریک نہ ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ وہ نصارٰی کی عبادات پر موافقت کرکے اُن کے گرجوں کی تعظیم کا عقیدہ رکھتے ہیں اس لیے ہم ان کے کفر و ارتداد میں کسی قسم کا شک نہیں رکھتے اور نہ ہی ان کے کلمۂ شہادتین کا اعتبار ہے اس لیے کہ وہ تو عادت کے طور پڑھتے ہیں۔ یہ کلمہ اور دیگر اسلامی عبادات بجالانا اس کے کفر و ارتداد کو نہیں اُٹھاتا۔ ہمارے بعض معاصرین ان کے کفر میں توقف کرتے ہیں (العیاذ باللہ) یہ اُن کی جہالت کا ثبوت ہے۔[1]

---

[1] یہی تقریر مرزائیوں، شیعوں، وہابیوں، دیوبندیوں، نیچریوں اپرویزیوں اور دیگر بد مذاہب منطبق کرکے ان جدید مجتہدوں اور صلح کلیوں کا ماتم کیجئے جو اُن کے کفر و ارتداد میں توقف کرتے ہیں۔ تفصیل فقیر کے رسالہ " دیوبندی بریلوی اختلاف" میں دیکھئے۔ (اویسی)

مسجد ضرار کی بنیاد کی اصلی وجہ جب بنو عمرو بن عوف کی مسجد قبا شریف کی تعظیم و تکریم ہونے لگی تو ان کی دوسری برادری بنو غنم بن عوف کو حسد پیدا ہوا اور وہ اس کے عزت و احترام گھٹانے پر تل گئی اور اس نے عوام میں پھیلا دیا کہ ہم عمرو کی عورت کے گدھا باندھنے کی جگہ پر نماز نہیں پڑھتے۔ اگرچہ ایک حد تک اُن کی بات پہنچی تھی کہ واقعی وہاں پر ایک گدھا باندھا جاتا تھا۔ بعض کہتے ہیں اس جگہ پر کلثوم ابن ادم رضی اللہ عنہا کھجوریں خشک کرتے تھے۔ گویا وہ ایک عام جگہ تھی۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کسی جگہ کو عزت بخشے تو کسی کے روکنے سے اُس کی شان میں کمی نہیں آتی۔

بنو غنم مذکورہ بالا عذر لنگ کر کے مسلمانوں میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانے کی نیت سے اپنی ایک علیحدہ مسجد بنائی۔ اس کی امامت ابوعامر راہب کے سپرد کر دی۔ جب وہ ملک شام سے مدینہ طیبہ آتا تو اس مسجد میں قیام کرتا اور امامت کے فرائض انجام دیتا۔

ازالۂ وہم بعض[1] لوگوں کو غلط فہمی ہے کہ اس مسجد کی تیاری کی اجازت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بخشی۔ غدادی مرحوم نے فرمایا یہ خیال سراسر غلط اور مبنی بر جہالت ہے۔ اوّلاً اس لیے کہ مذکورہ بالا قصہ اور واقعہ اس کے بالکل خلاف ہے، اس لیے کہ بنانے والے منافق تھے اور مسلمانوں کے حاسد۔

(ثانیاً) اس لیے کہ منافقین کو حضور علیہ السلام کس طرح اجازت بخشتے جبکہ اللہ تعالیٰ سے اس کی اجازت بھی نہیں تھی۔ آپ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کیسے اجازت دے سکتے تھے۔

ابُوعامر راہب کا تعارف ابوعامر خزرج قبیلہ کے اشراف لوگوں سے تھا۔ جاہلیت کے دور میں اس نے نصرانیت اختیار کر کے ان کا راہب بن گیا۔ اور موٹے کپڑے پہن کر زاہدانہ زندگی بسر کرتا۔ تورات اور انجیل کا بہت بڑا ماہر تھا۔ کاشفی نے لکھا کہ اس کی عادت تھی کہ وہ ہمیشہ اہلِ مدینہ کو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مناقبات و کمالات اور فضائل سناتا رہتا تھا۔ لیکن اس کی بدقسمتی کہ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اہلِ مدینہ آپ کے کمال کے شیفتہ اور عاشق ہو گئے۔ اس سے ابوعامر راہب کی شیخی میں کمی واقع ہو گئی یہاں تک کہ اکثر لوگ حضور سرورِ دنیا و دین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتے اور وہ مکھیاں مارتا رہتا تھا۔ ؎

باوجود لب جاں بخشی تو اے آبحیات
حیفم آید سخن از چشمۂ حیواں گفتن

اس طرح سے ابُوعامر راہب پر حسد کا حملہ ہوا تو آقائے کونین ماوائے ثقلین صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت میں گھر گیا، اور کہتا تھا کہ میرا ساتھی کوئی نہیں ورنہ (معاذ اللہ) میں آپ کو مٹا کر چھوڑتا۔ اس کے بعد اس نے حضور علیہ السلام

---

[1] جیسے بعض جاہل واعظ دیوبندیوں وہابیوں کو۔ ۱۲ (اویسی غفرلہ)

کے خلاف محاذ آرائی رکھی یہاں تک کہ "ہوازن" کی جنگ میں حضور علیہ السلام سے شکست کھا کر ملکِ شام کو بھاگ گیا۔ کاشفی نے لکھا کہ ملک شام میں پہنچ کر اس نے ہرقلِ روم کے بادشاہ سے ساز باز کی اور اُسے اُبھارا کہ ایسا لشکر تیار کیا جائے جو مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دے۔ اِدھر قبا کے منافقین مثلاً ثعلبہ بن حاطب کو خط لکھا کہ قبا میں پہلی مسجد کے مقابلہ میں ایک اور مسجد تیار کیجئے جس میں وہاں حاضر ہو کر عوام کو افاضہ و افادۂ علوم سے بہرہ ور کر دوں۔ اس کے لکھنے پر منافقین نے مسجد ضرار کی تیاری کی اور حضور علیہ السلام سے ازراہِ منافقت عرض کی کہ آپ ہماری مسجد میں قدم رنجہ فرمائیں۔ آپ چونکہ اس وقت غزوۂ تبوک کی تیاری میں مصروف تھے۔ فرمایا اِن شاء اللہ تعالےٰ واپسی پر تمہاری مسجد میں آئیں گے۔ آپ سے مسجد کی تیاری کا عذر پیش کیا چونکہ مسجد قبا ہم سے کچھ فاصلہ پر ہے اور ہمارے ضعیف اور کمزور نمازی وہاں نہیں پہنچ سکتے اس لیے بوجہ مجبوری ہم نے مسجد تیار کی ہے۔ حضور علیہ السلام نے غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد ان کی مسجد میں تشریف لیجانے کا وعدہ فرمایا۔ چنانچہ جب حضور علیہ السلام غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے تو وہی پرانی عرضداشت پیش کی کہ حضور! آپ ہماری مسجد میں تشریف لے چلیں۔ اس سے ان کی غرض و غایت یہ تھی کہ آپ تشریف لائیں گے تو ہم اپنے منصوبے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ عوام ہمارے ساتھ ہوں گے انہیں بہکانے کا ہمیں موقع مل جائے گا۔ مثنوی شریف میں ہے :

مسجد اصحاب مسجد را نواز "تا مہی" تا شب دمے با ما بساز

تا شود شب از جہالت ہیچ روز ای جہالت آفتاب جاں فروز

اے دریغا کان سخن از دل بدے "تا مراد آں دتو حاصل شدے

منافقین کی علامت

مسجد ضرار میں ان کا کام یہ تھا کہ بروقت حضور علیہ السلام کی تنقیص اور عیب شماری میں گزارتے اور حضور علیہ السلام کی باتوں کو گن گن کر استہزاء کرتے تھے۔ آپ نے سفر کی واپسی کے بعد ان کے دو بارہ آنے پر ارادہ فرمایا یہاں تک کہ آپ نے اپنا قمیص مبارک منگوایا تاکہ مسجد ضرار میں تشریف لے چلیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ وَ الَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا مَسۡجِدًا ضِرَارًا مفعول لہ ہے یعنی اہلِ ایمان کی ضرر رسانی اور اُن سے جنگ لڑنے کے لیے وَّ كُفۡرًا کفر کی تقویت کے لیے جسے انہوں نے دل میں چھپا رکھا تھا۔ وَّ تَفۡرِیۡقًۢا بَیۡنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اور اہلِ ایمان کے درمیان جھگڑا برپا کرنے کے لیے۔ اس سے اہلِ قبا کے مومن نمازی مراد ہیں۔ منافقین نے پروگرام بنایا کہ دوسری مسجد تیار کرو لوگ مسجد قبا کو چھوڑ کر تمہارے ہاں آجائیں گے۔ اس طرح سے ان میں پھوٹ پڑ جائے گی وَ اِرۡصَادًا اور تیاری کے لیے اور اس کے انتظار میں لِّمَنۡ حَارَبَ اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ مِنۡ قَبۡلُ ؕ یہ مسجد جو تیار کی گئی کہ وہ آ کر اس میں امامت سنبھال لے گا، پھر رفتہ رفتہ جماعت تیار کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شکست دے گا، جیسا کہ وہ اس سے قبل جنگوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں

پیش پیش رہا مِنْ قَبْلُ ط حَارَبَ اللهَ یا اتَّخَذُوا سے متعلق ہے۔ یعنی یہ مسجد انہوں نے غزوۂ تبوک کی غیر حاضری سے اپنی منافقت کے اظہار سے پہلے تیار کر لی تھی وَلَیَحْلِفُنَّ یہ قسم مقدر کا جواب ہے۔ چنانچہ کاشفی نے لکھا کہ جب ان سے کوئی پوچھتا کہ یہ مسجد تم کیوں بنا رہے ہو تو قسمیں کھاتے ہوئے کہتے اِنْ اَرَدْنَآ یہ اِنْ نافیہ ہے۔ یعنی ہمارا اس مسجد کے بنانے کا ارادہ نہیں اِلَّا الْحُسْنٰی مگر نماز اور ذکرِ الٰہی اور نمازیوں کی سہولت وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ○ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ اپنی قسم کھانے میں جھوٹے ہیں۔

مسجد ضرار کا انہدام

جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت وحشی (قاتلِ حمزہ) رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ ایک جماعت لیجا کر اس مسجد کو گرا دو۔ چنانچہ حضرتِ وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک جماعت لے کر کھجوروں کی سوکھی چھڑیاں اٹھا کر بعد مغرب پہنچے اور جا کر مسجد ضرار کو آگ لگا دی پھر دیواریں منہدم کر کے میدان بنا دیا۔ یہ مغرب وعشا کے درمیان کا واقعہ ہے۔ پھر دن کو آپ نے حکم جاری فرمایا کہ منافقین کی مسجد ضرار کی جگہ پر گندگی وغلاظت اور مردار جانور وغیرہ ڈالا کریں۔ چند دنوں کے بعد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جگہ ثابت بن ارقم کو مکان بنانے کے لیے عنایت فرمائی۔ لیکن یہ ایسی منحوس ثابت ہوئی کہ جب تک وہ اس میں ٹھہرے رہے کوئی اولاد پیدا نہ ہوئی۔ زید بن ارقم نے وہاں ایک گڑھا کھودا تو اُس سے آگ نکلی۔

ابُوعامر راہب کی موت

ابوعامر راہب شام میں مسافر اور تن تنہا مرا۔ مروی ہے کہ جب حضور علیہ السلام مدینہ طیبہ میں ہجرت کر کے تشریف لائے تو یہی ابُوعامر آپ کو ملنے آیا۔ آپ سے پُوچھا آپ کون سا دین لائے؟ آپ نے فرمایا: دین حنیف یعنی دینِ ابراہیم علیہ السلام لایا ہُوں۔ ابوعامر راہب نے کہا میں بھی اسی پر ہوں۔ آپ نے فرمایا: تُو دینِ حنیف پر نہیں۔ اُس نے کہا: میں تو یقیناً دینِ ابراہیم پر ہُوں۔ لیکن آپ نے اس میں اپنی طرف سے غلط باتیں داخل کر لی ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: میں نے تو اس میں کسی قسم کی غلط بات نہیں بڑھائی۔ بلکہ دینِ حق لایا ہوں۔ ابوعامر نے کہا: ہم میں جو جُھوٹا ہو وہ مسافرت اور تنہائی میں لاوارث ہو کر مرے۔ آپ نے فرمایا: آمین۔

بعدہٗ آپ نے اس کا نام ابوعامر فاسق رکھا۔ چنانچہ وہ قنسرین علاقہ شام میں کافر ہو کر مرا۔

ف: قنسرین بکسر القاف وتشدید النون المفتوحہ اوالمکسورہ ملک شام میں ایک شہر کا نام ہے۔

اعجوبہ: ابُوعامر کی اس بہت بڑی خباثت کے باوجود اس کا لڑکا حضرت ابُوحنظلہ صالح نیک بخت صحابی تھا جو غزوۂ اُحد میں شہید ہوئے اور انہیں ملائکہ کرام نے غسل دیا۔ اسی لیے وہ لقب "غسیل الملائکہ" سے مشہور ہوئے۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا؛ ؎

ہنر بنمائی اگر داری نہ گوہر گل از خارست و ابراہیم ز آزر

تفسیر صُوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ خواہشات کے پجاریوں نے نفس کے اندر مسجد تیار کی تاکہ اہلِ حقیقت کو ضرر پہنچائیں اور ان کے احوال کا انکار کرسکیں جیساکہ ان اہلِ حقیقت نے قلب میں ایسی مسجد تیار کی جس میں وُہ ذکرِ الٰہی کا وِرد کرتے ہیں۔ یہی غلط[1] پیروں اور درویشوں کا طریقہ ہے کہ اپنے جھوٹے دعووں سے اہلِ حقیقت کا طور طریقہ اختیار کرکے اُلٹا اہلِ حقیقت کا رد کریں اور اہلِ ایمان کے درمیان تفرقہ ڈالیں۔ یعنی اہلِ حقیقت سے بدظن کرتے ہیں جیساکہ ان کا عام طریقہ ہے کہ پیروں فقیروں کا بھیس بدل کر اہلِ ایمان کو سمجھاتے ہیں کہ وہ اہلِ حقیقت اگر صحیح درویش اور اللہ والے ہوتے تو ان میں فلاں فلاں نقائص اور عیوب کیوں ہوتے۔ ایسے مدعی (جیسے دیوبندی پیر) اللہ والوں کے ایسے معاملات بتاتے ہیں جن پر بظاہر انگشت نمائی کا موقعہ ملتا ہے۔ اس سے ان کا مقصد صرف یہی ہوتا ہے کہ اربابِ حقیقت سے عوام بدظن ہوکر اُن سے دُور ہوجائیں اور ایسے لوگوں کے لیے عوام کو تیار کریں[2] جو بظاہر اچھے طور طریقے رکھتے ہیں اور درحقیقت وُہ صرف مدّعی محض اور جھوٹے مکّار ہیں۔ اور وُہی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کے لیے محاذ بنائے بیٹھے ہوتے ہیں۔ لوگوں کو سبز باغ دکھاکر دین اور شریعت کے دشمنوں کا معتقد بناتے ہیں اور اس بارہ میں لمبی چوڑی جھوٹی قسمیں کھاکر کہتے ہیں کہ اس سے ہمارا ارادہ محض نیکی ہے اور نیکی کی تمہیں تبلیغ اور دعوت دیتے ہیں۔ وَاللّٰہُ یَشْھَدُ اِنَّھُمْ لَکٰذِبُوْنَ ○ اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ اپنے دعووں اور قسموں میں جھوٹے ہیں۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ لَا تَقُمْ اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے نہ کھڑے ہو۔ فِیْہِ منافقین کی مسجد میں اَبَدًا ہمیشہ کے لیے۔

ف: سعدی مفتی مرحوم نے فرمایا کہ لَا تَقُمْ بمعنے لا تصل ہے۔ قیام سے صلوٰۃ مراد ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے:

"فلان یقوم اللیل۔"

یعنی فلاں رات کو نماز پڑھتا ہے۔

جیسے صحیح حدیث شریف میں ہے:

"من قام رمضان ایمانا و احتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه۔"

جو رمضان میں نماز (تراویح) پڑھتا ہے ایمان کی حالت میں، ثواب کی خاطر، تو اس کے گزشتہ گناہ بخش دئے جائینگے۔

لَمَسْجِدٌ البتہ مسجد قبا (اس میں لام ابتدائیہ ہے یا قسمیہ) اُسِّسَ کی بنیاد رکھی گئی۔ تاسیس سے مشتق ہے بمعنے احکام یعنی محکم کرنا۔ مثلاً کہا جاتا ہے: "اس البناء" یعنی اس کی مضبوط بنیاد رکھی۔ اسے اس معنے سے اس لیے

---

[1] جیسے دیوبندی وہابیوں نے کر رکھا ہے۔ [2] جیسے تبلیغی جماعت والوں کا طریقہ ہے کہ عوام کو سبز باغ دکھاکر حقیقی اللہ والوں سے بدظن کرکے اپنے بڑوں بڑوں کے پاس مراکز میں لے جاتے ہیں۔

تعبیر کیا گیا ہے کہ اس مسجد کی بنیاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی اور اس میں قیام کے دوران نمازیں پڑھیں۔ عَلَی التَّقْوٰی پرہیزگاری پر۔

ف : تبیان میں ہے تقوٰی پر بنیاد رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی حدود کی تعیین اور اس کی بنیاد کی تکمیل اللہ تعالےٰ کی اطاعت کے لیے ہوئی۔ حدادی نے فرمایا کہ تقوٰی پر بنیاد رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر تیار کیا گیا۔

ف : عَلٰی بمعنے مع ہے جیسے آیت و اتی المال علی حبہ میں عَلٰی بمعنے مع ہے۔ (کذا فی حواشی سعدی المفتی مرحوم)

مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ اس کے ابتدائی تعمیر و تاسیس کے دن سے۔ اس کا تعلق اسّس سے ہے۔

قاعدہ : لفظ مِن کا قاعدہ ہے کہ جب ظروف کی ابتداء میں آئے تو اکثر ظروف مکان ہوتی ہیں۔ جیسے کہا جاتا ہے "جئت من البصرہ" یہ بصریوں کا مذہب ہے، کوفیوں کے نزدیک وہ اکثر ظروفِ زمان ہوتے ہیں جیسے آیت ہذا میں ہے یہاں پر من بمعنے منذ ہے۔ یعنی جب سے اس کی بنیاد رکھی گئی اس لیے کہ لفظ "منذ" ابتداء الغایہ فی الزمان کے لیے مستعمل ہے مثلاً کہا جاتا ہے : ما رایتہ منذ شھر۔

رضی صاحب نے فرمایا : یہاں پر مِن بمعنے فی ہے اور ظروف میں اکثر واقع ہوتا ہے۔

ف : بعض مفسرین نے فرمایا : یہاں پر مسجد سے مسجدِ نبوی (جو مدینہ طیبہ میں واقع ہے) مراد ہے۔ لیکن پہلا معنیٰ مشہور اور قصہ کے موافق ہے، کیونکہ جس مقصد کا واقعہ یہاں ہوا وہ بستی قبا میں تھی اور مسجد ضرار کا مقابلہ بھی اسی کے لیے موزونیت رکھتا ہے نہ کہ مسجد مدینہ سے۔

ف : حدادی نے فرمایا : مذکورہ بالا دونوں قولوں میں مطابقت یوں ہو سکتی ہے کہ آیت میں دونوں مسجدیں (مسجد قبا اور مسجد نبوی) مراد ہیں۔

اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْہِ زیادہ لائق ہے کہ آپ اس میں نماز پڑھیں۔

سوال : افعل التفضیل سے ثابت ہوتا ہے کہ مسجد قبا کے ساتھ اس دوسری مسجد میں بھی نماز پڑھنا جائز ہو باوجودیکہ اس میں چار خرابیاں بیان کی گئی ہیں۔ اُن کے وجود سے دُوسری مسجد میں نماز ہرگز ناجائز ہو۔

جواب : اگر مان لیا جائے کہ افعل کے صیغہ سے دُوسری مسجد کا جواز نکلتا ہے لیکن چونکہ مسجد قبا کے جملہ اوصاف احق کے ہوتے ہوئے دوسری مسجد کے مفاسد مدِنظر رکھنے پر جوازِ نماز خود بخود رفع ہو جاتا ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ یہاں احق اپنے افعل (اصل) معنے پر نہیں بلکہ یہاں پر احق بمعنے حقیق ہے۔ (کذا قال مولانا ابو السعود المفسر مرحوم) یعنی مسجد ضرار کسی طرح حق نہیں رکھتی کہ آپ اس میں نماز پڑھیں بلکہ صرف مسجد قبا اس لائق ہے کہ آپ اس میں نماز پڑھیں۔

سوال : اگر احق اپنے معنے پر نہیں تو اسے لانے کا کیا فائدہ ؟

جواب : تاکہ مسجد قبا کی فضیلت کی طرف اشارہ اور اس کے کمال پر دلالت ہو۔

جواب : احق اپنے اصلی افعل معنیٰ پر ہے۔ لیکن یہاں پر افضلیت سے وہ استحقاق مراد ہے جو بانی مسجد کی غرض و ارادہ پر دلالت کرے اور جس کے عقاید حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں صحیح ہوں۔ یہی تیسری توجیہ انسب ہے اس کی مزید تشریح آئے گی۔ (ان شاء اللہ)

فِيْهِ وہ مسجد کہ جس کی بنیاد تقویٰ پر ہے رِجَالٌ بہت سے مرد یعنی انصار یہ جملہ مستانفہ ہے۔ اس میں نماز پڑھنے کی از روئے حال احقیت کی علت ہے جبکہ پہلے اس کی احقیت از روئے محل بیان کی گئی ہے۔ يُحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا انھیں محبت ہے کہ وہ ہر قسم کی نجاستوں اور غلاظتوں سے پاک رہیں۔ وہ نجاستیں بدنی ہوں یا عملی، یعنی وہ جس طرح بدنی نجاستوں سے پاک رہتے ہیں ایسے ہی عملی یعنی گناہوں اور گندی خصلتوں سے پاک رہنا چاہتے ہیں وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ○ اور اللہ تعالیٰ پاک رہنے والوں سے خوش ہوتا ہے اور انھیں اپنا قرب عطا فرماتا ہے جیسے ایک محب اپنے حبیب کو قریب کرتا ہے۔

حدیث شریف اور فضیلتِ ساکنانِ قبا

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے نزول کے بعد مسجد قبا میں تشریف لے گئے اور آپ کے ساتھ چند صحابہ بھی تھے۔ جب آپ مسجد قبا کے دروازے پر پہنچے تو مسجد میں بیٹھنے والوں سے فرمایا : تم اہلِ ایمان ہو ؟ وہ خاموش رہے۔ آپ نے یہی کلام دہرایا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی : وہ یقیناً مومن ہیں اور میں بھی انہی سے ہوں۔ آپ چل کر مسجد کے اندر اُن کے ساتھ بیٹھ گئے اور فرمایا : کیا تم مصائب پر صبر کرتے رہتے ہو ؟ عرض کی : ہاں۔ آپ نے فرمایا : کیا تم تقدیر پر راضی رہتے ہو ؟ عرض کی : ہاں۔ آپ نے فرمایا : رب کعبہ کی قسم تم یقیناً مومن ہو۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا : اے نصاریٰ (قبا والے) ! اللہ تعالیٰ نے تمہاری تعریف فرمائی ہے۔ بتاؤ تم وضو اور قضاء حاجت کے وقت طہارت کیسے کرتے ہو ؟ عرض کی : ہم قضاءِ حاجت کے بعد مٹی کے تین ڈھیلے استعمال کرتے ہیں۔ اس کے بعد ہم پانی سے استنجاء کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا : بس اسی وجہ سے تمہاری تعریف نازل ہوئی ہے۔ اس کے بعد آپ نے پڑھا : فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا الخ

سب سے پہلے استنجا کرنے والا

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے استنجاء حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شروع فرمایا۔

مسئلہ : استنجاء بمعنے پلیدی کے نکلنے کی جگہ کا پونچھنا، نجو سے ہے بمعنے وہ شے جو پیٹ سے نکلے۔ یہ عمومی معنیٰ ہے اسے کسی کپڑے یا ڈھیلے سے صاف کیا جائے تو بھی استنجاء ہے اسے پانی سے دھویا جائے تب بھی۔ (کذا فی المغرب)

مسئلہ: پیٹ کی پلیدی کی نکلنے کی جگہ کو تین مٹی کے ڈھیلوں سے صاف کیا جائے۔ اگر ڈھیلے نہ ہوں تو پتھر سے۔ وہ نہ ہو تو ہاتھ کی ہتھیلی سے پانی بہا کر" ان تینوں کے سوا دُوسری اور کسی شئے سے استنجا نہ کیا جا سکے اس لیے کہ اس سے فقرو فاقہ اور تنگدستی پیدا ہوتی ہے۔

ف: دراصل اس سے مطلوب صفائی ہے اس لیے مذکورہ تینوں صورتوں میں سے کسی ایک سے صفائی ہوجائے تو دُوسری اشیاء کی ضرورت نہیں۔ اگر مذکورہ بالا تینوں کے بعد کسی اور شئے کے اضافے کی ضرورت محسوس ہو تو جائز ہے۔

بدعت کی مثال نیند اور ریح خارج کرنے کے بعد استنجا کرنا بدعت سیئہ ہے۔ ہاں پیشاب اور قضائے حاجت سے استنجا کرنا لازمی ہے۔ (کذا فی النوازل)

مسئلہ: استنجا کے بعد کپڑے (تولیہ وغیرہ) سے استنجا کی جگہ کو پُونچھنا مستحب ہے۔ لیکن یہ صفائی استنجا کی جگہ سے اُٹھنے سے پہلے۔ اور پانی کے استعمال کے بعد ہو تاکہ استنجا کا پانی کپڑے (تولیہ وغیرہ) سے اچھی طرح صاف ہوجائے۔

ف: قبا کے انصار رضی اللہ عنہم پیشاب کے بعد بھی پانی سے استنجا کرتے تھے جبکہ وہ ڈھیلے سے پہلے پیشاب خشک کر لیتے تھے۔

ف: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اُن کی یہ تعریف اس لیے ہے کہ وُہ جنابت کے بعد فوراً غسل کر لیتے۔

حدیث شریف مع شرح ثلا ثة لا تقربهم الملا ئكة تین ایسے شخص ہیں جن کے قریب فرشتے نہیں رہ سکتے ان فرشتوں سے غیر حفظہ مراد ہیں۔ یعنی وُہ فرشتے جو رحمت و برکت لے کر اُترتے ہیں وُہ تینوں کے قریب نہیں آتے۔ باقی رہے حفظہ (نگران) فرشتے وُہ تو ہر وقت ساتھ رہتے ہیں۔ کسی وقت بھی موت سے پہلے انسان سے جُدا نہیں ہوتے۔ اس لیے بعض علماء کرام نے فرمایا اس سے وہ فرشتے مراد ہیں جو نگران اور موت کے فرشتوں کے غیر ہیں۔ یعنی ایسے تین شخصوں کے ساتھ خیر و برکت لے کر حاضر نہیں ہوتے۔ پہلا "جیفة الکافر" کافر مُردہ۔ اس سے اُس کا جسم مراد ہے خواہ زندہ ہو یا مُردہ، اس لیے کہ وُہ ہمیشہ کے لیے پلید اور رحمتِ خداوندی سے بعید تر ہے اس لیے اس کے لیے فرشتے خیر و برکت نہیں لاتے۔ والمتضمخ بالضاد والخاء المعجمتین۔ یعنی دُوسرا وُہ جو زنگدار خوشبو اپنے جسم پر لگائے۔ الخلوق مفتح الخاء المعجمة، اس خوشبو کو کہا جاتا ہے جو زعفران وغیرہ سے مرکب کر کے بنائی جاتی ہے جس میں سُرخی اور زردی اور زردی زیادہ ہوتی ہے۔ ابُو عبید نے فرمایا کہ عرب والے صرف زعفران کو کہتے ہیں اور خلوق یعنی رنگدار خوشبو سے اس لیے روکا گیا ہے کہ اس کے استعمال سے رعونت اور عورتوں سے مشابہت پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ رُکاوٹ بھی صرف مردوں کے لیے ہے ورنہ عورتوں کے لیے اس کا گھر میں استعمال جائز ہے اور اگر اس میں رنگ نہ ہو تو خوشبو مرد کو جائز ہے۔ عورتوں کو خوشبو لگا کر گھر سے باھر جانا

ناجائز ہے۔ (کذا فی المفاتیح) والجنب ان میں تیسرا جنب ہے۔ الجنابۃ سے ہے بمعنے بُعد۔ اور جنبی مرد کو اس لیے جنب کہا جاتا ہے کہ وہ نماز وغیرہ سے دُور رہتا ہے جب تک اس سے پاکی نہ حاصل کرے یا اس لیے کہ ایسا شخص لوگوں کی محفل میں بیٹھنے کا نہیں رہتا جب تک کہ غسل نہ کرے۔ الا ان یتوضاء ہاں وضو کر لے تو پھر رحمت و برکت کے فرشتے اس کے لیے خیر و برکت لاتے ہیں۔ یہ اس شخص کے لیے ہے جو بلا عذر غسل کو موخر کرتا ہے یا عذر کی وجہ سے غسل نہیں کرتا۔ لیکن وضو کی قدرت کے باوجود وضو نہیں کرتا۔ تو ایسے شخص کی جنابت کے وقت خیر و برکت کے فرشتے نازل نہیں ہوتے۔ بعض حضرات نے اس جنب سے وہ شخص مراد لیا ہے جو سرے سے جنابت کے غسل کا منکر ہو اس لیے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی جنب کے بعد بلا وضو (امت کی سہولت کے لیے) سو جاتے اور کبھی ایک شب میں تمام ازواجِ مطہرات کے ہاں تشریف لے جاتے۔ درمیان میں وضو نہیں فرماتے آخر میں صرف ایک دفعہ غسل فرماتے۔ صرف اس لیے کہ اگر اُمت سے کسی وقت ایسا ہو جائے تو ان کے لیے گناہ نہ لکھے جائیں بوقتِ ضرورت غسل میں تاخیر کر سکتے ہیں۔ سُستی و کاہلی سے ایسا ہرگز نہ کرے۔

مسئلہ: شرعۃ (کتاب) میں ہے کہ جنب کے بعد تھوڑا سا سو جائے تاکہ جسم کو تھوڑی سی راحت کا موقعہ مل جائے۔

مسئلہ: جنب کے بعد وضو کر لینا سنت ہے۔ اس کے بعد اگر سو جائے تو جائز ہے۔ (کذا فی شرح ابن السید علی)

مسئلہ: فتح القریب میں ہے کہ وضو سے یہاں پر شرعی وضو مراد ہے اس میں کسی کا خلاف نہیں۔

حدیث شریف: حضرت شعبہ سے مروی ہے کہ جنب کے بعد ذکر کو دھو کر وضو کر کے پھر سو جانا جائز ہے۔

ف: یہی درست ہے کہ پہلے ذکر کو دھو لیا جائے تاکہ اس کی نجاست دُھل جائے پھر وضو کر کے چاہے سو جائے۔

مسئلہ: جو شخص جنب میں بلا وضو سو جائے اُسے اللہ تعالیٰ سے استغفار لازمی ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی جماع کے بعد نیند سے پہلے دوبارہ جماع کا ارادہ کرتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ ذکر اور دونوں ہاتھ دھو لے۔ یہاں پر اسے شرعی وضو ضروری نہیں۔

وظیفۂ خوشحالی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "طعام کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے سے تنگدستی دُور ہوتی ہے۔" اس روایت میں وضو سے شرعی وضو مراد ہے۔

مسئلہ: جنابت سے پہلے پُورا وضو کرنے میں نیّت کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں حدثِ اصغر دُور کرے یا دوبارہ جماع کرنے کی وجہ سے سنّت پر عمل کرنے یا جنابت دُور کرنے کا ارادہ کرے یا یہ ارادہ ہو کہ اعضائے مغسولہ پر جو نجاست پڑی ہے وہ دُور کرنا ہو۔ ان سب صورتوں میں صحیح یہ ہے کہ یہ ارادہ ہو کہ حدثِ اصغر دُور ہو تاکہ اسے ایک مستقل عبادت نصیب ہو یا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔ اس لیے کہ جنابت اور حدثِ اصغر اس کے سر پر ہیں ان میں سے وضو کرنے سے حدثِ اصغر دفع ہو جائے گی۔ (کذا فی فتح القریب)

ف : وضو کی علت میں اختلاف ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہ وضو اس لیے ہے کہ دو حدثوں میں سے ایک حدث ہٹ جانے سے اسے خفت حاصل ہوگی۔ بعض فرماتے ہیں کہ اسے وضو سے نیند کرنی چاہیے تاکہ خدانخواستہ اگر اسے اس وقت موت آجائے تو بے وضو ہو کر نہ مرے اور ان رحمت کے ملائکہ کے نزول سے محروم نہ ہو جائے جو جنب کے قریب نہیں جاتے۔ ہاں اگر وضو کرلے تو پھر وہ فرشتے اس کے ہاں تشریف لاتے ہیں۔

مسئلہ : امام شافعی وامام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا : جنبی کو بعد جنابت سونے سے پہلے وضو کرلینا مستحب ہے۔ اس لیے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسا کیا کرتے تھے۔

مسئلہ : بعض مالکیہ سے ہے کہ اگر کوئی جنابت کے بعد وضو کرکے نہیں سوتا تو اس کے عادل ہونے میں فرق نہیں پڑتا، اس لیے کہ علماء کے نزدیک یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اس پر عمل در آمد ہو تو عامل کی عدالت پر حرف نہیں آئے گا۔

الجوبہ : صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے چاہا کہ بخار میں مبتلا ہوں تاکہ گناہ جھڑ جائیں۔ چنانچہ سب کے سب بخار میں مبتلا ہوتے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بخار کی حاضری

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بخار نے اجازت چاہی۔ آپ نے فرمایا : یہ کون ہے ؟

بخار نے عرض کی : میرا نام ام ملدم ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے فرمایا : اہل قبا کے ہاں چلی جا۔

وہاں پہنچی تو وہ سب بخار میں مبتلا ہوگئے اور بارگاہِ رسالت میں عرض گزاری۔ آپ نے فرمایا : چاہو تو میں اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگوں اور تمہارے سے بخار بھاگ جائے، چاہو تو تمہارے لیے یہ بخار گناہوں کا کفارہ ہو۔

انہوں نے عرض کی : کیا ایسے ہوگا ؟

آپ نے فرمایا : ہاں۔

انہوں نے عرض کی : پھر بخار کو ہمارے ہاں رہنے دیجئے۔

بُخار کی فضیلت

ایک شب کا بخار ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ اور ایک دن کا بخار جہنم کی آگ سے بیزاری کا سبب بنتا ہے اور بندہ گناہوں سے ایسے پاک وصاف ہو جاتا ہے جیسے اس کی ماں نے ابھی جنا ہو۔

حکایت و روایت

بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مدینہ طیبہ میں بیمار ہوگئیں تو انہوں نے بخار کو گالیاں دیں۔ حضور اکرم نے فرمایا : بخار کو سبّ وشتم مت کرو، اس لیے کہ وہ

مامورمن اللہ ہے۔ ہاں اے عائشہ! اگر تم چاہو تو میں تمہیں چند ایسے کلمات سکھا دوں جن کے پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بخار تمہارے سے ٹل جائے گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی، ضرور بتائیے۔ آپ نے فرمایا: وہ کلمات یہ ہیں:

اللھم ارحم جلدی الرقیق وعظمی الدقیق من شدة الحریق یاام ملدم ان کنت اٰمنت باللہ العظیم فلا تصدعی الراس ولا تنتنی الفم ولا تاکلی اللحم ولا تشربی الدم وتحولی عنی الی من اتخذ مع اللہ۔ الخ

اے میرے اللہ! کمزور چمڑے اور نرم ہڈیوں کو سخت گرمی سے بچا۔ اے ام ملدم! اگر تجھے اللہ کریم پر ایمان ہے تو میرے سر کو دکھ نہ دے اور نہ ہی منہ کو زخم کر اور نہ ہی گوشت کھا اور نہ خون پی۔ میرے سے ہٹ کر کسی ایسے کے پاس جا جو اللہ تعالٰے کے سوا کسی دوسرے کو معبود بناتا ہے۔

بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب یہ کلمات پڑھے تو بخار ان سے ٹل گیا۔

وطن کی یاد جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو انھیں مدینہ طیبہ کی آب و ہوا چند روز کے لیے ناموافق ہوئی اُن میں اکثر حضرات بیمار پڑ گئے اور مکہ معظمہ کی یاد انہیں ستانے لگی۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن آسمان (جو کہ دعا کا قبلہ ہے) کو دیکھ کر یہ دُعا پڑھی:

اللھم حبب الینا المدینة کما حبب الینا مکہ بارك لنا فی مدھا وصاعھا وصححھا لنا ثم انقل وباءھا الیٰ مھیعة۔

اے اللہ! ہمارے اندر مدینہ کی محبت ڈال دے جیسے ہمارے اندر مکہ کی محبت ڈال دی اور مدینہ کے مد اور صاع میں برکت دے اور اسے ہمارے لیے خوشگوار بنا دے اور اس کی وبا (مھیعۃ) کی طرف بھیج دے۔

ف: مھیعہ ایک گاؤں ہے جسے جحفہ کہا جاتا ہے۔ وہ رابغ کے قریب مصر سے آنے والوں کے لیے احرام کی جگہ ہے اس وقت وہاں کے باشی یہودی تھے۔

ف: آپ نے مدینہ کی محبت کی دُعا کی اس لیے عرض کی کہ انسان میں وطن کی محبت جان وجگر میں سمائی ہوتی ہے اور دل اس طرف مائل رہتا ہے۔

حدیث شریف: بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک شخص سے حضور علیہ السلام کے سامنے مکہ معظمہ کے حالات پوچھے جو کہ مکہ معظمہ سے تازہ طور مدینہ مکرمہ حاضر ہوا۔ جب وہ مکہ معظمہ کے حالات سنانے لگا تو حضور علیہ السلام کی چشمانِ مبارک آنسوؤں سے ڈبڈبا گئیں اور فرمایا مکہ معظمہ کے شوق کی باتیں بند کر دے تو اچھا ہے۔ سہ

فتنہا در انجمن پیدا شود از سوز من
چو مرا در خاطر آید مسکن و ماوائے دوست

ختنہ کے مسائل ۱۔ اسئلۃ الحکم میں ہے کہ ختنہ صفائی ستھرائی کے لیے کرایا جاتا ہے اس لیے کہ اس سے محبت الٰہی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ۔

یہی وجہ ہے کہ ختنہ کے بعد پیشاب کے قطرات اور اُس کی نجاست سے پُورے طور طہارت حاصل ہوتی ہے۔

۲۔ فقہا فرماتے ہیں کہ غیر مختون (یعنی جس کا ختنہ نہ ہوا ہو) اسے جنابت والے کے غسل میں ختنہ والے چمڑے کے اندر پانی پہنچانا ضروری ہے، اس لیے کہ اُسے پانی پہنچانے میں تکلیف نہیں ہوتی۔

حدیث شریف : پیشاب سے بچو اس لیے کہ قبر کا عذاب عموماً پیشاب کے قطرات کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور بندے کا سب سے پہلا حساب قبر میں ہوتا ہے۔ (کذا فی الترغیب)

تفسیر صُوفیانہ منافقین کی مسجد سے نفس کی گندگیوں کا ڈھیر مراد ہے۔ اور المسجد اسّس علی التقوٰی سے قلب کی مسجد مراد ہے۔ اس لیے کہ بروز میثاق بوقت اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ اور قَالُوْا بَلٰی کے جواب قلب کی بنیاد عبودیت و طاعت اور اقرار بالوحدانیت پر رکھی گئی ہے اور اس مسجد کے باشی منتظر یعنے صفاتِ ذمیمہ و اخلاق لئیمہ بلکہ وجود کی گرد و غبار احدوث کی گندگیوں سے بالکل پاک اور منزہ ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی ایسے لوگوں کو اُن کے وجودِ فانی سے انھیں وجودِ باقی کی نعمت سے نوازتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو اُن سے محبت نہ ہوتی تو وہ انھیں ایسی تطہیر کی توفیق نہ بخشتا۔ ان کا پاک ہونا ان میں اللہ تعالیٰ کے آثار میں سے ایک ہے۔ حضرت حافظ نے فرمایا : ؎

طہارت ار نہ بخونِ جگر کند عاشق
بقول مفتی عشق اَش درست نیست نماز

مثنوی شریف میں ہے : ؎

رُوئے ناشُستہ نہ بیند رُوئے حُور
لَا صلوٰۃ گفت اِلّا بالطّہور

ف : الطہور بالفتح مصدر بمعنے تطہیر ہے۔ اس معنے پر ہے مفتاح الصّلوٰۃ الطہور اور الطہور وضو کے پانی وغیرہ کو بھی کہا جاتا ہے۔ (کذا فی المغرب)

تفسیر عالمانہ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْیَانَہٗ یہ جملہ مستانفہ ہے۔ اس سے مسجد قبا کے مکینوں کی مسجد ضرار کے ساکنین کی فضیلت بیان کرنا مطلوب ہے۔ اس کا ہمزہ استفہام انکاری ہے اور فاء فعل مقدر پر عطف ہے۔ التاسیس بمعنے بنیاد کو

مضبوط کرنا اور البنیان غفران کی طرح مصدر ہے۔ بمعنے المفعول یعنی بنیان بمعنے مبنی ہے۔ اب معنیٰ یوں ہوا کہ کیا بعد معلوم کر لینے حالات ان لوگوں کے پس جس نے اپنی مسجد کی بنیاد مضبوط رکھی ہو۔ یہ ترجمہ اس لیے زیادہ موزوں ہے کہ کلام اس کے متعلق ہو رہا ہے۔ اسس علی التقویٰ کا جملہ بھی اس معنے کا موید ہے۔ کاشفی نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ:

"آیا ہر کس کہ اساس افگند بنائے دینِ خود را"۔

یعنی کاشفی نے دین مراد لیا ہے۔

عَلٰی تَقْوٰی مِنَ اللّٰہِ تقویٰ سے یہاں پر تقویٰ کا درجہ ثانیہ مراد ہے یعنی ہر گناہ سے بچنا اور نیکی پر عمل کرنا۔ اس معنے پر تقویٰ حبلی کی طرح غیر منصرف ہوگا۔ اس بنا پر اسس پر تنوین نہیں لایا گیا۔ بعض مفسرین نے اسے تنوین کے ساتھ بھی پڑھا ہے اس کا آخری الف ارطی کے الف کی طرح الحاقی مانا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ڈر پر وَ رِضْوَانٍ اور طاعات میں مشغول ہو کر۔ اس کی رضا مندی کی طلب میں خیر بہتر ہے۔ یہ خیریت بایں معنیٰ ہے کہ مسجد ضرار کے باشیوں کو اپنی مسجد کو بحیثیت مسجدیت کے مسجد قبا سے اشتراک کا خیال تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے خیال کے مطابق فرمایا: خیرہ امن اسس بنیانہ یا وہ کہ جس نے اپنی مسجد کی بنیاد رکھی ہے۔ یعنی ان دونوں میں سے افضل کون ہے اور ان میں سے کس کے ساتھ دینے میں فضیلت ہے اور کس مسجد میں نماز پڑھنا ثواب ہے۔ یعنی ان میں ایک وُہ ہے جو اپنی مسجد کے تیار کرتے وقت صرف اللہ تعالیٰ کا خوف اور اس کی رضا کا طالب ہے۔ اس سے اہلِ قبا مراد ہیں۔ دُوسرا وُہ ہے جو مسجد کی بنیاد کفر و نفاق اور مسلمانوں کے درمیان تفرقہ کے ارادے پر رکھتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ اس طرح اہلِ اسلام کو نقصان پہنچانا آسان ہوگا اور دینی امور میں پھوٹ ڈال کر اسے کمزور کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے ضمیر نہیں لائی گئی ہے ہر دو بنیادوں کو نہ صرف صفتہً و اضافتہً اختلاف ہے بلکہ وُہ ذاتی طور پر ایک دُوسری سے مختلف ہیں۔ عَلٰی شَفَا جُرُفٍ هَارٍ

حل لغات: شفاء الشیئ بالکسر بمعنے شے کا کنارہ۔ اس کا تثنیہ شفوان آئے گا الجرف بالضم والاسکان دونوں لُغتیں ہیں وہ زمین جس کی بنیاد سیلاب کھود ڈالے۔ یعنی اس کی بنیاد کی مٹی سیلاب سے کہیں دُور چلی جائے الھاری بمعنے المتصدع یعنی گرنے کے قریب ہونے والا۔ مثلاً کہا جاتا ہے ھار الجرف، یھور بروزن یقول یا یہیر بروزن یبیع اس کا مضارع آتا ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شے پیچھے سے پھٹ جائے اور ھاری ھائر کا مقلوب ہے لام کلمہ عین کلمہ کی جگہ پر رکھا گیا ہے جیسے شاك میں کیا گیا ہے کہ وُہ دراصل شائکٌ تھا۔ یعنی ھاری بروزن قاضی فاعل کی طرح ہوگیا۔ ابوالبقاء نے فرمایا کہ ھَارٍ دراصل ھاوِرٌ یا ھایِرٌ تھا۔ پھر قلب مکانی سے ھادرٌ ہوا اس کے بعد ما قبل کسرہ کی وجہ سے واؤ یاء سے تبدیل ہو کر التقائے ساکنین کی وجہ سے گر گئی۔ اس اعتبار پر قلب مکانی کے بعد اُس کا وزن فالِعْ اور یاء کے گر جانے کے بعد اس کا قال ہوگا۔ عین کلمہ اس کا واؤ ہے یا یاء۔ مثلاً کہا جاتا ہے تہور البناء و تہیر۔

فَانۡهَارَ بِهٖ فِیۡ نَارِ جَهَنَّمَ ط پس وہ نارِ جہنم میں گرا۔

اہلِ لغت کہتے ہیں ھار البناء ھدمہ فانھار ۔ الانہیار سے مشتق ہے بمعنے بہیدہ شدن ۔ (کذا فی تاج المصادر)، فانہار کا فاعل ضمیر ہے جو البنیان کی طرف لوٹتی ہے و بہٖ کی ضمیر موسس کی طرف ہے۔ یعنی جس نے مسجد کی بنیاد رکھی ۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ وہ مسجد گری اور اپنے بنانے والے کو جہنم میں لے کر گری۔

ف : حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ مسجد ضرار کی جگہ کھودی گئی تو اس سے آگ کا ایک دُھواں نکلتا رہا ۔حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مسجد ضرار کی جگہ کھودی گئی ۔ اس سے جو دھواں نکلتا تھا اسے میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

ف : حدادی نے فرمایا کہ بنیاد جو پانی کے کنارے پر کھودی جائے تو اس کے گرنے میں کون سا شک ہے ۔ اسی طرح جو مسجد منافقین نے اختلافات بڑھانے کی نیت پر بنائی تو اُسے بھی یقین سے سمجھو کہ وہ برلبِ جہنم ہے ۔ اور گرے نے پر سیدھی جہنم میں (مع اپنے تعمیر کنندگاں) جائے گی ۔

وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ ۝ اور اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ۔یعنی وہ لوگ اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں یا ظٰلمین سے وُہ لوگ مراد ہیں جو اشیاء کو اپنے اصلی محل پر نہیں چھوڑتے ۔ تو اللہ تعالےٰ ایسے لوگوں کو اُن امور کی طرف رہبری نہیں کرتا جو انہیں نجات کی راہ دکھائیں، یا اس کی اصلاح ہو سکے ۔ ویسے تو رُشد و ہدایت کی راہیں ہر وقت صاف صاف کھلی ہیں اور اگر وُہ چاہیں اور جب بھی چاہیں اُن پر چلیں لیکن ان کا ان سیدھی راہوں کی طرف رجوع ہی نہیں ۔

تفسیر صوفیانہ

حقیقی ظُلم تو یہ ہے کہ عبادت و محبت و طلبِ حق کے بجائے دُنیا کی عبادۃ و محبت اور اس کی طلب میں زندگی بسر کی جاتے ۔

تفسیر عالمانہ

لَا يَزَالُ بُنۡيَانُهُمُ الَّذِىۡ بَنَوۡا بنیان مصدر مفعول ہے اس لیے اسم موصول بصلہٖ فعل مل کر اس کی صفت بنائی گئی ہے تاکہ معلوم ہو کہ ان کی مسجد کی بناد اور تعمیر نہایت کمزور اور بالکل ضعیف اور قطعًا ناکارہ ہے کہ چند روز کے بعد کھوکھلی ہو کر خود بخود منہدم ہو جائے گی ۔ پھر اس میں حکم کی علت بھی بتائی گئی ہے ۔یعنی ان کی مسجد کی بنیاد ہمیشہ رہی رِيۡبَةً فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ ان کے دِلوں اور دین میں شک شبہ کا سبب گویا اُن کے دل اور دین عین شک بن گئے ۔

ف : مسجد کی بناد کا حال بتا کر منافقین کے طور طریقوں کی طرف اشارہ کیا گیا کہ وہ مسلمانوں سے علیحدگی اختیار کر کے اس مسجد میں بیٹھ کر مسلمانوں کو کمزور کرنے کے لیے حیلے اور مکر و فریب اور دھوکے سازیاں سوچتے اور اپنے شرک و کفر کی باتیں کھل کر کرتے رہتے تھے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے آیندہ اپنا لائحہ عمل اسی مسجد میں تیار کرتے اور مجلسِ شوریٰ اسی مسجد میں منعقد کرتے اور مسلمانوں سے جتنے اسرار و رموز سُن کر آتے اس جگہ اس کے متعلق چہ میگوئیاں

کرتے۔ اس طرح سے انہیں دین اسلام کے متعلق شک وشبہ کا اضافہ ہوتا۔ یا اس سے مسجد کی اپنی حالت کا بیان ہے کہ جب اُن کے دل میں شر وفساد راسخ ہوگیا تو مسجد ضرار کے آثار و احکام میں اضافہ ہُوا کہ بالآخر اس کے گرانے کا حکمِ ربانی صادر ہُوا اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ از باب تفعل دراصل تتقطع (بالتائیں) تھا۔ ایک تا دگرا دی بمعنے اِلَّآ اَنْ تَتَقَطَّعَ مگر یہ کہ کٹ جائیں اُن کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہوکر ان کے اجزا ایسے بکھر گئے ہیں کہ اب ان میں شے کے ادراک اور ان میں اُس کے رہنے کی اہلیت وصلاحیت نہیں رہی۔ یہ اعم الاحوال یا اعم الاوقات سے استثنا ہے یا محلاً منصوب علی الظرفیہ ہے۔ دراصل عبارت یُوں تھی :

لا یزال بنیا نھم ریبۃ فی کل وقت من الا وقات او فی کلِ حال من الاحوال الا وقت تقطع قلوبھم۔

یعنی بظاہر اگرچہ اُن کے دل صحیح سالم ہیں لیکن شک وشبہ سے لبریز ہیں۔

خلاصہ یہ کہ مرتے دم تک دین اسلام کے متعلق اُن کے دلوں سے شک وشبہ نہیں جائے گا۔

ف : یہاں پر حقیقی معنیٰ بھی مراد ہوسکتا ہے وہ یہ کہ اُن کے دل ظاہری طور پر جنگوں میں ٹکڑے ہُوئے یا مرنے کے بعد قبر میں اُن کے دل گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے یا جب انہیں جہنم میں ڈالا جائے گا تو جہنم کی آگ سے ان کے دل پاش پاش ہو جائیں گے۔

وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ اور اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ منافقین نے مسجد کیوں بنائی اور کس غرض پر اس کی بنیاد کھڑی کی حَکِیْمٌ ۝ع اپنے ہر حکم اور ہر امر میں حکمت رکھتا ہے۔ مسجد ضرار کو گرا دینے اور ان کی منافقت کو ظاہر کر دینے میں حکمتیں تھیں جنہیں باری تعالیٰ خود ہی جانتا ہے۔

تفسیر صُوفیانہ

مذکورہ بالا دونوں آیات میں چند ارشادات ہیں :

(۱) باب اعمال میں عقاید بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، جیسے دیوار بنیاد کے سوا محکم نہیں سمجھی جاتی ایسے ہی عقاید کے بغیر اعمال کی کوئی حیثیت نہیں بلکہ اعتقاد کی صحت ہی اعمال صالح کا باعث ہے اس لیے کہ اعتقاد صحیح ہی تقربِ الٰہی کا مُوجب بنتا ہے اعتقاد سے ہی امرِ الٰہی کو معظم سمجھا جاسکتا ہے اس کی برکت سے ہی دُعا مستجاب ہوتی ہے۔ اس کی نقیض منافقت ہے۔ اس سے اللہ تعالےٰ کے قرب سے انسان محروم ہوکر مخلوق کی خوشنودی کے پیچھے لگ جاتا ہے۔ اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ بندہ ہر عمل خیر کو نفع آخرت کے ارادہ پر کرے۔ اس کی نقیض ریا ہے اور اس سے ہی بندہ حصولِ دُنیا کی غرض سے نیک عمل کرتا ہے خواہ وہ نیک عمل مخلوق سے متعلق ہو یا خالق سے، اس لیے کہ ریاء کا تعلق مراد سے ہوتا ہے نہ مراد منہ سے۔

سبق : عاقل وہ ہے جو اپنے دین کی بنیاد اعتقاد صحیح اور اخلاص اور تقویٰ پر رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا

دین اس درخت کی مانند ہو جائے جس کی جڑ مضبوط اور شاخیں آسمان پر ہوں۔

(۲) منافقین نے ظاہری طور تو مسجد اس لیے بنائی کہ اس میں نماز پڑھی جائے لیکن درحقیقت انہوں نے اپنے اقوال کی گندگی اور غلاظت کا مرکز تیار کیا اس لیے وہ اس لائق تھی کہ اسے گرانے اور مٹانے کے بعد اس میں گندگی پھینکی جائے۔ چند روز تو منافقین نے اس مسجد سے فائدہ اٹھایا لیکن بعد ازاں جہنم کے گڑھے میں ڈالے گئے۔ کما قال تعالیٰ اِنّ اللہ جامع المنافقین والکافرین فی جہنم "بے شک اللہ تعالےٰ منافقین اور کفار کو جہنم میں جمع کرے گا۔

رُوحانی نسخہ جیسے اُن کی گندگی اور غلاظت بھری مجلس میں بیٹھنے والے کا دل بدبختی سے لبریز ہو جاتا ہے ایسے ہی صدیقین اور عارفین کی مجلس میں بیٹھنے والے کا دل پاک صاف اور ستھرا ہو جاتا ہے بلکہ اسکی پاکیزہ مجلسوں کا خاصہ ہے کہ گندے دلوں کو پُر نور اور صاف و شفاف بنا دیں۔

حدیث شریف: سرورِ عالم نورِ مجسّم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

انھم لقوم لایشقی جلیسھم۔ وہ حضرات ایسے ہیں جن کا صحبت یافتہ بدبخت نہیں ہو سکتا۔

ف: صحبت یافتہ سے مراد یہ ہے کہ اولیاء اللہ کے ملفوظات دِل سے سُنتا ہے یا محبّت وعقیدت سے ان کے ساتھ نشست و برخاست رکھتا ہے اس لیے کہ ملفوظات سُننا اور اُن سے عقیدت کی بنا پر نشست و برخاست رکھنا ان سے محبت کی دلیل ہے۔

حدیث شریف: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

المرء مع من احب۔ قیامت میں ہر شخص اپنے محبوب کے ساتھ ہوگا۔

نکتہ: صوفیاء کرام فرماتے ہیں ارشاد نبوی میں ایک نکتہ ہے وُہ یہ کہ بندہ دُنیا میں اپنے محبوب کی طاعت میں زندگی بسر کرتا ہے اور آخرت میں اپنے محبوب کے قرب اور اس کے مشاہدہ سے نوازا جائے گا۔

(۳) منافقین نے مسجد کی تیاری میں اندرونی طور فریب و مکر اور مسلمانوں سے نقصان دہی کا عزم کیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی گرفت کی پروا نہ کی۔ اس لیے جب انہوں نے مسجد ضرار بنائی تو اللہ تعالےٰ نے اپنے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ فرما دیا، جس سے منافقین کو سخت فضیحت اور ذلّت وخواری حاصل ہوئی۔ ؎

مکر حق سرچشمۂ ایں مکرہا ست
قلب بین اصبعین کبریا ست
آنکہ سازد در دلت مکر و قیاس
آتشے داند زدن اندر پلاس

(۴) جس کی بدبختی ازلی اور اصلی ہو تو وہ اللہ تعالےٰ کی ہر آزمایش پہ گمراہی پاتا ہے بلکہ اس کے ہر غیظ و غضب کا

نشانہ بنتا رہتا ہے اور اس سے ہر امرِ الٰہی پر انکار ہی انکار صادر ہوتا ہے۔
سبق: دانا وہ ہے جو دُنیا کی ذلت اور رسوائی تو سر پر اٹھا لیتا ہے لیکن آخرت کی سُرخروئی کے لیے جان کی بازی لگا دیتا ہے اس لیے کہ دنیا کی ذلت و خواری تو چند روزہ ہے جسے سر پر رکھ لینا کوئی بڑی بات نہیں بخلاف آخرت کی ذلت و خواری کے کہ جسے سر پر رکھنا آسان نہیں ہے۔ ؎

ازیں ہلاک میندیش و باش مردانہ
کہ ایں ہلاک بود موجب خلاص و نجات

(۵) آیت سے ثابت ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیسے رحمۃ للعٰلمین ہیں کہ اُمت کو ہمیشہ جہنم کی آگ سے بچانے کی تدبیر میں لگے رہتے ہیں۔ اسی وجہ سے مسجد ضرار کو منہدم کر کے نیست و نابود فرمایا۔ کیونکہ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس مسجد کو نہ گراتے اور اسے اسی حالت میں چھوڑ دیتے تو چند روز کے بعد اہلِ اسلام کے لیے وہی مسجد ایک آفتِ عظیم بن جاتی جو حقیقی طور پر ایک بہت بڑی آگ تھی یعنی جہنم کے داخل ہونے کا موجب تھی۔ بلکہ اس کے ذریعہ سے بیشمار بندگانِ خدا گمراہی میں مبتلا ہو جاتے اور دینی فتنہ کھڑا ہو جاتا جس کی لپیٹ میں اہلِ اسلام آ جاتے اور اس کی وجہ سے جہنم کا ایندھن بنتے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہلِ شر و فساد کبھی نہیں مانتے کہ وہ شر اور فساد پھیلا رہے ہیں[1]۔ پھر جہاں تک ہو سکے ان کی زیادہ سے زیادہ تردید کی جائے اور ان کی عزت و عظمت کو عوام کے سامنے یکسر ختم کر دی جائے بلکہ جہاں تک ممکن ہو اُن کو اُن کے گھروں سے نکال کر کہیں دُور بھگا دیا جائے۔ اگر ضروری ہو تو ان کے گھروں اور آبادیوں کو مٹا دیا جائے کہ کوئی شخص مسلمانوں کے لیے مسافر خانہ تیار کر کے وقف کر دے اور اس میں شرط لگائے کہ زندگی بھر اس پر میرا قبضہ رہے گا تو اُس کی یہ شرط قابلِ قبول ہے اُس کی زندگی تک وہ مسافر خانہ وغیرہ اُس کے قبضہ میں رہے گا لیکن جب اس سے کوئی امر خلافِ شرع صادر ہو تو اسے اس مسافر خانہ سے نکالا جا سکتا ہے اور وہ مسافر خانہ اس کے قبضہ سے چھین لیا جائے مثلاً وہ اس جگہ شراب پینا شروع کر دے یا ایسا عمل کرے جس میں فسق و فجور ہو اور اس سے رضائے الٰہی میں کمی واقع ہوتی ہے اس لیے کہ وقف میں شروط قابلِ قبول ہوتی ہیں لیکن جب اس کے خلاف معاملات صادر ہونے لگیں تو ان شرائط کو ختم بھی کیا جا سکتا ہے۔
مسئلہ: نصاب الاحتساب میں ہے کہ خانقاہ اس کے بانی سے نہیں چھینی جا سکتی لیکن اس کے بانی سے فسق و فجور کا صدور ہو تو پھر وہ اس سے چھینی جا سکتی ہے۔
انتباہ: جب خانقاہ کے بانی کو اُس کے فسق کی وجہ سے خانقاہ سے علیحدہ کر کے اس سے خانقاہ

---

[1] جیسے مرزائی، وہابی، دیوبندی، تبلیغی، مودودی، پرویزی، شیعہ، نیچری وغیرہ۔

چھین لینا جائز ہے تو پھر خانقاہوں میں فاسق اور مبتدع (بدعتی) وغیرہ کیوں ٹھہرائے جاتے ہیں[1]، جیسے حدیدہ فرقہ یعنی وہ لوگ جو عموماً خانقاہوں پر درویش صفت لوہے کے زنجیر وغیرہ یا لوہے کی کڑیاں یا انگشتریاں یا لوہے کے کڑے ہاتھوں، پاؤں، کانوں، گردنوں یا ناک میں لوہے کی نتھلیاں پہن کر ملنگ بنے پھرتے ہیں اور اکثر داڑھیاں منڈاتے ہیں۔ ان لوگوں کو بھی آستانوں، مزارات اور خانقاہوں میں نہیں رہنے دینا چاہیے اس لیے کہ ان ہر دو کے تمام طریقے غلط اور شرع پاک کے بالکل خلاف ہیں کیونکہ پہلا گروہ یعنی لوہے وغیرہ پہننے والے۔ ان کا لباس شہرت کا لباس ہے اور شہرت کے لباس سے شرع پاک نے منع فرمایا ہے اور دوسرا طبقہ وہ بھی حرام کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کا عمل انگریزوں کی تقلید میں ہوتا ہے۔ یعنی داڑھی منڈانے اور مونچھیں بڑھانے اور سر کے بال فیشن دار رکھیں یعنی کوئی بڑے کوئی چھوٹے ودیگر اعمال اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں تغیر و تبدل پیدا کرنا۔ علاوہ ازیں داڑھی میں عورتوں سے تشبیہ ہوتی ہے فلہذا حرام ہے۔ اسی طرح قلندریہ بھی ایک گروہ ہے وہ عموماً آستانوں، مزارات اور خانقاہوں میں ہوتے ہیں۔ ان کا عمل بھی شریعت مطہرہ کے خلاف ہے اس لیے کہ وہ جسم کے تمام بال منڈاتے ہیں یہاں تک کہ داڑھی مونچھوں کے ساتھ ابرو وغیرہ بھی چٹ صاف کراتے ہیں۔ انہی کے بارے میں حضرت حافظ شیرازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ؎

قلندری نہ بریشت دموی یا ابرو
حساب راہ قلندر بدانکہ مو بموی ست
گزشتن از سر مو در قلندری سہاست
چو حافظ آنکہ ز سر بگزرد قلندر اوست

ف: یہی حکم تمام بدعت سیئہ کے ارتکاب کرنے والوں کا ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا ارادہ ہوتا ہے کہ کسی ایک کو حکم دوں کہ وہ مسجد میں نماز پڑھائے اور میں خود لوگوں کے گھروں میں جا کر دیکھوں کہ ان میں نماز باجماعت کون نہیں پڑھتا، تو جماعت میں شامل نہ ہونے والوں کے گھروں کو آگ لگا دوں۔

مسئلہ: اس سے ثابت ہوا کہ نماز کی جماعت میں عمداً نہ آنے والوں کے گھروں کو آگ لگانا جائز ہے اس لیے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا اور حضور ناجائز امر کے لیے ارادہ نہیں فرماتے کیونکہ برائی کا ارادہ بھی برا ہے۔

تنبیہہ: جب سنتِ مؤکدہ کے تارک کے گھر کو جلانا جائز ہے تو پھر اس کا کیا حال ہوگا جو فرض و واجب کا تارک ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو برے اقوال و افعال سے بچائے۔ (آمین)

---

[1] اسی طرح ہمارے زمانے میں جب دیوبندیوں وہابیوں کا فتویٰ ہے کہ اولیاء کرام کے آستانوں کی آمدنیاں اور اس کے اوقاف کی اشیاء حرام ہیں تو ہماری حکومت انہیں خانقاہوں کے خطباء و ائمہ بلکہ ڈسٹرکٹ خطیب بلکہ وزیرِ اوقاف تک کیوں بناتی ہے یا وہ لوگ اس میں گھسنے کی کوشش کیوں کرتے ہیں!

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۚ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ ۚ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ الْآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ۝ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۝ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَن مَّوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِّلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ ۚ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ ۝ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ هَدَاهُمْ حَتَّىٰ يُبَيِّنَ لَهُم مَّا يَتَّقُونَ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ إِنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۚ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝ لَّقَد تَّابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِن بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَن لَّا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝ ع

ترجمہ : بے شک اللہ نے اہلِ ایمان سے ان کی جان و مال خریدی ہے اس کے بدلے ہیں کہ ان کے لیے بہشت ہے اللہ کی راہ میں لڑیں تو ماریں یا مارے جائیں اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم سچا وعدہ ہے تورات وانجیل قرآن میں اور اللہ تعالےٰ سے اور کون زیادہ اپنے عہد کو پورا کرنے والا ہوسکتا ہے۔ پس اے مومنو اپنے اس سودے کی خوشی مناؤ جو تم نے اللہ سے کیا اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔ توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے، روزہ رکھنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، نیکی بتانیوالے اور برائی سے روکنے والے اور حدودِ الٰہی کی حفاظت کرنے والے اور آپ اہلِ ایمان کو خوشخبری سنائیے اور نبی علیہ السلام اور اہلِ ایمان کے لیے لائق نہیں کہ وہ مشرکین کی بخشش مانگیں، اگرچہ وہ ان کے رشتہ دار ہوں جب انھیں واضح ہوگیا کہ وہ جہنمی ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ کی بخشش طلبی نہ تھی مگر ایک وعدہ کی وجہ سے جو اس سے کرچکے تھے پھر جب ابراہیم علیہ السلام کو واضح ہوا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے

بیزار ہو گئے بیشک ابراہیم علیہ السلام بہت بڑی آہیں کرنے والے حوصلہ والے تھے اور اللہ کی شان نہیں کہ کسی کو ہدایت کر کے گمراہ کر دے جب تک انھیں واضح نہ فرما دے کہ کس سے انہوں نے بچنا ہے بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے بے شک اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہی، وہی جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی تمہارا یار ہے نہ مددگار۔ بے شک اللہ نے توجہ کرم پھیری نبی علیہ السلام اور مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے تنگی کے وقت میں نبی علیہ السلام کا ساتھ دیا بعد اس کے کہ قریب تھا کہ ان میں بعض لوگوں کے دل پھر جائیں پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر توجہ کرم پھیری بیشک وُہ ان پر نہایت مہربان رحم والا ہے۔ اور ان تینوں پر جو پیچھے چھوڑے گئے تھے یہاں تک کہ جب زمین باوجود وسیع ہونے کے ان پر تنگ ہو گئی۔ اور ان کی اپنی جانیں تنگ ہو گئیں اور انھیں یقین ہو گیا کہ اللہ سے پناہ نہیں ملے گی پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی تاکہ وہ ہمیشہ تائب رہیں بے شک اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

تفسیر عالمانہ

شانِ نزول: اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى الخ مروی ہے کہ جب انصار نے مکہ معظمہ میں لیلۃ عقبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی اس وقت وُہ اہلِ مدینہ سے ستر یا چوہتر افراد تھے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ نے کہا کہ آپ اپنے رب کے لیے جو چاہیں ہم سے شرائط لگالیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اپنے رب تعالیٰ کے لیے شرط لگائی کہ تم اس کے ساتھ دُوسرے کو شریک نہ ٹھہرانا اور صرف اسی کی عبادت کرنا۔ اور میں نے اپنے لیے یہ شرط لگائی ہے کہ میری اس طرح حفاظت کرنا جیسے تم اپنے مال و جان کی حفاظت کرتے ہو۔ انصار نے عرض کی اگر آپ کے جملہ شرائط ہم پُورے کریں تو ہمیں کیا عطا ہوگا۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں بہشت نصیب ہوگی۔ انصار نے کہا: ایسی بیع سے ہمیں بہت نفع ہے ہم اس طرح کی بیع کو نہ توڑیں گے اور نہ ہی اس بیع سے ہٹیں گے۔ ؎

آں بیع را کہ روز اوّل با تو کردہ ایم
اصلا دراں حدیث اقالہ نمیـــرود

انصار کے اس قول پر یہ آیت نازل ہوئی مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اہلِ ایمان میں سے۔ یعنی اللہ تعالیٰ خرید و فروخت منافقین و کفار کے ساتھ نہیں کرتا اس لیے کہ وہ ایسی بیع کے لیے مستعد نہیں بلکہ اہلِ ایمان کے ساتھ کرتا ہے۔

ف: حضرت حسن نے فرمایا: سُن لو اللہ تعالیٰ نے سُود مند بیع کا اعلان کیا ہے اور وہ بھی ہر مومن سے۔ بخدا ہر مومن جو بھی اس دنیا میں ہے اس بیع کے اعلان میں شامل ہے۔

سوال : یہ تو معاہدہ ہے اسے بیع سے کیسے تعبیر کیا گیا ہے؟
جواب : بیع میں چونکہ جانبین سے معاوضہ دیا جاتا ہے اور اس معاہدہ میں بھی جانبین سے معاوضہ ہے اس مشابہت سے اس معاہدہ کو بیع سے تعبیر کیا گیا۔
ف : ابن الملک مشارق کی شرح میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے معاوضہ یہ ہے کہ آپ نے ثوابِ آخرت کا وعدہ فرمایا اور اہلِ ایمان کا معاوضہ یہ ہے کہ وہ طاعت پر ملاومت کریں۔
اَنْفُسَهُمْ اپنے نفسوں کو جہاد کے لیے تیار رکھیں، یہاں پر نفس سے مراد یہی بدن جو مٹی کا ڈھانچہ اور روح مجرد انسانی کے کمالات حاصل کرنے کا آلہ ہے وَاَمْوَالَهُمْ اور اپنے مال راہِ حق میں لٹائیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مال اس ڈھانچہ انسانی کی ضروریات کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ط جان و مال دینے کا معاوضہ میں انہیں بہشت نصیب ہوگی۔ یعنی وہ مال و جان کے خرچ کرنے پر بہشت کے مستحق ہوں گے اور اس کا جار د مجرور مل کر اشتری کے متعلق ہے۔
ف : یہ باء متروک پر داخل ہے جیسے باء عوض و مقابلہ کا قاعدہ ہے۔
سوال : بالجنۃ کیوں نہ کہا؟
جواب : تاکہ اس قانون میں مبالغہ ہو کہ انہیں جو کچھ جان و مال کا معاوضہ مل رہا ہے وہ نقد اور صرف انہیں سے مخصوص ہے۔ گویا یوں کہا گیا کہ بہشت تمہارے لیے ثابت ہوگئی اور وہ صرف ہے بھی تمہارے لیے مخصوص۔
سوال : یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ اپنی شَے سے بیع و شرا کی جائے یعنی جو شَے دی جائے وہ بھی اس کی ملکیت ہو اور جو لی جائے وہ بھی اس کی۔ جب سب کو یقین ہے کہ ہم سب کی جانیں اور ہمارے اموال اسی کے اور بہشت بھی اسی کی۔ پھر اس میں خرید و فروخت کا کیا معنٰی؟
جواب : صرف جنگ کے بارے میں ترغیب و تحریص کے طور ایسے کہا گیا ہے کہ ؎

اے بندہ از تو بذل کردن نفس و مال
واز من عطا دادن بہشت بے زوال

ف : اس میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو طاعت بدنیہ و مالیہ کی دعوت میں لطف و کرم فرمایا ہے اور اُن کے عطیہ جزا پر ترغیب و تحریص فرمائی۔ چنانچہ دُوسرے مقام پر فرمایا:
من ذا الذی یقرض اللہ قرضًا حسنًا (کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دیگا)
یہاں پر صدقہ کے بجائے قرض کا لانا ترغیب و تحریص کے لیے ہے اس لیے کہ قرض کا مطلب تو یہ ہوتا ہے کہ جس طرح کا مال یا نقد دراہم و دنانیر وغیرہ لیے جائیں اسی کے مثل واپس ادا کیے جائیں لیکن اللہ تعالیٰ سے اس جیسا

واپس کرنا کیسا۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ نے یہاں پر اپنے بندوں سے مال وجان طلب فرما کر اُن پر غیر مالکانہ حیثیت سے معاملہ کیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہاں پر اشتریٰ فرما کر اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اہلِ ایمان کے مال وجان کو قبول فرمالیا ہے اور ان کے عوض میں انہیں بہشت عطا فرمائی ہے۔ آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے آپ کو مشتری اور اہل ایمان کو بائع اور ان کے مال وجان کو بیع اور بہشت کو ثمن سے تعبیر فرمایا ہے۔ یاد رہے کہ عقد بیع میں عمدہ اور اصل مبیع ہوتی ہے اور ثمن وسیلہ اور ذریعہ۔

نکتہ: اس سے ثابت ہوا کہ انسان کا جان ومال راہِ حق میں خرچ کرنا اصل ہے اور بہشت کا حصول صرف ذریعہ اور وسیلہ ہے۔

سوال: اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا ہوتا: ان اللّٰہ باع الجنۃ من المؤمنین بانفسھم واموالھم۔

جواب: اس عبارت میں بہشت اصل اور مقصد حقیقی بن جاتی اور بذل مال وجان اس کا وسیلہ وذریعہ، اور اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں اس لیے کہ اللہ تعالےٰ چاہتا ہے کہ انسان کی عزت افزائی ہو، اور وہ اس صورت میں ہے کہ انسان کا بذل مال وجان مقصد اصلی ہو اور حصولِ جنت آلہ وسیلہ۔

نکتہ از حضرت جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اے ابنِ آدم! اپنے نفس کی قدر ومنزلت کی قدر شناسی سے غافل نہ ہو۔ جبکہ اللہ تعالےٰ نے تیرے نفس کو وہ عزت بخشی کہ اس کا ثمن سوائے بہشت کے اور کسی شے کو نہ بنایا اور نہ ہی جنت کے سوا کسی دوسری شے کو اس قابل بنایا کہ وہ ابنِ آدم کے نفس کا عوض بن سکے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

خویش را نشناخت مسکیں آدمی
از فزونی آمد وشد در کمی

کاشفی نے کہا کہ نفس شر اور شور کا مجموعہ ہے اور مال سرکشی اور گمراہی کا سبب۔ ان دونوں گندگی والوں کو

اعجوبہ اپنے سے ہٹا کر بہشت حاصل کیجئے جو بہترین باغات ودیگر عیش وعشرت کا مجموعہ ہے۔ ؎

سنگ بپذ از وگوہر می ستاں
خاک وزمیں می دہ وزر می ستاں
درعوض فانی خوار وحقیر
نعمت پاکیزۂ باقی بگیر

تفسیر کبیر میں منقول ہے کہ قیامت میں شیطان یہی آیت سامنے رکھ کر اللہ تعالیٰ سے مخاصمت کرتا ہوا
حکایت مسئلہ شرعیہ پیش کرے گا کہ بائع سے جب مشتری عیب دار مال خریدتا ہے تو عیب دار مال کو واپس
کر دیتا ہے۔ اے الٰہ العالمین! تُو نے اپنے بندوں سے ان کے نفس اور مال خرید ے ہیں اور وہ ہر طرح عیب دار
اور تیری شان کے لائق نہیں اس لیے کہ یہ بھی گندا اور وہ بھی عیب والے۔ اللہ تعالیٰ شیطان کو فرمائے گا،
اے بدبخت! تو شرعی مسئلہ سے بھی ناواقف ہے اور نہ ہی تو میرے فضل وعدل کو جانتا ہے۔ مسئلہ شرعی یہ ہے
کہ جس پر تمام اہلِ مذاہب متفق تھے کہ مشتری بائع سے عیب دار شے اپنی مہربانی سے لے تو کوئی حرج نہیں، وہ
بیع ہو جاتی ہے۔ میرے بندوں کے نفس ومال اگرچہ گندے ہیں۔ لیکن چونکہ میں نے اپنے فضل وکرم سے خرید
لیے ہیں بنا بریں اب بیع توڑی بھی نہیں جاسکتی۔ اس سے شیطان شرمندہ ہو کر ذلیل وخوار ہو کر درگاہِ حق سے
خارج ہوگا۔

مثنوی شریف میں ہے؛ ؎

کالۂ کہ ہیچ خلقش ننگرد
از خلاق آنکریم آنرا خرد
ہیچ قلب پیش حق مردود نیست
زانکہ قصدش از خریدن سود نیست

ف: اس سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خریدا ہے باوجود ہمارے بے شمار عیوب کے۔ لیکن اس نے
اپنے کرم سے ہمیں قبول فرما لیا ہے۔ اب ہمیں اس کے فضل وکرم پر اُمید ہے کہ وہ ہمیں اپنی درگاہ سے ردّ نہیں
کرے گا۔

نفحات الانس میں حضرت ابو ذر بوزجانی سے نقل کر کے لکھتے ہیں کہ؛ ؎

تو بعلم ازل مرا دیدی
دیدی آنگہ بعیب بخریدی
تو بعلم آں من بعیب ہماں
رد مکن آنچہ خود پسندیدی

يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ یہ جملہ مستانفہ ہے اور مذکورہ بالا بیع وشراء کا بیان اور سوال مقدر کا جواب ہے
سوال کی تقریر یہ ہے کہ وہ لوگ جنت کے بدلے کس طرح اپنے مال وجان کو خرچ کرتے اس کا جواب ملا
کہ راہِ حق اور محض رضائے الٰہی پر جان ومال نثار کرتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا پر اپنی جان ومال لٹا دیتے ہیں۔

ف : مدادی نے فرمایا : اس میں ان کی خرید و فروخت کی غرض و غایت بتائی گئی ہے کہ وہ اگر دشمنانِ خدا سے لڑتے ہیں تو محض رضائے حق کے لیے اور بس۔

تحقیقِ صاحبِ رُوح البیان

صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کے افعال معلّل بالاغراض ہیں یا کیونکہ۔ اکثر اشاعرہ کا مذہب ہے کہ افعالِ الٰہی کسی غرض پر معلّل نہیں لیکن بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ افعال اللہ اغراض سے معلّل ہوتے ہیں۔ اُن کی دلیل یہ ہے کہ ہر وہ فعل جو غرض و غایت کے بغیر ہو وہ عبث کہلاتا ہے اور فعل عبث حکیم ازلی سے محال ہے۔ اس کی مزید تحقیق اور جانبین کے دلائل دیگر تفاسیر میں ہیں۔ (تفسیر اویسی میں فقیر نے لبسط سے لکھا ہے)

ف : اگر اس مسئلہ کی بحث کسی ضخیم تفسیر میں دیکھنا مطلوب ہو تو آیت وما خلقت الجن والانس الّا لیعبدون کے تحت دیکھیے۔

فَيَقْتُلُوْنَ پس گاہے وہ لوگ دشمنانِ اسلام کو قتل کرتے ہیں تو وُہ غازی کہلاتے ہیں اُن کے لیے بھی جنت ہے اگرچہ شہادت کے بغیر فوت ہوں۔ وَيُقْتَلُوْنَ اور گاہے شہید کیے جاتے ہیں۔ یعنی کفار انھیں مار ڈالتے ہیں تو وُہ شہداء کہلاتے ہیں ان کو بھی جنّت نصیب ہو گی۔

ف : اس میں جان کو راہِ حق پہ لٹانے کا بیان ہے کہ جو بندہ دشمنِ اسلام سے لڑ کر مرتا ہے تو وہ راہِ حق میں اپنی جان خرچ کر دیتا ہے تب بھی غازی بن کر کفار کو مار کر جان بچا لیتا ہے اور اُلٹا اُن سے مال بھی لوٹتا ہے تب بھی راہِ حق میں جان خرچ کرنے والا سمجھا جائے گا اس لیے کہ اس نے وہ کر دکھائی جو کرنی لشکر کی ہے۔ لیکن قدرت نے جان بچا دی اور مالِ غنیمت بھی عطا فرمایا۔

سوال : شہید کا راہِ حق میں جان دے کر خرچ کرنے کا معنٰی تو واضح ہے لیکن غازی کو بھی اس زُمرہ میں شامل کرنے کا مطلب واضح نہیں، اسے واضح کیجئے۔

جواب : دونوں فعلوں کا اسناد اس شرط پر نہیں کہ دونوں میں ایک صفت سے موصوف ہونا لازمی ہو یعنی خرید و فروختِ الٰہی کے مضمون میں نہ یہ شرط ہے کہ جان و مال ہر دو خرچ کیے جائیں اور نہ ہی ان میں سے ایک کا ہونا لازمی ، بلکہ اس میں تو یہ حکم ہے کہ بندہ ان دونوں کے کسی ایک حال سے موصوف ہو جائے۔ اس تقریر کے بعد اب واضح ہو گیا کہ بندہ جہاد میں شامل ہو گیا ہے۔ پھر وُہ اپنی جانی قربانی پیش کر چکا ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اس کی جان قدرتی طور پر بچ گئی ہے ورنہ وُہ تو راہِ خدا میں اپنی جان سپردِ خدا کر چکا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ کسی بندۂ خدا کو ہر دو افعال یعنی جان و مال راہِ حق میں لٹانے کا موقعہ نصیب ہے تو سبحان اللہ

اور اگر ان میں سے ایک پر عمل کیا تو بھی اسے اسی طرح ان دونوں کا کوئی حصہ نصیب ہوا۔ تو بھی خرید و فروخت کا معاملہ اس سے متحقق سمجھا جائے گا۔ ان دونوں افعال کا بالکلیہ صدور ہو یا نہ۔ مثلاً ایک بندہ جنگ میں خوب لڑا۔ کافروں کو مارا اور مار کھائی لیکن شہادت تک نوبت نہیں پہنچی اور نہ ہی کوئی کافر اس کے ہاتھوں مرا۔ اسی طرح ہر وہ بندۂ خدا جو جنگ میں شمولیت کے لیے عزم کر کے مجاہدین کے ساتھ جہاد کو روانہ ہو کر میدان میں گیا۔ لیکن کسی کافر سے مرنے کا موقعہ میسر نہیں ہوا تو بھی ہم اسے اس خرید و فروخت کرنے والوں کے زمرہ میں مانیں گے۔ اس لیے کہ اس کا قصد اور عزم بالجزم پھر مجاہدین کی جماعت کی شمولیت اُن کے ساتھ اجر و ثواب سے محرومی کا سبب نہیں بلکہ اسے اجر و ثواب ضرور نصیب ہوگا۔

مسئلہ: قاتل ہونے یا مقتول ہونے کی حالت کی تقدیم میں کسی قسم کا فرق نہیں پڑتا کہ کہا جائے کہ جو قاتل ہونے کی حیثیت میں اسبق ہو وہ مقتول ہونے کی حیثیت سے افضل یا مفضول ہے اس کا کوئی فرق نہیں اس لیے جب نفس کو راہِ حق میں لٹانے کے لیے حاضر ہو گیا ہے تو اب قاتلیت نصیب ہو یا مقتولیت اسے اس سے اب کوئی غرض نہیں۔

ف: بعض قرأۃ میں صیغہ مجہول پہلے ہے اور صیغہ معلوم بعد کو اس لیے کہ مومن کا مقصدِ اوّلیں شہادت ہے اور وہ اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ مذکورہ بالا آیت میں صیغۂ مجہول کو مقدم رکھا جائے تاکہ دنیا کو معلوم ہو کہ مومن موت کو کچھ نہیں سمجھتا بلکہ وہ اس جدوجہد میں رہتا ہے کہ کسی طرح اسے فی سبیل اللہ والی موت نصیب ہو بلکہ یوں سمجھا جائے کہ موت ہی اس کا محبوب مشغلہ ہے اور حیاتِ مستعار کا طالب نہیں بلکہ وہ مرنے کو ترجیح دیتا ہے جبکہ بیع اپنے قبضہ میں لیتا ہے چونکہ بندہ اپنی جان دے کر اپنے مالکِ حقیقی سے بہشت حاصل کرے گا اس لیے وہ اس وقت ہو سکتا ہے جب وہ شہید ہو کر جان جانِ آفریں کے سپرد کرے۔ اصمعی نے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے لکھا: ؎

اثامن بالنفس النفيسة ربها	وليس فى الخلق كلهم ثمن
بها تشترى الجنات ان انا بعها	بشئ سواها ان ذلكم غبن
اذا ذهبت نفسى بشئ رصيعة	فقد ذهب الدنيا وقد ذهب الثمن

ترجمہ: کیا تم اپنے نفس نفیسہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بیچتے ہو۔ یہ صحیح ہے کہ تمام مخلوق کے پاس اس کا ثمن نہیں، نفس دے کر اگر بہشت خریدی جاتی ہے تو میں اسے خریدتا ہوں۔ اگر نفس دینے سے بہشت مل جائے تو سستا سودا ہے۔ اگر میں نفس کو کسی دنیوی غرض پر خرچ کر دوں تو پھر سمجھوں گا میرے ہاتھ سے دنیا بھی گئی اور ثمن بھی۔

ابو علی کوفی نے بھی لکھا: ؎

من يشترى قبة فى عدن عالية	فى ظل طوبىٰ رفيعات مبانيها

دلالہا المصطفیٰ واللہ بائعہا   فمن اراد وجبریل منادیہا

ترجمہ: جنتِ عدن کے بلند و بالا محلات کیلئے کون ہے جو اس کی عمارت خرید لے وُہ بنگلہ طوبیٰ کے سایہ تلے ہے اور اس کی بلندی اور موزونیت کا کیا کہنا۔ بہشت کے بنگلوں کا بیچنے والا اللہ کریم ہے۔ لیکن ملیں گے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں۔ اس لیے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہشت دینے کے مجاز ہیں اور اس کا اعلان حضرت جبریل علیہ السلام کے سپرد ہے۔

تفسیر صُوفیانہ جو مال و جان جنت کی طلب میں خرچ کرتا ہے اسے بہشت ضرور نصیب ہوگی اور اس کے اس جہاد کا نام جہادِ اصغر ہے اور جو اپنی رُوح و قلب کو طلب حق میں صرف کرتا ہے تو اُسے رب کریم کا وصال نصیب ہوگا ایسے شخص کے جہاد کو جہادِ اکبر کہتے ہیں اس لیے کہ تصفیہ قلب اور بُرے اخلاق و عادات کو نیک خصال بنانا بہت زیادہ تکلیف دہ ہے بہ نسبت دشمنانِ خدا کے ساتھ ظاہری جنگ کرنے کے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قتل دو قسم ہے:

اعدائے اسلام کو قتل کرنا ——— اور یہ ظاہری دشمن ہے۔

باطنی دشمن کو مارنا ——— اور وہ نفس اور اس کی خواہشات ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَعْدًا یہ مصدر مؤکد ہے اس معنیٰ کا کہ جان و مال خرچ کرنے کے بعد ثمن نصیب ہوگا۔ اس لیے کہ ثمن بہشت ہے اور اس کا دنیا میں ہونا محال ہے۔ اس سے ثابت ہُوا کہ وَعْدًا سابق جملہ کے مضمون سے منصوب ہے۔

ف: سعدی مفتی چلپی مرحوم نے فرمایا کہ: اس عبارت کا دراصل معنیٰ یُوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جہاد فی سبیل اللہ پر بہشت کا وعدہ بخشا ہے۔

عَلَيْهِ یہ حَقًّا سے حال ہے، اس لیے کہ اگر عَلَيْهِ کو حَقًّا کے بعد لایا جائے تو بقاعدہ نحو یہ حَقًّا موصوف اور عَلَيْهِ اُس کی صفت ہوگی۔ اور اسے صفت بنانا مطلوب نہیں بلکہ حال بنانا مقصود ہے۔ اس لیے کہ دراصل معنیٰ یوں ہے کہ وَعْدًا حَقًّا ای ثابتا مستقراً علیہ تعالیٰ۔ یعنی جو اللہ تعالیٰ نے وعدہ دیا ہے وہ حق ہے اور اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم پر وہ وعدہ ثابت و مستقر ہے۔ کاشفی نے بھی یُوں ہی ترجمہ کیا ہے کہ،

حقا ثابت و باقی کہ خلاف نیست دران۔

یعنی وہ حق ثابت ہے اور باقی ہے اور اس کا خلاف نہیں ہو سکتا۔

فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ط یہ فعل محذوف کے متعلق ہے جو کہ وعدًا کی صفت ہے۔ یعنی وہ وعدہ مذکورا اور مثبت ہے۔ تورات و انجیل میں جیسے قرآن میں مذکورا ور مثبت ہے۔

خلاصہ یہ کہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے مجاہدین فی سبیل اللہ کے لیے بہشت کا وعدہ، جیسے قرآن میں مذکور ہے ایسے ہی تورات و انجیل میں بھی مذکور اور ثبت ہے۔

ف : فی التوراۃ الخ کو اشتری سے متعلق کرنا بھی جائز ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ جیسے اُمتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مجاہدین فی سبیل اللہ کے لیے بہشت کا وعدہ دیا گیا ہے۔ ایسے ہی تورات و انجیل والے بھی جہاد کے لیے مامور من اللہ تھے اور ان کے ساتھ بھی بہشت کا وعدہ تھا۔

وَمَنْ اَوْفٰی بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ یہ استفہام انکاری اور اَوْفٰی صیغہ افعل التفضیل ہے اور مِنَ اللّٰه اَوْفٰی کا صلہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ جیسا ایفائے عہد پر پُورا اترنے والا اور کون ہوسکتا ہے، اس لیے کہ اسے ایفائے عہد پہ ہر طرح کی قدرت و طاقت ہے بخلاف مخلوق کے کہ وہ ایفائے عہد پر قدرت نہیں رکھتی اور عاجز محض ہے۔ جب تک کہ توفیق ایزدی نصیب نہ ہو۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

فَاسْتَبْشِرُوْا استبشار سے مشتق ہے بمعنے اظہار السرور۔ یہ سین استوقد کے سین کی طرح طلب کے لیے نہیں محض تاکید کے لیے ہے یعنی جیسے استوقد بمعنی اوقد ہے۔ ایسے ہی استبشروا بمعنے البشروا ہے اور یہ فاء ترتیب کے لیے ہے یعنی استبشار کا ترتب ماقبل پر ہے۔ اب معنےٰ یہ ہُوا کہ جب تمہیں اللہ تعالیٰ کے لیے عقیدہ ایفائے عہد کا یقین ہے تو تم زیادہ سے زیادہ خوشی مناؤ اور بہت بڑی خوشی کا اظہار کرو کہ تمہیں اللہ تعالےٰ بہشت سے ضرور نوازے گا۔ بِبَیْعِكُمُ اپنی خرید و فروخت سے۔

سوال : انہیں بہشت کے پہنچنے سے پہلے اظہارِ مسرت کیوں، بلکہ یہ تو اس وقت ہوسکتا ہے جب بہشت میں پہنچنا نصیب ہو۔

جواب : اس میں جہاد کی ترغیب مطلوب ہے جسے لفظ بیع سے تعبیر کیا گیا ہے۔

سوال : لفظ شراء کے بجائے لفظ عقد کیوں نہ کہا حالانکہ ایسے مواقع پر لفظ عقد زیادہ موزوں رہتا ہے۔

جواب : چونکہ اس کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے اور اس سے ترغیب جہاد مطلوب ہے اور وہ اس صورت میں ہوسکتا تھا جیسے ہوا۔ اگر بندوں کی طرف سے یہ صورت ہوتی تو پھر اس سے تعبیر کرنا موزوں ہوتا۔

ف : حدادی نے فرمایا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اے بندگانِ خدا! تم اپنی بیع میں جتنا بھی خوشی کا اظہار کرو تھوڑا ہے اس لیے کہ تمہارے نفوس کا خریدار خود اللہ تعالےٰ ہے اور نفوس کے بدلے بھی بہشت عطا فرمائے گا۔ اس اعتبار سے تمہاری خوشی قابلِ رشک ہے کہ نہ ایسا خریدار کسی کو نصیب نہ ایسا ثمن بیش قیمت کسی کی قسمت میں لکھا ہے۔

الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِهٖ ط جس سے تم نے بیع کی ہے۔ یہ بیع کی تقریر اور اس معنے کو واضح کرنے کے لیے لایا گیا ہے کہ یہ بیعت انوکھی ہے جس کے ساتھ کسی اور بیع کو مناسبت ہی نہیں اس لیے کہ اس میں فانی شے دے کر

باقی کو حاصل کیا جا رہا ہے۔ علاوہ ازیں دونوں یعنی مبیع و ثمن اللہ تعالیٰ کی اپنی ملکیت کے باوجود اپنے فضل و کرم سے تمہیں اپنی بہشت کا مالک بنا رہا ہے۔

وَ ذٰلِكَ یہ اشارہ بہشت کی طرف ہے جو کہ جان و مال کا عوض یعنی ثمن بنے گی هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ○ وہ بہت بڑی کامیابی ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی بڑی کامیابی نہیں ہو سکتی۔

ف: حادی نے فرمایا کہ اس سے نجات عظیم اور بہت بڑا اجر و ثواب مراد ہے اور اسے عظیم کامیابی اس لیے کہا گیا ہے کہ فانی کے بدلے باقی شے نصیب ہوئی ہے کیونکہ نفس و مال فانی اور بہشت باقی ہے۔

ف: تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کی ملک اور اس کی عبادت گزار ہے وُہ اپنی ملک اور اپنے بندوں میں جس طرح کا تصرف چاہے کرے۔ اس سے کسی کو سوال کرنے کی جُرأت نہیں البتہ بندوں سے وہ باز پرس فرما سکتا ہے۔ اسے یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے اس فعل کا ارادہ کیوں کیا یا یہ کیوں فرماتا ہے کہ فلاں کام نہیں ہوگا باوجودیکہ اس نے اپنے بندوں سے فرمایا کہ میں تم سے مال و جان خرید کر اس کے عوض میں بہشت عطا کرتا ہوں۔ یہ اس کی کرم نوازی اور لطف و عنایت ہے اور بس۔

ف: ہر ایک کی زندگی کا وقت مقرر ہے اور ہر ایک کا رزق اس کی قسمت میں لکھا جا چکا ہے جسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے ایسے نہیں کہ جسے جو کچھ نہیں ملنا ہے تو وہ اسے ملے اور موت کا تیر ہر ایک کو لازماً پہنچے گا۔ اس لیے کہ ہر جی نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ جس کے لیے جو کچھ لکھا جا چکا ہے اُسے ضرور ملے گا۔ لیکن یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ تلوار کے سایہ تلے بہشت ہے پھر شراباً طہورا کے پیالے بھر بھر کے پلائے جائیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی تقدیر میں لکھا ہے کہ جس مجاہد کے قدم جہاد کے گرد و غبار سے آلودہ ہُوئے اس پر جہنم کی آتش حرام ہے۔ اور یہ بھی اس کا فرمان ہے کہ جو راہِ حق میں صرف ایک دینار خرچ کرتا ہے اسے سات سو دینار کا ثواب ملے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ اسے سو ہزار دینار کا ثواب عطا ہوگا۔

شہید کے فضائل

۱۔ شہدا کے لیے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر واجب ہے کہ انھیں مرنے کے بعد زندہ فرمائے۔

۲۔ شہدا کی ارواح سبز رنگ کے پرندوں کے اندرونی حصہ میں رکھی جاتی ہیں۔ پھر وُہ بہشت کے جس حصہ میں رہنا چاہیں انھیں عام اجازت ہوتی ہے۔

۳۔ شہید کے تمام صغیرہ و کبیرہ گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔

۴۔ وُہ اپنے گھرانے کے ستر افراد کی شفاعت کر کے بلا حساب و کتاب انھیں بہشت میں لے جائے گا۔

۵۔ وہ قیامت میں ہر بڑی سے بڑی گھبراہٹ سے محفوظ ہوگا۔

۶۔ نہ اُسے موت کی تلخی سے تکلیف ہوگی نہ آخرت کے خطرات سے ڈر۔

۷۔ شہید ہوتے وقت اسے قتل ہونے کا مَس برابر بھی درد کا احساس نہیں ہوگا۔

جہاد کے فضائل

۱۔ جہاد میں کھاپی کر نیند کے مزے اڑانے والا عام روزے دار اور شب بیدار سے افضل ہے۔

۲۔ جو راہِ حق میں جہاد کے متعلقات کی نگرانی کرتا ہے اس کی آنکھ جہنم کی آگ کو نہیں دیکھے گی۔

۳۔ جہاد کے لیے تیار رہنے والے کے اعمال تا قیام قیامت لکھے جائیں گے۔

۴۔ باقی ایام کی ہزار دنوں کی عبادت جہاد میں ایک دن گزارنے کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

۵۔ مجاہد کا رزق بھی شہید کی طرح غیر منقطع ہے۔

۶۔ جہاد میں صرف ایک دن کی رہائش کے لیے کچھ تیار کرنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

۷۔ مجاہد کو قبر کا عذاب اور اس کی ہولناک باتوں سے محفوظ رکھا جائے گا۔

۸۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مجاہد کی نہایت تعظیم و تکریم فرمائے گا۔ وغیرہ وغیرہ

سبق: جب جہاد و شہادت کے اتنے بڑے بڑے اور بہت ہی فضائل و مراتب ہیں تو سمجھدار اس بڑی نعمت و عظمت کو حاصل کیے بغیر نہیں رہ سکتا بلکہ وہ اپنی زندگی اس کے حصول میں بسر کرتا ہے اور ہر وقت جہاد کی تیاری میں لگا رہتا ہے۔ وہ اس تصور میں رہتا ہے کہ وہ کون سا وقت ہوگا کہ میں دشمن کا پیچھا کر رہا ہوں گا۔ وہ رات دن لشکر جہاد میں شمولیت کے لیے چشم براہ رہتا ہے اور اپنی آمدنی کا وافر حصہ جہاد کے لیے محفوظ رکھ لیتا ہے بلکہ وہ راہِ حق میں اپنے اموال لٹاتا رہتا ہے اور چاہتا ہے کہ اپنی جان و مال جان آفرین کو سپرد کروں اور وہ گھڑی نصیب ہوگی کہ پاپیادہ لڑوں اور کبھی سوار ہو کر اور دشمنانِ اسلام پر جب مجاہدین ہلّہ بولیں تو میں اُن کی صف میں شریکِ کار ہوں۔ یہاں تک کہ دنیا کے کونے کونے میں اسلام کا جھنڈا لہراتا نظر آئے یا یہ کہ اعدائے اسلام جزیہ دے کر اسلام کے تابع فرمان ہو کر زندگی گزاریں یا پھر ان کی گردنیں مار دی جائیں اور ان کی کھوپڑیاں پاؤں تلے روندی جائیں۔ قاعدہ ہے کہ دشمنوں کا لشکر کتنا ہی بڑا ہو وہ بالآخر شکست ہی کھاتا ہے اگرچہ لاتعداد اور اَن گنت ہی کیوں نہ ہو۔

ہم نے آنکھوں سے دیکھا کہ جب وہ اہلِ اسلام کے مقابلہ میں آتے تو بالآخر پیٹھ دکھا کر بھاگتے۔ اپنے آپ کو چاہے وہ نہایت باشعور، ذہین و فہیم کہلاتے ہوں لیکن اہلِ اسلام کے مقابلے میں ان کی سب کی سب تدابیر اکارت اور وہ خود کمزور و لاچار ہوتے ہیں۔ وہ بیشک اپنے منہ میاں مٹھو بنتے پھریں مگر بوقتِ تقابل کوڑی کے برابر بھی نہیں نکلتے اور بحمدہٖ تعالیٰ اہلِ حق کے عزائم بڑے بلند ہوتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید شاہد ہے کہ ایک مسلمان دو کافروں کی جان ٹھکانے لگا سکتا ہے اس لیے میراث میں مرد کے دو حصے اور عورت کا ایک حصہ ہوتا ہے یعنی کافر بمنزلہ مونث کے اور مومن بمنزلہ مرد کے ہوتا ہے۔

سبق : ہمیں بھی چاہیے کہ ہم بھی ان کی صحبت بابرکت سے فیضیابی کی جد وجہد کریں ۔ پیدل چلنا پڑے یا سوار ہو کر ، ہمیں اپنے عزیزوں کو آلام ومصائب سے نجات دلانے کی سر توڑ کوشش کرنی چاہیے ۔ اور ہمیں چاہیے کہ اپنی محبوب ترین چیز کو بھی ان پر نچھاور کر دیں اور دشمن کے معاونین کو نہس نہس کر دیں ۔ دشمن کے نیزوں کا جواب نیزوں سے اور تلواروں کا جواب تلواروں سے دیں یہاں تک کہ ان کا نام ونشان تک مٹ جائے ۔ یہی نہیں بلکہ کفر و شرک کے علاوہ ہر چھوٹی بڑی بُرائی کا خاتمہ کر دیں ، العبدۂ ہمارے لیے بہشت کے دروازے وا ہوں گے ۔ بہشت کی ہر نعمت ہمارے لیے ارزاں ہوگی ۔ اور شراباً طہوراً کے لبریز پیالے پئیں گے اور حُورِ عین جن کی تعریف قرآن مجید نے عرباً اتراباً سے کی ہے کے ساتھ ہماری شادیاں ہوں گی ۔ یہ خوشخبریاں اور نعمتیں ان لوگوں کے لیے ہیں جنہوں نے دشمنانِ اسلام کی ہر قوت اور گھمنڈ کو توڑا اور اپنی تلواروں سے ان کی گردنیں اڑائیں اور اپنی حیاتِ مستعار کو لاشئے سمجھا اور سر کو ہتھیلی پر رکھ کر لڑے اس ارادہ پر کہ جب تک فانی زندگی ختم نہیں ہو گی دائمی عیش وعشرت اور بقا نصیب نہیں ہو گا ۔ اسی جذبہ سے وہ شہادت کے گھاٹ اُترے اور موت کے بعد ایسے ٹھنڈے میٹھے پیالے نوش کیے کہ تا ابد ان کی پیاس بجھ گئی ۔ ایسے لوگوں کے لیے کہا گیا ہے کہ انھیں تجارت میں بے بہا منافع حاصل ہوئے ، اس سبب سے بڑے سعادت مند کہلائے ۔ انہی لوگوں کا معاملہ کامیابی کو پہنچا اور یہی حضرات اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں سے خوش ہیں ۔ اے اللہ کریم ! ہم تجھ سے عجز و نیاز کے ساتھ آرزو کرتے ہیں کہ ہمیں ان حضرات کے زمرہ سے بنا اور قیامت میں ہمیں ان سے دُور نہ رکھنا اور ہمیں بھی اس شہادتِ عظمیٰ سے نواز جس سے تو خوش ہو جائے اور ہمارے تمام گناہ بخش دے ۔ ایسا نہ ہو کہ قیامت میں ہمیں گناہوں سے مصیبت کا سامنا کرنا پڑے ۔ اے اللہ کریم ! ہم اپنی جان ومال تیرے حضور میں پیش کرتے ہیں ۔ اس حقیر نذرانے کو اپنے فضل وکرم اور رحمت سے قبول فرما اور ہمیں وہ وقت نصیب نہ ہو جس سے ہم تیرے فضل وکرم کے دروازے سے مایوس اور ناامید ہو جائیں ، تو ارحم الراحمین ہے ۔

حکایت ایک شہید کی

حضرت عبدالواحد بن زید قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ایک دفعہ ہم جنگ کی تیاری میں مصروف تھے ۔ میں نے اپنے ایک ساتھی کو کہا کہ مجلس میں زور سے قرآن پاک کی یہی دو آیتیں ان اللّٰہ اشتریٰ من المومنین الخ پڑھ دے تاکہ لوگوں کو جہاد کی ترغیب نصیب ہو ۔ چنانچہ جب یہ دو آیات تلاوت کی گئیں تو ایک نوجوان جس کی عمر زیادہ سے زیادہ پندرہ برس کی ہو گی ، ہمارے پاس آیا ، اور وہ تھا بھی یتیم ۔ یعنی انہی ایام میں اس کا باپ فوت ہوا تھا اور اسے وراثت میں بکثرت مال ودولت حاصل ہوئی تھی اس نے مجھے کہا : اے عبدالواحد بن زید ! کیا یہ صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے جان و مال لے کر بہشت عنایت فرماتا ہے ؟ میں نے کہا ، ہاں بالکل صحیح ہے ۔ اُس نے کہا : تو پھر آپ گواہ ہو جائیے میں اپنا مال و جان اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کے بہشت لینا چاہتا ہوں ۔ میں نے اسے کہا : عزیز ! ذرا سوچ لیجئے تلوار کی سختی بہت تیز

ہوتی ہے اور تُو ابھی بچہ ہے نہ معلوم تلوار کی سختی تم برداشت کر سکو یا نہ۔ اور پھر اس عزم سے باز رہو۔ اس نے کہا: اے عبدالواحد بن زید! یقین کیجئے میں نے اللہ تعالےٰ کو اپنی جان و مال بہشت کے عوض پیش کر دی۔ اب اس عزم سے ہٹنا کسی ناقص العقل کا کام ہوگا۔ آپ گواہ رہیں میں اپنے عزم پر ڈٹا ہُوا ہوں۔ حضرت عبدالواحد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: بچے کی ان باتوں سے ہم سب حیران و ششدر اور انگشت بدنداں تھے اور ہم سب اپنے آپ کو ملامت کر رہے تھے کہ ایک صغیر السّن بچہ اس قدر استقامت اور عزم صمیم رکھتا ہے اور ہم کمزوری کا ثبوت دے رہے ہیں۔ وہ نوجوان مجھے مذکورہ بالا باتیں کہہ کر چلا گیا اور واپس آکر گھر کا سارا سامان میرے سپرد کر دیا، صرف ایک گھوڑا، ایک تلوار اور جنگی ضروریات کے لیے تھوڑا سا مال اپنے پاس رکھا، جب روانگی کا وقت قریب ہُوا تو وہ سب سے پہلے لشکرگاہ میں حاضر ہو کر مجھے کہا: السلامُ علیکم۔ میں نے اسے سلام کا جواب دے کر کہا: "تیری تجارت ان شاء اللہ تعالیٰ رنگ لائے گی۔ اس کے بعد ہم سب چل پڑے اور وُہ نوجوان ہمارے ساتھ تھا اور اتنا شائق کہ دن کو روزے سے رہتا اور رات کو مصروفِ عبادت۔ بلکہ ہم سب کی اور ہماری سواریوں کی بڑے شوق سے خدمت کرتا ہوا چلتا رہا، اور جب ہم سو جاتے وہ ہم سب پر پہرہ دیتا، یہاں تک کہ ہم دارالروم (میدانِ جنگ) میں پہنچے تو وہ اچانک بڑے زور سے کہتا تھا ہائے "العیناء المرضیہ"۔ میرے ساتھیوں نے کہا: افسوس نوجوان کو وسوسہ شیطانی نے گھیر لیا اب اس کا دماغی توازن بھی صحیح نہیں رہا۔ میں نے اُسے بلا کر پوچھا: عزیز! "العیناء المرضیہ" کا مطلب کیا ہے اور تم اس کلمہ کو بار بار کیوں دہراتے ہو؟ اس نے کہا، حضرت! ماجرا یُوں ہے کہ میں ایک رات سو رہا تھا، مجھے اُونگھ سی آگئی۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے ہاں کوئی آنے والا آیا ہے اور کہا، چلو العیناء المرضیہ کے پاس۔ یہ کہہ کر مجھے ایک باغ میں لایا گیا جس کے اندر ایک ٹھنڈے پانی کی نہر چل رہی تھی اور اس کے کنارے چند حسین لڑکیاں بیٹھی تھیں جن کے ملبوسات اور زیورات اتنے قیمتی اور بہترین تھے جو کبھی دیکھے نہ سُنے، اور نہ ہی میں اُن کے متعلق کچھ بتا سکتا ہُوں۔ جب انہوں نے مجھے دیکھا تو بڑے تپاک سے میرا استقبال کیا اور آپس میں کہنے لگیں:

العیناء المرضیہ کے شوہر گرامی یہی ہیں۔

میں نے انہیں السلام علیکن کہہ کر پُوچھا: العیناء المرضیہ تم میں کوئی ہے؟

انہوں نے کہا: نہیں جناب! وہ تو ہماری آقا اور ہم ان کی نوکرانیاں ہیں۔ ذرا آگے تشریف لے جائیے۔

میں آگے بڑھا تو مجھے ایک اور عظیم الشان بنگلہ نظر آیا جس کے اندر میٹھے دودھ کی نہر جاری تھی اور اس کے کنارے پہلے کی طرح چند حسین و جمیل نوخیز لڑکیاں بیٹھی تھیں جنھیں دیکھتے ہی ہر انسان اپنے قابو سے باہر ہو جائے۔ انہوں نے پہلی لڑکیوں کی طرح میرا پُرجوش استقبال کیا اور ان سے بھی وہی گفتگو ہُوئی۔ انہوں نے بھی وہی کہا کہ ہم اس کی خادمائیں ہیں۔ ذرا آگے بڑھیے۔ میں تھوڑا سا آگے بڑھا تو ایک اور عالیشان بنگلہ نظر آیا۔ اس کے

اندر شراب طہور کی نہر چل رہی تھی۔ اس کے کنارے بھی حسبِ سابق چند لڑکیاں بیٹھی تھیں جن کے حسن و جمال کو دیکھ کر پچھلی تمام حسیناؤں کا حسن و جمال میرے ذہن سے محو ہو گیا۔ اُن سے بھی وہی گفتگو ہوئی۔ اُنہوں نے بھی آگے چلنے کا کہا۔ میں کچھ آگے گیا تو دیکھا کہ ایک نہر شہد کی چل رہی ہے۔ اُس کے آگے موتیوں کا ایک بہترین بنگلہ ہے جس کے باہر حسینہ و جمیلہ لڑکی بیٹھی نظر آئی۔ وہ مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئی اور باہر سے آواز دی:

اے العیناء المرضیہ! تمہیں مبارک ہو، تمہارا شوہر آ گیا ہے۔

میں جونہی خیمہ کے قریب گیا اور اندر جھانک کر دیکھا تو وہ العیناء المرضیہ ایک سنہری پلنگ پر بیٹھی ہے جب میں نے اسے دیکھا تو میرے ہوش اُڑ گئے اور وہ مجھے کہنے لگی:

مرحبا یا ولی اللہ، تمہیں مژدہ باد۔ یہاں پر تمہارے تشریف لانے کا وقت قریب آ گیا ہے۔

میں نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگانا چاہا تو اس نے کہا:

ٹھہریئے! ابھی تمہارا گلے لگانے کا وقت نہیں آیا اس لیے کہ تم عالمِ دنیا میں ہو۔ البتہ اب واپس چلے جاؤ۔ جنگ میں شرکت کرو۔ شام تک تمہارا رہنا سہنا عالمِ دنیا میں لکھا ہے۔ بعد ازاں تم ہمارے ہاں تشریف لا کر روزہ افطار کرو گے (اِن شاءَ اللہ)۔

اے عبدالواحد بن زید! یہ ماجرا ہُوا۔ بعد ازاں میں جاگا تو اب مجھے قرار ہے نہ سکون۔ میں تو ایک لمحہ بھی اس دنیا میں نہیں رہنا چاہتا۔ مجھے العیناء المرضیہ کی یاد ستا رہی ہے۔ ہم ابھی باہم مصروفِ گفتگو تھے کہ دشمنانِ اسلام کی طرف سے جنگ کا اعلان ہو گیا۔ اس اثناء میں دشمنوں کا ابتدائی دستہ تلواریں چمکاتا ہُوا ہمارے مجاہدین کے مقابلہ کے لیے میدانِ جنگ میں آ دھمکا تو فوراً وہی نوجوان میدانِ جنگ میں کُود پڑا اور بڑے جذبہ کے ساتھ جوانمردی کے جوہر دکھلائے۔ دشمنوں کے نو بہادروں کو جہنم رسید کیا۔ دسویں پر حملہ کیا تو دشمنوں کے تیروں اور تلواروں کے لاتعداد زخم کھا کر وہ نوجوان خون میں لت پت ہو گیا۔ میرے پہنچنے پر اس نے مسکراتے ہُوئے جان جانِ آفریں کے سپرد کی۔

کسی شاعر نے خوب فرمایا ہے

یامن یعانق دنیا لابقاء لہا ۔۔۔ یمسی ویصبح مغرورًا وغرّارا

ھلا ترکت من الدنیا معانقۃ ۔۔۔ حتی تعانق فی الفردوس ابکارا

ان کنت تبغی جنان الخلد تسکنہا

فینبغی لک ان لا تامن النارا

ترجمہ: اے دنیا سے عشق بازی کرنے والے! تمہیں معلوم نہیں کہ دُنیا فانی ہے۔ پھر صبح و شام تم

کیوں اس میں غرق ہوکر دھوکہ کھا رہے ہو۔ کیا تم سے ایسے نہیں ہو سکتا کہ تم دنیا کو سہ طلاق دے کر جنۃ الفردوس میں رہنے والی دوشیزاؤں سے جا ملو۔ اگر تم بہشت کے باغات میں اقامت کا ارادہ رکھتے ہو تو جہنم کی آگ سے ہر وقت ڈرتے رہو۔

تفسیرِ عالمانہ اَلتَّآئِبُوْنَ زجاج فرماتے ہیں کہ یہ مبتدا اور اس کی خبر محذوف ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ توبہ کرنے والے اسی طرح باقی آنے والے حضرات سب کے سب ان مجاہدین کی طرح بہشتی ہیں جن کا ذکر گزشتہ آیات میں ہُوا۔ اس سے ثابت ہُوا کہ بہشت کے مستحق جس طرح مجاہدین فی سبیل اللہ ہیں ایسے ہی تمام اہلِ ایمان بھی بہشت کے حقدار ہیں اگرچہ انھیں جہاد کا موقعہ نصیب نہ ہوا ہو بشرطیکہ وہ جہاد کا جذبہ رکھتے اور جہاد کے عقیدہ کے قائل ہوں۔

ف : "تائبین" سے مراد وہ لوگ ہیں جو شرک و منافقت اور ہر صغیرہ و کبیرہ گناہ سے توبہ کرتے ہیں۔

تحقیقِ مسئلہ توبہ لغت میں توبہ بمعنے رجوع اور اصطلاحِ شریعت میں عقوبت سے رحمت و مغفرت کی طرف رجوع کرنا۔

مسئلہ : گناہ سے فوراً تائب ہونا واجب ہے۔

مسئلہ : توبہ سے پہلے اس گناہ کا (جس سے توبہ مطلوب ہے) خیال لانا ضروری ہے کہ واقعی یہ گناہ ہے، پھر تہہِ دل سے کہے کہ میں اس سے توبہ کر رہا ہُوں۔

توبہ کی قبولیّت کی علامات توبہ کے قبول ہونے کی چار علامات ہیں؛

۱۔ فاسقین سے کٹ کر صالحین کے ساتھ لگ جانا اور نیک مجلسوں میں دلچسپی سے شریک ہونا۔

۲۔ ہر نیک کام میں عملی طور پر شامل ہونا اور بصدقِ دل تمام طاعاتِ الٰہی میں لگ جانا جیسے درخت کی ٹہنیاں اس وقت سرسبز رہ سکتی اور پھل دیتی ہیں جبکہ جڑ صحیح و سالم ہو۔

۳۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے وہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی شئے سے خوش نہیں ہوتا۔ اس لیے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات مغموم و محزون اور متفکر نظر آتے تھے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے جن امور کو اپنے ذمۂ کرم پر واجب فرمایا ہے ان کی اسے ذرہ برابر بھی فکر نہ ہو۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہر ایک کا رزق میرے ذمہ ہے تو پھر اس کے لیے فکر کیوں! اس لیے بندہ اس سے بے فکر ہو کر شاغلِ باللہ رہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے: اے ابنِ آدم! مَیں نے تجھے مٹی پھر نطفے سے بنایا۔ مجھے تیرے عدم سے وجود میں لانے سے تکلیف نہیں ہُوئی تو تیرے ہونے کے بعد مجھے تیری طرف

ایک روٹی بھیجنے سے بھی کوئی تکلیف نہیں ہوگی ۔

ف : جب توبہ کرنے والے کے اندر توبہ کے بعد مذکورہ بالا چاروں علامات پائی جائیں تو پھر عوام الناس پر لازم ہے کہ اس پر بدگمانی کے بجائے اس کے ساتھ محبت کریں، اس لیے کہ اللہ تعالےٰ ایسے بندے سے محبت کرتا ہے ، بلکہ اُس کی ثابت قدمی کے لیے دُعا کریں اُسے سابقہ گناہ یاد دلا کر شرمندہ نہ کریں۔ جب بھی وُہ اُن کی مجلس میں آئے تو اُس کی تعظیم وتوقیر کریں۔

سبق : تائب پر لازم ہے کہ توبہ کرکے اللہ تعالیٰ سے کیا ہُوا عہد نہ توڑے اور نہ ہی کسی گناہ کی طرف راجع ہو۔

نکتہ : توبہ کے بعد صرف ایک گناہ قبل توبہ کے ستر گناہوں سے قبیح تر ہے ۔ (کذا قال یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ تعالیٰ)

تفسیر صُوفیانہ حضرت امام قشیری قدس سرہٗ نے فرمایا : تائب کئی قسم کے ہیں ،

بعض وُہ ہوتے ہیں جو غلط کاریوں سے توبہ کرکے نیکیوں میں لگ جاتے ہیں۔

بعض وُہ ہوتے ہیں جو اپنے نفس کے تصوّر کو فنا کرکے لُطفِ الٰہی کے تصور میں محو ہوتے ہیں۔

بعض وُہ ہوتے ہیں جو اپنے نیک معاملات میں نفس کے تصورات مٹا کر حقائقِ ربانی میں مستغرق رہتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ اَلْعٰبِدُوْنَ ان سے وہ عبادت گزار بندے مراد ہیں جو نہایت خلوص سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں ۔ ؎

عبادت باخلاص نیت نکوست
وگرنہ چہ آید ز بے مغز پوست

ف : عبادہ بمعنے ایسا فعل کرنا جو اللہ تعالےٰ کی تعظیم پر دلالت کرے ۔

حکایت امام اعظم اور ان کا تقویٰ منقول ہے کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ بیس سال تک عشاء کی نماز سے صبح کی نماز ادا کرتے یعنی بیس سال آپ نے نیند نہ کی بلکہ نیند کے لیے بستر وغیرہ بیچ ڈالے تاکہ نفس تن پروری پر مجبور نہ کرسکے اور عجز وانکسار کا یہ عالم کہ سر سے کپڑا اتار ڈالا اور درگاہِ حق کا ادب اتنا کہ کبھی پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھتے تھے ۔

انتباہ : وُہ اللہ تعالےٰ کا مبغوض ترین بندہ ہے جو تندرست اور فارغ البال ہو کر عبادتِ الٰہی سے کتراتے ۔

تفسیر صُوفیانہ حضرت امام قشیری قدس سرہٗ نے فرمایا کہ عابد وُہ لوگ ہیں جو ہر وقت خوفِ الٰہی سے خوفزدہ رہتے ہیں اور انہیں دنیا کی اعلیٰ سے اعلیٰ شئے کے ساتھ معمولی طور بھی انس نہیں ہوتا اور نہ ہی آخرت کی اچھی چیزوں سے ان کا دل لگتا ہے ۔ بلکہ صوفیاءِ کرام کے نزدیک حقیقی بندہ وُہ ہے جو جمیع حوادث سے مجرد ہو۔

تفسیر عالمانہ اَلْحَامِدُوْنَ اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں کی تعریف کرنے اور اُس کے جُملہ عطیات پر شکر کرنے اور اس کی صفات و اسماء کی مدح وثنا کرنے والے۔ بعض مفسرین نے فرمایا حمد عام ہے یعنی دنیوی و اُخروی ہر دو نعمتوں کی تعریف کو حمد کہا جاتا ہے۔ اسی طرح دُنیا کی ہر مصیبت مالی جانی ہو یا اہل وعیال کی مصیبت پر صبر کرنے کو حمد کہتے ہیں اس لیے کہ اگر غور سے دیکھا جائے تو حقیقی نعمتیں یہی ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ مصائب کے صبر سے لاتعد ولاتحصی اجر وثواب نصیب ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر کسی کا چھوٹا بچہ مرتے وقت سخت تکلیف میں مبتلا ہو اور اُس کے والدین اور دیگر خویش واقارب اس کی تکلیف کو دیکھ کر صبر کریں تو صبر کے علاوہ اس بچے کی تکلیف کا ثواب بھی اُنھیں ملے گا۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: الحمد للہ علی ما ساء وسر۔ ہر رنج وراحت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔

ازالۂ وہم بعض لوگوں کا خیال ہے کہ دین اسلام کوئی نعمت نہیں کہ اس کے لیے بھی حمد وشکر کیا جائے۔ یہ اُن کی غلطی ہے ورنہ توفیقِ توحید اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اس نعمت کے لیے تو مومن کو ہر وقت لازم ہے کہ کہتا رہے کہ یا اللہ! تیرا بڑا احسان ہے کہ تُو نے اپنے فضل وکرم سے ہمیں دولتِ اسلام اور توفیقِ ایمان سے نوازا۔ حضرت امام مجاہد (مفسر) نے "الیس اللہ باعلم بالشاکرین" کی تفسیر میں لکھا "ای الشاکرین علی التوحید" یعنی اللہ تعالیٰ کا شکر کرنے والے ہیں۔ توحید کی توفیق پر ان دلائل سے معلوم ہوا کہ دین واسلام بھی نعمتِ عظمیٰ ہیں۔ ان کے لیے جتنا شکر کیا جائے تھوڑا ہے۔

تفسیر صوفیانہ امام قشیری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حٰمِدِیْن وہ حضرات ہیں جنھیں قدرتِ الٰہی سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے اس پر وہ کبھی اعتراض نہیں کرتے اور جو ان پر عبادتِ الٰہی بجا لانے کا حکم ہے اس کی ادائیگی سے کبھی تنگ دل نہیں ہونا چاہیے۔

تفسیر عالمانہ اَلسَّآئِحُوْنَ قاعدہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

کل ما ذکر فی القرآن من السیاحة فهو الصیام۔

قرآن مجید میں ہر جگہ سیاحة بمعنے صوم ہے۔

حدیث شریف: سیاحة امتی الصوم۔ میری اُمت کی سیاحت روزہ ہے۔

شاعر لکھتا ہے: ؎

تراه یصلی لیلة ونهارہ
یظل کثیر الذکر للہ سائحا

اس شعر میں سائحا بمعنے صائما ہے یعنی تم اسے دیکھو گے تو وہ شب و روز نماز میں لگا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی بکثرت کرتا ہے درانحالیکہ وہ روزے دار ہوتا ہے۔

روزے کو سیاحت سے تشبیہ کی وجہ

۱۔ روزے کو سیاحت دہیر کرنے سے تشبیہ اس لیے دی گئی کہ جس طرح سیاح صرف اپنی منزل کو مدنظر رکھتا ہے اپنی منزل کے سوا کسی دوسرے کام کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح روزے دار بھی شہوات سے رُک جاتا ہے اور صرف ذاتِ حق کو اپنا مطمحِ نظر سمجھتا ہے۔

۲۔ روزہ نفس کی ریاضت کا نام ہے جس کے ذریعے انسان غلط کاریوں سے محفوظ ہو کر ملک وملکوت کے غیبی اسرار کا محرم راز بن جاتا ہے جیسے سیاح ایسے مقامات پر پہنچتا ہے جنھیں اُس نے نہ پہلے دیکھا اور نہ ہی وہ اُنھیں جانتا تھا جیسے سیاح مختلف ممالک کی سیاحت پر جس علاقہ کو اپنے لیے خوشگوار دیکھتا ہے اسی جگہ پر اقامت پذیر ہو جاتا ہے اور جس علاقہ میں اُس کا جی نہیں لگتا وہاں سے نکل کھڑا ہوتا ہے۔ اسی طرح روزے دار کا حال ہے کہ جب وہ بہشت میں داخل ہونا چاہے گا تو اُسے حکم ہوگا کہ بہشت کے جس دروازے سے چاہو داخل ہو اور جس بالاخانے یا بنگلے میں ٹھہرنا چاہے تو اس کو اپنے لیے منتخب فرمالے تو روزے دار بہشت کے تمام بنگلہ جات کو دیکھنے کے لیے چل نکلے گا جیسے سیاح تمام رُوئے زمین کا چکر لگاتا پھرتا ہے وُہ بھی تمام بہشت کے چپہ چپہ پر جائے گا۔

تفسیر صُوفیانہ

حضرت حسن رحمہ اللہ نے فرمایا کہ سَائِحُوْن سے وہ حضرات مراد ہیں جو حلال طعام سے روزہ رکھتے ہیں اور حرام مال کے قریب نہیں بھٹکتے۔ لیکن افسوس کہ ہمارے دور میں ایسے لوگ بکثرت ہیں جو رزقِ حلال حاصل ہونے کے باوجود اس کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ لیکن حرام کھانے میں شاغل ہیں۔ ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ سخت ناراض ہوتا ہے۔

۲۔ حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ السَّائِحُوْن سے وہ حضرات مراد ہیں جو غیر اللہ کے شہود سے روزہ رکھتے ہیں۔ انہیں صرف ذاتِ حق سے واسطہ ہے اور بس۔

۳۔ تاویلات نجمیہ میں ہے السَّائِحُوْن یعنی وُہ لوگ جو صرف اللہ تعالےٰ کی طرف سیر کرنے والے اور ماسوی اللہ کے تمام اشتغال ختم کرنے والے ہیں۔

۴۔ حضرت عطاؒ نے فرمایا: اس سے مراد غازی فی سبیل اللہ ہیں جو اپنے ملک اور علاقہ کو چھوڑ کر کفار کے علاقہ جات میں پہنچ کر اُن سے جہاد کرتے ہیں۔

۵۔ حضرت عکرمہ نے فرمایا: اس سے وہ طالبانِ علوم مراد ہیں جو اپنا گھر بار چھوڑ کر غریب الدیار ہو کر علم حاصل کرتے ہیں۔

حکایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ صرف ایک حدیث شریف سُننے کی خاطر مدینہ طیبہ سے مصر تشریف لے گئے اس لئے کہ کوئی شخص کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ باہر نکل کر کچھ حاصل نہ کرے اور جب تک ہجرت نہ کرے اپنے مقصد کو نہیں پا سکتا۔

نکتہ: جس کا کوئی استاذ نہ ہو وہ ہمیشہ دُوسروں کا دست نگر رہتا ہے اور دوسروں کی مدد سے اس کے دل کے پردے اُٹھتے رہیں گے۔ اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جس کا کوئی باپ نہ ہو یا وُہ انسان جس کا کوئی حسب نسب نہ ہو۔

تفسیر عالمانہ الرّٰکِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ وہ لوگ جو نماز میں رکوع وسجود کرنے والے ہیں۔
سوال: نماز کے دو ارکان کے ذکر کا کیا فائدہ حالانکہ نماز کے اور ارکان بھی ہیں۔
جواب: چونکہ نماز کی ہیئت کا اظہار انہی دو ارکان سے واضح تر ہوتا ہے بہ نسبت باقی ارکان کے، اس لیے کہ قیام وقعود کبھی انسان طبعی طور پر بھی کرتا ہے بخلاف رکوع وسجود کے کہ یہ صرف نماز کی ہیئت پر دلالت کرتے ہیں انسانی طبع پر اُن کی دلالت ہوتی ہی نہیں فلہذا ان کا ہونا عبادت کی حیثیت سے ہوگا بنا بریں انہیں نماز کی خصوصیات سے سمجھا جاتا ہے۔

تفسیر صُوفیانہ امام قشیری رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا: اس سے وُہ حضرات مراد ہیں جو سلطان التجلی کے سامنے مٹ کر نہایت درجہ کی عاجزی کرنے والے ہیں۔

حدیث شریف: "اِنَّ اللہَ اِذا تجلّٰی بشیءٍ خضع لہ"۔ اللہ تعالیٰ جب کسی شے کو اپنی جلوہ گاہ بناتا ہے تو وُہ شے اس کے لیے خضوع کرتی ہے۔

السّٰجِدُوْن یعنی وُہ لوگ ظاہر سے بساط عبودیت اپنے نفوس کو باطن میں شہودِ ربوبیت کے سامنے اپنے قلوب کو جھکاتے ہیں۔

۲۔ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ الرَّاکِعُوْن سے وہ حضرات مراد ہیں جو مقام قیام سے اپنے وجود کو موجود کے سامنے لاتے ہیں اور السّٰجِدُوْن سے وہ حضرات مراد ہیں جو بلا ارادہ عتبہ وحدۃ پر اپنے عزائم سے فارغ ہو جاتے ہیں۔ ؎

چوں تجلی کرد اوصاف قدیم
پس بسوزد وصف حادث راکلیم

تفسیر عالمانہ اَلْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ایمان وطاعت کا حکم دینے والے ہیں۔ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ اور شرک اور معاصی سے روکنے والے ہیں۔

ف: حدادی نے فرمایا:

المعروف سے یہاں پر سنت اور المنکر سے بدعت (سیئہ) مراد ہے۔

بدعت کی تعریف اور ردّ وہابیہ اور دیوبندیہ ابن الملک نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی "کل بدعة ضلالة" کے تحت لکھا ہے کہ بدعت سیئہ ہر اس فعل کو کہتے ہیں جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا ہو۔ اس لیے کہ "ضلالة" طریقہ مستقیمہ کے ترک اور غلط راہ پر چلنے کا نام اور طریقہ مستقیمہ سے شریعت مراد ہے اس سے بدعت حسنہ مستثنیٰ ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیس تراویح کے اجرا کے بعد فرمایا:

"نعمت البدعة هذه"۔ یہ کیسی اچھی بدعت ہے۔

بدعت کی تقسیم اور ردّ وہابیہ دیوبندیہ علماء کرام فرماتے ہیں کہ بدعت کی پانچ اقسام ہیں:

۱۔ بدعت واجبہ ——— جیسے ملحدین اور دوسرے بے دینوں کے شبہات کے ردّ میں دلائل قائم کرنا۔

۲۔ بدعت مندوبہ ——— جیسے دینی کتب تصنیف کرنا اور مدارس عربیہ اسلامیہ قائم کرنا اور ان کی تعمیر وغیرہ۔

۳۔ بدعت مباحہ ——— جیسے اطعمہ وغیرہ کی مختلف اقسام۔

۴۔ مکروہہ

۵۔ حرام ——— ان کی مثالوں کی ضرورت نہیں اس لیے کہ یہ مشہور ہیں۔

صاحبِ روح البیان کی تحقیق درباره مسائل صوفیائے کرام صاحب روح البیان قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ جب ظاہری علوم کی تعلیم کے لیے بناء مدارس بدعت حسنہ ہے تو صوفیاء کرام کی خانقاہوں کا اس حکم میں ہونا ضروری ہے بلکہ مدارس کی بناء سے خانقاہوں کی بناء افضل و اعلیٰ عمل ہے اس لیے کہ مدارس کو ظاہری علوم سے تعلق ہے اور خانقاہوں کو باطنی علوم سے اور باطنی علوم ظاہری علوم سے افضل و اعلیٰ ہیں۔

سوال وہابیہ دیوبندیہ: مکہ معظمہ و مدینہ طیبہ دین و اسلام کے مرکز ہیں ان میں تو خانقاہیں نہیں۔ پھر بلاد رومیہ پھر دیگر اسلامی ممالک میں صوفیاء کرام کی خانقاہیں کیوں۔

جواب از صاحبِ رُوح البیان: خانقاہوں میں ذکر و فکر کی محفلیں ہوتی ہیں اور اُن کی خلوتوں سے باطنی

احوال کی اصلاح ہوتی ہے اور نفسِ اَمّارہ کے ساتھ جہاد کرنے کی ریاضت کی تربیت دی جاتی ہے بنا بریں جو مخالف ہو ان کی بناء پر اعتراض کرتا ہے وہ جاہل اور احمق ہے اور اس کا رد کرنا اس کی ازلی بدبختی کی دلیل ہے۔ اسے امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں شامل کرنا اسلام دشمنی کا ثبوت دینا ہے اہلِ فہم پر یہ تقریر واضح وظاہر ہے۔

وہابیت و دیوبندیت جیسے منکرین پہلے بھی تھے اولیاء کرام کے اس طریقے پر اعتراض کرنے والوں کی اکثریت ہے لیکن وہ لوگ صرف زبانی جمع خرچ پر ہیں اُن کے ہاں نہ تو کوئی دلیل ہے نہ کوئی معقول ثبوت۔ اُن سے اللہ تعالیٰ بچائے۔ (آمین)

تفسیر صوفیانہ امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَلْاٰمِرُوْنَ وَالنَّاھُوْنَ سے وُہ لوگ مراد ہیں جو داعی الی اللہ ہیں اور غیر اللہ کے تعلق سے روکتے ہیں بلکہ وہ اس کوشش میں رہتے ہیں کہ بندگانِ خدا کو وصالِ حق نصیب ہو اور غیر اللہ کے تعلقات سے بالکل فارغ ہوجائیں۔

نکتہ: الاٰمرون اور النّاھون کے درمیان واؤ جمع کی اس لیے لائی گئی ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر درحقیقت ایک عمل ہے اس لیے کہ وہ ایک دُوسرے کے بغیر نہیں ہوتے، گویا آپس میں لازم وملزوم ہیں۔ اس گروہ پر آٹھواں گروہ یعنی الْحٰفِظُوْنَ کی آٹھویں صفت ہوگی۔ بعض کے نزدیک النّاھون عن المنکر آٹھویں صفت ہے۔ اس پر عطف واؤ بھی آٹھویں ہوگی۔

قاعدہ: نسفی کی تفسیر مسمّٰی بہ تیسیر میں ہے کہ محققین کے نزدیک اس کے متعلق کوئی اصل نہیں اور نہ ہی اس عدد کی اسی طرح کی تقریر سے بہشت کے آٹھوں دروازوں کا ثبوت ملتا ہے۔ علاوہ ازیں واؤ کے بغیر بھی قرآن مجید میں اس طرح کی عبارات بکثرت ہیں۔ مثلاً:

الملك القدوس السلام المؤمن المهيمن العزيز الجبار المتكبر۔

اور فرمایا:

ولا تطع كل حلاف همازٍ الاٰية وغیرہ۔

آٹھویں گروہ کے لیے فرمایا:

تفسیر عالمانہ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ اور اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان جو حقائق و شرائع واحکام معاہدہ ہوا ہے اس کی حفاظت کرتے ہیں اور دُوسروں کو بھی اس کے متعلق وصیت ونصیحت کرتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس سے وہ حضرات مراد ہیں جو وہاں پر ٹھہرتے ہیں جہاں انھیں اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے۔

وہ احکامِ الٰہی سے سرِ مُو انحراف نہیں کرتے۔ جب حکم ہوتا ہے تو پھر ملنے کا نام نہیں لیتے اور اپنے سانس کو اللہ تعالےٰ کے نام سے محفوظ رکھتے ہیں یعنی پاسِ انفاس کے عامل ہوتے ہیں۔

ایک عجیب تقریر احکامِ شرعیہ تکلیفیہ لاتعداد و لاتحصیٰ ہیں۔ آیت مذکورہ میں ان سب کے اصناف و اقسام کا ذکر نہیں بلکہ یہ ان میں سے بعض کا بیان ہُوا ہے۔ اس کی تفصیل کے لیے بہت بڑے ضخیم مجلدات درکار ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں اجمالی طور احکامِ تکلیفیہ کو وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہِؕ میں بیان فرمایا ہے۔

فقہاءِ کرام کا یہ خیال بھی درست نہیں کہ جو کچھ انہوں نے اپنی تصانیف میں بیان کیا ہے احکامِ تکلیفیہ شرعیہ صرف یہی ہیں اس لیے کہ مکلفین کے افعال دو قسم کے ہیں:

ا۔ متعلقات بالجوارح
۲۔ متعلقات بہ قلوب

اور کتبِ فقہ نے تو صرف ان اقسام کو بیان کیا ہے جو افعال جوارح سے متعلق ہیں اور وہ افعال جو قلوب سے متعلق ہیں وہ اوّلاً تو اُن کی کتبِ فقہ میں نہیں اور اگر ہیں تو بہت تھوڑے۔ ہاں افعالِ قلوب کو بعض کتبِ کلامیہ میں بیان کیا گیا ہے اور بعض کو امام غزالی اور ان جیسے اور بزرگوں نے کُتبِ تصوف و اخلاق میں بیان فرمایا ہے اور وُہ بھی سب کے سب والحٰفظون لحدود اللہ میں اجمالی طور بیان فرمائے ہیں۔

حکایت امام احمد غزالی نے اپنے برادر محمد غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ سے فرمایا کہ میں تیری تمام تصانیفِ تصوف و اخلاق میں صرف دو لفظوں میں بیان کرتا ہوں:

ا۔ التعظیم لامر اللہ
۲۔ الشفقۃ علیٰ خلق اللہ۔

یعنی امرِ الٰہی کی تعظیم اور خلقِ خدا پر شفقت کرنا۔

ف: حدادی نے فرمایا:

یہ اللہ تعالےٰ کے بندوں کی طاعت اور اُن کا اوامر و نواہی کے لیے مُستعد ہونے اور اس کے نواہی سے باز رکھنے کے اجمال کا بہتر کلمہ ہے اس لیے کہ اللہ تعالےٰ اپنے حدود کو اوامر و نواہی و مندوبات میں بیان فرمایا ہے اور وہ اس کلمہ میں موجود ہیں۔ مثلاً بعض وُہ امور ہیں جن پر عمل کرنے کی ترغیب ہے دُوسرے وہ ہیں جن پر عمل کرنے اور نہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ تیسرے وُہ ہیں جن سے اللہ تعالےٰ کے ارشاد سے رُکنا پڑتا ہے اور ان سب کو اس کلمہ نے بیان فرما دیا ہے۔

ف : جب بندہ مذکورہ بالا امور کو بجالاتا ہے تو سمجھا گیا کہ وہ "الحٰفظون لحدود اللّٰہ" میں شامل ہوگیا۔

حکایت حضرت خلف بن ایوب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک رات اپنی عورت سے فرمایا کہ اب تیرے بچے کا دودھ چھڑانے کا وقت پورا ہوگیا۔ فلہٰذا اس کو دودھ نہ پلائیں۔ اور یہ آپ نے اسے رات کے کسی وقت میں حکم فرمایا۔ کسی نے کہا: اب تو رات ہے، اجازت ہو تو صبح کو یہ سلسلہ شروع ہو۔ آپ نے فرمایا: قرآن پاک میں دو سال متعین کیے گئے ہیں اور وہ ابھی پورا ہوگیا ہے۔ اس پر وقت بڑھانا قرآن پاک کے حکم کے خلاف ہوگا۔

اسی طرح سے "والحٰفظون لحدود اللّٰہ" کے ارشادِ گرامی کی خلاف ورزی ہوگی۔

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اور اہلِ ایمان کو خوشخبری دیجئے۔ اس سے وہی حضرات مراد ہیں جو مذکورہ بالا اوصاف سے موصوف ہیں۔

سوال: یہاں بَشِّرْهُمْ کہنا تھا۔

جواب: اسم ظاہر لانے سے تنبیہ ہوگئی کہ ان اوصاف سے انہیں ایمان نے موصوف کیا ہے اور مومن کامل ہوتا بھی وہی ہے جو اوصافِ مذکورہ سے موصوف ہو۔

سوال: جس بات کی خوشخبری دی گئی ہے اس کا ذکر کیوں نہ ہوا۔

جواب: تاکہ معلوم ہو کہ وہ بہت باعظمت ہے اور اتنا کہ انسانی عقل وفہم کے حیطۂ امکان سے باہر ہے اور نہ ہی اسے کسی عبارت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اور ان بشارتوں میں سے اعلیٰ مرتبہ کی بشارت دارالسلام میں رؤیتِ باری تعالیٰ ہے۔

ف : دارالسلام میں ہر عمل صالح کے مطابق جزا نصیب ہوگی۔ مثلاً روزے دار سے کہا جائے گا كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓئًا بما اسلفتم فی الایام الخالیہ۔ اسی طرح باقی اعمال کو سمجھیے۔

سبق : مومن کو ہر عمل صالح کے لیے جدوجہد ضروری ہے تاکہ دارالسلام میں ہر طرح کی نعمتوں سے نوازا جائے اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان اسباب کی توفیق بخشے جن پر عمل کر کے ہم اسے راضی کر سکیں۔

تفسیر عالمانہ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان کے لیے لائق نہیں۔ یعنی جو لوگ اللہ وحدہٗ لاشریک پر ایمان رکھتے ہیں اُن کے لیے نامناسب ہے کہ وہ حکم اور حکمتِ الٰہی کی خلاف ورزی کریں اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا یہ کہ بخشش کا مطالبہ کریں لِلْمُشْرِكِيْنَ مشرکین کے لیے، یعنی ان لوگوں کے لیے جو اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہیں۔ وَلَوْ كَانُوْٓا اگرچہ ہوں وہ مشرکین اُولِيْ قُرْبٰى اہلِ ایمان کے قریبی رشتہ دار مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اس کے بعد جب حضور نبی پاک

صلی اللہ علیہ وسلّم اور اہلِ ایمان پہ واضح ہو چکا کہ اَنَّھُمْ بے شک وہ مشرکین اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ○ اہلِ جحیم یعنی جہنمی ہیں جبکہ ان کا خاتمہ کفر پہ ہُوا، یا اُن کے بارے میں اُن کی زندگی میں بذریعہ وحی معلوم ہُوا کہ وہ کافر ہو کر مریں گے۔

ابُوطالب کی موت کفر پر

مروی ہے کہ جب ابُوطالب بیمار ہُوا۔ یہ ہجرت سے تین اور بعثت سے دس سال بعد کا واقعہ ہے۔ ابُوطالب کی مرض الموت کی خبر قریشیوں کو پہنچی تو بعض نے کہا کہ حضرت حمزہ و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما مسلمان ہو کر ہم سے گئے اور اُن کے اسلام لانے پر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام قبائل قریش میں خوب مشہور ہُوئے۔ سب نے کہا ابُوطالب کے پاس چل کر اس سے معاہدہ لکھوائیں کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے سب کچھ چھین لیں گے۔

ایک روایت میں ہے کہ ہم چل کر اسے کہیں کہ اپنے بھتیجے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ لکھوا دیں ورنہ اس کی موت کے بعد لامحالہ ہم نے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنا ہے۔ پھر اہلِ عرب ہمیں طعنہ دیں گے کہ ابُوطالب سے خطرہ ٹلا تو محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا۔

یہ طے کر کے قریش کے بڑے بڑے لیڈر عتبہ، شیبہ یعنی ربیعہ کے بیٹے، ابُوجہل، اُمیّہ بن خلف اور حضرت ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) یہ حضرت فتح مکہ کی شب کو مسلمان ہو گئے تھے۔ ابُوطالب کے ہاں پہنچے اور کہلا بھیجا کہ ہم آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ ابُوطالب نے انہیں ملنے کی اجازت دے دی۔ انہوں نے آ کر کہا کہ آپ ہماری برادری قریش کے سردار ہیں۔ اب آپ کی موت قریب ہو گئی ہے اور خدشہ ہے کہ اب چند لمحات کے بعد آپ ہم سے جُدا ہو جائیں فلہٰذا ہماری گزارش ہے کہ آپ اپنے بھتیجے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بُلا کر ہمارے ساتھ معاہدہ لکھا دیں کہ نہ ہم اسے چھیڑیں گے اور نہ وہ ہمیں چھیڑے۔ ابُوطالب نے حضور علیہ السّلام کو بلایا۔ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ابُوجہل نے دیکھا کہ ابُوطالب کے قریب ایک جگہ خالی ہے لسے خطرہ لاحق ہُوا کہ اگر حضور علیہ السلام ابُوطالب کے قریب پہنچے تو اُسے جھاڑ پھونک کر اپنا بنا لیں گے۔ فلہٰذا وُہ خود کُود کر ابُوطالب کے قریب بیٹھ گیا۔ حضور علیہ السلام جگہ نہ پا کر دروازے کے قریب بیٹھ گئے۔ ابُوطالب نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: بیٹا! تیری قوم کے یہ سردار میرے ہاں تشریف لائے ہیں۔ آپ سے کچھ کہنا چاہتے ہیں آپ ان کو تسلّی بخش جواب دیجئے اور ان کا اصلی مقصد تو یہی ہے کہ آپ ان کے معبودوں کو گالی مت دیا کریں۔ یہ تمہیں اور تیرے معبود کو کچھ نہیں کہیں گے۔ حضور علیہ السلام نے کفّار کے لیڈروں سے فرمایا کہ مجھ سے تم جو چاہو لے لو لیکن مجھے صرف اتنا مطلوب ہے کہ تم کلمۂ اسلام کو تہِ دل سے قبول کر دو۔ پھر اس کی برکت دیکھو کر تم تمام عرب کے بادشاہ بن جاؤ گے بلکہ سارے عجمی تمہارے زیرِ فرمان ہو جائیں گے۔ ابُوجہل نے کہا کہ ہم تمہیں بہت کچھ دے سکتے ہیں

بلکہ تیری عطا سے ہم دس گنا زاید تجھے دے سکتے ہیں لیکن سنائیے تو سہی وہ کلمۂ اسلام کیا شے ہے؟

آپ نے فرمایا:

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کا اقرار کر کے اپنی گردنوں سے معبودانِ باطل کی پرستش کا طوق اتار دو۔

اس پر تمام کفار تضحیک کرتے ہوئے تالیاں بجانے لگے۔ پھر انہوں نے کہا:

تم ہم سے جس طرح کا مطالبہ کرو ہم ادا کرنے کے لیے تیار ہیں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اگر سورج بھی اٹھا کر میرے ہاتھ میں دے دو تب بھی مجھے منظور نہیں، جب تک کہ کلمۂ اسلام قبول نہ کرو۔

یہ سن کر سب کے سب کہنے لگے: یہ غریب تمہیں کیا دے سکتا ہے۔ اٹھو اور اپنے دین کی بات کرو اور اسی پر ڈٹ جاؤ یہاں تک کہ اس کا اور ہمارا فیصلہ خود اللہ تعالے فرمائے گا۔

یہ کہہ کر تمام قریشی اٹھ گئے اور اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب سے فرمایا: چچا جی! آپ کلمۂ شہادت قبول فرمالیں میں بارگاہِ رب العزت میں آپ کے ایمان کی گواہی دوں گا۔

ابوطالب نے جواب دیا: اگر مجھے ننگ وعار کا خیال نہ ہوتا تو کلمہ ضرور پڑھ لیتا۔ لیکن مجھے اپنی برادری سے ڈر لگتا ہے کہ وہ میرے بعد کہتے پھریں گے کہ ابوطالب نے موت کے خطرہ سے کلمہ پڑھ لیا۔

جب ابوطالب نے کلمۂ اسلام سے منہ موڑا تو اسی حالت میں مر گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اپنے چچا ابوطالب کے لیے دعائے مغفرت کرتا رہوں گا یہاں تک کہ میرا اللہ کریم مجھے اس سے منع فرمائے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے دعائے مغفرت

ازالۂ وہم اور ردِ وہابیہ و دیوبندیہ کا اہتمام فرمایا کہ ابوطالب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرتا بلکہ ہر ممکن مالی و جانی مدد کرتا[1]۔ چنانچہ اس کی موت کے بعد قریش نے مکہ معظمہ میں حضور علیہ السلام کو بہت ستایا اور اس قدر سخت اذیتیں دیں کہ ابوطالب کی زندگی میں ان کا تصور تک نہ تھا۔

چنانچہ مروی ہے کہ بعض شرارتیوں نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر مٹی کا ٹکرا پھینکا جسے آپ جھاڑتے ہوئے اپنے دولت کدہ میں تشریف لائے۔ آپ کی بعض صاحبزادیوں نے یہ حال دیکھا تو رونے لگیں۔

---

[1] اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کا ابوطالب کے لیے دعائے مغفرت کرنا صلہ کے طور پر تھی اس سے اختیار و عدم اختیار کو کسی قسم کا تعلق نہیں۔ وہابیہ دیوبندیہ خواہ مخواہ شور مچاتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو اختیار ہوتا تو ابوطالب کو کلمہ کیوں نہ پڑھا دیتے۔ تفصیل فقیر کی تفسیر اویسی میں ہے ۱۲۔

اور آپ سے مٹی جھاڑی اور خُوب گریہ کیا۔ آپ نے فرمایا! میری پیاری بیٹیو! مت روئیے۔ اللہ تعالیٰ میرا مہربان ہے اس کا کوئی بہترا انتظام فرمائے گا۔

بہرحال حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ابُو طالب کے لیے دُعائے مغفرت فرماتے رہے یہاں تک کہ یہی آیت نازل ہُوئی۔ اس کے بعد آپ نے نہ اس کے لیے اور نہ دُوسرے کفار و مشرکین کے لیے دعائے مغفرت فرمائی۔

شانِ نزول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پُوچھا کہ میرے باپ کے بعد کون فوت ہُوا؛ عرض کی گئی آپ کی والدہ ماجدہ بی بی آمنہ رضی اللہ عنہا۔ آپ نے فرمایا؛ تم میں سے کون ان کی قبر کو جانتا ہے تاکہ میں جاکر اُن کی قبر پہ اُن کے لیے استغفار کروں اس لیے کہ ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنے ماں باپ کے لیے دُعائے مغفرت فرمائی تھی۔ مسلمانوں نے کہا؛ تو ہم بھی اپنے ماں باپ کے لیے استغفار کرنے کے لیے آپ کے ساتھ چلتے ہیں۔ چنانچہ آپ گورستان کی طرف چلے۔ یہ فتح مکہ کے سال کی بات ہے۔ جب آپ مقامِ ابواٗ پر اپنی والدہ ماجدہ کی قبر مبارک پر پہنچے۔ (یہ ابواء مکہ و مدینہ کے درمیان واقع ہے) بی بی صاحبہ کی قبر یہاں اس لیے تھی کہ آپ کی پیدائش مبارک سے پیشتر ہی آپ کے والد ماجد فوت ہو چکے تھے اور انھیں مدینہ طیبہ میں دفن کیا گیا۔ سبب یہ ہوا کہ وہ کسی کام کے لیے مکہ سے باہر گئے۔ مدینہ میں موت آگئی۔ آپ اپنی امی جان بی بی آمنہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھے۔ آپ جب چھ سال کے ہُوئے تو آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو لے کر ننھیال پہنچیں جو مدینہ میں تھے۔ اور بی بی صاحبہ اُن کے ہاں تشریف لیجایا کرتی تھیں۔ ان سے مل کر بی بی صاحبہ واپس مکہ معظمہ کو روانہ ہُوئیں تو مقامِ ابواء پر اُن کا وصال ہو گیا تو وہ وہیں مدفون ہُوئیں۔ بعض کہتے ہیں وہ حجون میں مدفون ہُوئیں۔ ان دونوں روایات میں یُوں تطبیق ہوسکتی ہے کہ پہلے بی بی صاحبہ کو ابواء میں دفن کیا گیا پھر انہیں وہاں سے اٹھا کر حجون میں دفن کیا گیا۔ (کذا فی السیرۃ الحلبیہ)

حضور علیہ السلام نے اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کے قریب بیٹھ کر طویل دُعا مانگی اور بہت گریہ کیا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ ہم بھی رو پڑے۔ فراغت کے بعد ہم نے پُوچھا؛ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اس قدر کیوں روئے؟ تو آپ نے فرمایا: میں نے اپنے رب کریم سے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت چاہی تو زیارت کی اجازت مل گئی۔ پھر میں نے ان کے لیے استغفار کی درخواست کی تو اس کا اذن نہیں ملا[1]۔ اس پہ

---

[1] اس سے وہابیہ و دیگر گستاخانِ نبوت استدلال کرتے ہیں کہ آپ کے والدین کافر جہنمی ہیں (معاذ اللہ) حالانکہ اذن کا نہ ملنا اس کی دلیل نہیں اس لیے کہ اس وقت اذن نہ ملا۔ بعد کو آپ کو اس کا نہ صرف اذن ملا بلکہ آپ نے ان دونوں کو زندہ کر کے اسلام کی تلقین کی اور وہ مسلمان ہُوئے۔ چنانچہ امام سیوطی رحمہ اللہ تعالےٰ نے تصریح کی ہے۔ اعلیٰحضرت قدس سرہٗ نے اس موضوع پر ایک کتاب مسمی بہ "شمول الاسلام لاباءِ الاکرام" لکھی ہے۔ فقیر اویسی غفرلہ نے ان دونوں ائمہ کے فیض سے ضخیم کتاب "ابوین مصطفےٰ" لکھی ہے۔ ۱۲

یہ دونوں آیتیں مَاکَانَ لِلنَّبِیِّ وَمَاکَانَ استغفار ابراھیم الخ نازل ہوئیں۔

آیت کے دو اور اس سے زاید شانِ نزول ہوتے ہیں۔ اس طرح سے ممکن ہے کہ جب آپ نے اپنی والدہ

ازالۂ وہم کے لیے دُعا مانگی ہو تو یہ آیت نازل ہوئی۔ پھر جب چچا کے لیے دُعا مانگی تو بھی یہی آیت نازل ہوئی۔

ف: لیکن صاحبِ رُوح البیان فرماتے ہیں کہ یہ تقریر ناموزوں ہے اس لیے کہ جب پہلے اللہ تعالےٰ نے آپ کو اپنی والدہ کے استغفار سے روک دیا تو پھر کیسے ممکن ہے کہ آپ نے اپنے چچا کے لیے دُعا مانگی ہو حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ یہ سورۃ قرآن پاک کی تمام سورتوں سے بعد کو نازل ہوئی ہے۔ اسی طرح دُوسرے طور بھی کہہ سکتے ہیں کہ آپ نے چچا کے لیے دعائے مغفرت کی تو ممانعت کر دی گئی پھر آپ اپنی والدہ کے لیے کیسے دُعا مانگ سکتے تھے۔ جسے اس کا فرق معلوم ہے واضح کرے[1]

وَمَاکَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرَاھِیْمَ لِاَبِیْہِ جبکہ اللہ تعالےٰ سے یُوں دُعا مانگی واغفر لابی کہ اے اللہ تعالےٰ! اسے ایمان کی توفیق اور اس طرف رہبری فرما۔

سوال: تم نے رہبری اور توفیقِ ایمان کہاں سے نکال لیا؟

جواب: ابراہیم علیہ السلام نے دُعا بھی اور اس کی علت بھی خود واضح فرمائی انہٗ کان من الضالین اس لیے کہ وہ گمراہوں سے ہے۔

اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَۃٍ یہ اعم العلل سے استثنا مفرغ ہے۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام جب اپنے اب یعنی چچا آزر کے لیے دعائے مغفرت کا وعدہ فرمایا تھا وَّعَدَھَاۤ اِیَّاہُ ج اپنے اب[2] یعنی چچا آزر سے مغفرت کا وعدہ فرمایا تھا۔ چنانچہ اسے فرمایا تھا لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَکَ میں تیرے لیے مغفرت کی دُعا مانگوں گا۔

سوال: ابراہیم علیہ السلام نے کافر سے مغفرت کا وعدہ کیوں فرمایا؟

جواب: اُس کے لیے ایمان کی اُمید کی بنا پر آپ نے دُعائے مغفرت کا وعدہ فرمایا کیونکہ اس وقت اس کی حقیقت امر واضح نہیں تھی۔

فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَہٗۤ پھر ابراہیم کو وحیِ الٰہی سے اس کی حقیقت واضح ہُوئی کہ وُہ کفر پہ ڈٹا ہوا ہے اور اس سے ایمان کی اُمید منقطع ہُوئی یا اللہ تعالےٰ سے وحی ہُوئی کہ وُہ کفر پر مرے گا۔ لیکن پہلا معنےٰ زیادہ مناسب ہے۔

اَنَّہٗ عَدُوٌّ لِّلّٰہِ بے شک وُہ اللہ تعالےٰ کا دُشمن ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کو اس کی عداوتِ اللہ کی بات موت کے وقت معلوم

---

[1] فقیر نے اس بحث کو تفسیر اویسی میں مفصل طور پر لکھ دیا ہے۔

[2] آزر ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا جس کی تشریح ہم نے تفسیر اویسی میں کی ہے۔

نہیں ہوئی بلکہ اس سے قبل اس کی عداوۃ للّٰہ واضح ہو چکی تھی۔ تَبَرَّأَ مِنْهُ ؕ تو اس سے ابراہیم علیہ السلام نے بیزاری کا اظہار فرمایا یعنی واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ اب میں آزر کے لیے دعا نہیں مانگوں گا۔ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حل لغات : اَوَّاهٌ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کو سخت دکھ اور درد پہنچے۔ مثلاً کہتا ہے اَوَّاہ من کذا۔ یا کہتا ہے اوّہ بالمد و التشدید و فتح الواو سکون الہاء یعنی شکایت کے وقت طویل آواز کھینچنا اوّاہ بمعنے الخاشع المتضرع۔ جب اوّاہ بالکسر اور اس کے بعد آخرت کے شدائد مذکور ہوں تو اس وقت یہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ آخرت کے امور کی عظمت سے گھبرا کر اوّاہ کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت کعب نے فرمایا:

الاواہ ھو الذی اذا ذکرت عندہ النار قال آہ۔

"اوّاہ وہ ہے کہ جس کے سامنے جہنم کا ذکر ہو تو کہے آہ"۔

بعض نے کہا الاواہ بمعنے الموقن۔ یہ لغت حبشہ میں ہے لیکن یہ ان کے مذہب کے مطابق نہیں جنہوں نے کہا کہ قرآن مجید میں غیر عربی الفاظ نہیں ہیں حالانکہ یہ لفظ حبشہ میں بولتے ہیں تو اس کا یہ جواب دیا کہ ایک لفظ دو لغات میں مستعمل ہے۔ اس لیے ممکن ہے کہ یہ لفظ عربی ہے لیکن حبشی بھی عربوں کے مطابق اپنی لغت میں استعمال کیا کرتے ہوں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام اپنے اب یعنی چچا آزر کے حال پر رحم فرماتے ہوئے بکثرت آہیں بھرتے۔ یہ ان کے کمال رافت و رحمت کی دلیل ہے باوجودیکہ باپ کافر تھا لیکن اس کے حال سے آپ کو سخت دکھ اور درد تھا اس لیے آہیں بھرتے۔

حَلِيْمٌ ۝ تکلیفوں اور اذیتوں پر بہت صبر کرنے والے تھے۔ اس لیے وہ اپنے اب یعنی چچا کی اذیتوں اور تکلیفوں پر صبر اور حوصلہ فرماتے باوجودیکہ آپ کا چچا تندخو سنگدل تھا اور بدخلق بھی۔ لیکن پھر بھی اس کے لیے دعائے مغفرت فرماتے تھے اس کی تندخوئی اور بدخلقی کی دلیل قرآن مجید میں بیان فرمائی گئی کہ وہ ابراہیم علیہ السلام سے کہتا تھا لَاَرْجُمَنَّكَ میں تمہیں سخت ماروں گا۔

ردِّ وہابیہ دیوبندیہ جیسے ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مشرک اب یعنی چچا کے لیے دعا مانگا کرتے ایسے ہی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اسلاف مشرکین کے لیے استغفار کرتے[1] پھر جب کافروں کی استغفار سے روکا گیا تو آپ رک گئے۔

ف : آیت میں اپنے حبیب علیہ السلام کو تسلی دی گئی ہے کہ ممانعت سے پہلے جن مشرکین کے لیے آپ نے

---

[1] اس سے ثابت ہوا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی استغفار حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اقتداء میں تھا، جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کہ "واتبع ملۃ ابراھیم حنیفا" لیکن وہابیوں دیوبندیوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بے پر کی اڑائی۔ تفصیل تفسیر اویسی میں ہے۔

نے دُعائیں مانگی ہیں ان کا کوئی حرج نہیں ۔ اس کی مزید وضاحت یوں فرمائی :
وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا اور اللہ تعالیٰ کی عادتِ کریمہ نہیں کہ کسی پر گمراہی کے احکام جاری کرے بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ اس کے بعد جب کہ انہیں اسلام کی ہدایت دی ہے حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ یہاں تک کہ انھیں صریح وحی یا دلالت سے واضح ہوجائے مَّا يَتَّقُوْنَ ؕ وہ جو محظورات (ممنوعات) دین سے بچنے کی جدوجہد میں رہتے ہیں اور ممنوعاتِ الٰہی سے رُک جاتے ہیں۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہوا کہ عاقل ان امور کا مکلف نہیں ، جن پر عقل کی رسائی نہیں۔
اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ○ بے شک اللہ تعالیٰ جمیع اشیاء کو جانتا ہے منجملہ اُن بندوں کے وہ امُور بھی ہیں جنھیں وہ عقل سے نہیں پہچان سکتے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ان کے لیے واضح فرماتا ہے ۔ جیسا کہ یہاں ہوا ۔ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ بے شک اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں آسمانوں اور زمینوں کے ملک۔ ان میں کسی کا کوئی شریک نہیں ۔ ؎

واحِد اندر ملک اورا یار نے
بندگانش را جز او سالار نے
نیست خلقش را دگر کس مالکے
شرکتش دعوے نہ کند جز ہالکے

يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ مُردوں کو زندہ کرتا ہے اور زندوں کو مارتا ہے یعنی زمین اور اجسام اور قلوبِ اُمم میں حیات و ممات پیدا کرتا ہے وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ . . . . یہ حال ہے یعنی درانحالیکہ تم اللہ تعالےٰ کی ولایت ونصرت سے تجاوز کرنے والے ہو مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ○ نہیں کوئی حمایتی اور نہ ہی کوئی مددگار ۔

ربط : جب اللہ تعالیٰ نے اہلِ اسلام کو روکا کہ اپنے قریبی رشتہ دار مشرکین کے لیے استغفار نہ کریں بلکہ اُن سے پُورے طور بیزار ہوجائیں ، تو وہم پیدا ہوتا تھا کہ کہیں رشتہ دار مشرکین ہماری بیزاری پر ہمیں تکالیف پہنچائیں اور ہم تنہا رہ جائیں تو کاروبار کیسے چلیں گے ۔ اللہ تعالیٰ نے اُنھیں تسلی دلائی کہ اے مسلمانو ! تمہیں یقین ہونا چاہیے کہ اللہ تعالےٰ جملہ موجُودات کا مالک ہے اور تمام امور کا متولّی اور تمام کائنات پر غالب ہے ، جسے بھی کوئی فتح ونصرت نصیب ہوتی ہے تو وہ اللہ تعالےٰ سے ۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ بندگان یکسوئی سے پُورے طور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں اور ماسوی اللہ سے یک لخت بیزار ہوجائیں یہاں تک کہ ہر معاملہ میں اُن کا مقصود صرف ذاتِ حق ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کو زندہ کرکے ایمان سے نوازا

علماء کرام کی ایک بہت بڑی جماعت نے تصریح کی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

حجۃ الوداع کے موقعہ پر حجوں سے گزرے تو رب العزت سے دُعا کی کہ آپ کی والدہ ماجدہ کو زندہ کر دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دُعا کو قبولیت بخشی اور آپ کی والدہ ماجدہ کو زندہ فرما دیا۔ اس وقت آپ کی والدہ ماجدہ آپ کا کلمہ پڑھ کر مُسلمان ہوئیں، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اُن کی رُوح واپس لی اور وہ پھر سے قبر میں لوٹیں۔

سوال از وہابیہ : اس حدیث شریف کا ثبوت ہی نہیں اور نہ ہی اس کی صحت کا کوئی پتہ ہے اگرچہ بے شمار حفاظ الحدیث نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور جن لوگوں نے اس حدیث پر جرح وطعن کیا اسے درخورِ اعتنا نہیں کیا لیکن مشکل یہ ہے کہ موت کے بعد ایمان غیر نافع ہے جیسا کہ شرع کا قانون اور قرآن مجید میں مصرح ہے۔

جواب ۱ : یہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہے۔ جب یہ حضور علیہ السلام کی خصوصیت ہے تو پھر اعتراض کیسا۔ (کذا فی انسان العیون)

جواب ۲ : قرطبی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بے شمار بندگانِ خدا کے ذریعے مُردے زندہ فرمائے تو پھر اس میں کون سا اشکال ہے کہ اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شرافت اور بزرگی کے تحت آپ کے والدین کریمین کو آپ کے ذریعہ سے زندہ فرما کر اُنھیں دولتِ ایمان سے نوازے، بلکہ آپ کی جملہ مخلوق سے افضلیت کی بنا پر آپ کے لیے بطریقِ اُولیٰ ہونا چاہیے۔ باقی رہا یہ سوال کہ ایمان موت کے بعد فائدہ نہیں دیتا۔ یہ بھی نشانِ نبوت سے بےخبری کا نتیجہ ہے۔ اس لیے کہ زندہ کر کے پھر ایمان سے نوازنا اگر غیر نافع ہے تو پھر ردالشمس کا بھی انکار کیا جائے جبکہ اس کا وقت ختم ہو چکا تھا اسے لوٹا کر وقت بحال فرمایا۔ وہ بھی آخر مبنی بر فائدہ تھا تو یہاں بھی وہی معاملہ ہے۔

ف : صاحب رُوح البیان فرماتے ہیں کہ ہم نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے والدین کریمین اور ابوطالب کے ایمان کی بحث سورۃ بقرہ پارہ اوّل لا تسئل عن اصحاب الجحیم کے تحت مفصّل طور لکھی ہے وہاں دیکھ لیں۔

ایمانِ عبدالمطلب کے دلائل

۱۔ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ آپ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں بُتوں کی پرستش ترک کر دی تھی اور توحیدِ الٰہی کے قائل ہو گئے تھے۔ قرآن مجید کے نزول سے پہلے بہت سے طریقے مروج تھے جنھیں اسلام نے ابتدائی دور میں جائز رکھ کر بعد کو ناجائز کیا جو قرآن مجید کی آیات کے علاوہ احادیث نبویہ میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔ مثلاً:

- نذر کا ایفا۔
- محارم کے نکاح کی ممانعت
- چور کا ہاتھ کاٹنا
- زندہ درگور کے قتل کی نہی
- شراب وزنا کی حرمت

○ بیت اللہ شریف کا ننگے ہو کر طواف کرنا

(کذا فی سبط ابن الجوزی)

ان میں بعض وہ وجوہ ہیں جو ابتداءً حرام تھے اور کچھ بعد کو حرام ہوئے۔

۲۔ ابکار الافکار فی مشکل الاخبار میں ہے کہ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اکثر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت پر عمل کرتے اور انہی کے احکام پر عبادتِ الٰہی بجا لاتے۔ بعض مسائل میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے پیروکار تھے۔

ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بھی منکر نہیں تھے۔ علاوہ ازیں اس وقت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ نبوت بھی نہیں فرمایا تھا۔

۳۔ قاعدہ شرعیہ ہے کہ زمانۂ فترت میں جو لوگ فوت ہوئے انہیں کافر نہیں کہا جا سکتا۔ اور نہ ہی ان پر کفار و مشرکین کا فتویٰ دیا جا سکتا ہے۔

سیرۃ حلبیہ میں ایک دلیل لکھی کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ نے آپ کی والدہ ماجدہ کے ازالۂ وہم استغفار سے اس لیے روکا کہ جو آپ کے یا کسی اور نبی علیہ السلام کے دین کا انکار کرے گا یا اس میں تغیر و تبدل پیدا کرے گا تو اسے لازماً عذاب ہوگا۔ یہ دلیل بالکل ضعیف ہے اس لیے کہ یہ قول اس قاعدہ پر مبنی ہے کہ ایمان و توحید کا وجوب عقل سے ہو حالانکہ اہلسنّت وجماعت کے جمہور علماء کرام کا مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب نہیں کرتا جب تک کہ ان میں رسل کرام علیہم السلام نہ بھیجے اور پھر اپنے مقام پر ثابت ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بعد عرب میں کوئی نبی نہیں آیا۔ اور یہ بھی مسلّم ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام و دیگر انبیاء علیہم السلام کی نبوّت کا اجراء اُن کے وصال سے ختم ہو گیا یہ صرف ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے کہ بعد وصال بھی تاقیامت آپ کی نبوت جاری و ساری رہے گی[1] اور اہلِ عرب جو زمانۂ فترت میں فوت ہوئے اُن پر کسی قسم کا عذاب نہیں ہوگا اگرچہ وہ دین میں تغیرّ و تبدل پیدا کرتے یا اصنامِ باطلہ کی پرستش میں مبتلا رہے۔

سوال: بہت سے فترت کے دور کے گمراہوں اور بُت پرستوں کے لیے احادیث میں ان کے عذاب کا بیان وارد ہوا ہے اور تم کہتے ہو انھیں عذاب نہیں ہوتا۔

جواب ۱: انہیں عذاب دینا اور پھر حضور علیہ السلام کا خبر دینا، تمام روایات مؤول ہیں۔

جواب ۲: ترغیب اسلام کی وجہ سے ہوتا تا کہ یہ لوگ اُن کے عذاب کا حال سُن کر کفر و شرک سے بچ جائیں اور وہ

---

[1] اگرچہ قادیانی جیسے بدمزاج کئی نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں وہ اپنی سزا پائیں گے ورنہ نبوتِ حضور علیہ السلام موجود ہے اور آپ زندہ ہیں۔

بھی بعض کے متعلق وارد ہے سب کے لیے، ورنہ احادیث میں کلی طور پر فرمایا جاتا کہ اہلِ فترت سب کے سب جہنم کے عذاب میں مُبتلا ہیں۔

جواب۳: صاحبِ رُوح البیان فرماتے ہیں کہ میں نے بعض علماءِ کرام کی عبارات سے اندازہ کیا کہ وہ اس کی تقریر یُوں کرتے بلکہ اس کو مرجح فرماتے ہیں کہ وجوبِ ایمان وتوحید یعنی بُت پرستی سے باز رہنے پر کسی کو مکلف بنانے کے لیے اتنا کافی ہے کہ کوئی رسول علیہ السلام دعوتِ حق پیش کرے اور بُت پرستی کی مذمت فرمائے اگرچہ وہ اس وقت مُرسل من اللہ نہ بھی ہو تب بھی جسے ایسے رسول کی دعوت وتبلیغ پہنچی ہے اُس پر ایمان وتوحید کا قبول کرنا اور بُت پرستی سے بچنا واجب ہے کیونکہ نبوّت کا زمانہ پالینا ضروری نہیں بلکہ دعوت وتبلیغ کا ہونا ضروری ہے وہ دعوت وتبلیغ اُس نے براہِ راست سُنی ہے یا اُسے دعوت وتبلیغ سُننے کا امکان ہو۔ اگر ایسی صُورت اُسے نصیب نہیں تو پھر وہ معذور ہے۔ ایسے کے لیے ضروری ہے کہ اسے کسی رسُول علیہ السلام کا زمانہ نصیب ہو اور وُہ اسے دعوت وتبلیغ دین یا اسے ان کی دعوت وتبلیغ کسی ذریعہ سے پہنچے اس جواب پر لازم آتا ہے کہ جس نے ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلّم یا کسی دُوسرے پیغمبر علیہ السّلام کا زمانہ نہیں پایا، لیکن اسے دعوت وتبلیغ پہنچی ہے تب بھی شرک میں مُبتلا رہا تو ایسا شخص جہنم کے عذاب میں مبتلا ہو گا۔ اس لیے کہ ہم نے شرط لگائی ہے کہ ہر اُس بندے کو عذاب نہ پہنچے گا جسے دعوت وتبلیغ بھی نہ پہنچے اور اسے تو دعوت وتبلیغ پہنچی ہے اور اسے قدرت حاصل ہے کہ وُہ دعوت وتبلیغ پر شرک کو ترک کر کے ایمان وتوحید قبول کرے۔

تقریر مذکور کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی نبی کی بعثت سے پہلے کسی کو عذاب نہیں دیا جاتا بلکہ اُسے عذاب ہوتا ہے جو بعثت کے بعد شرک اور بُت پرستی نہیں چھوڑتا اور نہ ہی توحید وایمان قبول کرتا ہے۔

سوال: تمہارے جوابات صحیح حدیث شریف کے خلاف ہیں جنہیں طبرانی نے "اوسط" میں سندِ صحیح سے روایت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہر نبی علیہ السّلام کے وصال کے بعد جو زمانہ فترت ہوا اس میں جتنے لوگ فوت ہوں گے سب جہنم میں جائیں گے۔ اس سے معلوم ہُوا کہ فترت کے زمانہ کے لوگ جہنمی ہیں۔

جواب: اس تمام سے مراد کثرت ہے۔ یعنی ان میں کثیر لوگ جہنم میں ہوں گے۔ چنانچہ صحیح بخاری وصحیح مسلم کی روایاتِ ذیل سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جہنّم میں دوزخیوں کو داخل کیا جائے گا، وہ کہتی رہے گی "ھل من مزید" یعنی "کچھ اور چاہیے"۔ یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ اس میں اپنا قدم مبارک (یعنی قدرت کا دھڑکا) رکھے گا تو جہنّم کے طبقات ہل جائیں گے۔ عرض کرے گی: "قط قط" یعنی اللہ تعالیٰ! مجھے تیری عزّت اور تیرے کرم کی قسم مجھے اب ضرورت نہیں۔

مسئلہ: ایمان وتوحید کے علاوہ فروعی مسائل میں اہلِ فترت پر عذاب نہ ہوگا اس لیے کہ انہیں حضور علیہ الصّلوٰۃ

والسلام کی بعثت مبارکہ نصیب نہیں ہوئی۔ وہ صاحبان اگرچہ اللہ تعالےٰ کی توحید کے اقراری تھے لیکن بت پرستی میں مبتلا ضرور تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى۔

ف: توحید و ایمان میں فرق یہی ہے کہ توحید میں تمام سابقہ متفق ہیں۔ صرف مسائل میں ایک دوسرے سے مختلف تھے اور یہ کوئی اختلاف نہیں۔

مسئلہ: اہلِ فترت سے قیامت میں حساب اور امتحان ہوگا۔

اہلِ فترت کے امتحان کی داستان

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ثوبان روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

جب قیامت قایم ہوگی تو اہلِ جاہلیت کو لایا جائے گا اور وہ اپنے بتوں کو پیٹھ پر اُٹھائے ہوں گے۔ آتے ہی اللہ تعالےٰ سے سوال کریں گے: اے الٰہ العٰلمین! تُو نے ہمارے ہاں نہ کوئی رسُول بھیجا اور نہ ہی تیرا کوئی حکم پہنچا کہ جس سے ہم تیری فرماں برداری کرتے۔ اگر تیری طرف سے رسول تشریف لاتے تو ہم سب سے زیادہ تیرے فرمانبردار ہوتے۔ اللہ جل جلالہٗ انھیں فرمائے گا: اگر میں تمہیں کوئی حکم دُوں تو مانو گے۔ عرض کریں گے: ضرور مانیں گے۔ اس کے بعد اللہ تعالےٰ اُن سے وعدے لے کر انھیں فرمائے گا: جاؤ جہنم میں۔ وہ جہنم کی طرف چل پڑیں گے۔ جب جہنم کے قریب جائیں گے تو متفرق ہوکر جہنم سے بھاگ کر اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہوجائیں گے اور عرض کریں گے: یا اللہ! اس میں تو ہمارا داخل ہونا مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں فرمائے گا: اب تمہیں داخل ہونا ہی پڑے گا۔ چنانچہ انھیں جبراً دھکیل کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اگر وہ پہلی بار جہنم میں چلے جاتے تو ان کے لیے جہنم ٹھنڈی اور سلامتی کا گھر بن جاتی۔

فائدہ درشانِ مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کے صدقے اور اُن کی عزت و احترام کے تحت قبل بعثت کے لوگ امتحان میں کامیاب ہوکر بہشت میں داخل ہوں گے تاکہ محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشی حاصل ہو۔

مسئلہ: ہم اُمید رکھتے ہیں کہ حضرت عبد المطلب بھی انہی لوگوں میں سے ہوں گے جنہیں امتحان میں کامیابی ہوگی۔

مسئلہ: ابُو طالب کو اس زمرہ میں داخل نہیں کیا جاسکتا اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ بعثتِ مبارکہ کو پایا لیکن ایمان سے محروم رہا باوجودیکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اسے دعوتِ اسلام پیش فرمائی۔

ف: مسئلہ احیاء کو اُنھوں نے نہیں بیان فرمایا صرف ابُو طالب کے ذکر پر اکتفا فرمایا۔ ٥

نا اُمیدم مکن از سابقۂ لطف ازل
تُو چہ دانی کہ پسِ پردہ کہ خوب است کہ زشت

تفسیر عالمانہ لَقَدْ تَّابَ اللّٰہُ عَلَى النَّبِیِّ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سے آپ کا وُہ اِذن مراد ہے جو آپ نے جنگ پہ جانے والے منافقین کو معاف فرما دیا تھا۔

سوال: اجازت تو حضور علیہ السلام نے دی لیکن صحابہ کرام کو ساتھ ملا دیا، یہ کیوں؟

جواب: قاعدہ ہے کہ بعض کا فعل کل کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ مثلاً اہلِ عرب کہتے ہیں: "بنو فلان قتلوا زیداً"۔ فلاں قبیلہ کے لوگوں نے زید کو قتل کیا حالانکہ قتل صرف ایک نے کیا ہوتا ہے لیکن قتل کی نسبت کُل کی طرف ہُوئی ہے۔

ازالہ توہم وہابیہ دیوبندیہ آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام سے کوئی گناہ سرزد ہُوا ہے (معاذ اللہ) تب ہی تو اللہ تعالےٰ نے توبہ کی قبولیت کی خبر دی ہے۔

جواب: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا منافقین کا اذن از قبیل اجتہاد تھا اور اسے گناہ سے تعبیر کرنا جہالت و حماقت ہے اس لیے کہ اہلسنت کا مسئلہ عقیدہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام صغائر و کبائر سے معصوم ہوتے ہیں اور قاعدہ ہے کہ عام انسان بھی اگر گناہ کا ارتکاب کرے تو عوام کے دلوں سے اُس کی عزت وعظمت اُٹھ جاتی ہے اور عوام کی نظروں سے گر جاتا ہے۔ اگر انبیاء علیہم السلام سے بھی گناہوں کا صدور ہو تو اُن کی عزت وعظمت عوام کے دلوں سے اُٹھ جائے گی حالانکہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا باہیبت ہونا لازمی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ان تمام امراض سے محفوظ ہوتے ہیں جو عوام کے لیے نفرت کا سبب بنیں۔ مثلاً جذام وغیرہ۔

سوال: اسے "زلۃ" سے اہلسنت نے تعبیر کیا ہے اور "زلۃ" بھی خطا کو کہا جاتا ہے۔ اگر حضور علیہ السلام پر گناہ کا اطلاق ناجائز ہے تو پھر یُوں کہا جائے کہ آپ سے خطا ہُوئی (معاذ اللہ)

جواب: زلہ بمعنے خطا لینا بھی نبوت دشمنی کا ثبوت دینا ہے اس لیے کہ اگرچہ لغتہً زلۃ بمعنے خطاء اور حق سے باطل کی طرف جُھکنا ہے۔ اگر یہی معنیٰ لیا جائے تو پھر انبیاء علیہم السلام کی نبوت کی عزت وعظمت پر دھبہ آتا ہے، بلکہ زلۃ اصطلاحِ شریعت میں انبیاء علیہم السلام کے لیے بمعنے افضل سے فاضل کی طرف میل کرنا۔ اگرچہ افضل کو چھوڑ کر فاضل کو لینا عوام کے لیے موجبِ ملامت نہیں بنتا۔ لیکن حضرات انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے مخصوص اور مقربین ہوتے ہیں۔ اسی لیے اُن کے لیے یہ فعل موجبِ عتاب بنتا ہے یہ بھی ان کی قدر و منزلت کی عظمت کی دلیل ہے۔ چنانچہ حضرت ابُوسعید خراز قدس سرہٗ نے فرمایا: حسنات الابرار سیئات المقربین۔ ابرار کی حسنات مقربین کے سیئات ہوتی ہیں۔

جواب: نبی علیہ السلام کے لیے توبہ کا ذکر اُمت کی توبہ کا مقدمہ اور اصل ہے اور تابع کی توبہ کا دار و مدار اصل و متبوع

کی تصحیح پر ہے۔

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ توبہ نعمت بلکہ ایک مخصوص رحمت ہے تاکہ پہلے آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ پر پھر آپ کے صدقے اپنے بندوں کو اس نعمت سے نوازے۔ اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت جسے بھی نصیب ہو تو وہ صدقہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ اس معنیٰ پر یہ نعمت نبوت سے سب سے پہلے مہاجرین وانصار کو نصیب ہوئی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لقد تاب اللّٰه علی النبی الخ

وَالْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ ہماری مذکورہ بالا تقریر کی تائید حدیثِ نبوی سے ہوتی ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو کچھ اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل وکرم سے میرے سینے میں ڈال دیا۔

حل لغات: الانصار نصیر کی جمع ہے جیسے اشراف شریف کی جمع یا ناصر کی جمع انصار ہے اور جیسے صاحب کی اصحاب جمع آتی ہے۔ اس سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ صحابہ کرام مراد ہیں جنہوں نے مدینہ سے ہجرت کر کے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر اصحاب مہاجرین کی مدد کی اور انھیں اپنے گھروں میں ٹھہرایا۔

ف: انصار ان کا اسلامی نام ہے اوس وخزرج کے مسلمانوں کا نام اللہ تعالےٰ نے انصار رکھا ورنہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت سے قبل اور نزولِ قرآن سے پہلے اس نام سے موسوم نہ تھے۔

مسئلہ: انصار کی محبت وعقیدت واجب ہے بلکہ اُن کی محبت وعقیدت ایمان کی علامت ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

اٰیۃ المومن حب الانصار وحب الانصار اٰیۃ الایمان و اٰیۃ النفاق بغض الانصار۔ (کذا فی فتح القریب)

یعنی مومن کی علامت انصار کی محبت ہے اور انصار کی محبت ایمان کی علامت ہے اور منافقت کی علامت انصار سے بغض رکھنا ہے۔

مسئلہ: مہاجرین انصار سے افضل ہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

لولا الهجرة لکنت امرأً من الانصار۔

اگر ہجرت کا حکم نہ ہوتا تو میں بھی منجملہ انصار کے ہوتا۔

ف: ابن الملک نے فرمایا، اس حدیث سے انصار کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ کرم میں ہجرت کے سب سے بڑا مرتبہ انصار کا ہے۔

ف: اس مسئلہ کے باقی ابحاث ہم نے والسابقون الاولون من المهاجرین والانصار کے تحت بیان کر دیے

تفصیل مطلوب ہو تو وہاں دیکھیے۔
الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْہُ اس سے وُہ حضرات مراد ہیں جنھوں نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی۔ کسی معاملہ میں بھی انہوں نے آپ کے حکم کی خلاف ورزی نہ کی اور نہ ہی آپ کے کسی ارشادِ گرامی نہ کوتاہی کی فِیْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ دُکھ کی گھڑیوں میں۔ اس سے وُہ گھڑی مراد ہے جس میں غزوۂ تبوک واقع ہوا۔ اس لیے کہ اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بہت سخت مشقت برداشت کرنی پڑی، اس لیے کہ غزوۂ تبوک سخت گرم موسم میں لڑا گیا اور پھر صحابہ کرام کے پاس اس وقت سواریوں کی کمی تھی یہاں تک کہ دس آدمیوں کے لیے سواری کا صرف ایک اُونٹ تھا، جس پر وہ باری باری سوار ہوتے تھے اور خرچ خوراک کی تو بالکل ہی کمی تھی یہاں تک کہ صرف ایک کھجور ایک بڑی جماعت پر تقسیم کی جاتی اور وُہ بھی پانی میں بھگو کر گزارہ کرتے اور پانی کی قلت کی یہ کیفیت تھی کہ جانوروں کا گوبر نچوڑ کر گزارہ کرتے۔

حکایت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہم غزوۂ تبوک کے لیے ایسے موسم میں روانہ ہوئے کہ گرمی سے کلیجے باہر آتے تھے، یہاں تک کہ ہمارے بعض دوستوں نے اونٹ ذبح کر کے اس کا گوبر وغیرہ جمع کر کے نچوڑ کر گزارہ کیا۔

ف : کاشفی نے فرمایا کہ "برطوبات اجواف و امعاء آں دھن ترساختد" یعنی آنتوں اور معدوں کی رطوبات کا تیل تیار کر کے (تاکہ جواز کی صورت نکل آئے) استعمال کیا۔ اس لیے غزوۂ تبوک کا دُوسرا نام "غزوۃ العُسرۃ" ہے۔

ف : اس میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کی مدح ہے کہ انہوں نے جان ہتھیلی پر رکھ کر اس جنگ میں حصّہ لیا بلکہ ہر آڑے وقت سینہ سپر ہوئے۔

سبق : انسان کو غور کرنا چاہیے کہ ان حضرات کی اتنی بڑی مشقت کو سر پر رکھنے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انھیں معمولی کمی پر توبہ کا حکم فرمایا ہے پھر ہم کس باغ کی مُولی کہ اتنے بڑے جرائم کے باوجود ٹس سے مس نہیں ہوتے۔

مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ اس کے بعد کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل ٹیڑھے ہو جاتے تھے یزیغ بمعنے یمیل ہے یعنی جنگ کے شدائد تکالیف کی شدّت سے بعض لوگوں کو عین جنگ کے وقت خیال گزرتا تھا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر واپس مدینہ طیبہ چلے جائیں۔ لیکن صبر کیا اور سمجھا کہ اجر و ثواب سے ہم محروم ہو جائیں گے۔ بلکہ جو کچھ دل میں غلط خیال گزرا اس پر اظہارِ ندامت کیا۔ اللہ تعالےٰ نے بھی ان کی توبہ قبول فرمالی۔

ف : کاد میں ضمیر شان کی ہے اور جملہ یزیغ محلاً منصوب ہے اس لیے کہ وُہ کاد کی خبر ہے اور قاعدہ ہے کہ جب کاد کی خبر جملہ ہو تو ضروری ہوتا ہے کہ اس میں ضمیر ہو جو اس کے اسم کی طرف لوٹے۔ ہاں جب اس میں ضمیر شان کی ہو تو پھر جملہ خبریہ میں ضمیر کا ہونا ضروری نہیں ہوتا۔

ثُمَّ تَابَ عَلَيۡهِمۡ پھر اللہ تعالےٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ یعنی ان سے جو غلطی ہوگئی اسے معاف فرما دیا۔

سوال: توبہ کا ذکر پہلے ہو چکا، پھر دوبارہ اس کا ذکر کیوں؟

جواب: یہ تکرار تاکید کے لیے ہے اور تنبیہہ ہے کہ اُن کی توبہ کی قبولیت صرف اس لیے ہوئی کہ اُنھوں نے جنگ کے شدائد کو جوانمردی سے سر پر اُٹھا لیا۔

حضرت حافظ نے فرمایا: ؎

مکن ز غصّہ شکایت کہ در طریقِ طلب
براحتی نرسید آنکہ زحمتے نکشید

اِنَّهٗ بے شک وُہ اللہ تعالےٰ بِهِمۡ ان کے ساتھ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ رؤف و رحیم ہے۔ یہ جملہ مستانفہ ہے اور بمنزلہ علّت کے ہے۔ اس لیے کہ رافت و رحمت توبہ کے موجبات سے ہے اور یہ بھی ہے کہ رافت ازالہ ضرر اور رحمت ایصال منفعت کے لیے ہے اور یہ بھی ہے کہ رافت سابق غلطیوں کی معافی کے لیے اور رحمت آنے والی کوتاہیوں کی بخشش کے لیے۔ اور یہ بھی ہے کہ اس کی مہربانی میں شمار ہے کہ اس نے اپنے محبوب کریم رؤف رحیم کو ہمارے ہاں رسول بنا کر بھیجا اور انھیں بہت بڑے معجزات سے نوازا۔

اختیارِ مُصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم مروی ہے کہ غزوۂ تبوک میں لشکرِ اسلام پیاس سے سخت پریشان تھا۔ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ آپ سے اللہ تعالےٰ نے قبولیتِ دُعا کا وعدہ فرمایا ہے آپ دُعا فرمائیے تاکہ بارش ہو۔ آپ نے صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کیا تم بھی چاہتے ہو؟ اُنھوں نے عرض کی، ضرور چاہتا ہوں۔ اس کے بعد آپ نے دُعا مانگی، یہاں تک کہ بارش ہوگئی۔ لشکرِ اسلام نے سیر ہو کر پانی پیا اور اپنی ضروریات کا پانی محفوظ کر لیا اور اپنے جانوروں کو پانی پلایا۔ اور طرفہ یہ کہ پانی صرف لشکرِ اسلام کی رہایش گاہ سے متجاوز نہ ہوا۔

دیگر: مروی ہے کہ غزوۂ تبوک میں لشکرِ اسلام ایک جنگل میں پہنچا وہاں اُن کا پانی ختم ہو چکا تھا اور جانور پیاس کے مارے مرے جا رہے تھے اور چلنے سے بالکل عاجز آ گئے۔ اُن کی یہ حالت دیکھ کر آپ نے بارش کی دُعا مانگی، اور اپنے لوٹے بردار خادم کو بلایا اور فرمایا کہ لوٹے میں پانی ہے؟ عرض کی، تھوڑا سا ہے۔ آپ نے اسے پیالہ میں ڈال کر اپنا پنجہ مبارک اس میں رکھا تو پانی کے چشمے اُبلنے لگے۔ صحابہ کرام نے سیر ہو کر پانی پیا اور سواریوں کو پانی پلایا اور اپنے پانی کے تمام برتن اور مشکیزے بھر لیے۔ اس وقت بارہ ہزار گھوڑے، پندرہ ہزار اُونٹ اور تیس ہزار جنگی بہادر، ایک روایت میں ستر ہزار

سلطان سلیم اوّل خاقان عثمانیہ نے کہا: ؎

کوثرنمی زچشمۂ احسان رحمتش
آب حیات قطرہ از جام مُصطفیٰ است

معجزہ و اختیارِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم مروی ہے کہ جب غزوۂ تبوک کے مجاہدوں کو بھوک نے ستایا تو اپنی سواریوں کو ذبح کرنے کی اجازت چاہی تاکہ اُن کے گوشت سے بھوک اور اُن کی چربیوں وغیرہ کا تیل نکال کر پانی بنا کر پیاس بجھائیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر سواریاں ذبح کر دی گئیں تو پھر لشکرِ اسلام جنگ کیسے لڑ سکے گا۔ آپ دُعا فرمایئے تاکہ یہ مشکل حل ہو جائے۔ آپ نے فرمایا کہ لشکرِ اسلام میں اعلان کر دو کہ جو کچھ کسی کے پاس ہے وہ لے آئے۔ اور ایک دسترخوان بچھا دیا اور فرمایا: جو کچھ لاؤ اس پہ ڈالتے جاؤ۔ چنانچہ کوئی جوار کوئی باجرا، کوئی کھجور، کوئی گندم مٹھی بھر بھر کر اس دسترخوان پر ڈالتا گیا۔ جب معمولی سا اناج جمع ہو گیا تو آپ نے اس کے لیے برکت کی دُعا فرمائی اور حکم فرمایا اس میں سے جتنا چاہو لے جاؤ۔ تمام لشکر نے جی بھر کر وہاں سے اُٹھا لیا تمام لشکر نے اپنی ضرورت کے برتن پُر کر لیے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہ طعام جُوں کا تُوں تھا۔ آپ نے فرمایا:
اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔

پھر فرمایا:

جو اس کلمہ پر یقین رکھتا ہے اور اسے یقین سے پڑھتا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ جہنم کی آتش حرام فرمائے گا۔
حضرت شیخ مغربی قدس سرہٗ نے فرمایا:

گل توحید نروید ز زمینے کہ درو
خار شرک و حسد و کبر و ریا و کین است

تفسیر صوفیانہ لقد تاب اللہ علی النّبی الخ یہاں پر نبی سے الروح النبی مراد ہے۔ اس لیے اُنھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حقائق دین کا الہام ہوتا ہے۔ پھر وہ اپنی اُمت یعنی قلب، نفس، جوارح، اعضاء کو پیغاماتِ حق پہنچاتے ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ نبی الروح اور ان کے صفات کے مہاجرین (جنھوں نے نبی الروح کے ساتھ مکۃ الروحانیہ سے مدینۃ الجسدانیہ کی طرف ہجرت کی) پر فیضان فرماتا ہے اور ان کے انصار یعنی قلب و نفس اور اُس کی صفات پر بھی انصار سے مدینہ جسدانیہ کے باسی مراد ہیں جنھیں فیوضاتِ رحمت سے نوازا گیا۔ الذین اتبعوہ سے مراد وہ ہیں جنھوں نے رُوح کی اتباع کی جبکہ روح نے عالمِ علو کی طرف دکھ اُٹھا کر رجوع فرمایا۔ وہ چونکہ عالمِ سفل کے باسی ہیں انھیں عالمِ علو کی سیر میں بہت مشقت ہُوئی۔ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ یہاں فریق سے مراد نفس اور اس کی صفات اور خواہشات مراد ہیں اس لیے کہ ان کا میلانِ طبعی

عالم سفل کی طرف ہے۔ اس لیے وہ عالم علوی کی سیر سے جھجکنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی اس کوتاہی کو معاف کر کے فیض ربانی سے مستفیض فرما کر انہیں طبعی میلان سے نکالا۔ پھر انہیں عالم علوی کی سیر سے نوازا۔ اِنَّهٗ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ اس لیے کہ وُہ اُن کے لیے رؤف و رحیم ہے اسی لیے انہیں اس پر شریعت سے اس لائق بنایا کہ عالمِ حقیقۃ کی طرف رجوع کرنے کے اہل ہو گئے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ

وَّعَلَی الثَّلٰثَةِ الَّذِیْنَ خُلِّفُوْا اور اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کی توبہ قبول فرما لی جو غزوۂ تبوک میں غیر حاضر ہوئے اُن کے لیے قطعی فیصلہ نہ ہُوا کہ اُن کے لیے کیا کیا جائے یہاں تک کہ ان کے لیے نزولِ وحی ہُوا اور اُنہیں توبہ کا مژدہ سُنایا گیا۔ یہ تین حضرات "کعب بن مالک شاعر، مرارۃ بن الربیع العنبری اور ہلال بن اُمیہ انصاری رضی اللہ عنہم تھے۔ ان تینوں کا خلاصہ لفظ "مکہ" ہے اور اُن کے اباء کے آخری لفظ کا خلاصہ "عکہ" ہے حَتّٰۤی اِذَا ضَاقَتْ عَلَیْهِمُ الْاَرْضُ یہاں تک کہ جب ان پر زمین تنگ ہوگئی۔ یہ غایت ہے یعنی ان کا انجام بکار یہ ہوا کہ ان پر زمین تنگ ہُوئی بِمَا رَحُبَتْ باوجودیکہ پہلے ان پر فراخ اور کشادہ تھی اس لیے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بحکم نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ بائیکاٹ کر دیا، نہ اُن سے بولتے نہ انہیں سلام کہتے نہ اُن کے سلام کا جواب دیتے یہاں تک کہ انہیں خطرہ لاحق ہوگیا کہ اگر وہ اسی حالت میں مر گئے تو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کی نمازِ جنازہ بھی نہ پڑھائیں گے۔

ف : ضاقت علیھم الارض شدت حیرت کے وقت بولا جاتا ہے، جب کسی کا آرام و قرار چھن جائے اور وہ ہر طرح کا اطمینان کھو بیٹھے۔

وَضَاقَتْ عَلَیْهِمْ اَنْفُسُهُمْ فرطِ غم اور سخت وحشت سے وُہ اپنی جانوں سے بھی تنگ تھے اس لیے کہ انہیں نہ کوئی خوشی راس آئی اور نہ ہی اُن کا کوئی مونس رہا اور تمام سرور و کیف ان سے مٹ چکا تھا۔ اس بنا پر گویا اُن کی ذات ختم ہو چکی وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَیْهِ پس انہیں یقین ہوگیا کہ اب اللہ تعالیٰ سے ناراضگی سے ان کا ملجا و ماویٰ اور نجات کا موجب سوائے اللہ کے استغفار کے لائق کوئی نہیں۔ یہاں پر ظَنُّوْا بمعنے علموا اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے ان کی مدحت و ستائش کے مقام پر بیان فرمایا ہے اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے جبکہ وُہ اپنے علم اور یقین سے ایسا کلام کریں۔

ف : ان مخففہ من المثقلہ ہے اس کا اسم شان ضمیر مقدر ہے اور لا اپنے متعلقات سے مل کر اُن کی خبر ہے اور من اللہ۔ لا کی خبر ہے اور ان اپنے تمام متعلقات سے مل کر ظنّوا کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے اور الّا کا مستثنیٰ منہ عام اور محذوف ہے۔ دراصل عبارت علموا ان الشان لا التجاء من سخطه الی احد الا الیه تھی۔

ف : بعض متقدمین نے فرمایا: جب کسی کو اللہ تعالیٰ نعمتوں سے مالا مال فرمائے تو اس پر لازم ہے کہ وُہ کثرت

سے حمد و ثنا کرے۔

نسخۂ روحانی برائے ازالۂ غم جسے غم والم گھیرلیں اسے استغفار بکثرت پڑھنی چاہیے۔

تفسیر صوفیانہ جو بحرِ توحید میں مستغرق ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اس کا سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی ملجا و ماویٰ نہیں ہوتا اور اسے سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کہیں ٹھکانا نہیں ملتا۔ ہاں یہ مظاہر صرف اسباب ہیں اور بس۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

گرچہ سایہ عکس شخص است اے پسر
ہیچ از سایہ نتانی خورد بسر
ہیں ز سایہ شخص را می کن طلب
در مسبب رد گزر کن از سبب

ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ یعنی انھیں اللہ تعالیٰ نے توبہ کی توفیق بخشی لِيَتُوبُوا ط تاکہ توبہ کریں، یعنی گناہوں سے روگردانی کرلیں۔

ف: یہاں پر تین امور لازم آئے:

۱۔ توفیق توبہ ــــــ یہ "تاب" سے ثابت ہوئی۔

۲۔ توبہ کا ہونا ــــــ یہ لیتوبوا سے حاصل ہوئی۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کا اُن کی توبہ قبول کرنا ــــــ یہ علی الثلثۃ الخ سے ثابت ہوا۔

نکتہ: تیسرے امر کو امرِ اوّل پر ثمّ سے عطف ڈالنے میں یہ راز ہے کہ معلوم ہوا کہ ان تمام امور کا اصل امر ثالث ہے معناً دونوں مراتب پر مقدم ہے اس تقریر پر لفظ ثمّ میں زمنی تراخی ہوگی۔ اور یوں بھی معنیٰ کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے توبہ کی قبولیت نازل فرمائی جس پر وہ تائبین کے گروہ میں شامل ہوئے اور انھیں تائبین کے زمرہ میں شمار کیا گیا۔ اس معنے پر ثمّ اپنے حقیقی معنے پر ہوگا۔ اس لیے انزال قبول التوبہ نفس قبول ہے جو کہ وعلی الثلثۃ میں مذکور متفرع ہے۔ ان اللہ

إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۞ بیشک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والوں کی توبہ بہت جلد قبول کر لیتا ہے اگرچہ وہ دن میں سو بار بھی غلطی کا ارتکاب کر کے توبہ کریں۔ پھر وہ اگرچہ گناہوں کے مرتکب ہو کر اپنے گناہوں کی وجہ سے مختلف اور سخت قسموں کے عذاب کے مستحق ہوں۔ لیکن اس کے بعد بھی ان پر گوناگون الطاف ہوتے ہیں۔ ؎

گر لطف تو یاری نماید ز نخست
ہم توبہ شکستہ است و ہم پیمان ست

چوں توبہ بامید پذیرفتن تست
تا تو نپذیری نبود توبہ درست

ف: مروی ہے کہ بہت سے صحابہ کرام غزوۂ تبوک میں پہلے دنوں میں جانے سے رہ گئے۔

حکایت ۱ حضرت حسن سے مروی ہے کہ اُنھوں نے فرمایا: مجھے ایک صحابی کا قول پہنچا ہے کہ اُن کا باغ تھا جس کی قیمت لاکھ درہم تھی۔ انہوں نے اپنے باغ کو کہا کہ تُو نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانے سے روکا۔ نہ تیرے ثمرات ہوتے نہ میں انتظار میں رہتا فلہذا اب میں تجھے اللہ تعالیٰ کی راہ میں چھوڑتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں غزوۂ تبوک کے لیے چل پڑے۔

حکایت ۲ ایک صحابی کا واقعہ ہے کہ وُہ بھی غزوۂ تبوک سے پہلے دنوں حاضری نہ دے سکے۔ ان کی صرف ایک اہلیہ تھیں، انہوں نے اپنی اہلیہ سے کہا کہ مجھے تیری وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے سے رکاوٹ ہُوئی اور میں غیر حاضر ہوا۔ اب میں تجھے اللہ تعالیٰ کے حوالے کر کے جاتا ہُوں۔ راستے میں خواہ کتنی ہی سختیاں درپیش ہوں، میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں ضرور حاضری دُوں گا۔ چنانچہ یہ کہہ کر سوار ہو کر حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

حکایت ۳ ایک صحابی کا واقعہ ہے کہ اس کا گھر میں کچھ نہیں سوائے اپنی ذات کے۔ لیکن اس کے باوجود وہ جنگ میں پہلے دنوں حاضری نہ دے سکے۔ وُہ اپنے نفس سے مخاطب ہُوئے کہ اے نفس! تیری بدبختی نے مجھے جنگ پہ جانے سے روک دیا۔ تُو نے مجھے اس خیال میں پھنسا دیا کہ غزوۂ تبوک کا معاملہ سنگین ہے وغیرہ وغیرہ۔ وہ اپنے نفس کو کوستے ہوئے تیاری میں لگ گئے۔ جس قدر زادِ راہ کی ضرورت تھی گھر سے اٹھا کر چل پڑے۔ چنانچہ وُہ بھی چند دنوں کے بعد آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں غزوۂ تبوک میں شامل ہو گئے۔

حکایت ۴ حضرت ابُوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ تعالیٰ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ وُہ بھی پہلے دنوں غزوۂ تبوک میں حاضر نہ ہو سکے۔ بعد کو زادِ راہ سر پر اٹھائے پیدل چل پڑے اور چند روز کے بعد وُہ بھی حضور نبی کریم علیہ التحیۃ و التسلیم کی خدمتِ اقدس میں غزوۂ تبوک کے لیے حاضر ہو گئے۔ ؎

راہ نزدیک و بماندم سخت دیر
سیر گشتم زیں سواری سیر سیر

معجزہ اور اختیارِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم انہی حضرت ابُوذر رضی اللہ عنہ کو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دُور سے دیکھ کر فرمایا:

"کُن اباذر" ہو جا ابُوذر۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ ہم نے دیکھا تو وہ واقعی ابُوذر تھے۔

حضور علیہ السّلام کا علم مافی الغد

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
ابُوذر اکیلے چل کر غزوۂ تبوک کے لیے حاضر ہوئے ہیں تو یہ مریں گے بھی اکیلے اور قیامت میں اُٹھیں گے بھی اکیلے۔

ف: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں صرف یہی تینوں وُہ تھے جو مدینہ طیبہ میں بلا عذر رہ گئے اور غزوۂ تبوک کے لیے حاضر نہ ہو سکے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ وُہ ہیں جو بیعتِ عقبہ کے موقعہ پہ حاضر تھے اور حضرت ہلال و حضرت مرارہ رضی اللہ عنہما دونوں غزوۂ بدر میں حاضر تھے

حضرت کعب کی کہانی اُن کی اپنی زبانی

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے واپس مدینہ تشریف لائے تو میں نے جا کر سلام عرض کیا، آپ نے رنجش بھرے الفاظ سے جواب دیا اور میرا نام لے کر فرمایا:

کاش یا کعب غزوۂ تبوک سے غیر حاضر نہ ہوتا۔

پھر فرمایا: میں اس کے فضل داسلام کو جانتا ہوں۔

پھر مجھ سے پوچھا کہ تم جنگ سے کیوں غیر حاضر ہوئے؟ کیا تم نے جنگ کے لیے سواری نہیں خریدی تھی۔ اس کے باوجود بھی جنگ پہ نہیں آئے۔

میں نے عرض کی: سوائے سُستی و کاہلی اور غفلت کے میرا اور کوئی عذر نہیں۔

اس پہ مجھے فرمایا: اُٹھ جا میری مجلس سے، تیرا فیصلہ اللہ تعالیٰ خود فرمائے گا۔

یہی میرے ساتھیوں کا حال ہے: پھر ہم تینوں کے لیے تمام صحابہ کرام سے سلام و کلام کرنے سے روک دیا۔ اس کے بعد ہماری یہ کیفیت ہو گئی کہ ہمارے ساتھ نہ اپنا کوئی سلام و کلام کرتا نہ بیگانہ۔ حضرت ہلال و مرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما تو غم کے مارے گھر میں بیٹھ گئے۔

لیکن حضرت کعب رضی اللہ عنہ مسلمانوں میں گھُل مل کر رہتے۔ وُہ نماز بھی اُن کے ساتھ اور بازار میں بھی ان کے ساتھ ہوتے لیکن کوئی بھی ان سے بولتا نہیں تھا۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کوئی تاجر مدینہ طیبہ آیا اور میرے متعلق لوگوں سے پوچھتا تھا۔ لوگ میرا نام لیے بغیر میری طرف اشارہ کر دیتے تھے یہاں تک کہ وہ تاجر مجھے ملا اور مجھے ملک غسان کا خط دیا۔ بادشاہ کا نام ابوالحارث ابن ابی شمر تھا۔ وہ خط ریشم کے ایک ٹکڑے میں لپیٹا ہُوا تھا۔ اس میں لکھا تھا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تم پہ تمہارے ساتھی (نبی علیہ السلام) نے بہت بڑا ظلم کیا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ ذلّت و خواری سے نہیں رکھے گا۔ یعنی تم کچھ معمولی

شخصیت کے مالک نہیں ہو تم ہمارے ہاں آ جاؤ ہم تمہیں بہت بڑے اعزاز و اکرام سے نوازیں گے۔

حضرت کعب فرماتے ہیں کہ جب مَیں نے اُس کا وُہ خط پڑھا تو میں نے سمجھا کہ یہ ہمارے لیے ایک اور مصیبت (امتحان) ہے۔ میں نے وُہ پڑھتے ہی فوراً گرم تنور میں ڈال دیا۔

ف : انباط نامی ایک قوم عراقین کے درمیان پہاڑیوں میں آباد ہے وہاں زندگی بسر کرتے ہم پر کامل چالیس دن گزر گئے۔ چالیسویں دن میرے ہاں حضور پُر نور شفیعِ یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد تشریف لایا اور فرمایا کہ تمہیں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آج کے بعد اپنی عورت سے علیحدہ ہو جا۔

مَیں نے اُن سے پُوچھا کہ اسے طلاق دے دُوں ؟ یا صرف علیحدگی اختیار کر دں اور اس سے جماع نہ کروں ؟ یہی حکم میرے ساتھیوں یعنی ہلال اور مرارہ رضی اللہ عنہما کو ہُوا۔ قاصد نے کہا : بالکل علیحدہ ہو جاؤ۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

اس کے بعد میں نے اپنی زوجہ سے کہا : تم اپنے میکے چلی جاؤ ، جب تک اللہ تعالیٰ کوئی نیک فیصلہ نہ فرما دے ۔ تم میرے ہاں نہ آنا۔

حضرت ہلال رضی اللہ عنہ کی زوجہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوئی اور عرض کیا : یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! ہلال نہایت ہی بُوڑھا اور ضعیف انسان ہے ۔ اس کا نہ کوئی خادم ہے نہ لونڈی - اگر میں اس کی خدمت کے لیے اس کے گھر رہ جاؤں تو کیا آپ ناراض تو نہیں ہوں گے ؟

آپ نے فرمایا : لیکن جماع سے پرہیز کرنا۔

اُس نے کہا ، حضرت ! وہ تو اب جماع کے قابل ہی نہیں رہا۔ اور پھر جب سے آپ نے اس سے منہ موڑ لیا ہے رات دن گریہ و زاری میں گزار دیتا ہے ۔

حضرت کعب نے فرمایا : اس حکم کے بعد بھی ہم پر دس دن گزر گئے یہاں تک کہ (سابق گنتی کو ملا کر ان دنوں کے ساتھ) پچاس دن پُورے ہُوتے۔ گویا پچاس دن ہمارے ساتھ بائیکاٹ جاری رہا۔ اس پچاسویں روز کی صبح کو میں نے پہاڑ کی چوٹی سے سُنا کوئی کہنے والا زور سے پکار رہا ہے :

"ابشر یا کعب بن مالك"

اے کعب بن مالک ! مبارک باد ہو۔ سہ

ابشروا یا قوم اذ جاء الفرج

افرحوا یا قوم قد زال الحرج

ترجمہ : اے لوگو ! تمہیں مبارک ہو تمہارے ہاں خوشی و فرحت آ گئی اور مبارک ہو تمہیں کہ تمہارے سے

دُکھ درد کے دِن چلے گئے۔

مژدہ

می دمد در گوش ہر غمگین بشیر
خیز اے مدبر راہ اقبال گیر
اے دریں حبس و دریں گند و ششش
ہین کہ تا کس نشنود رستی خمش
چوں کنی خاموش کنوں اے یار من
کز ہر سو بر آید طبل زن

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں وہ مژدۂ بہار سُن کر سجدہ میں گر گیا اور سمجھا کہ ہماری توبہ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی ہو گی یہاں تک کہ وُہ شخص جو مجھے دُور سے مبارکبا دکہہ رہا تھا، وُہ شخص حضرت حمزہؓ بن عمرو الاوسی تھا۔ میں نے خوشی سے اپنا کپڑا اُتارا اور اُس (حمزہ) کو پہنا دیا۔ اس مژدۂ بہار سنانے کے صلے میں اور میں نے اس سے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ بخدا میرے پاس ان دُو کپڑوں کے سوا اگر اور کچھ ہوتا تو میں تیرے حوالے کر دیتا۔ اب انہی دُو کپڑوں کو قبول فرمائیے۔ ؎

بعید نیست کہ صد جان بمژدۂ بستاند
بریں بشارتِ دولت کہ عنقریب آمد

اس کے بعد میں نے اپنے چچازاد ابی قتادہ سے دو کپڑے عاریۃً لے کر پہنے۔

ف : ہلال بن اُمیہ کو اسعد بن سعد نے اور مرارہ بن ربیع کو سلطان بن سلامہ نے توبہ کی قبولیت کی خوشخبری سُنائی۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری توبہ کی قبولیت کی خوشخبری رات کے آخری حصّہ میں سُنائی، جبکہ رات کا صرف ایک حصّہ باقی تھا اور آپ اُمّ المومنین حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر قیام فرما تھے اور بی بی صاحبہ میری بہت بڑی مہربان تھیں۔ آپ نے اسے فرمایا کہ اے اُمّ سلمہ! کعب وغیرہ کی توبہ کی قبولیت کا پیغام ابھی ابھی منجانب اللہ پہنچا ہے۔ انہوں نے عرض کی: اگر حکم ہو تو کعب وغیرہ کو ابھی سے خوشخبری پہنچا دُوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، لوگ ابھی سے بھر مبارک باد دینے کے لیے حاضر ہونے لگ جائیں گے۔ اس سے تمہارے آرام وسکون میں خلل پڑ جائے گا۔

جونہی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز کے لیے تشریف لائے اور ہماری توبہ کی قبولیت کا اعلان کیا تو میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں شکریہ کے لیے چل پڑا۔ لیکن راستہ میں لوگوں نے مجھے گھیر لیا اور مبارک باد کے لیے ایک جم غفیر جوق در جوق میرے ہاں حاضر ہونے لگا اور سب یہی کہتے تھے کہ اے کعب! تمہیں توبہ کی قبولیت کی مبارک ہو۔ اس حالت میں مَیں مسجدِ نبوی میں حاضر ہُوا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے اور لوگ آپ کے گرد بیٹھے تھے۔ جونہی طلحہ بن عبداللہ نے مجھے دیکھا تو پاؤں (پنجوں) کے بل چلتے ہُوئے جلدی سے میرا مصافحہ کیا اور مبارکباد دی اور مہاجرین میں سے سوائے اُس کے اور کوئی شخص میرے لیے نہ اُٹھا۔ یہ بھی انس سے ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بوقتِ ہجرت اُن کا میرے ساتھ بھائی چارہ مقرر فرمایا تھا۔ میں نے جب مسجد کے اندر داخل ہو کر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سلام عرض کیا تو آپ کا چہرۂ مبارک خوشی سے تمتماتا ہوا نظر آیا۔ اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ کریمہ تھی کہ آپ جب کسی بات سے خوش ہوتے تو آپ کے رُخِ انور سے نُور جھڑتا نظر آتا۔ گویا آپ کا چہرۂ اقدس چاند سے زیادہ نورافشاں ہے۔

سلطان سلیم اوّل جو سلاطینِ عثمانیہ سے ہیں نے فرمایا: ؎

گر آگہی ز معنیٰ والشمس والضحیٰ
تعریف ماہ روئے دلا رائے مصطفیٰ است
بنگر بچرخ و کوکبۂ لشکر نجوم
کا نہا فروغ گوہر و لائے مصطفیٰ است

اس کے بعد حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں بیٹھ گیا تو مجھے فرمایا:

تمہیں مبارک ہو اے کعب! تیرے دن خیر سے گزر گئے۔ جب سے تجھے تیری ماں نے جنا ہے اُس وقت سے آج تک تیرا معاملہ دگرگوں تھا لیکن آج سے خیر ہی خیر ہوگئی۔

اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی:

لقد تاب اللّٰہ علی النبی الیٰ قولہ ـــــ وکونوا مع الصادقین۔

اس کے بعد میں نے عرض کی:

یا رسول اللّٰہ ان من توبتی ان انخلع من مالی صدقۃً الی اللّٰہ والیٰ رسولہٖ۔

یا رسول اللہ! میری توبہ کی قبولیت میں یہ بھی شامل ہوجائے کہ اپنا تمام مال اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نذر کروں۔

آپ نے فرمایا:

امسک علیک بعض مالک فھو خیر لک۔ کچھ مال اپنے لیے باقی رکھو اس میں تمہاری بھلائی ہے۔

ف : حضرت ابوبکر وراق رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا کہ توبہ کی قبولیت کی علامت کیا ہے؟
آپ نے فرمایا،
توبہ کرنے والے پر زمین تنگ ہو۔
یعنی اس کا حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھیوں کا سا حال ہو جائے۔

ے

توبہ کردم حقیقت با خدا
نشکنم تا جان شدی از تن جدا

تفسیر صوفیانہ ان تینوں حضرات کے قصہ میں اشارہ ہے کہ جہاں اصلاح دینی مطلوب ہو وہاں بائیکاٹ جائز ہے اور اس وقت تک بائیکاٹ جاری رکھا جائے جب تک اس کی اصلاح ہو جائے اور جب وہ اس سے صدقِ دل سے تائب ہو جائے تو پھر اس سے بائیکاٹ ختم کر دیا جائے۔ اسی طرح اگر کوئی کسی بدعتِ سیئہ یا فسق میں مُبتلا ہو تو اس سے تین روز سے زاید تک بائیکاٹ رکھنا جائز ہے۔

مسئلہ : دُنیوی امور میں تین دنوں سے زاید بائیکاٹ رکھنا ناجائز ہے۔ اسی طرح جس بائیکاٹ میں نفس کے معاملہ کو دخل ہو تو وہاں بھی تین دنوں سے زیادہ بائیکاٹ رکھنا ناجائز ہے۔

سوال : اسے تین دنوں سے مقید کرنا کیوں، جبکہ بائیکاٹ دنیوی امور اور حظوظِ نفسانی پر مبنی ہو تو وہ ہر حال میں ناجائز ہو۔

جواب : چونکہ انسان فطرتی طور پر بدخلقی اور غیظ و غضب وغیرہ پر پیدا کیا گیا ہے۔ انہی عوارض کو دفع کرنے کے لیے اسے تین دن کی مُہلت دی گئی ہے۔ یہ بھی اللہ کریم کا کرم ہے ورنہ عقل کے تقاضے پر اتنی مُہلت بھی ناجائز ہے۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ اخوتِ اسلامی میں کوتاہی نہ کرے۔ اپنے اسلامی بھائیوں کے ساتھ بغض اور حسد سے بچے۔ ے

ہیچ رحمے نہ برادر ببرادر آرد   ہیچ شوقے نہ پدر را بہ پسر می بینم
دختران را ہمہ جنگست و جدل با مادر   پسران را ہمہ بدخواہ پدری می بینم

دلائلِ نعت خوانی جونہی حضرت کعب نے قبول توبہ کا مژدۂ بہار سُنا تو فرطِ مسرت میں خوشخبری سنانے والے کو جوڑا کپڑوں کا اتار کر دے دیا۔ خوشخبری سنانیوالے کا نام حمزہ بن عمرو الاوسی تھا اور اسے فرمایا: بخدا میرے پاس ان دُو کپڑوں کے سوا کچھ اور ہوتا تو میں تیرے حوالے کر دیتا۔ (روح البیان پارہ ہذا تحت آیت وعلی الثلثۃ الذین الخ)

بعید نیست کہ صد جان بمژدہ بستاند   بریں بشارت دولت کہ عنقریب آمد

ف : یہی ہمارے ہاں ہوتا ہے کہ نعت خوان سے جونہی یہاں کوئی شعر بھاجاتا ہے تو حسب استطاعت ہم اسکی خدمت کرتے ہیں۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ۝

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ اہل مدینہ اور ان کے گرد رہنے والے دیہاتیوں کو لائق نہ تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ کہ اپنی جان کو ان کی جان سے عزیز سمجھیں یہ اس لیے کہ اللہ کی راہ میں انھیں جو پیاس یا تکلیف یا بھوک پہنچتی ہے اور جہاں ایسی جگہ کوئی قدم نہیں چلتے جو کافروں کو غیظ میں لاتا ہے اور نہیں پہنچتے کسی دشمن کو مگر اس تمام بدلے ان کے لیے نیک عمل لکھا جاتا ہے بیشک اللہ تعالےٰ نیکوں کا اجر و ثواب ضایع نہیں کرتا اور کوئی خرچ نہیں کرتے چھوٹا ہو یا بڑا اور کسی وادی کو طے نہیں کرتے مگر اس سب کا بدلہ ان کے لیے لکھا جاتا ہے تاکہ اللہ تعالےٰ ان کے تمام اعمال سے بہتر عمل کا انہیں صلہ عطا فرمائے اور اہل ایمان سے یہ تو نہیں ہو سکتا کہ وہ سب کے سب نکل کھڑے ہوں تو ایسا کیوں نہ ہو کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے تاکہ دین کا فہم حاصل کریں اور اپنی قوم کو خوفِ خدا سنائیں جب ان کے ہاں واپس آئیں اس اُمید پر کہ وہ بچیں۔

تفسیر عالمانہ

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ اے سچے دل سے اور مخلصانہ طور پر ایمان لانے والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو جن امور سے وہ راضی ہوتا ہے ان پر عمل کرو وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ اور ہر معاملہ میں سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ یعنی حق کے قائل و عامل ہو جاؤ۔

ف: یہاں پر مع الصّٰدقین بمعنے من الصّٰدقین ہے یا فی الصّٰدقین۔ اس لیے کہ مع مصاحبت کے لیے ہے اور فی بمنزلہ برتن کے اور من تبعیض کے لیے مستعمل ہے۔ پس جب کوئی صادقین کی جہت میں ہونا چاہتا ہے تو اس کے لیے یہ تینوں مذکورہ بالا معانی صادق ہو سکتے ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ تم صادقین میں یا اُن کے مصاحب

یا منجملہ ان میں سے ہو جاؤ۔

مسئلہ: آیت میں صدق کی فضیلت اور اس کے علو مرتبہ ہونے کی دلیل بلکہ اس پر ترغیب دی گئی ہے۔

مسئلہ صوفیانہ: بعض اہلِ معرفت فرماتے ہیں کہ جو دائمی فرض ادا نہیں کرتا اس کا وقتی فرض بھی قبول نہیں ہوتا۔ ان سے عرض کیا گیا کہ دائمی فرض کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: صدق۔ ؎

از کجا افتی بخم و کاستی
از ہمہ غم براستی گر راستی
راستی خویش نہاں کس نکرد
بر سخن راست زبان کس کس نکرد

حدیث شریف: قیامت میں تمام تجارت پیشہ لوگ فاجروں میں اٹھیں گے مگر وہ جس نے پرہیزگاری اور صداقت سے کام لیا۔

ف: الفجار، فاجر کی جمع ہے۔ فاجر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو سرود وگانے اور دیگر محارم میں انہماک رکھتا ہو اور تاجر کو فاجر اس لیے کہا گیا کہ وہ تاجر اکثر بیع وشراء میں جھوٹی قسمیں کھاتے اور غبن فاحش کا ارتکاب کرتے ہیں اور مال میں ملاوٹ سے کام لیتے اور سُودی کاروبار میں بہت زیادہ حصّہ لیتے ہیں۔ اس لیے حدیث شریف میں "الا من اتقی" فرمایا۔ یعنی وہ تاجر فاجر نہیں جو مذکورہ بالا اقسام بالخصوص جھُوٹ سے بچتا ہو اسے برّ یعنی نیک تاجر سے موسوم فرمایا اور وہ تاجر بھی فاجر ہیں جو جھُوٹی قسموں کو شعار نہیں بناتے اور نہ ہی اپنے معاملات میں جُھوٹ بولتے ہیں۔ بعض محدثین نے یہاں پر من اتقٰی کا وہی عمومی معنیٰ لیا ہے یعنی وہ تاجر جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہے فاجر نہیں کیوں کہ وہ اوامرِالٰہی کی پابندی کرتا ہے اور نواہی سے بچتا ہے اور برّ بمعنے ہر ایک سے احسان کرتا، اور کسی کو دُکھ اور تکلیف نہیں پہنچاتا اور اپنے سامان کے ثمن میں سچائی سے کام لیتا ہے۔ نہ ہی وہ اپنے سامان کے رواج دینے میں جھُوٹی قسمیں کھاتا ہے مثلاً خریداروں سے کہے بخدا میں نے یہ سامان سو روپے میں خریدا ہے۔ یاد رہے کہ ہر وہ سامان جو جھُوٹی قسم سے بیچا جائے اُس سے برکت اُٹھ جاتی ہے۔

حدیث شریف: بہترین کاروبار تجارت ہے بشرطیکہ تاجر جھُوٹ نہ بولیں اور امانت میں خیانت نہ کریں اور وعدہ خلافی نہ کریں اور کوئی خریدے تو مشتری کی مذمت نہ کریں اور اپنی شئے کو بیچتے وقت اس کی تعریف نہ کریں کسی کو کچھ قرض دینا ہے تو اُسے تنگ نہ کریں اور لینا ہے تو بھی مقروض کو پریشان نہ کریں۔

ف: سچائی ہر حال میں بہتر عمل ہے اور شرع نے اس کی مدح فرمائی ہے اور اس کے عامل کے لیے دنیا و آخرت میں تعریف ہوتی ہے۔ ؎

دانی زچہ روسـد ورداں سر سبز است
پیوستہ چرا بوستاں سر سبز است
چوں مذہب اوست راستی در ہمہ وقت
ہرطرف چمن ہمیشہ زاں سر سبز است

صوفیہ کے نزدیک صـدق کا معنےٰ

عارفین کے نزدیک صدق کا معنےٰ عبودیت میں سچائی کا ضروری اور حقوقِ ربوبیت کی ادائیگی میں جدوجہد لازمی ہے۔

حکایت

حضرت احـمد بن الحواری رحمہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں:
میں نے حضرت ابُوسلیمان دارانی قدس سرّہٗ سے عرض کی کہ مجھے بنی اسرائیل پر رشک آتا ہے۔

انہوں نے فرمایا: کس وجہ سے؟
میں نے کہا کہ اُن کی عُمریں آٹھ سو سال تک ہوتی تھیں۔
آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے آسانی بنائی ہے اگرچہ اُن کی عمریں بڑی ہوتی تھیں لیکن اگر ہم صدق دلی اور سچی نیت سے اس کی عبادت کریں تو ہمیں بنی اسرائیل کے برابر ثواب ملتا ہے اس لیے کہ بہت سی بڑی عمر والے وہ مراتب نہیں پا سکتے جو چھوٹی عمر والے کو نصیب ہوتے ہیں۔ جیسا کہ بنی اسرائیل اگرچہ طویل العمر ہُوئے لیکن انہیں وہ مراتب وکمالات نصیب نہ ہُوئے جو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو نصیب ہُوئے۔

چنانچہ حضرت امام غـزالی قدس سرہٗ نے منہاج العابدین سے فرمایا کہ بعض حضرات یہ منازل ستر سال میں طے کرتے ہیں۔ بعض انہی منازل کو بیس سال میں طے کر لیتے ہیں اور بعض دس سال میں اور بعض ان میں ایسے ہوتے ہیں جو ایک سال میں حاصل کرتے ہیں۔ بعض کو وہی مراتب صرف ایک ہفتہ میں حاصل ہو جاتے ہیں اور بعض کو صرف ایک لمحہ میں نصیب ہو جاتے ہیں جیسے حضرت موسیٰ کا مقابلہ کرتے ہُوئے جادوگروں کو صرف ایک لمحہ میں بہت بڑا مرتبہ حاصل ہُوا، جب انہوں نے حضرت مُوسیٰ علیہ السلام کی غلامی اختیار کر لی۔

حکایتِ رابعہ بصـریہ

بی بی رابعہ بصریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بُوڑھی ہوگئیں تو آپ کا مالک آپ کو بیچنے کے لیے بازار لے گیا، سارے بازار کا چکّر لگایا تو کوئی ایک خریدار بھی نہ ہُوا۔ لیکن ایک تاجر نے صرف ایک سو روپے میں آپ کو خرید کر کے فوراً آزاد کر دیا۔ بی بی صاحبہ آزاد ہوتے ہی عبادتِ الٰہی میں مشغول ہوگئیں۔ صرف ایک سال میں ہی اتنا بڑا کمال حاصل کر لیا کہ آپ کے کمالات کے پیشِ نظر بصرہ کے قـرّاء علماء آپ کی زیارت کو حاضر ہونے لگے۔

تفسیرِ صُوفیانہ "تاویلات نجمیہ میں ہے کہ صادقین سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے یومِ میثاق "الستُ بربکم" کا خطاب سُن کر اپنے عہد کو سچ کر دکھایا کہ وہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کی عبادت نہیں کرتے اور نہ ہی اس کے ساتھ کسی کو شریک بناتے ہیں بلکہ دُنیا و آخرت کے مقاصد کو یکسر ختم کر کے اپنا مطمحِ نظر صرف ذاتِ حق کو سمجھتے ہیں۔ بلکہ یُوں کہو کہ ہر حادث یہاں تک کہ اپنے جسم سے بھی علیحدگی اختیار کر کے فانی فی اللہ باقی باللہ ہیں۔ ایسے حضرات کے ساتھ رہنے کا حکم فرمایا کہ،

کُونُوا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۔

مثنوی شریف میں ہے، سہ

چوں ہمہ صدقت خفی شد در دروغ
ہمچوں طعم روغن اندر طعم دوغ
آں دروغت را ایں تن فانی بوَد
راستنت آں جاں ربانی بُود

صاحبِ رُوح البیان کے پیرومرشد کا مکتوبِ گرامی صاحبِ رُوح البیان فرماتے ہیں کہ مجھے میرے شیخ قدس سرہٗ نے ایک مکتوبِ گرامی لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ:

سچائی کو ہر وقت اپنا معمول بناؤ اس لیے کہ سچائی اخلاص پیدا کرتی ہے یہاں تک کہ اس کے عامل کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے کہ اس کے تمام حرکات و سکنات صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتے ہیں۔ اگر خدانخواستہ صدق میں بال برابر بھی حظِ نفسانی کو دخل دیا گیا تو تمام صدق و خلوص ضائع ہو جاتا ہے بلکہ جائز ہے کہ ایسے شخص کو جھوٹا کہا جائے۔ لیکن یاد رکھیے کہ صدق و اخلاص کے مراتب لاتعد ولاتحصی ہیں۔ کبھی یُوں بھی ہوتا ہے کہ انسان بعض امور میں صدق و خلوص کرتا ہے اور بعض امور میں اسے بہت کمی ہوتی ہے اور اگر خوش قسمت صدق کے جمیع مراتب کا جامع ہو تو اسے صوفیہ کی اصطلاح میں صدیق کہتے ہیں اور صادق و مُخلص (بالکسر) بھی حظوظ نفس کی تمام ملاوٹوں سے مطلقاً پاک ہونے والے اور صدیق و مُخلَص (بالفتح) ہر اُس نیک بخت کو کہتے ہیں جو غیریت کی ملاوٹوں سے پاک ہو۔ دوسرا معنیٰ اوسع اور کثیر الاستعمال اور سب پر حاوی ہے اس لیے کہ ہر صدیق و مخلَص (بالفتح) صادق و مخلِص (بالکسر) ہے لیکن ہر صادق و مخلِص (بالکسر) صدیق و مخلَص (بالفتح) نہیں۔ اس کے بعد میرے شیخ نے اپنے مکتوب میں اسرار و رموز لکھے جو سُورہ الم نشرح کی تفسیر سے متعلق ہیں۔ میں انہیں طوالت کی وجہ سے یہاں نہیں لکھتا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اولیاء اللہ کے ذوق اور ان کے مراتب سے نوازے۔

صادقین سے مرشدین کرام مراد ہیں جو مریدین کو واصل باللہ بناتے ہیں۔ اگر کوئی سالک ان سے عقیدت و

محبت رکھتا ہے اور ان کی نیازمندی اور ان کی خدمت کے لیے گامزن ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کی عقیدت و محبت و تربیت کی برکت سے اسے بھی سیر الی اللہ کے مراتب سے بہرہ ور فرماتا ہے بلکہ اسے وہ مرتبہ عطا فرماتا ہے جس سے وہ ماسوی اللہ کو ترک کر دیتا ہے۔

حضرت شیخ الاکبر قدس سرہ الاطہر نے فرمایا کہ

تقریر دلپذیر حضرت شیخ الاکبر قدس سرہٗ الاطہر اگر کوئی شخص اپنے مرشد کامل کی رہبری پر عمل نہیں کرتا اگرچہ معمولی طور بھی ان کے کسی امر کی خلاف ورزی کرتا ہے تو سمجھو ابھی وہ اپنے نفس کی خواہشات میں گرفتار ہے اگرچہ وہ اس طرح زندگی بھر مجاہدات اور ریاضات میں لگا رہے بلکہ سالک کے لیے ضروری ہے کہ جس کے ہاتھ پر بیعت ہوگیا ہے اس کے آگے کالمیت (مُردہ ہوکر) زندگی بسر کرے اور حتی الامکان اپنے مرشد کی خدمت اور عزت و عظمت میں کمی نہ کرے اور خود کو اُن کے ہاتھ گیند کی طرح سمجھے کہ وہ جس طرح چاہیں مرید میں تصرف کریں۔ اس میں کسی قسم کی دخل اندازی نہ کرے جسے یہ طریق کار نصیب ہو وہ یقین کرے کہ زندگی سعادت سے بسر ہوگی۔ مرید پر لازم ہے کہ وہ اپنے مرشد کے ہر امر کے سامنے سر تسلیم خم کرے جس کا وہ حکم دیں اسے بجا لائے جس سے روکیں اس سے رُک جائے (یہاں تک کہ اگر کسی وقت خدانخواستہ آگ میں چھلانگ لگانے کا بھی حکم دے دیں تو ذرہ بھر گریز نہ کرے۔ اگر وہ کسی ہنر کے سیکھنے کا امر فرمائیں تو اُس ہنر کو اس ارادہ پر سیکھے کہ مرشد کا حکم ہے اس میں اپنے ارادہ کو دخیل نہ بنائے اگر وہ فرمائیں کہ کسی کام کو ہاتھ نہ لگاؤ آرام سے گھر بیٹھ جاؤ تو وہی حکم بجا لائے لیکن یہ سمجھ کر کہ مرشد کا حکم ہے اس میں بھی نفس کی خواہش کو درمیان میں نہ لائے اس لیے کہ مرشد اپنے مرید کی مصلحتوں کا بہت زیادہ واقف ہے۔

سبق: لازم ہے کہ مرشد ایسا تلاش کیا جائے جو کامل و اکمل ہو اور رہبری کرنا جانتا ہو نہ آنکہ خود گم است کرا رہبری کند۔ اور اسے نفس کی تمام شرارتوں اور ان کی اصلاح کا تجربہ حاصل ہو یہاں تک کہ وہ مرید کو ذاتِ حق تک پہنچا سکے۔ ایسے مرشد کامل سے مرید کو کمالات نصیب ہوتے ہیں۔ (کذا فی مواقع النجوم)

مثنوی شریف میں ہے: ؎

چون گزیدی پیر نازک دل مباش
سست و رزیدہ چون آب و گل مباش
چون گرفتی پیر ہن تسلیم شو
ہمچو مُوسےٰ زیر حکم خضر رو
شیخ را کہ پیشوا و رہبر است
گر مریدی امتحان کردار خرست

اللہ تعالٰے ہم سب کو کاملین سے سوءظنی اور بداعتقادی کے امراض سے محفوظ فرمائے اور اہل ارشاد کے طریقے پر چلنے اور اس پر ثابت قدم رہنے کی توفیق بخشے۔ آمین

تفسیر عالمانہ مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ اہل مدینہ کے لیے نہایت ناموزوں ہے۔

ف : المدینہ دار ہجرت یعنی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر مبارک کے لیے الثریا والنجم کی طرح کا لعلم (علم کی طرح) ہے جب یہ لفظ مطلق ہوگا مثلاً کہا جائے گا مدینہ قاہرہ وغیرہ۔

قاعدہ : اس کی طرف نسبت کرنا مطلوب ہو تو "مدنی" اور دوسرے شہروں کی نسبت کے لیے "مدینی" کہا جائے گا تاکہ مدینۃ الرسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان فرق ہو۔ (کذا فی انسان العیون)

ف : کوئی شہر ایسا نہیں جس کے اسماء مدینہ طیبہ یا مکہ معظمہ کے برابر ہوں۔ یعنی ان دونوں شہروں کے اسماء کثیر التعداد ہیں۔ (کذا قال الامام النووی)

بعض علماء کرام کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ طیبہ کے ایک سو نام ہیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں :

۱۔ دار الاخیار

۲۔ دار الابرار

۳۔ دار السنۃ

۴۔ دار السلامۃ

۵۔ دار الفتح

۶۔ البارہ

۷۔ طابہ

۸۔ طیبہ

آخر الذکر دو ناموں سے اس لیے موسوم ہوا کہ یہاں زندگی خوشگوار بسر ہوتی ہے یا اس لیے کہ اس شہر اقدس میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے عطر مہکتی ہے جبکہ دوسرے شہروں کو یہ شرف نصیب نہیں۔ اس شہر مبارک کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس پاک شہر کی مٹی مبارک کوڑھ اور برص بلکہ ہر بیماری اور اس کی عجوہ کھجور زہر کے لیے شفا ہے۔ دوسری خصوصیت اس شہر مبارک اور مکہ معظمہ کی یہ بھی ہے کہ ہر دور میں اہل علم وفضل ان میں ساکن رہے اور رہیں گے یہاں تک کہ قیامت قائم ہو۔

ف : مدینہ طیبہ قیام قیامت سے چالیس سال پہلے ویران ہوگا اور اس کے باشی بھوک (فاقہ) سے مریں گے۔

وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اور نہ ہی ان بادیہ نشینوں کے لیے لائق ہے جو مدینہ طیبہ کے گرد رہتے ہیں

اس سے مُزینہ وجُہینہ واشجع وغفار وغیرہ قبائل مراد ہیں۔

سوال : ان لوگوں کی تخصیص کیوں ؟

جواب : چونکہ یہ لوگ مدینہ کے نواح میں رہ کر نبوت کے قریب ہوتے اور غزوۂ تبوک کے لیے ان کی روانگی کو جاننے کے باوجود جنگ پہ نہ جا سکے اس لیے ان کی تخصیص کی گئی۔

اَنْ یَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہ جائیں جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ پر تشریف لے گئے بلکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں جنگ پہ جانے کی اطلاع دی اور انہیں ترغیب دی لیکن اس کے باوجود آپ کی رفاقت سے یہ لوگ محروم رہے۔

ف : یہ نفی بمعنے نہی محض تاکید کی بنا پر ہے۔

وَلَا یَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِہِمْ عَنْ نَّفْسِہٖ ط یہ باء تعدیہ کی ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے :

رغبت عنہ اعرضت عنہ۔

یعنی میں نے اس سے رُوگردانی کی۔

اسے باء سے متعدی کر کے گویا اس محاورہ سے لیا گیا جبکہ کہا جاتا ہے :

رغبت بنفسی عنہ۔

اس سے متکلم کا مقصود یہ ہے کہ میں نے اپنے آپ کو روگردان بنایا۔ آیت کا لُغوی معنیٰ یُوں ہُوا کہ اپنے آپ کو حضور علیہ السّلام سے رُوگردان بنایا۔ آیت کا معنیٰ یُوں ہُوا کہ اپنے آپ کو حضور علیہ السلام سے رُوگردان نہ بناؤ۔ یعنی جنگ کی جن تکالیف وشدائد کو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے منتخب فرمایا تم ان سے اپنے آپ کو نہ بچاؤ۔ جب وہ تکالیف وشدائد سے اجتناب نہیں کرتے تم کیوں بچنے کی سعی کرتے ہو بلکہ تمہارے لیے لازم ہے کہ تم اُن کے ساتھ ہو کر کفار کے مقابلہ کیلئے سینہ سپر ہو جاؤ۔ مناسب بھی یہی ہے کہ جب رسولِ خدا محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کی سختی و گرمی سے نہیں گھبرائے تو اُمت کیوں گھبراتی ہے۔

ف : حدادی نے فرمایا کہ اُمت کو چاہیے کہ اپنے نفوس کو نفسِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کر دیں۔ ہر ممکن حد تک اپنے نفوس ان کے بچاؤ کے لیے ڈھال بنائیں اس لیے کہ نبی علیہ السلام کے حقوق واجبہ سے ہے کہ اُمت اُن پر اپنی جانیں قربان کرے کیونکہ نبی علیہ السلام نے اُن پر لطف وکرم فرمایا کہ اُنھیں دعوتِ حق دے کر دولتِ ایمان سے نوازا ہے اور نبی کریم علیہ الصّلوٰۃ والسلام کے صدقے انھیں راہِ حق نصیب ہُوا کہ جس سے وہ آتش سے بچ گئے۔

ذٰلِکَ یہ اشارہ نبی علیہ السلام کی متابعت کے وجوب کی طرف ہے۔

سوال : وجُوبِ متابعت کا معنےٰ تم نے کہاں سے لیا جبکہ اُس کا پہلے ذکر ہوا ہی نہیں۔

جواب: ہم نے پہلے عرض کیا ہے ولا یتخلفوا و لا یرغبوا نفی بمعنے نہی ہیں اور تخلف و اعراض کی ضد متابعت و مشایعت ہے اور ظاہر ہے کہ ان کی ضد وجوب متابعت ومشایعت ثابت ہوئی۔ (وہو المراد والمطلوب)

بِاَنَّهُمْ بسبب اس کے کہ جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کا انہیں شرف نصیب ہوا لَا یُصِیْبُهُمْ ظَمَاٌ انہیں معمولی پیاس بھی نہیں پہنچے گی وَلَا نَصَبٌ اور نہ ہی انہیں معمولی طور پر جسمانی تھکان محسوس ہوتی، وَلَا مَخْمَصَةٌ اور نہ ہی وہ بھوک میں مبتلا ہوئے فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ راہِ حق اور اعلائے کلمۃ اللہ میں وَلَا یَطَـُٔوْنَ اور جس راہ پر نہ چلتے یا اُن کے گھوڑے دوڑتے اور نہ اُن کے اُونٹ راہ طے کرتے مَوْطِئًا وَطئًا کا مصدر ہے جیسے موعد، وعد کا مصدر ہے یا اسم مکان بمعنے مفعول ہے یَّغِیْظُ الْكُفَّارَ کفار کو غصہ میں لاتا ہے یعنی جہاں سے بھی اہلِ اسلام گزرتے ہیں کفار غم وغصہ سے پیچ وتاب کھاتے ہیں اس لیے کہ یہ فطرتی امر ہے کہ دشمنوں کے گھروں سے گزر ہو تو وہ لامحالہ رنج مناتا اور غصہ کھاتا ہے۔ الغیظ بمعنے انقباض الطبع برؤیۃ ما یسوءہ یعنی رنج و غصہ پہنچانے والی شے کو دیکھ کر طبیعت کا منقبض ہونا۔ الغضب، قوۃ طلب الانتقام انتقام طلب کرنے کی قوت کو غضب کہاجاتا ہے وَلَا یَنَالُوْنَ یہ نیل سے مشتق ہے بمعنے پانا یعنی اور نہیں پاتے مِنْ عَدُوٍّ دشمن کی جانب سے۔ نیلاً بمعنے میل ہے اگر اسے مفعول بہ بنایا جائے اس سے آفت ومحنت جیسے قتل وقید اور ہزیمت و خوف مراد ہے اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ یہ محلاً منصوب ہے ظمأ اور اس کے جمیع معطوفات سے حال ہے یعنی جملہ امور مذکورہ میں سے انھیں کسی حال میں نہیں پہنچا مگر ان کا یہ حال ہوتا ہے کہ ان کے لیے لکھا جاتا ہے عَمَلٌ صَالِحٌ ط ایسا نیک مقبول عمل جو ان کے لیے اجرِ عظیم کا موجب بنے۔

ف: کاشفی نے اس کا معنیٰ لکھا کہ ان حضرات کو ان مذکورہ بالا امور سے جو کچھ پہنچے گا تو وہ ثواب کے مستحق ہوں گے۔

مسئلہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جنگ میں مذکورہ بالا تکالیف میں سے کوئی ایک تکلیف پہنچنے پر ستّر کا ثواب ملے گا۔

ف: مذکورہ ہر دو تراجم عام تفاسیر میں ہیں۔ ابن الشیخ نے اپنے حواشی میں لکھا کہ نَیل بمعنے دشمن سے کسی دُکھ اور تکلیف کا پہنچنا، وہ جسمانی ہو یا روحانی وغیرہ۔ یہ معنیٰ ہر دو مذکورہ معانی سے مختلف ہے۔ (کما لا یخفی)

اِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ۙ بے شک اللہ تعالیٰ محسنین کے اجر ضائع نہیں کرتا۔ یعنی انہیں احسانِ عظیم سے نوازتا ہے۔ یہ کُتِبَ کی تعلیل اور اشارہ ہے کہ جہاد بھی احسانِ ربانی ہے۔

سوال: اہلِ ایمان کے لیے جہاد کو احسان کہنا تو سمجھ میں آتا ہے لیکن یہ کفار کے لیے احسان کیسا؟

جواب: کفار کے ساتھ جہاد کا مقصد یہی ہے کہ انھیں راہِ راست نصیب ہو۔ اُن سے کُفر کی گندگیاں دُور ہوں

وغیرہ وغیرہ ۔ جیسے مجنون و پاگل کی پٹائی اس لیے کی جاتی ہے کہ اُسے صحت و عافیت نصیب ہو ۔ ؎

سفیہانرا بود تادیب نافع
جنوں را چوبست دافع

اور اہلِ ایمان کے لیے جہاد احسانِ عظیم ہے کہ جہاد سے اہل ایمان کو کفار سے حفاظت اور اُن پر غلبہ نصیب ہوتا ہے۔ وَلَا یُنْفِقُوْنَ اور جہاد میں خرچ نہیں کرتے نَفَقَۃً صَغِیْرَۃً تھوڑا سا خرچ جیسے کھجور کا صرف ایک دانہ۔ اسی طرح صرف ایک ڈنڈا یا جنگی گھوڑے کی نعلبندی وغیرہ وغیرہ وَّلَا کَبِیْرَۃً اور نہ ہی بڑا خرچ ۔ جیسے حضرت عثمان و عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما نے جیش العسرہ میں خرچ کیا۔ اس کی تفصیل والذین یلمزون المطوعین الآیہ میں ہم نے عرض کر دی ہے وَلَا یَقْطَعُوْنَ اور کفار کی کسی زمین کو طے نہیں کرتے جنگ پہ جاتے ہوئے یا واپسی پر وَادِیًا دراصل پہاڑوں اور ریت کے ٹیلوں کے اُن راستوں کو کہا جاتا ہے جہاں سے سیلاب کا گزر ہو۔ ودی یدی کا فاعل ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب پانی بہہ نکلے لیکن اب اس کا استعمال مطلق زمین کے لیے ہوتا ہے۔ اِلَّا کُتِبَ لَھُمْ مگر ان کے صحیفوں اور عمل ناموں میں اُن کے اعمال لکھے جاتے ہیں ۔ یعنی اُن کے وہی اعمال مثلاً جنگ کے لیے ان کا تھوڑا بہت خرچ کرنا یا جنگ کے لیے آنا جانا وغیرہ لِیَجْزِیَھُمُ اللّٰہُ یہ کتب کے متعلق ہے یعنی تاکہ اللہ تعالیٰ اُن کے اعمال کی بہتر جزا عنایت فرمائے ۔ یہاں مضاف الیہ محذوف ہے اس لیے کہ نفسِ عمل تو جزا نہیں بنتے بلکہ اُن کے اعمال جزا کا موجب اور سبب ہیں۔

ف : ینابیع میں لکھا ہے کہ غازی کے اعمال میں سے اگر ایک ہزار عمل ہو اور ان میں صرف ایک احسن ہو تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کی باقی نوسو ننانوے نیکیوں کو ایک احسن کے مرتبہ میں بنا دے گا تاکہ عوام میں مجاہدین اور غازیوں کے مراتب واضح ہوں۔

جہاد کے فضائل جہاد کے ایسے فضائل ہیں جو دُوسری عبادات میں نہیں پائے جاتے ۔ ویسے جہاد ایک حرفت ہے جو نبی علیہ السلام کا خصوصی مشغلہ ہے۔

حضرت ابُوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی عُیَینہ کسی ایسے مقام سے گزرے جہاں کا پانی بہت ٹھنڈا اور میٹھا تھا انھیں وہاں کی فضا پسند آگئی انہوں نے چاہا کہ لوگوں سے علیحدگی اختیار کر کے وہاں قیام پذیر ہو جائیں لیکن خیال کیا کہ اس کے لیے اپنے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اجازت حاصل کر لوں ۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ارادہ ظاہر کیا اور فرمایا تمہارا جہاد میں صرف ایک گھڑی بھر ٹھہرنا اس مقام پر ستر سال کی نماز نوافل وغیرہ سے افضل ہے۔ کیا تمہیں پسند نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ بخش کر تمہیں بہشت میں داخل کرے ۔ فلہذا تم فی سبیل اللہ جہاد کرو ۔ جو شخص اُونٹنی دوہنے کی مقدار

بھی جہاد کے لیے حاضری دیتا ہے اس کے لیے بہشت واجب ہوجاتی ہے۔

ف : فواق الناقۃ اونٹنی دوہتے وقت پستان پر صرف ہاتھ رکھ کر اٹھانے کی دیر کو کہا جاتا ہے۔

مسئلہ : حدیث شریف سے ثابت ہُوا کہ علیحدگی اختیار کرکے عبادت کے لیے بیٹھنے سے جہاد پر حاضر ہونا افضل ہے۔

سبق : صحابی کے درجہ کو نگاہ میں رکھ کر سوچئے کہ اس نے عبادت کے لیے تنہائی کی اجازت چاہی تو نبی کریم علیہ التحیۃ و التسلیم نے اجازت نہ بخشی۔ تو پھر اُس بندے کا کیا حال ہے جو فراغت کے باوجود زندگی گناہوں میں گزارتے ہوئے جہاد سے گریز کرتا ہے۔ ؎

کارے کنیم ورنہ خجالت برآورد
رُوزیکہ رخت جاں بجہان دگر کشیم

مسئلہ : اگر کوئی مجاہد عذر سے جنگ پہ حاضر نہ ہو سکے لیکن اس کی نیت نیک اور عزم پختہ ہو کہ جنگ پہ ضرور حاضر ہوگا۔ مگر عذر معقول مانع ہو تو اُسے بھی جنگ کی حاضری کا ثواب ملے گا۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے تو فرمایا : ہمارے مجاہد ایسے بھی تھے جنہیں ہم نے مدینہ طیبہ میں چھوڑا۔ لیکن ہم جس وادی اور گھاٹی سے گزرتے تو وہ ہمارے ساتھ موجود تھے۔ اگرچہ انہیں عذر معقول سے جنگ میں حاضر نہ ہونے دیا۔ یعنی وہ ثواب کے استحقاق میں ہمارے ساتھ برابر کے شریک تھے اس لیے کہ اُن کی نیت اور ارادہ حاضری کا تھا۔ لیکن عذر کی وجہ سے جنگ پہ حاضر نہ ہو سکے۔ نیت کے لحاظ سے وُہ ہمارے ساتھ رہے اگرچہ جسمانیت کے لحاظ سے غیر حاضر تھے اگر انھیں عذر مانع نہ ہوتا تو وہ جسمانیت کے لحاظ سے بھی ہمارے ساتھ ہوتے۔

ازالۂ توہم ابن الملک نے فرمایا : اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ غیر حاضر مجاہدین کو جنگ پر حاضر ہونے والوں کے برابر ثواب ملے گا بلکہ مطلب یہ ہے کہ غیر حاضرین کو ثواب ملے گا لیکن اجرِ عظیم اور مرتبہ بلند صرف انھیں نصیب ہوگا جو جنگ پہ حاضر تھے۔ کما قال تعالیٰ :

فضل اللّٰہ المجاھدین علی القاعدین اجراً عظیما۔

صاحبِ رُوح البیان کی تحقیق صاحبِ رُوح البیان قدس سرہ فرماتے ہیں کہ آیت میں تو مطلقاً حاضرین کو غیر حاضرین پر فضیلت کا بیان ہے لیکن حدیث شریف میں غیر حاضرین کے لیے عذرِ معقول کی قید لگا کر ان کی نیت اور عزم کا اظہار فرما کر اُن کے ثواب کی فضیلت بلکہ برابر کے ثواب کا ذکر فرمایا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اس نیت و ارادہ کی برکت سے وُہ بھی حاضرینِ جہاد کے برابر ثواب پائیں۔ بلکہ بسا اوقات نیت و ارادہ کو

ایسا خلوص نصیب ہوتا ہے جس کی تاثیر سے وہ اس فعل کے عامل سے فوقیت حاصل کر لیتا ہے اور قاعدہ شرعیہ بھی ہے کہ بہت سے اعمال نیک نیتی سے عمل کرنے سے فضیلت میں بڑھ جاتے ہیں اس کے علاوہ دیگر شواہد بھی ہیں جو اہل علم سے مخفی نہیں۔

تفسیر صوفیانہ آیت ماکان لاھل المدینۃ میں مدینہ سے قلب اور اہل سے نفس وہوا، اور من حولھم من الاعراب سے صفاتِ نفسانیہ کے اعراب مراد ہیں اور ان یتخلفوا عن رسول اللہ میں رسول اللہ سے رسول الروح مراد ہے۔ اس لیے کہ وہی راجع الی اللہ اور اس کی طرف وہی سیر کرتا ہے ولا یرغبوا بانفسھم عن نفسہٖ یعنی وہ قلب ونفس اور اُن کے صفات اپنے وجود کو رسول الروح، اپنے آپ کو فنا فی اللہ بناتا ہے، لا یصیبھم ظمأ یعنی وُہ اپنے وجود کو فنا کرنے سے نہ گھبرائیں اس لیے کہ فنا کے بعد نہ انھیں شہوات کی پیاس ستائے گی ولا نصبٌ اور نہ ہی انھیں راہِ حق اور طلبِ ذات میں لذات کی تکالیف اور دنیوی حرص وہوا سے پریشانی کی بھوک پہنچے گی ولا یطئون موطئًا اور فنا کے جن مقامات کو عبور کرتے ہیں یغیظ الکفار جو نفس وہوا کے کفار کو غیظ وغضب میں ڈالتے ہیں ولا ینالون من عدوٍ اور جو کچھ پہنچتے ہیں دشمن شیطان و دنیا و نفس سے نیلًا اس سے بلاؑ و محنت وفقر وفاقہ وجد وجہد اور ہم وحزن اسی طرح جملہ فنا کے اسباب مراد ہیں الا کتب لھم فنا فی اللہ کی تکالیف ومصائب کے برابر اُن کے لیے بقا باللہ کے مراتب وکمالات لکھے جاتے ہیں۔ ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین ۞ یہاں پر محسنین سے وہ حضرات مراد ہیں جو فنا کے بعد بقا باللہ کا مقام حاصل کرتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ ان حضرات کو باقی باللہ بنا دیتا ہے تاکہ وُہ اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت کریں جس سے انھیں مشاہدہ نصیب ہو۔ اس لیے کہ اصطلاحِ تصوف میں احسان کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت کرے کہ گویا وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ کر عبادت کر رہا ہے ولا ینفقون نفقۃً یعنی وہ وجود کو جس قدر فنا کرتے ہیں صغیرۃ ولا کبیرۃ ۔ صغیرۃ سے وجود الصفات اور کبیرۃ سے وجود الذات کی فنا مراد ہے کہ اپنی صفات وذات کو حق کے صفات وذات میں فنا کر دے۔ ولا یقطعون وادیًا یہاں پر وادی سے دُنیا وآخرت اور نفس وہوٰی اور قلب ورُوح مراد ہیں۔ الا کتب لھم یعنی ان حضرات کے لیے مذکورہ بالا امور سے فارغ البال ہونے پر قُربِ الٰہی اور اعلیٰ مراتب اور بلند درجات لکھے جاتے ہیں۔ چنانچہ حدیث قدسی میں ہے کہ:

من تقرب الی شبرا تقربت الیہ ذراعا۔

یعنی اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ جو ایک بالشت میرے قریب ہوتا ہے میں اسے ایک گز اپنے قریب کر دیتا ہوں۔

لیجزیھم اللہ تاکہ انہیں اللہ تعالےٰ بقا وفنا کے مراتب سے نوازے احسن ما کانوا یعملون ۞ یعنی وہ اللہ تعالےٰ کی طلب میں جس قدر عبودیت میں جد وجہد کرتے ہیں ہم انہیں اس کی بہتر جزا عنایت فرمائیں گے۔ یعنی اتنے بڑے مراتب وکمالات عطا فرمائیں گے کہ وہاں نہ اُن کی عقل پہنچ سکے نہ ادراک کی رسائی ہو اور نہ اُن کے توہم وگمان میں ہو۔

چنانچہ حدیث قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اعددت لعبادی الصالحین۔

(کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً یہ لام نفی کی تاکید کے لیے ہے اور اہلِ ایمان کے لیے نہایت نامناسب ہے کہ جنگ یا طلبِ علم کے لیے سب کے سب چل پڑیں جیسا کہ ان کے لیے ناموزوں ہے کہ سب کے سب جنگ یا طلبِ علم سے محروم رہیں۔

مسئلہ: اس سے ضمناً طلب معاش کا امر ہو رہا ہے۔

فَلَوْلَا نَفَرَ پس کیوں نہیں جاتے۔ یہ لولا، ھلا کی طرح تحضیض کا حرف ہے۔

قاعدہ: حرفِ تحضیض جب فعل ماضی پر داخل ہو تو وہ ترکِ فعل کی توبیخ کا فائدہ دیتا ہے۔

قاعدہ: ترکِ فعل پر توبیخ سے فعل کا وجوب ثابت ہوتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ طلبِ علم کے لیے جانے کا یہ حکم وجوب کا متقضی ہے۔ یعنی طالب علم کے لیے جانا واجب ہے۔

مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ ہر بہت بڑی جماعت سے ایک گروہ یعنی قبیلہ و برادری سے یا بہت بڑے شہر سے چند افراد۔

ف: آیت کریمہ سے فرقہ و طائفہ کا فرق بتایا گیا ہے کہ فرقہ بہت زیادہ اور طائفہ چند افراد پر مشتمل ہوتا ہے اس لئے کہ قلت کو کثرت سے خارج کیا جا سکتا ہے اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے جبکہ فرقہ اکثر اور طائفہ قلیل افراد کو کہا جائے بلکہ اہلِ لغت کہتے ہیں کہ طائفہ کا ایک سے اُوپر افراد پر اطلاق ہوتا ہے۔

لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ تاکہ دین کی فقاہت (سمجھ) حاصل کریں بلکہ اس کے حصول میں ایڑی چوٹی کا زور لگائیں اور اس پر جتنی مصیبتیں اور مشقتیں درپیش ہوں انھیں سر پہ رکھنے کو سعادت اور فخر سمجھیں۔

ف: احکامِ دین کی معرفت کو فقہ کہا جاتا ہے۔

وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ تاکہ جب واپس آئیں تو اپنی تمام برادری کو احکامِ الٰہی بتائیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنے پر انعامات کی خوشخبری سنائیں اور اُن سے روگردانی پر عذابِ الٰہی سے ڈرائیں۔ یعنی اُن کے حصولِ علم کی اصلی غرض وغایت صرف یہی ہو کہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کو دین اسلام کی رہبری کریں۔

سوال: آیت میں صرف انذار کا ذکر ہے حالانکہ اس میں تبشیر بھی ضروری ہے۔

---

[1] اس آیت سے تقلید شخصی کا وجوب ثابت کیا جاتا ہے۔ تفصیل فقیر کی کتاب تقلید میں دیکھیے۔ اویسی غفرلہٗ

جواب : بشارۃ سے انذار اہمیت رکھتا ہے اس لیے کہ پہلے شئے کو صاف ستھرا کیا جاتا ہے۔ پھر اسے زیور اور نیا لباس پہنایا جاتا ہے۔ انذار نفس کے لیے بمنزلہ صفائی کے ہے اور ابشار بمنزلہ زیورات اور اچھے لباس کے ہے اور پھر اہم کی تصریح سے غیر اہم ضمناً خود مذکور ہو جاتا ہے۔

لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ○ تاکہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں۔ یعنی اُن کا ارادہ یہ ہو کہ تعلیم و تعلّم کے بعد اپنی برادری کو راہِ حق بتائیں گے وغیرہ وغیرہ۔

مسئلہ : آیت سے ثابت ہُوا کہ دینی علوم کا حصول اور مسلمانوں کو وعظ و نصیحت کرنا فرض کفایہ ہے۔

تنبیہ الطلبہ اس میں طلبائے اسلام کو تنبیہ ہے کہ وہ حصولِ علم میں نیت اور اپنی غرض و غایت کی اصلاح کریں۔ یعنی علم پڑھنے سے ان کا مقصد یہ ہو کہ وہ اپنی اصلاح کریں گے پھر بحکم خدا اہلِ اسلام کو احکامِ الٰہی کی تبلیغ کریں گے۔ تحصیلِ علم کا یہ مقصد نہیں ہونا چاہیے کہ عوام سے بلند قدر ہو جائیں گے اور علماء بن کر زندگی کے عیش لُوٹیں گے[1] اور بہترین لباس و خوراک ہوگا اور عوام ہمارے غلام بن کر رہیں گے وغیرہ۔

اسباق برائے طلباءِ اسلام سبق نمبر ۱ : طالب علمِ دین کے لیے ضروری ہے کہ وہ تحصیلِ علم میں صرف رضائے الٰہی اور خدمتِ اسلام اور اپنے سے ازالۂ جہل اور دوسرے اہلِ اسلام سے ازالۂ جہل و احیاء و بقاءِ اسلام مطلوب رکھے اس لیے کہ اسلام کی احیاء و بقاء علم سے ہے اور زہد و تقویٰ کے لیے بھی علم ضروری ہے ورنہ جہل سے زہد و تقوائے و عبادت وغیرہ وبالِ جان بن جاتی ہے۔

علم آمد دلیل آگاہی
جہل برہان نقص و گمراہی
پیش اربابِ دانش و عرفاں
کے بود ایں تمام و آں نقصاں

سبق نمبر ۲ : طالب علم کو ضروری ہے کہ وہ اثنائے تعلیم نیت کرے کہ حصولِ علم میں اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کر رہا ہوں کہ اس نے عقل و فہم سے نوازا اور صحتِ بدن اور سلامتی حواس بخشی تاکہ آیت :

---

[1] ہمارے دَور کے وہ علماء توجہ فرمائیں جو ڈگریوں کے چکر میں پڑ کر پھر ملازمتِ گورنمنٹ کے لیے مارے مارے پھرتے ہیں بالآخر (ڈاکٹر کا) نتیجہ یہ ہوتا ہے :

ایسے ہُوئے مہذب کبھی رب کا گھر نہ دیکھا
کٹی عمر ہوٹلوں میں مرے ہسپتال جا کر

" وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

اللہ تعالیٰ نے تمہیں ماؤں کے شکموں سے نکالا تم ایسی حالت میں تھے کہ تم کسی شے کو بھی نہ جانتے تھے ۔ اور تمہارے لیے سمع و بصر اور دل بنایا تاکہ تم شکر کرو ۔" پر عمل ہو جائے ۔

سبق نمبر ۳ : طالب علم کو چاہیے کہ ایسے استاد کی شاگردی اپنائے جو عالم و متقی و پرہیزگار اور سن رسیدہ (اور سُنّی العقیدہ) ہو ۔ اگرچہ ایسے اوصاف والے استاد کی تلاش میں کچھ دیر بھی لگ جائے تو کوئی حرج نہیں ۔

حکایت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ استادِ بزرگ کی تلاش کے لیے اپنا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں :

میں ایک دن بصرہ گیا اور مجھے اپنے علم پر کامل اعتماد تھا کہ مجھ پر جس طرح کا بھی سوال ہوگا میں بفضلہٖ تعالیٰ سب کا تسلی بخش جواب دوں گا ۔ چنانچہ جب شہر میں داخل ہوا تو مجھ سے چند سوالات کیے گئے جن کا مجھ سے کوئی جواب نہ بن سکا ۔ اس پر میں نے قسم کھائی کہ میں حضرت حماد (استاذ امام اعظم رضی اللہ عنہما) کی صحبت اختیار کروں ۔ چنانچہ میں نے بیس سال ان کی خدمت اقدس میں گزارے اور ان کی پاکدامنی سے میں بہت متاثر ہوا ۔ اب ہر نماز میں اپنے استاد اور والدِ گرامی کے لیے دعا مانگتا ہوں ۔

نکتہ : اساتذہ کی صحبت اور اُن کی دعاؤں میں بہت بڑی عجیب و غریب تاثیرات ہوتی ہیں ۔

حکایت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ثابت یعنی حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہما کے والدِ گرامی نے حلوہ تیار کر کے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی خدمت اقدس میں پیش کیا وہ دن سیروز مہرجان یعنی گویا عید کے دن عیدی پیش کی تو سیّدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے حضرت ثابت اور اُن کی اولاد کے لیے برکت کی دعا مانگی ۔ حضرت ثابت فرماتے ہیں کہ یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی دعا کی برکت کا ثمرہ ہے کہ میرے صاحبزادے ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی علماء و فقہاء بلکہ ائمۂ مجتہدین مدح و ثنا کرتے ہیں ۔

سبق : جب طالب علم کو استادِ کامل عالم باعمل میسّر آجائے تو اس سے وہ علم حاصل کرے جو آخرت کے لیے احسن اور نافع تر ہو ۔ سب سے پہلے علم پڑھے جو فرضِ عین ہے یعنی ان اعتقادات میں سے جن کا جاننا فرض ہے اور وہ ظاہری و باطنی مسائل جن کا سیکھنا ضروری اور لازمی ہے اسے علم الحال سے بھی تعبیر کرتے ہیں یعنی وہ علم جس کا بہت جلد سیکھنا فرض ہے ۔

ف : حضرت عز بن عبدالسلام رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

جس علم کو سیکھنا فرض ہے اس کی تین اقسام ہیں :

۱ ۔ علم التوحید

۲ ۔ علم اللہ

۳ - علم الشریعت

۱ - علم التوحید : وُہ علم جو بندے کو سنِ شعور کے بعد اصولِ دین سے یاد کرنا ضروری ہے علم التوحید کہلاتا ہے۔ اس لیے بندے پر واجب ہے کہ پہلے یہ جانے کہ اُس کا معبود ایک ہے۔ جب اسے یہ یقین نہیں کہ اس کا کوئی معبود بھی ہے تو پھر وہ عبادت کس کی کریگا۔ بناء بریں پہلے باری تعالیٰ کی ذات و صفات اور اسماء کو جانے۔ پھر وہ معلومات حاصل کرے کہ کون سی باتیں اس کی شان کے لائق ہیں اور کون سی باتیں اس کے لائق نہیں۔ اگر یہ نہ جانے گا تو بہت سی صفات اللہ تعالیٰ کے لیے بیان کی جاتی ہیں جو اس کی شان کے شایاں نہیں، اس لیے اسے بجائے ثواب کے عذاب نصیب ہوگا۔

۲ - علم اللہ : یہ وہ علم ہے کہ جو دل اور اس کے متعلقات سے متعلق ہے۔ یہ علم بھی سیکھنا فرض ہے اس سے توکل و انابت اور خشیتِ ایزدی مراد ہے اس لیے کہ ان سے اکثر اوقات انسان کو ضرورت پڑتی ہے۔ اور بعض امور وُہ ہیں جن سے اجتناب لازمی ہے جیسے حرص، غضب، کبر، حسد، عُجب، ریاء وغیرہ۔ انہی امور کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

طلب العلم فریضۃٌ علیٰ کلّ مُسلم و مُسلمۃ۔

ہر مسلمان مرد و زن پر علم حاصل کرنا فرض ہے۔

سوال: تم نے صرف اس قسم کو حدیث مذکور میں کیوں شامل کیا حالانکہ حدیث شریف میں العلم مطلق ہے جو علم التوحید کو بھی شامل ہے۔

جواب: چونکہ علم التوحید لفظ مُسلم و مُسلمۃ میں ضمناً مذکور ہو چکا ہے اس لیے ہم نے اسے شامل نہیں کیا۔ اگر شامل کیا جائے تو تحصیل الحاصل لازم آئے گا۔

سوال: نماز کے مسائل بھی یاد کرنے فرض ہیں تم نے اُنھیں بھی شامل نہیں کیا۔

جواب: ہمارے عموم میں وہ بھی شامل نہیں ہو سکتے اس لیے کہ اُن کی ادائیگی کا موقعہ ملتا ہی نہیں۔ مثلاً ایک شخص بوقتِ چاشت بالغ ہو کر ظہر سے پہلے فوت ہو جائے تو ایسے شخص پر اگرچہ نماز فرض ہوئی لیکن وُہ اسے ادا نہ کر سکا۔ اس لیے اس پر مسائل کے سیکھنے کی فرضیت کیسی۔ بناء بریں ثابت ہوا کہ حدیث شریف میں صرف مسائل متعلق بقلب مراد ہیں اس لیے کہ اس کے مسائل ہر وقت اور ہر شخص پر لازم ہیں۔ اسی لیے اُن کا یاد کرنا بھی اوّلین فرائض میں سے ہے۔

۳ - علم الشریعت : وہ واجباتِ شرعیہ جو ہر انسانِ مکلف پر واجب ہیں اُن کا علم حاصل کرنا بھی فرض ہے تاکہ بندہ احکامِ شرعیہ کو حکمِ شرع کے مطابق ادا کر سکے۔ اسی طرح ان مناہی کا علم سیکھنا بھی فرض ہے جن سے شرع پاک نے نہ کرنے کا حکم فرمایا ہے تاکہ معلوم کر کے انہیں ترک کر سکے۔

ف : یہ تمام عبادات و معاملات کو شامل ہے۔ مثلاً کوئی بیع و شراء تجارت کا کوئی پیشہ اختیار کرتا ہے یا کوئی کسی قسم کی صنعت سیکھتا ہے تو اسے اس کے متعلق مسائل سیکھنا فرض ہے تاکہ شرع کے مطابق معاملات طے کر سکے۔

مسئلہ : بعض وہ امور جو انسان کو گاہے گاہے واسطہ پڑتا ہے تو اُن کے مسائل سیکھنا فرض کفایہ ہے۔

ف : علوم شرعیہ پانچ ہیں

- علم کلام
- تفسیر
- حدیث شریف
- فقہ
- اصولِ فقہ

ف : عین المعانی میں لکھا ہے کہ :

لیتفقهوا الخ میں صرف آخرت مراد ہے اس لیے کہ انذار (ڈرانا) صرف اسی سے تعلق رکھتا ہے۔ پھر اس میں علم المعاملہ والمکاشفہ شامل کیا جائے گا۔

تنبیہ علم المعاملہ دونوں جہتیں رکھتا ہے اگر اسے صحیح طور پر استعمال کیا جائے تو اللہ جل جلالہٗ سے ملانے والا ہے ورنہ اس سے دُور کرنے والا۔

ف : علم اعمال الجوارح و اعمال القلوب اس علم المعاملہ میں شامل ہیں۔

ف : حدیث شریف میں علم کی فضیلت وارد ہوئی ہے کہ :

فضل العالم علی العابد کفضلی علیٰ اُمتی۔

عالم کی عابد پر فضیلت ویسی ہے جیسی میری فضیلت ادنیٰ اُمتی پر، یہ فضیلت اُس علم کے لیے ہے جو علم مکاشفہ سے بہرہ ور ہو۔ اس لیے کہ علم مکاشفہ اصل ہے باقی علوم اس کی فروع ہیں اور ظاہر ہے کہ اصل کا عالم فروع کے عالم سے افضل ہوتا ہے۔

مسئلہ : فرض اصلی کے علم کے حصول کے بعد علم فروض کفایہ حاصل کیا جائے۔ مثلاً تفسیر، تاریخ، فتاویٰ یہ سب فروض کفایہ ہیں۔ ان کا حصول فرض اصلی کے بعد ہونا چاہیے۔

تنبیہ : وہ علوم جو متعلق بہ فرض کفایہ ہیں اُن کے مسائل بھی اسی قدر حاصل کیے جائیں جن کی ضرورت ہے اُن کے نوادر کی تحقیقات میں تضییع اوقات نہ کی جائے۔ جتنا پڑھتا جائے اس پر عمل کرنے کی جد و جہد کی جائے[1]

---

[1] اس میں ہمارے طلبہ غور فرمائیں جو عمل صالح کا نام تک نہیں لیتے لیکن ہونے ہیں علامہ۔ اللہ تعالیٰ سمجھ دے۔

مسئلہ: قبلہ کی جہت اور اوقات الصلوٰۃ کے لیے بقدر ضرورت علم النجوم سیکھنا جائز ہے۔
مسئلہ: علم طب میں اس قدر سیکھ لینا چاہیے کہ جس سے اپنی اور اپنے اہل وعیال وغیرہم کا علاج معالجہ کیا جا سکے۔
ف: الاشباہ والنظائر میں ہے:
تحصیل علم کی کئی اقسام ہیں:
۱۔ دین کی ضروری باتوں کے مسائل سیکھنا فرض عین ہے۔
۲۔ دین کے ضروری امور سے زائد ایسے مسائل سیکھنا جن سے دینی فائدہ ہو یہ فرض کفایہ ہے۔
۳۔ مندوب یہ ہے کہ علم فقہ وتصوف میں بہت بڑا ادراک حاصل ہو۔
۴۔ حرام جیسے علم الفلسفہ والشعبدہ۔ التنجیم یعنی نجومی بننا۔ رمل۔ علوم الطبائعیین ایسے علوم فنون حاصل کرنا حرام ہیں۔ ایسے ہی وہ منطق جس میں فلسفہ کا دخل ہو (نہ ہماری مروج منطق) اسی طرح علم الحروف والموسیقی سرود گانے وغیرہ سیکھنا حرام ہے۔
۵۔ مکروہ فحش گانے کی غزلیات واشعار وغیرہ کے طور طریقے سیکھنا۔
۶۔ مباح وہ اشعار وغزلیات جو مبنی بر فحش وغیرہ نہیں۔ بلکہ اس میں عوامی حیثیت ہوتی ہے پھر انہیں ہر ایک اپنی نیت جدھر لے جائے۔

منطق کی تعلیم کی تحقیق حضرت خادی نے فرمایا کہ میں نے کسی کتاب میں منطق کی تعلیم کی حرمت کی تصریح نہیں دیکھی۔ اگر کسی نے لکھ دیا کہ (یجوز الاستنجاء باوراق المنطق) تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ خواہ مخواہ منطقی ابحاث میں تضیع اوقات نہ کرے بلکہ ما بہ الضرورۃ پڑھ کر دوسرے فنون کے حصول میں لگ جائے یا اس کا مطلب یہ ہے کہ منطق کے وہ ابحاث پڑھے جائیں جن میں فلسفہ کے فن کا ایک ذریعہ اور آلہ ہے اس لیے بعض فقہاء ومحدثین نے اس کے پڑھنے پڑھانے سے ممانعت فرمائی ورنہ مروجہ منطق میں کوئی ایسی قباحت نہیں جو شرع پاک کے منافی ہو۔ (ہمارے مدارس عربیہ میں منطق کا جو نصاب داخل ہے وہ بھی اسی قبیل سے ہے)

مسئلہ: قہستانی نے فرمایا کہ اطہمات للاسنوی میں مرقوم ہے کہ اس ورق سے استنجاء مکروہ ہے، جس پر کسی علم محترم کے الفاظ مسطور ہوں۔ مثلاً اس پر نحو وغیرہ کے حروف مرقوم ہوں۔ ہم نے علم محترم کی قید اس لیے لگائی ہے کہ غیر محترم علم جیسے حکمیات سے منطق وغیرہ کے اوراق سے استنجاء جائز ہے۔ (لیکن یہ قول بھی قابل قبول نہیں ہے کہ ہمارے فقہاء احناف ردّی کاغذ سے استنجاء تو بجائے خود اس کی بے ادبی بھی گوارہ نہیں کرتے۔ مزید تحقیق فتاویٰ رضویہ مصنفہ سیدی شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ میں دیکھیے۔

تنبیہ از شیخ الاکبر قدس سرہٗ حضرت شیخ اکبر قدس سرہ اکبر الاظہر نے مواقع النجوم میں لکھا ہے کہ منطق میں غیر ضروری ابحاث سے بچنا چاہیے۔ اس لیے کہ غیر ضروری ابحاث میں پڑنا تضیع اوقات ہے اور تضیع اوقات بھی ایک جُرم ہے۔

سبق : دانا پر لازم ہے کہ بقدر ضرورت علم حاصل کر کے نیک عمل میں جد و جہد کرے۔

طلباءِ اسلام کے فضائل حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جسے خواہش ہو کہ وُہ جہنّم سے آزاد شدہ لوگوں کو دنیا میں دیکھے تو اُسے چاہیے کہ وہ طلباءِ اسلام کی زیارت کرے۔ بلکہ ہر وہ طالب علم جو اپنے استادِ گرامی کے ہاں درس گاہ یا اُن کے گھر کی حاضری دیتا ہے تو اُسے ایک سال کی عبادت کا ثواب نصیب ہوتا ہے اور اس کے ایک قدم پر بہشت میں اس کے لیے ایک شہر تیار ہوگا اور وہ زمین پر چلتا ہے تو زمین اسے دُعائیں دیتی ہے اور ہر شام و سحر اس کی مغفرت کا اعلان ہوتا ہے اور فرشتے گواہی دیتے ہیں کہ یہ طلباءِ اسلام دوزخ سے آزاد ہیں۔

اساتذہ کے فضائل علم کی نشر و اشاعت اور اس کی رہبری یعنی تعلیم و تدریس اور تبلیغ کے بھی بہت فضائل وارد ہیں۔

مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو انہیں فرمایا کہ اگر صرف ایک آدمی تیرے سبب سے ہدایت پا جائے تو تیرے لیے سارے سال کی عبادت سے افضل ہے اور علماء انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں اس لیے کہ جیسے وُہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام خلقِ خدا کی رہبری میں مشغول رہے ان کے ورثا بھی ایسے ہی زندگی بسر کرتے ہیں۔

تنبیہ ہر رہبر یعنی عالمِ دین کے لیے ضروری ہے کہ وُہ اپنی دینی خدمات میں یہ نیت کرے کہ میری خدمتِ اسلامی سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و جاہ اور کمال و مرتبہ میں اضافہ ہو کہ جس قدر کثیر التعداد افراد ان کے فرماں بردار ہوں گے اسی قدر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت میں راحت اور خوشی ہو گی۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"انی مکاثر بکم الامم"۔

بیشک میں قیامت میں کثیر فرماں برداروں کی وجہ سے دُوسری اُمم پر فخر کروں گا۔

نکتہ صُوفیانہ عوارف المعارف میں ہے عارفین نے علم دراستہ سے وافر حصّہ لیا۔ علم دراستہ یہ ہے کہ علم کے مطابق عمل صالح کی جد و جہد کی جائے۔ اس کی برکت سے علمِ وراثت نصیب ہوتا ہے ایسے لوگ علماءِ ظواہر کے علم میں برابر ہوتے ہیں لیکن علوم وراثت کی وجہ سے اُن سے ممتاز ہوتے ہیں۔ علم وراثت فقہ فی الدین کا

دُوسرا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

فلولا نفر الآیۃ ۔

اس سے معلوم ہوا کہ انذار کا وہی حق ادا کر سکتا ہے جسے علمِ فقہ سے وافر حصّہ نصیب ہو اور انذار کی برکت سے منذر کو علم کے پانی سے احیا نصیب ہوتا ہے اور احیاء صرف فقیہ فی الدین کا مرتبہ ہے اور بس۔ تمام مراتب سے بلند و بالا اور مکمل ترین مرتبہ ہے اور یہ علم فقہ صرف اس عالم کو حاصل ہوتا ہے جو تارک الدنیا اور متقی ہو، اور یہ مرتبہ اسے انذار سے حاصل ہُوا جو اس نے اپنے علم سے خلقِ خدا کو عنایت فرمایا۔

شانِ رسالت کا بیان تمام مراتب کا سرچشمہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے کہ سب سے پہلے آپ نے ہی انذار سے خلقِ خدا کو مستفیض فرمایا۔ آپ پر خداوند قدوس سے علمِ ہُدیٰ کی بارش ہُوئی پھر آپ سے تمام قلوب و نفوس کو فیض نصیب ہُوا ظاہراً بھی اور باطناً بھی۔

تنبیہ : یاد رہے کہ یہ علم صرف دُعا اور آرزو سے نصیب نہیں ہوتا بلکہ اس کے حصول کے لیے سعی و کاوش کرنی پڑتی ہے۔

حکایت سیدنا جنید بغدادی قدس سرہٗ سے عرض کی گئی کہ آپ کو یہ بہت بڑا مرتبہ کہاں سے نصیب ہوا؟ آپ نے فرمایا کہ اس سامنے والے گھر میں تیس سال کی محنتِ شاقہ سے۔ ؎

ہر گنج سعادت کہ خدا داد بحافظ

از یمن دُعا شب و ورد سحرے بود

سبق : آیت میں ترغیب دی گئی ہے کہ نافع علم حاصل کرنے کے لیے ترکِ وطن کریں۔

حکایت حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف ایک حدیث شریف کے لیے مدینہ طیبہ سے مصر تشریف لے گئے اور کسی کو کمال ملا تو صرف قلبِ مکانی اور وطن سے ہجرت کر کے۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا : ؎

سافر تجد عوضا عمن تفارقہ

وانصب فان اکتساب المجد فی النصب

فالاسد لولا فراق الجنس ما فرست

والسہم لولا فراق القوس لم یصب

ترجمہ : سفر کر اس لیے کہ جسے تُو چھوڑ جائے گا اس کا تجھے بدلہ ملے گا۔ اور محنت کر اس لیے کہ محنت میں بزرگی نصیب ہوتی ہے۔ شیر بھی اپنے مقام کو چھوڑتا ہے تو حملہ کرتا ہے۔ اسی طرح تیر کمان کو چھوڑتا ہے تو شکار کر سکتا ہے۔

(بر صفحہ آیندہ)

يَٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ
اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ○ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ
اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ○ وَاَمَّا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ○ اَوَلَا
يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِیْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ○
وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ۭ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ۭ
صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ○ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ
عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ فَاِنْ تَوَلَّوْا
فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ○

(ان آیات کی تشریح ص ۱۳۳ پر ملاحظہ کریں)

ترجمہ: اے ایمان والو! ان کافروں سے لڑو جو تمہارے قریب رہتے ہیں اور چاہیے کہ وہ تم میں سختی پائیں اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالےٰ پرہیز گاروں کے ساتھ ہے اور جب کوئی سورۃ اترتی ہے تو ان میں بعض تو کہتے ہیں کہ اس نے تم میں کس کے ایمان کا اضافہ کیا ہے پس وہ جو ایمان والے ہیں تو ان کے ایمان کا تو اس نے اضافہ کیا اور وہ خوشیاں مناتے ہیں اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے تو اس نے ان کی پلیدی پر مزید پلیدی بڑھائی اور وہ کافر ہو کر مر گئے۔ کیا وہ نہیں دیکھ رہے کہ سال میں ایک یا دو بار آزمائے جاتے ہیں پھر وہ توبہ نہیں کرتے اور نہ ہی نصیحت پاتے ہیں اور جب کوئی سورۃ نازل ہوتی ہے تو وہ ایک دوسرے کو دیکھنے لگ جاتے ہیں کیا تمہیں کوئی (مسلمان) دیکھتا تو نہیں ہے (یہ کہہ کر) پھر پلٹ جاتے ہیں اللہ نے ان کے دل پھیر دیے اس لیے کہ وہ بے سمجھ ایسے لوگ ہیں کہ کچھ نہیں سمجھتے بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں گزرتا ہے تمہاری خیر و برکت کو خوب چاہتے ہیں۔ اہلِ ایمان پر کمال مہربان اور رحیم ہیں پھر اگر وہ منہ پھیریں تو آپ فرمائیں کہ مجھے اللہ کافی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور وہی بہت بڑے عرش کا مالک ہے۔

(بقیہ صفحہ ۱۳۱)

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا:

جفا بردہ چہ دانی تو قدر یار تحصیل کام دل بتگاپوئی خوشتر است

تفسیر صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں فرماتے ہیں: آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں پر لازم ہے کہ وہ صورت و معنیٰ کی طرف ہجرت کریں۔ صورت کی طرف ہجرت کا مطلب یہ ہے کہ وہ کاملین و مکملین اور واصلین و موصلین کی تلاش میں نکلتے ہیں جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام کی تلاش میں نکلے تھے۔ اور معنے کی طرف ہجرت کا مطلب وہی ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی برادری سے فرمایا:

انّی ذاھب الیٰ ربّی سیھدین۔ بیشک اپنے رب کی طرف جاتا ہوں۔

اس میں قالب اور اس کی صفات سے نکل کر قلب اور اس کی صفات کی طرف پھر قلب سے رُوح اور اس کی صفات کی طرف پھر رُوح سے رُوح کو فنا کر کے تخلق باخلاق اللہ کی سیر کرنا۔ اسی کو سیر الی اللہ کہتے ہیں اور اخلاق اللہ سے اپنی ذات کو صفات اللہ کی تجلّی میں فنا کر کے ذات اللہ کی طرف سیر کرنا۔ اسے سیر باللہ کہتے ہیں اور انانیت سے ہویت کی طرف پھر ہویت سے الوہیت کی طرف ابدالآباد سیر کرنا۔ اسے سیر باللہ من اللہ الی اللہ کہا جاتا ہے۔ (مختصراً)

(تفسیر آیات صفحہ گزشتہ)

تفسیر عالمانہ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اے ایمان والو۔ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت اور اُن کی حقانیت کا اقرار کیا۔ قَاتِلُوا الَّذِیْنَ جنگ کرو ان لوگوں سے یَلُوْنَكُمْ جو تمہارے قریب کے رشتہ دار ہیں یلونکم، الولی سے ہے، بمعنے الدنو یعنی نزدیک ہونا مِنَ الْكُفَّارِ کافروں میں سے۔ یعنی جنگ کرو ایسے دشمنوں سے جو تمہارے ساتھ قرب اور رشتہ داری رکھتے ہیں، اور ان سے جہاد کرو جو نسبی لحاظ سے قرب رکھتے ہیں۔ پھر اسی طرح اور رشتہ داروں سے۔ ایسا نہ ہو کہ قریبی رشتہ دار کو چھوڑ کر دُوسروں سے لڑو۔

مسئلہ: یہ قرب عام ہے رشتہ داری ہو یا شہریت کے اعتبار سے ہو یا اہل وعیال کے لحاظ سے۔

مسئلہ: اس سے یہ بھی ثابت ہُوا کہ جو کافر رشتہ دار کو امان دے تو سمجھو کہ وہ اپنے غیروں سے لڑائی رکھتا ہے۔

مسئلہ: کفار سے جنگ و جہاد واجب ہے بالخصوص جو رشتہ میں زیادہ قریب ہوں۔ اسی طرح اقرب فالاقرب۔ یہی وجہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اپنے رشتہ داروں سے جنگ کی، پھر دُوسرے عربوں سے، پھر شام والوں سے۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ رہا کہ جب شام کی فتوحات سے فارغ ہُوئے تو پھر عراق پر چڑھائی کی۔ اسی طرح ہر علاقہ اور ہر زمانہ کے اہلِ اسلام پر فرض ہے کہ پہلے اقرب کو دعوت دیں پھر دوسروں کے ساتھ لڑیں بشرطیکہ اقرب سے جنگ کرنے پر اس علاقہ کے اہلِ اسلام کو ضرر نہ پہنچے۔

مسئلہ: تبلیغ و دعوت اسلام کی بھی یہی ترتیب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ السلام کو تبلیغ کے لیے اللہ تعالیٰ نے

(نظر برصفحہ آئندہ)

سب سے پہلے قریبی رشتہ داروں کے لیے حکم فرمایا کما قال تعالیٰ ،

وانذر عشیرتك الاقربین -

اس لیے کہ تبلیغ ایک شفقت ہے اور شفقت کے سب سے زیادہ حقدار قریبی رشتہ دار ہوتے ہیں۔ اسی طرح اصلاح بھی سب سے پہلے اُن ہی کی ضروری ہے، اس لیے کہ اُن کے حقوق کی پاسداری کی زیادہ تاکید ہے۔

ف : فرائض کے بعد وہ دُوسرے نفلی عبادات افضل ہیں جو جسم سے متعلق ہیں اور امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

"مجھے تو فرائض کے بعد جہاد سے زیادہ افضل کوئی عمل معلوم نہیں ہوتا اس لیے کہ جہاد حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب مشغلہ تھا"

امام ابوحنیفہ وامام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

"فرائض کے بعد دُوسروں پر علم سے اور کوئی عمل افضل نہیں۔ اس لیے کہ تمام اعمال کا دارومدار علم پر ہے ، اس کے بعد جہاد"

حکایت عجیبہ در فضیلت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی گئی کہ آپ کو قیامت میں کہاں ملیں ؟

آپ نے فرمایا : امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے جھنڈے کے قریب۔

حدیث شریف نبوت کے قریب تر اہلِ علم ہیں اُن کے بعد اہلِ جہاد اہلِ علم اس لیے کہ وُہ لوگوں انبیاء علیہم السلام کے لائے ہُوئے احکام کی رہبری کرتے ہیں اور اہلِ جہاد تلوار سے احکامِ الٰہی اور عالمین احکامِ الٰہی کی حفاظت کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ جہاد نوع انسانی کے بقاء کا سبب ہے۔ اگر جہاد متروک ہو جائے تو دشمن غالب ہوکر نوعِ انسانی کو ختم کر دیں گے اور یہ آخرت میں دائمی حیات کا سبب ہے اس لیے کہ جہاد شہادت کا موجب ہے اور شہادت ہی حیاتِ دائمی بخشتی ہے اور شہداء مُردہ نہیں بلکہ زندہ ہیں۔

وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً ط اور چاہیے کہ وُہ پائیں تم میں سختی۔

ف : غلظة بمعنے شدت وصبر علی القتال۔ قاموس میں ہے کہ الغلظة ، مثلثة رقة کی ضد کو کہتے ہیں۔ یہ کلام

(حاشیہ صفحہ گزشتہ)

[1] اس سے تبلیغی جماعت کے پھندے میں پھنسنے والے سوچلیں کہ اُن کے جھانسے میں آکر کبھی چین کا دورہ کرتے ہیں کبھی لندن کا۔ لیکن خود اپنی حالت یہ ہے کہ میاں تبلیغی دورے پر تو بیوی سینما میں۔

"لا ارینک ھٰھنا" (میں تجھے پھر یہاں نہیں دیکھوں گا) اگرچہ بظاہر یہ اپنے آپ کو مخاطب کے نہ دیکھنے کی بات کر رہا ہے لیکن درحقیقت وُہ مخاطب کو روک رہا ہے کہ وُہ یہاں پر نہ آئے۔ اس آیت میں بھی اگرچہ بظاہر کفار کے لیے حکم ہے کہ وہ تمہارے متعلق سختی کریں لیکن درحقیقت اہلِ ایمان کو حکم ہے کہ وہ کفار پر سختی اور شدت کریں۔ کلام میں صراحت کی بجائے کنایہ سے کام لیا گیا ہے یعنی لازم بول کر ملزوم مراد لیا گیا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

ہر پیغمبر سخت رو بد در جہاں
یکسو راہ گفت بر جیش شہاں
رو نگردانید از ترس و غمی
یک تنہ تنہا بزد بر عالمے
گوسفنداں گر برونست از حساب
اینہشاں کے برسد اں قصاب

سکندر سے کہا گیا کہ دارا کے کروڑوں جنگی سپاہی ہیں۔

حکایتِ سکندر سکندر نے کہا: کیا ہوا، قصاب بکریوں کی کثرت سے نہیں گھبراتا۔

حکمت اہلِ عرب فرماتے ہیں کہ شجاعت انسان کی ڈھال ہے اور بزدلی انسان کی قاتل ہے۔ بہادروں کی تعداد تھوڑی ہوتی ہے۔ دشمن کو پیچھے سے مارنے والے بہت ہوتے ہیں لیکن بالمقابل لڑ کر قتل کرنے والے بہت تھوڑے۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

آنکہ جنگ آرد بخون خویش بازی کند
روز میداں وانکہ بگریزد بخون لشکری

کسی نے کیا خوب فرمایا: ؎

زہرۂ مرداں نداری چوں زناں در خانہ باش
ور بمیداں میروی از تیر باراں بسر مگرد

حکمت بادشاہ، وزراء اور دیگر اراکینِ دولت لشکر میں بمنزلہ دل کے ہوتے ہیں اور لشکر بمنزلہ دیگر اعضاء کے۔ پھر جیسے دل کی کیفیت ہے کہ وہ درست تو سارا جسم درست۔ اسی طرح امیرِ لشکر اگر ثابت قدم رہے اور دلیری و شجاعت دکھائے تو سارا لشکر دلیر ہوگا۔

نکتہ : بہرام نے کہا :

جو سر پہ تاج رکھنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ اپنا دل ہتھیلی پہ رکھے اور جو بادشاہ اپنا قدم گھر سے باہر نہیں رکھنا چاہتا تو سمجھے کہ چند روز کے بعد نہ شاہی رہے گی نہ مال و دولت بلکہ سر بھی نہیں رہے گا ۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ○ اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ متقیوں کے ساتھ ہے ۔ یعنی متقی کی نگرانی و اعانت فرماتا ہے ۔

ف : معیتِ الٰہی سے ولایت دائمہ مراد ہے ۔

سوال : اللہ تعالیٰ تو ہر ایک کے ساتھ ہے پھر متقین کی تخصیص کیوں ؟

جواب : چونکہ جنگ میں وہ جان ہتھیلی پہ رکھتے ہیں اسی لیے انھیں خصوصی معیت کی خوشخبری سنائی گئی ۔

سوال : قاعدہ نحویہ کے مطابق یہاں ضمیر ھم لانا مناسب تھا یعنی کہا جاتا " ان اللّٰہ معھم " اسم ظاہر یعنی " مع المتقین " کیوں کہا گیا ؟

جواب : اسم ظاہر یعنی متقین لانے میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معیت کی علت تقویٰ ہے ۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے متقیوں کو اپنی معیت سے اُن کے تقویٰ و توحید و ایمان و اسلام و طاعت کی وجہ سے اور ان کے شرک کفر و نفاق و عصیان بمطابق حکم شرع بچنے سے نوازا یا یوں کہو کہ اللہ تعالیٰ میں محویت پا کر ما سوی اللہ سے بحکم حقیقت فارغ ہو جاتے ہیں ۔ یہ معیت نہ کفار کو نصیب ہوئی نہ منافقین کو اور گنہگاروں کو بھی ، کبھی غلبہ حاصل ہوتا ہے تو بطور استدراج کے ، اور اللہ تعالیٰ کی مدد اس لیے نصیب ہوتی ہے تاکہ معلوم ہو کہ جس قدر کفار پر غلبہ پاتے ہو اسی قدر تمہاری روحانیت میں رونق اور جلاء ہوتی ہے ۔ اس بناء پر اہلِ ایمان تمہارے قدموں میں گرتے ہیں ۔

حضرت الشیخ الاکبر قدس سرہٗ الاطہر اپنی کتاب مواقع النجوم میں لکھتے ہیں کہ :

اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے کہ کسی بندے کو مقامات بلند پر فائز المرام فرمائے تو اس کے مقابلے کے لیے ان دشمنوں کو کھڑا کر دیتا ہے جو بندے کو رشتہ میں قریب تر ہوتے ہیں تاکہ اس مقرب بندے کو جہاد کے فضائل مدِّ نظر رہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے جنگ کرے لیکن پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں سے ، پھر غیروں سے ، کما قال :

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ الخ

صوفی صافی اور اسی طرح ہر بلند قدر انسان کو اس آیت سے حظِ وافر نصیب ہوتا ہے کہ وہ اس آیت سے نفسِ امارہ کی جنگ کا سبق سیکھتے ہیں جبکہ انھیں نفسِ امارہ طرح طرح کے مکر و فریب میں مبتلا کرنا چاہتا ہے بلکہ اسے ہر واجب و مندوب سے ادائیگی سے باز رکھنے کی جدّ و جہد کرتا ہے اس لیے کہ اسے پیدا ہی اسی لیے کیا گیا ہے

اور ہے بھی تمام اعداء وکفار سے انسان کو قریب تر۔ جب کوئی بندۂ خدا اس کے ساتھ جہاد کرکے اسے قتل کر دیتا ہے یا کم از کم اسے قید کر لیتا ہے تو پھر اس کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ غیروں کی طرف توجہ دے لیکن اسی قدر جتنا اُس کا مقام و مرتبہ ہوتا ہے۔

یاد رہے کہ نفس تمام دشمنوں سے بدترین اور سخت ترین دشمن ہے۔ اسی لیے اس کے ساتھ جہاد کا نام جہادِ اکبر ہے اور نفس سے جہاد کا معنیٰ یہی ہے کہ اس کی خواہشات کی مخالفت کی جائے اور اس کی گندی عادات کو مٹا کر اسے طاعتِ الٰہی کا خوگر بنایا جائے۔ ؎

اے شہاں کشتیم ما خصم بروں
ماند از و خصم بتر در اندروں

قد رجعنا من الجہاد الاصغریم
ایں زماں اندر جہاد اکبریم

سہل شیر آں در کہ صفہا بشکند
شیر آنرا دانکہ خود را بشکند

قاعدہ صوفیانہ

نفسِ امّارہ کے پاس دو ہتھیار بہت زبردست ہیں:

۱۔ شہوتِ فرج
۲۔ شہوتِ شکم

یہ ایسی دو تلواریں ہیں کہ بڑے بڑے مضبوط لوگوں کی گردنیں کاٹ کر رکھ دیتی ہیں۔ یاد رہے کہ شہوتِ شکم شہوتِ فرج سے زیادہ قوی اور سخت ہے اس لیے کہ فرج کی شہوت شکم کی شہوت سے پرورش پاتی ہے۔

؎

زاں نداری میوہ مانند بید
کآب رو بروی پے نان سپید

نکتہ: پیٹ کو اگرچہ حلال لقموں سے بھرا جائے تب بھی شرارت سے باز نہیں رہتا۔ پھر اس بدبخت کی کیا حالت ہوگی جو حرام کے لقموں سے شکم پروری کرتا ہے۔

نسخۂ روحانی: جو پیٹ بھر کر طعام کھاتا ہے وہ راہِ حق اور طریقت سے بھٹک جاتا ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام کی تقریر

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے خدّام سے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ اے میرے ماننے والو! اپنے پیٹوں کو طعام سے خالی اور اپنے

جگروں کو پانی سے پیاسا رکھو۔ پھر تمہارے دل اللہ تعالیٰ کے دیدار کے قابل ہوں گے اور اس کے انوار وتجلیات سے نوازے جاؤ گے۔

ف: یہی خرابیاں زیادہ بولنے سے بھی پیدا ہوتی ہیں۔ اسی طرح لوگوں کو ایذاء پہنچانے پر بھی رُوحانی نقصانات ہوتے ہیں۔

سبق: سالک کے لیے ضروری ہے کہ لوگوں کے ستانے پر عمل نہ کرے بلکہ دنیا میں کسی کے ایذاء دینے کا تصوّر بھی ذہن سے اتار دے اس لیے کہ سالک کے لیے دُکھ دینے والا اور احسان کرنے والا برابر ہوتے ہیں بلکہ اتنا ہوجائے کہ وہ بُرائی دینے والے کو بھی محسن سمجھے۔

ف: نیند زیادہ کرنے سے بھی وہی رُوحانی نقصانات ہوتے ہیں جو مذکور ہوئے۔

مخفی بھید اہلِ حقیقت فرماتے ہیں کہ جو چالیس راتیں خالص رضائے الٰہی کے لیے آنکھوں میں کاٹ دے یعنی نیند نہ کرے تو اُس کے لیے ملکوت سماوات کے پردے ہٹا دیے جاتے ہیں تو وہ ہر وقت ملکوت سماوات کا معاینہ کرتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب سے غفلت کے پردے ہٹا دے اور وہی سب کی دُعا قبول کرنے والا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَا مَآ یہ ما موصولہ جزا و شرط کو موکد کرنے کے لیے لایا گیا ہے اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ جب قرآن مجید کی کوئی سُورت اتاری جاتی ہے۔

ف: قرآن پاک کی ایک سو چودہ سُورتیں ہیں اس پر تمام اُمت کا اجماع ہے۔

ف: سُورۃ کلامِ الٰہی کے ایک حصّہ کو کہتے ہیں۔

فَمِنْهُمْ پس بعض اُن منافقین سے وہ ہیں مَنْ یَّقُوْلُ جو اپنے ایماندار بھائیوں سے بطور انکار واستہزاء کہتے ہیں اَیُّكُمْ یہ مُبتدا ہے اس کا مابعد اس کی خبر ہے زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِس سُورت میں کون سی سورت تمہارا ایمان بڑھاتی ہے۔ اِیْمَانًا ج یہ زادتہ کا مفعول بہ ہے۔

سوال: جب منافقین کے عقیدہ پر اہلِ ایمان میں ایمان ہی نہیں تھا تو پھر ایمان بڑھانے کا کیا معنٰی!

جواب: منافقین نے اہلِ ایمان کے عقیدہ کو سامنے رکھ کر ایسے کہا۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ استہزاء و انکار منافقت کی علامت ہے۔

ف: منافقین کے سوال کا جواب اور ان کے استہزاء و انکار کا جواب آنے والی آیات سے دیا کہ جو سمجھتا ہے کہ اس کا ایمان وحی کے ذریعے اور اس پر عمل کرنے سے بڑھتا ہے تو وہ پکّا مومن ہے کما قال:

فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بہرحال وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے ہُوئے جملہ احکام پر ایمان لاتے ہیں فَزَادَتْهُمْ اِیْمَانًا تو آیاتِ قرآنیہ اور سورہ فرقانیہ اس کے ایمان میں اضافہ کرتی ہیں۔ یعنی متعلق کی بنا پر، لیکن

ایمان کا متعلق سے اضافہ پذیر ہونا زمانۂ نبوی سے مخصوص ہے۔ حضور تاجدارِ رسل صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ایمان نہ بڑھتا ہے نہ گھٹتا ہے ہاں اس کے درجات مختلف ہیں ان میں کمی بیشی ہوا کرتی ہے جیسے ایک شخص ایمان کی تفصیل سے واقف ہے دوسرا صرف اجمال کو جانتا ہے تو تفصیل والے کے درجات اجمال والے سے بہت بلند ہیں۔ اس کی مثال ایسے ہے کہ ایک شخص شئے کو دُور سے دیکھتا ہے دُوسرا اس شئے کو قریب ہو کر، تو جو قریب سے دیکھے گا وہ بہ نسبت دُور سے دیکھنے والے کے اس شئے سے زیادہ واقفیت رکھنے والا سمجھا جائے گا۔

مسئلہ: ایمان تصدیق قلبی کو کہا جاتا ہے اور احسان (تصوّف) کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالےٰ کی عبادت کرتے وقت یُوں سمجھے گویا وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے اگر اتنی رسائی نہ ہو تو کم از کم یُوں تصور رکھے کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔

یاد رہے کہ حقیقتِ احسان وہ مرتبہ ہے جسے "کُنْتُ سَمْعِہٖ وبصرہ الذی" یعنی قرب نوافل کے باب میں بیان کیا گیا ہے۔ اس سے اُونچا مرتبہ فرائض کے قُرب کا ہے جسے "سمع اللہ لمن حمدہ" میں بیان کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر ایک شخص کعبہ معظمہ کو دُور سے دیکھتا ہے تو اس کو کعبہ معظمہ کے وجود کا یقین ہو جاتا ہے لیکن جونہی قریب ہو کر دیکھتا ہے تو اس کا یقین اور بڑھ جاتا ہے۔ پھر جب اُس کے اندر داخل ہوتا ہے تو یقین میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے لیکن اصل اعتقاد میں نہ کمی ہُوئی نہ بیشی، البتہ اعتقاد کے درجات میں اضافہ و کمی ضرور ہے۔

وَهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ○ اور وہ قرآنی سورتوں کے نزول اور ان کے احکام اور ان کے دینی و دنیوی منافع سُن کر خوش ہوتے ہیں۔ **وَ اَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ** بہر حال جن لوگوں کے دل میں کفر اور بُرے عقائد کا مرض ہے۔

نکتہ: حدادی نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے منافقت کو دل کا مرض اس لیے بتایا کہ منافقت ایک حیرت کا نام ہے اور وہ قلب کو لاحق ہوتی ہے جیسے بدن کے درد کو بدن کی بیماری کہا جاتا ہے۔ صاحبِ رُوح البیان فرماتے ہیں کہ دل کی بیماری ہو یا جسم کی، دونوں ہلاکت و تباہی کا موجب بنتی ہیں۔ ظاہری بیماری اس لیے کہ اس کا انجام موت ہے اور باطنی مرض کا انجام رُوح کی ہلاکت کا دُوسرا نام ہے۔ ہر دو بیماریوں کا علاج ان کی مناسبت پر کیا جائے۔

فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ پس وہ سُورتیں پلیدی کو ان کی پلیدی میں ملاتی ہیں۔ یعنی اُن کے کفر میں اضافہ ہوتا ہے اور اُن کے عقاید باطلہ اور اخلاقِ مذمومہ زیادہ خراب ہوتے ہیں۔

فرق ما بین نجس و رجس نجس و رجس میں فرق یہ ہے کہ رجس اکثر عقلی غلاظتوں کے لیے مستعمل ہے اور نجس طبعی غلاظتوں کے لیے۔ یعنی جس غلاظت سے عقل کو نفرت ہو وہ رجس ہے اور جس سے طبع کو نفرت ہو وہ نجس ہے۔

وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ○ اور وہ کافر ہو کر مرتے ہیں یعنی کفر ان میں ایسا مستحکم ہو جاتا ہے کہ پھر

اُسی پر اُن کی موت واقع ہوتی ہے۔

ف : اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں بتایا ہے کہ آسمان سے سورتوں کے نزول سے اہلِ ایمان کو دو فائدے ہوتے ہیں اور اہلِ کفر کو دو نقصان۔

اہلِ ایمان کے دو فائدے یہ ہیں :

۱۔ اضافۂ ایمان

۲۔ استبشار

اور اہلِ کفر ونفاق کے دو نقصان یہ ہیں :

۱۔ رجس

۲۔ موت علی الکفر

حدیث شریف اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی برکت سے قیامت میں ایک گروہ کی عزت افزائی اور اُن کے درجات بہت بلند فرمائے گا۔ یعنی جو لوگ اس پر ایمان لاتے اور اس پر عمل کرتے ہیں تو قیامت میں اُن کی شان دیدنی اور قابلِ رشک ہوگی۔ اور دُوسرے گروہ کی قرآن مجید کے انکار کی وجہ سے ذلت اور رسوائی ہوگی یہ وہ لوگ ہیں جو اس پر ایمان نہ لائے ہوں گے اور نہ ہی اس کی عظمت کا اقرار کیا ہوگا۔ ایسے لوگوں کو دنیا و آخرت[1] میں ذلیل وخوار رکھا جائے گا۔

اَوَ لَا يَرَوْنَ یہ ہمزہ انکار وتوبیخ کا ہے اور واؤ عاطفہ ہے۔ اس کا معطوف علیہ محذوف ومقدر ہے۔ دراصل عبارت یُوں ہے :

الا ینظر المنٰفقون ولا یرون۔

یعنی کیا منافقین دیکھتے نہیں۔

اَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِىْ كُلِّ عَامٍ بے شک وہ ہر سال آزمائے جاتے ہیں مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ایک یا دو بار۔

ف : یہاں پر گنتی مراد نہیں بلکہ کثرت مطلوب ہے کہ سال بھر میں مختلف بلیات وامراض اور شدائد میں مبتلا رہتے ہیں۔ ان صعوبتوں سے یہ مطلوب ہے کہ وہ گناہوں سے باز آجائیں اور منافقت ترک کرکے پکے سچے مسلمان ہوجائیں۔

---

[1] دنیا میں ایمان سے محروم رکھ کر اور آخرت میں سخت عذاب۔ ۱۲

ثُمَّ لَا يَتُوبُوْنَ اس کا عطف لَا یَرَوْنَ پر ہے اور یہ بھی انکار و توبیخ کے حکم میں داخل ہے یعنی کیا پھر وہ توبہ نہیں کرتے وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ○ اور نہ ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

خلاصہ: یہ کہ انھیں اپنا آزمایش میں پڑنا نظر نہیں آتا حالانکہ وہ بھی منجملہ اُن کی رہبری کا ایک سبب تھا، پھر وہ اپنی منافقت اور کفر اور جن غلط کاریوں میں مبتلا ہیں ان سے تائب ہو جائیں اور ان آزمائشوں کو دیکھ کر نصیحت حاصل کریں جو اُن کے تائب ہونے کا بہتر ذریعہ ہے لیکن قسمت نے یاوری نہ کی۔

تفسیر صوفیانہ "تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ایسی آزمائش زندہ دلی کا انتباہ تو بن سکتی ہے لیکن جس کا دل مردہ ہو اُسے یہ آزمایش کیا نصیحت دے گی۔ کفار کے دل چونکہ مُردہ تھے اسی لیے وہ محروم رہے اور جس کا دل مُردہ ہو وہ کبھی واصل باللہ نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس پر کسی ناصح کی نصیحت اثر انداز ہو سکتی ہے۔

چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى۔

اور فرمایا:

لِيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا۔

مثنوی شریف میں ہے:

ور نگوئی عیب خود باری خمش
از نمایش از دغل خود را مکش

گر تو نقدے یافتی مکشا دہاں
ہست در رہ سنگہائے امتحاں

گفت یزداں از ولادت تا بحین
یفتنون کل عام مرتین

امتحاں بر امتحانست اے پدر
ہیں بکمتر امتحاں خود را مخر

ماہیاں را بحر نگذارد برون
خاکیاں را بحر نگذارد درون

تفسیر عالمانہ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اور جب کوئی سورتِ قرآنی آسمان سے نازل کی جاتی ہے۔

ربط : اب اُن کا وہ حال بیان کیا گیا ہے جو محفلِ تبلیغ میں ہوتا ہے جیسے پہلی آیات میں ان کا مقولہ بیان کیا گیا جو محفل سے غائبانہ ہوتا تھا۔

نَظَرَ بَعۡضُهُمۡ اِلٰى بَعۡضٍ ؕ تو وہ ایک دُوسرے کو دیکھنے لگ جاتے ہیں۔

ف : یہاں پر نظر سے نظر مخصوص مراد ہے یعنی نزولِ سورۃ کے وقت انکار واستہزاد کا دیکھنا اور اس پر طعن و تشنیع کی سی صورت بنا کر ایک دُوسرے پر نظر ڈالنا۔ یعنی ایک دُوسرے کی طرف دیکھ کر انکار واستہزا کے طور غمزے واشارے کرتے ہیں۔

هَلۡ يَرٰىكُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ کیا تمھیں کوئی دیکھ تو نہیں رہا۔ یعنی منافقین استہزاد وانکار کرتے ہوئے آپس میں ایک دو سرے سے پُوچھتے کہ کیا مسلمانوں میں سے کوئی ہمیں دیکھ تو نہیں رہا تاکہ اُن کے دیکھنے سے پہلے ہی ہم مسجد و محفل سے باہر نکل جائیں اور انہیں کہہ سکیں کہ ہم سُورۃ کے نزول سے نہیں ہنستے اور نہ ہی ان کی تفضیحک (ٹھٹھہ مخول) کرتے ہیں۔ اسں کیفیت سے ان پر ہنسی مذاق کا غلبہ ہوجاتا ہے۔ ثُمَّ انۡصَرَفُوۡا پھر لوٹ جاتے ہیں۔ اس کا عطف نظر بعضھم الخ پر ہے۔

سوال : یہاں وجدان الفرصۃ اور وقوف عدم رویت احد من المسلمین کو تراخی کے قائم مقام تصوّر کر کے ثم لایا گیا ہے۔ یعنی سب کے سب وحی سے پلٹ جاتے ہیں تاکہ اُن کی ہنسی و مذاق سے رُسوائی نہ ہو۔

جواب : آیت کا معنٰے یہ ہے کہ ایک دُوسرے سے کہتے ہیں کہ تمہیں کوئی مسلمان دیکھ لیتا ہے جب تم مجلس سے اُٹھتے ہو۔ اُن کی عادت تھی کہ اگر کوئی مسلمان مجلس سے اُن کے اُٹھنے کو دیکھتا تو وہ مسجد سے اُٹھ جاتے اگر انھیں معلوم ہوتا کہ اُن کے اُٹھنے کا مسلمانوں کو علم ہوجاتا ہے تو حضور علیہ السّلام کی فراغت از خطبہ تک بیٹھے رہتے۔ فراغت کے بعد اُٹھ کر چلے جاتے۔

صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوۡبَهُمۡ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل پلٹ دیئے یعنی ان کا مجلس سے نکلنا ان پر نحوست کا موجب بنا کہ اللہ تعالےٰ نے ان کے دلوں کو ایمان سے ہٹا دیا۔

ف : یہ جملہ دعائیہ ہے۔

بِاَنَّهُمۡ یہ باء سببیہ ہے یعنی بہ سبب اس کے کہ بے شک وہ منافق قَوۡمٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ ۝ ایسے لوگ ہیں کہ انھیں کوئی سمجھ نہیں یعنی نہ انھیں کوئی فہم ہے نہ تدبر۔

تفسیر صُوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ انھیں قلب کی فقاہت نصیب نہیں۔ جیسے جہل ایک اندھیرا ہے جو مُردہ قلب پر چھاجاتا ہے اُن منافقین کی بھی یہی کیفیت ہے کہ اُن کے قلوب پر ظلمت چھائی ہوئی ہے۔ اے اللہ! ہمیں تدبر کرنے والوں، نصیحت کرنے والوں، نصیحت حاصل کرنے والوں اور عبرت پکڑنے والوں سے بنا۔ اصحاب القلوب یعنی اولیاءُ اللہ فرماتے ہیں کہ انسان تین قسم کے ہوتے ہیں:

—— ایک قسم یہ ہے کہ وہ جانوروں کی طرح ہوتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا: لهم قلوبٌ لا يفقهون بها۔

_____ دُوسری قسم وُہ ہے جن کے جسم تو انسانی ہوتے ہیں لیکن اُن کے ارواح شیطانی۔
_____ تیسری قسم وُہ ہے جو اللہ تعالےٰ کے سایہ میں ہوں گے۔ اُس دن سوائے اللہ تعالےٰ کی رحمت کے سایہ کے اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔

ف : حضرت ابوبکر وراق رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا : قلب کو چھ چیزیں لاحق ہوتی ہیں :

① حیات
② موت
③ تندرستی
④ بیماری
⑤ بیداری
⑥ خواب

۱- اس کی حیات کا نام ہدٰی ہے۔
۲- اس کی موت گمراہی ہے۔
۳- اس کی تندرستی صفائی سے ہوتی ہے۔
۴- اس کی بیماری دُنیوی تعلقات سے اُٹھتی ہے۔
۵- اس کی بیداری ذِکرِ الٰہی سے ہوتی ہے۔
۶- اس کی نیند غفلت ہے۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

ہر صباحے چوں سلیماں آمدے
خاضع اندر مسجدِ اقصےٰ شدے

نو گیاہے رستہ دیدے اندرو
پس بگفتے نام و نفع خود بگو

تو چہ داروئے وچہ نامت چیست
تو زیاں کہ و نفعت برکیست

پس بگفتے ہر گیاہے فعل و نام
کہ من آنرا جانم و ایں را حمام

پس سلیماں داند اندر گوشہ
نو گیاہے رستہ ہمچوں خوشہ
گفت نامت چیست برگوئے دہاں
نامِ من خرّوب اے شاہِ جہاں
گفت فعلت چیست و از تو چہ رود
گفت من رستم مکان ویراں شود
من کہ خرّوبم خراب منزلم
من خرابی مسجد آب و گلم
پس سلیماں آں زماں دانست زود
کہ اجل آمد سفر خواہد نمود
گفت تا من ہستم ایں مسجد یقین
در خلل ناید ز آفاتِ زمین
پس خرابی مسجد ما بیگماں
نبود الا بعد مرگ ما بداں
مسجد است آندل کہ جسمش ساجد است
یار بدہر جا مسجد است
یار بد چوں است در تو مہر او
ہیں ازو بگریز و کم کُن گفتگو
برکن از بیخش کہ گر سر برزند
مر ترا و مسجدت را برکند

خلاصۂ ترجمہ: حضرت سلیمان روزانہ نماز ادا کرنے کے لیے مسجد میں تشریف لے جاتے تو نیا گھاس اُگا ہوا دیکھتے تو اُس سے اس کا نام اور اس کے نفع و نقصان کی کیفیت پُوچھتے تو وہ بھی زبانِ حال سے سب کچھ بتا دیتا۔ چنانچہ ایک دن ایک نیا گھاس دیکھ کر اس سے حسبِ دستور وہی سوال کیا، تو اُس نے کہا میرا نام خرّوب ہے میں جہاں اُگتا ہوں اس جگہ کو ویران کر کے چھوڑتا ہوں۔ اس سے آپ سمجھ گئے کہ میری موت کا وقت آ گیا ہے۔ آپ نے فرمایا مسجد کی آبادی ہمارے دم قدم سے ہے

ہم چلے گئے تو مسجد ویران ہو جائے گی۔ بس یہی قرینہ ہمارے سفرِ آخرت کا ہے۔ اس کے بعد
مولانا رُوم قدس سرہٗ نے نصیحت فرمائی ہے کہ یارِ بد سے انسان کو دُور رہنا لازم ہے وغیرہ وغیرہ

لَقَدْ جَآءَكُمْ بے شک یہ خطاب جمیع عرب وعجم کو ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوگا اے تمام لوگو! تمہارے ہاں تشریف لائے رَسُوْلٌ
ایسے رسول (علیہ السلام) جو بڑی شان والے ہیں۔ رسول شریعت میں ہر اس انسان کو کہا جاتا ہے جسے تبلیغِ احکام
کے لیے اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی طرف بھیجے مِّنْ اَنْفُسِكُمْ تمہارے نفسوں سے۔ یعنی وہ تمہاری جنس سے ہیں (یعنی
بظاہر) تمہاری طرح آدمی ہیں یعنی نہ وہ ملائکہ سے ہیں اور نہ کسی اور جنس سے۔ یہ اس لیے کہ اگر وہ تمہاری غیر جنس سے ہوتے
تو تم ان سے نفرت کر کے اُن کی اتباع سے محروم ہو جاتے اور کہتے کہ ہم اُن کی متابعت کیسے کریں جبکہ وہ ہماری جنس سے نہیں۔
اس تقریر کی تائید قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ سے بھی ہوتی ہے اور دُوسرے مقام پر اسی طرح فرمایا کہ:

لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم۔

لفظ مومن عام ہے گویا ہر اہلِ ایمان کو مژدہ سُنایا گیا کہ اے مومنو! تمہارے نبی علیہ السلام بظاہر تمہاری جنس سے ہیں
اس لیے کہ اگر وہ فرشتوں یا جنات سے ہوتے تو بوجہ عدم مجانست یا بوجہ غیر مدرک ہونے کے تم ان سے استفادہ
نہ کر سکتے۔ اس لیے ہم نے ایسی ذات تمہارے لیے رسول بنا کر بھیجی جس میں دو جہتیں ہیں:

۱۔ جہت تجرد رکھتے ہیں کہ جانبِ قدس سے استفاضہ کریں۔

۲۔ جہت تعلق رکھتے ہیں تاکہ خلقِ خدا کو فیض پہنچائیں۔

نکتہ: اس جہت لطافت کی وجہ سے جنات بھی رسول علیہ السلام سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسولِ اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں انسانوں کی طرح دعوت حق پیش کی۔ اگرچہ ان کے اجسام لطیفہ ہیں لیکن رسول علیہ السلام
اُن سے بھی لطیف تر تھے۔ ؎

مشعلہ افروز شب خاکیاں
شمع سراپردۂ افلاکیاں

ف: ممکن ہے کہ یہ خطاب صرف اہلِ عرب کو ہو۔ اب ترجمہ یوں ہُوا کہ اے عرب والو! بخدا ہم نے تمہارے ہاں تمہاری
ہی زبان والا رسولِ عربی بھیجا (علیہ السلام)۔ جو تمہاری بولی بولتا ہے۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ ہم زبان سے انس ہوتا ہے
اور اس سے نفرت نہیں ہوتی۔ اس کی دلیل دل پر گہرا اثر چھوڑتی ہے اور زبان فہمی سے رہبری زُود تر نصیب
ہوتی ہے۔

حکایت

منقول ہے کہ چار ہمسفر عجمی، عربی، ترکی، رومی کہیں جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک درہم ملا۔ اس
میں چاروں مختلف ہو گئے۔ جو کچھ بولتے کسی کو بھی آپس کی مراد سمجھ نہ آتی۔ انہیں ایک دُوسرا ایسا

آدمی ملا جو ہر چہار لغات سے واقف تھا۔ ان کا جھگڑا سُن کر عربی سے پوچھا!

ایش تزید۔

پھر عجمی سے سوالاً کہا!

چہ میخواہی!

اسی طرح ترکی و رُومی سے بھی پُوچھا؛

تم کیا چاہتے ہو!

سب کا مطلب یہ تھا کہ اس درہم سے انگور خریدنا چاہیے۔ لیکن چونکہ ایک دوسرے کی زبان سے ناواقف تھے اس لیے جھگڑا برپا کر دیا۔ اس اجنبی نے ان سے درہم لے کر انگور خریدا اور سب میں تقسیم کر دیا جس سے تمام خوش ہو گئے۔ اور آپس میں راضی خوشی ہو گئے۔

مِنْ اَنْفُسِكُمْ کو ایک قرأۃ میں بفتح فا بھی پڑھا گیا ہے یعنی تمہارے ہاں نہایت برگزیدہ اور افضل ترین رسول (علیہ السلام) تشریف لائے ہیں۔ یہ نفاست سے مشتق ہے بمعنے عزیز شدن۔ اور کہا جاتا ہے شَیْءٌ نَفِیْسٌ یعنی عظیم الشان چیز۔

حضور اکرم سرورِ دوجہان صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب نامہ

سیدنا و سیدالانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قُصَی بن کلاب۔

ف: کلاب میں آپ کی والدہ ماجدہ کا نسب نامہ ایک ہو جاتا ہے۔ مثلاً:

آمنہ بنت وہب بن زہرہ بن کلاب۔

ف: خصائل حمیدہ کی وجہ سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تک بنو ہاشم افضل القبائل مانا گیا ہے۔

ف: کلاب کے آگے نسب یُوں ہے:

کلاب بن مُرہ بن کعب بن لوئی بن غالب۔

قومِ قریش کی تحقیق

تمام نسب دانوں کا اتفاق ہے کہ قومِ قریش فہر سے چلی اور قومِ قریش کے مورثِ اعلیٰ یہی حضرت فہر ہیں۔

ف: فہر کو قریش اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ محتاجوں، غریبوں اور مسکینوں کی دستگیری فرماتے اس لیے کہ قرش بمعنی تفتیش احوال الغرباء والمساکین ہے۔ پھر آپ کی اولاد کی عادت بن گئی کہ موسمِ حج میں حُجّاج کی امداد و اعانت فرماتے اور انھیں طعام کھلاتے۔ اُن کی ہر طرح کی خدمت کو اپنے لیے سعادت اور فخر سمجھتے۔ بنا بریں حضرت فہر کی تمام اولاد کا

قریش لقب پڑگیا۔

ف : لفظ الرفادہ قریش کی صفت میں واقع ہوا ہے بمعنے اطعام الحجاج ایام الموسم حتّٰی یتفرقوا۔[لے] اس کہ قریش قوم کی عادت بن گئی کہ حجاج کا سال بھر تک انتظار کرتے اور اُن کی اپنی کمائی سے کچھ مال علیحدہ رکھتے تھے۔ جتنا جمع ہوتا حضرت قصیّ کے سپرد کر دیتے۔ وہ اس سے دیگیں پکا کر حج کے موقع پر حاجیوں میں لنگر عام کھلاتے۔ لیکن ان لوگوں کے لیے جن کے پاس موسم حج میں زادِ راہ کی کمی ہوتی۔ ان کے بعد اس لنگر کا متولی ان کا صاحبزادہ حضرت عبدمناف اُن کے بعد حضرت ہاشم، اُن کے بعد حضرت عبدالمطلب، اُن کے بعد ابُوطالب اس کے منتظم مقرر ہوئے۔ بعض نے کہا کہ یہ کام ابوطالب کے بجائے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے سپرد تھا۔ یہ کام حضور علیہ السلام کے زمانۂ اقدس میں آپ کے ذمہ کرم تھا۔ پھر آپ کے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے سنبھالا یہاں تک کہ خلافت کے امور بغداد کو منتقل ہوگئے۔ پھر مصر کی طرف۔

قومِ قریش کے فضائل

حدیث شریف ۱ : حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ :

حب قریش ایمان و بغضهم کفر۔

قریش کی محبت ایمان اور ان کا بغض کفر ہے۔

حدیث شریف ۲ : قریش میں ایک عالمِ دین پیدا ہوگا جو روئے زمین کو اپنے علم سے بھر دے گا۔

ف : امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : اس سے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالےٰ مراد ہیں۔ اس لیے کہ قریشی علماء سے صرف یہی ایک شخصیت ہے جس نے رُوئے زمین کو اپنے علم سے بہرہ ور فرمایا۔ اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالےٰ کا نسب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب کے ساتھ حضرت عبدمناف میں جا کر ملتا ہے۔ حضرت عبدمناف حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالےٰ کے نویں جدِ امجد ہیں۔

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل ومناقب

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : میں تم میں نسب وحسب اور سسرالی رشتہ داری کے لحاظ سے نفیس ترین ہُوں۔ آدم علیہ السلام سے لے کر ہمارے اَبِ مکرم تک کوئی بھی زنا کار نہیں۔ سب کا سلسلۂ ازدواج شرعی نکاح سے ہوتا رہا۔

نکتہ : کوئی ولی بھی ولد الحرام والزنا نہیں اور نبی علیہ السلام کی شان تو بہت بلند ہوتی ہے۔ پھر نبی الانبیاءُ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کیا کہنا۔

مسئلہ : آیت میں اشارہ ہے کہ اصل تخلیق میں آپ کا جوہر اطہر نفیس ترین ہے اس لیے کہ آپ وُہ جوہر ہیں جسے اللہ تعالےٰ نے تمام مخلوق سے پہلے پیدا فرمایا[لے]

[لے] (درصفحہ ۱۴۸)

حضرت جبریل علیہ السّلام کی عمر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا؛

یاجبریل! کم عمرك من السنین؟

اے جبریل (علیہ السلام)! تمہاری عمر کتنی ہے؛

عرض کی؛ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے کوئی علم نہیں صرف اتنا جانتا ہوں کہ چوتھے حجاب میں ایک ستارہ ستر ہزار برس میں صرف ایک بار طلوع ہوتا اور اسے میں نے بہتر ہزار مرتبہ دیکھا۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا؛

یاجبریل وعزۃ ربی انا ذلك الکوکب۔

اے جبریل علیہ السلام! مجھے رب العزۃ کی قسم وہ ستارہ میں ہی تھا۔ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم)

نورِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کی سیر کا بیان جب اللہ تعالےٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ مبارک کو اُن کی پشت مبارک میں ودیعت رکھا۔ آپ کا نورِ اقدس چمکتا تھا۔ پھر ان سے اُن کے صاحبزادے حضرت شیث علیہ السلام کی طرف منتقل ہوا۔ حضرت شیث علیہ السلام آدم علیہ السلام کے وصی اور تیسرے صاحبزادے تھے۔ بی بی حوا علیٰ نبیّنا و علیہا السلام بیک وقت ایک لڑکا اور ایک لڑکی جنتی تھیں صرف شیث علیہ السلام اکیلے پیدا ہوئے صرف اسی نورِ مبارک کے اعزاز و تکریم کی وجہ سے۔ پھر اسی طرح شیث علیہ السلام سے عبدالمطلب تک منتقل ہوتے ہوتے پہنچا۔ اُن کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ کی پشت میں تشریف لایا اور ان سے بی بی آمنہ کے شکم مقدس میں منتقل ہوا۔

حضور علیہ السّلام کل کائنات کے لیے علّتِ غایہ ہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کل کائنات کے لیے علت غایہ ہیں۔ یعنی آپ اصلؐ ہیں باقی جملہ مخلوق آپ کے طفیل۔ اسی بناء پر آپ کا وجودِ مسعود اور عنصر مبارک تمام موجوداتِ کونیہ سے افضل و

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ و حاشیہ صفحہ ہٰذا)

[1] و [2] حضرت مولانا عالم پور کوٹلوی رحمہ اللہ تعالےٰ نے اسی طرف اشارہ فرماتے ہوئے لکھا: ؎

جوھر ارض وجود خلائق اصل اصول کمالی

امت خیر اُمم دا والی نام محمد عالی

اعلیٰ ہے اور آپ کی رُوحِ مقدسہ تمام ارواح سے اکمل و اشمل ہے۔ اسی بنا پر آپ کا قبیلہ شریف دیگر جملہ قبائل سے افضل اور آپ کی بولی مبارک تمام لغات کی سرتاج اور آپ کی کتاب تمام کتبِ الٰہیہ سے برگزیدہ، آپ کی آل واصحاب تمام انبیاء و اولیاء کی اولاد و اصحاب سے افضل و اشرف۔ آپ کی ولادت پاک کا زمانہ عالمِ دنیا کے تمام ازمنہ سے بہتر و برتر اور آپ کا روضہ مقدسہ تمام مقامات و مکانات سے بلند و بالاقدر۔ آپ کا وُہ پانی جو آپ کی انگلیوں سے نکلا تمام پانیوں سے علی الاطلاق افضل۔ اس کے بعد آبِ زمزم، اس لیے کہ شبِ معراج اس سے حضور علیہ السلام کا سینہ مبارک دھویا گیا۔ اگر اور کوئی پانی افضل ہوتا تو وہی لایا جاتا۔

ف: آیت لقد جاءکم رسولٌ الخ اللہ تعالیٰ کا ایک بہترین ہدیہ و تحفہ ہے جو اُس نے اپنے بندوں کو عنایت فرمایا، لیکن اس سے صرف کفار و منافقین نے انکار کیا۔

حضرت شیخ عطار قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

خورشن و خواجہ عرصات گفت

انما انا رحمۃ مھداۃ گفت

عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ آپ پر سخت گراں ہوتا ہے تمہارا مشقت میں پڑنا۔ العزیز بمعنے الغالب الشدید، اور ما مصدریہ ہے۔ العنت بمعنے ناگوار امر میں پڑنا۔ اور ظاہر ہے کہ امور میں گراں تر جہنم میں داخل ہونا ہے اور اس جملہ میں خبر مقدم اور مبتدا مؤخر ہے اور سالم جملہ رسول کی صفت ہے۔ اب آیت کا معنیٰ یُوں ہُوا کہ تمہارا ترکِ ایمان سے مشقت میں پڑنا حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سخت گراں ہوتا ہے اس لیے کہ وہ تمہارے بُرے انجام سے ہر وقت خائف رہتے ہیں اور تم پر عذاب کے وقوع سے گھبراہٹ میں رہتے ہیں۔ رسول علیہ السلام کے ہم جنس ہونے کا ایک نتیجہ یہ بھی ہے کہ انھیں اپنے ہمجنسوں کی خیر خواہی مطلوب ہے۔

ف: بعض قرّاء لفظ عزیز پر وقف کرتے ہیں۔ اسے بھی رسول کی صفت مانتے ہیں۔ ان کے ہاں علیہ ما عنتم کا معنےٰ یُوں ہے کہ جو کچھ تم سنگین کام کرتے ہو وہ اس رسول علیہ السلام کے ذمۂ کرم پر ہے کہ وہی قیامت میں تمہاری طرف سے معذرت کریں گے اور تمہارے لیے شفاعت پر کمربستہ ہوں گے۔ اسی معنے پر شیخ سعدی قدس سرہٗ کے اشعارِ ذیل کو محمول کیا ہے۔ ؎

نماند بعصیاں کسے در گرو

کہ دارد چنیں سیدے پیشرو

اگر دفترت از گنہ پاک نیست

چو او عذر خواہت بود باک نیست

حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ تمہارے ایمان اور تمہاری اصلاح احوال کے لیے حریص ہیں۔ یہ معنٰی ہم نے اس لیے کیا ہے کہ حضور علیہ السلام کو اپنی اُمت کی ذوات کی ضرورت نہیں بلکہ اُن کے ایمان اور اُن کی اصلاح کی خواہش ہے الحرص بمعنے شدۃ طلب الشئ مع اجتھاد فیہ۔ کسی شئے کی شدت طلب کے ساتھ ساتھ اس کے حصول کے لیے زیادہ جدوجہد کرنا۔ (کذا فی تفسیر الحدادی)

بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ○ بالمؤمنین یہ رءوف کے متعلق ہے۔ یعنی اہلِ ایمان کے لیے بہت زیادہ شفیق و رحیم ہیں۔ رءوف رحیم سے زیادہ بلیغ ہے اسی لیے اسے مقدم کیا گیا۔ رءوف، رافۃ سے مشتق ہے بمعنے شدۃ الرحمۃ۔

سوال: یہ مقام مدح ہے اور مدح کے مقام کا تقاضا یہ ہے کہ بلیغ کے بعد ابلغ ہو۔ یہاں ابلغ یعنی رؤف پہلے اور بلیغ یعنی رحیم بعد کو۔ یہ کیوں؟

جواب: تاکہ آیت کے فواصل میں فرق نہ آئے۔

سوال: بالمؤمنین اپنے متعلق رءوف سے مقدم کیوں کیا گیا؟

جواب: قاعدہ ہے کہ معمول کی تقدیم سے تخصیص پیدا ہو جاتی ہے یہاں چونکہ تخصیص مطلوب ہے اس لیے بالمؤمنین کو رءوف پر مقدم کیا گیا۔ یعنی ان کی رافت و رحمت صرف اہلِ ایمان سے مخصوص ہے آپ کفار کے لیے نہ رافت ہیں نہ رحمت (یہ خصوصی رحمت سے متعلق ہے)

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ بالمؤمنین رءوف رحیم، یعنی مومنین کے لیے۔ اس معنے پر رءوف رحیم ہیں کہ نہایت درجہ کی شفقت و رحمت کر کے ان کی دینی تربیت فرماتے ہیں۔

چنانچہ خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"دین متین ہے اسے نرمی اور رحمت کے ساتھ دُوسروں تک پہنچاؤ۔"

اور آپ کی عادتِ کریمہ تھی کہ اہلِ ایمان کی غلطیاں معاف فرما دیتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم فرمایا:

فاعف عنہم واصفح۔

ف: و بالمؤمنین رءوف رحیم ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اوصاف بتائے جو اس کے اپنے ہیں[1]۔ چنانچہ اپنے لیے فرمایا:

---

[1] اس میں وہابیوں دیوبندیوں کا رد بھی ہے کہ وہ جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کسی نبی یا ولی کے لیے بیان کی جائیں تو شرک لازم آتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتی ہیں اور انبیاء و اولیاء کے عطائی پھر شرک کیسا۔

اللہ بالناس لرؤف رحیم۔

اس میں ایک لطیف اشارہ ہے کہ حضور نبی علیہ السلام مخلوق ہیں اور ان کی رحمت بھی مخلوق، اس لیے وہ ایک مخصوص گروہ کے لیے رحمت ہوئے۔ اور اللہ تعالےٰ خالق اور اس کی رحمت بھی قدیم۔ اسی لیے وہ عام ہر ایک کے لیے ہے کہ قوتِ خالقیت کا یہی تقاضا ہے۔ چنانچہ خود باری تعالیٰ نے فرمایا:

انّ رحمتی وسعت کل شئ۔

یہی وجہ ہے کہ جسے خالقِ کائنات کی رحمت و رافت نصیب ہوتی ہے وہی اُس کے محبوبِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت و رافت کے لائق بنتا ہے ورنہ اسے محرومی ہی محرومی، اس لیے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت و رافت خالقِ کائنات کی رحمت و رافت کا عکس اور نتیجہ ہے۔ چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا:

فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم۔

عجائبات در آغاز تخلیق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

بعض حکماء کا بیان ہے کہ جب اللہ تعالےٰ نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوح پیدا فرمائی تو اُن کی رُوحانی صورت بعینہٖ اس دنیوی صورت کے مطابق تھی، جن کا سر مبارک برکت سے اور دونوں چشمان شریف حیاء سے اور دونوں کان مبارک عبرت سے اور زبان مبارک ذکر سے اور دونوں لب ہائے اطہر تسبیح سے اور چہرۂ اقدس رضاء سے اور سینہ مبارک اخلاص سے اور قلب پاک رحمت سے اور فواد شریف رافت سے اور دونوں ہتھیلیاں پاک سخاوت سے اور بال اطہر بہشت کی انگوری سے اور لعابِ دہن شریف بہشت کی شہد سے[1]۔ یہی وجہ تھی کہ آپ مدینہ منوّرہ کے کڑوے کنوئیں بئر رومہ میں لعابِ دہن میں ڈالتے تو وُہ میٹھا ہو جاتا۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کو انہی اکمل ترین صفات کے ساتھ اس اُمّت کی طرف مبعوث فرمایا۔

ابُوطالب کی موت کے بعد حضور علیہ السلام کے ساتھ کفّار کی ایذاؤں کا بیان

مروی ہے کہ ابُوطالب کی موت کے بعد ہمارے نبی پاک شہِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کو قریشِ مکّہ نے سخت سے سخت تکالیف پہنچائیں اسی لیے آپ

---

[1] اس سے وہابیوں دیوبندیوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے کہ وُہ اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو نفسِ بشریت میں اپنے جیسا سمجھتے ہیں حالانکہ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ نبی علیہ السلام بشر ہیں لیکن: ؎

حقیقت محمد دی پا کوئی نہیں سکدا
اِتھاں چُپ دی اے الا کوئی نہیں سکدا

محزون دمغموم ہو کر طائف میں تشریف لے گئے۔ آپ کو علاوہ دُوسرے لوگوں کے آپ کے قریبی رشتہ داروں بالخصوص ابُولہب آپ کے چچا اور اُس کی زوجہ اُم جمیل جس کا حمالۃ الحطب لقب ہے نے سخت ایذائیں دیں۔ کبھی گالی دیتے۔ طرح طرح کی ہجو بکتے۔ آپ کے ہر قول کی تکذیب کرتے اور کہتے تمہی ہو کہ ہمارے معبودوں سے رُخ موڑ کر ایک خدا کی پرستش کرنے کی دعوت دیتے ہو۔

سب سے پہلا عاشقِ نبی علیہ السلام

اس وقت آپ کا صرف ایک حامی کار اور ہمانی غمگسار تھا، جن کا نام نامی اسم گرامی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہے جو تمام کفار و مشرکین کو سمجھاتے کہ تم ایسی شخصیت سے لڑائی پہ تُلے ہُوئے ہو جو کہتی ہے:

ربّی اللّٰہ ۔ میرا رب تعالیٰ اللہ کریم ہے۔

چنانچہ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے حسبِ توفیق مدافعت کی ہر ممکن کوشش کی۔[1]

طائف کی طرف تشریف لے جانا

نبوت کے اظہار کے بعد دسویں سال شوال میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے طائف کو تشریف لے گئے۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ کے ساتھ آپ کا غلام حضرت زید بن حارثہ (رضی اللہ عنہ) بھی تھا۔ آپ ثقیف کے لوگوں کو دعوتِ اسلام دینے گئے اور آپ کو اُمید تھی کہ وُہ لوگ آپ کی دعوت جلد از قبول کر کے آپ کی بھرپُور امداد کریں گے۔ اس لیے اس قبیلہ میں آپ کے ننھیالی رشتہ دار رہتے تھے۔ جب آپ طائف میں تشریف لے گئے تو آپ نے اس کے سرداروں سے ملنا چاہا۔ طائف میں تین بھائی تمام قوم کے سردار تھے۔ آپ نے اُن سے گفتگو فرمائی۔ مگر انہوں نے بجائے قبول کرنے کے (ایک نے) کہا تم وُہی ہو جو کعبہ معظمہ کے غلاف چرا کر اپنی ضروریاتِ زندگی پُوری کرتے ہو دُوسرے نے کہا، خدا تعالیٰ کو تمہارے سوا اور کوئی نہیں ملا تھا جو اُسے اپنا رسول بنا کر بھیجتا۔ تیسرے نے کہا کہ میں تمہارے ساتھ نہیں بولوں گا، اس لیے کہ اگر واقعی تم اللہ تعالیٰ کے رسول ہو تو بھی تمہارا مرتبہ بہت بلند ہے اور میرے ہاں وُہ الفاظ کہاں کہ آپ کے ساتھ کلام کر سکوں۔ اور اگر آپ خدا تعالیٰ پر افتراء کرتے ہیں تو بھی آپ سے گفتگو کرنا نہایت ناموزوں ہے۔ (معاذ اللہ معاذ اللہ از ہر سہ اقوال الکفار)

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اُن سے مایوس ہو کر اُٹھ کھڑے ہُوئے لیکن انھیں کہا: بھائی میری یہ بات کسی کو نہ بتانا۔ آپ نے اس خیال سے یہ فرمایا کہ کہیں یہ میری مایوسی عام پھیلی تو پھر کوئی بھی میری بات نہیں مانے گا۔

---

[1] خلیفۂ بلافصل کے یہی اوصاف نمایاں ہیں کہ اپنے محبوب علیہ السلام پر ایسے آڑے وقت کام آئے اگرچہ اس وقت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی تھے لیکن بوجہ بچپن یا ویسے ہی خاموش تھے۔

لیکن انہوں نے بجائے نرمی برتنے کے آپ سے کہا کہ آپ ہمارے شہر سے ابھی ابھی نکل جائیں۔ آپ کو یہ کہہ کر بدمعاشوں سے کہا کہ اس جانے والے کو خوب گالیاں دو اور چھیڑو چلاؤ۔ چنانچہ اس واقعہ سے آپ کے گرد بہت سے لوگ جمع ہو گئے اور راستہ روک کر دو صفیں مقرر کر دیں۔ جونہی حضور علیہ السلام وہاں سے گزرے تو ان بدمعاشوں نے پتھر برسانے شروع کر دیے یہاں تک کہ حضور علیہ السلام کو ایسا زخمی کیا کہ آپ کے پاؤں مبارک سے خُون بہہ نکلا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر مبارک کو زخمی کر دیا۔ آپ ان ظالموں سے بڑی تکلیف سے جان چھڑا کر چلے۔ آپ کے پاؤں مبارک سے خُون بہہ رہا تھا۔ آپ ایک باغ میں تشریف لے گئے اور ایک انگور کے درخت کے نیچے بیٹھ کر دُعا مانگی: اے اللہ! تیرے سامنے اپنی ضُعفِ قوت اور قلتِ اسباب اور لوگوں کی نظروں میں اپنی کمزوری ظاہر کرتا ہُوں تُو ارحم الراحمین ہے اور کمزوروں کا رب تو ہے اور میرا بھی رب تو ہے مجھے جس کی طرف سپرد کر دے میں راضی ہُوں اگر تو راضی ہے اس کے بعد حضور علیہ السلام چل پڑے آپ مغموم و مہموم تھے۔ قرن الثالث یعنی اہلِ نجد یا اہلِ یمن کے میقات میں پہنچے جو مکہ معظمہ سے ایک دِن رات کی راہ کے فاصلے پر تھا۔

آپ کی طرف اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو بھیجا۔ اُن کے ساتھ پہاڑوں کا فرشتہ بھی تھا اور عرض کی اگر آپ چاہیں تو میں ثقیف کے لوگوں پر یہ پہاڑ گرا دُوں۔

حضور علیہ السلام نے جواباً فرمایا: میں اللہ تعالےٰ سے اُمید رکھتا ہُوں کہ ان لوگوں سے کلمہ گو عبادت گزار لوگ پیدا فرمائے اور وُہ توحید کو ماننے اور شرک سے بچنے والے ہوں۔ اس وقت پہاڑوں کے فرشتے نے اعتراف کیا کہ آپ کا نام اللہ تعالےٰ نے رؤف رحیم رکھا ہے واقعی آپ اسم بامسمّٰی ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

بندگانِ حق رحیم و بُردبار
خُوئے حق دارند در اصلاح کار
مہربان بے رشوتاں یاری گراں
در مقامِ سخت و در روزِ گراں!
اے سلیماں درمیان زاغ و باز
حلمِ حق شو با ہمہ مرغاں بساز
اے دو صد بلقیس حکمت را زبُوں
کہ اِھْدِ قومی انھم لا یعلمون

صد ہزاراں کیمیا حق آفرید
کیمیائے ہمچو صبر آدم ندید

ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ ہمیں اہلِ علم وعلم کی رفاقت نصیب فرمائے اور ہمیں بُرے اخلاق اور گندی عادات سے بچائے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ فَاِنْ تَوَلَّوْا اس میں حضور علیہ السلام کو تسلی دی جارہی ہے کہ اگر وہ آپ پر ایمان لانے سے گریز کرتے اور آپ کی نصیحت قبول نہیں کرتے اور نہ ہی آپ کی کوئی بات مانتے ہیں فَقُلْ حَسْبِیَ اللّٰہُ تو آپ فرمائیے مجھے میرا اللہ کریم کافی ہے۔ مجھے تمہاری تمام تکالیف سے وہی بچائے گا اور میری صرف وہی مدد کریگا۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ رسالت سے قُربِ الٰہی نصیب ہوتا تھا۔ اس سے آپ کی عنداللہ مقبولیت میں اضافہ ہوتا تھا۔ جونہی اللہ تعالیٰ کے پیغام پہنچائے اس سے آپ کے قُربِ الٰہی اور مقبولیت میں اضافے ہوئے۔ تبلیغ سے کفار استفادہ کریں یا نہ کریں۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ یہ جملہ مضمون سابق کے لیے بمنزلہ دلیل کے ہے۔

ف: صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُو، لا الٰہ الا اللہ کے حکم میں ہے۔ اس لیے کہ یہ ضمیر لفظ اللہ مذکور کی طرف راجع ہے۔

سوال: ھو ضمیر عام ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں شمار نہیں اور نہ شمار ہو سکتی ہے۔

جواب: ضمائر اسماء ہیں اور ھو ضمیر اللہ تعالیٰ کے اسماء سے ہے۔ چنانچہ صوفیا کرام رحمہ اللہ تعالیٰ ھو کا ذکر کرتے ہیں اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ منجملہ اسمائے الٰہیہ سے ہے۔

نکتہ: چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات محقق اور مخلوق کا وجود موہوم ہے۔ بنا بریں اس موہوم ضمیر سے موہوم والے محقق الوجود ذات کے لیے اشارہ کر سکتے ہیں علاوہ ازیں اس محقق الوجود ہونے کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کا کوئی مزاحم نہیں۔ بنا بریں اس ضمیر کا اشارہ اس کی طرف جائز ہے۔ نیز مبتدی صوفی اس ضمیر سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو اس کے لیے موزوں بھی ہے کہ وہ ابھی ابتدائے سلوک کی وجہ سے غیوبت کی حالت میں ہے پھر جونہی ترقی کرتا ہے تو ضمیر سے اللہ تعالیٰ کو نہ اسے اشارہ جائز ہوتا ہے نہ ذکر۔ ہاں ہویت مطلقہ کی طرف منتہی بھی ھو ضمیر سے اشارہ کر سکتا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے مراتبِ تحقیق کی طرف پہنچنے کی دُعا کرتے ہیں۔

عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ اسی پر میں نے بھروسہ کیا کہ اس کے سوا نہ مجھے کسی سے امید ہے اور نہ ہی مجھے اس کے سوا کسی سے ڈر ہے اور توکل بمعنے اعتماد القلب علی اللہ الخ اللہ تعالیٰ پر دل کے اعتماد اور سکون کا نام

توکل ہے ایسا اعتماد کہ اس سے تعلق کی وجہ سے ذرہ برابر بھی دل کو اضطراب نہ ہو۔ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۝ اور وہی بڑے عرش کا رب ہے عرش سے بہت بڑا مالک مراد ہے۔ یا وہی عرش مراد ہے جو دعاؤں کا قبلہ اور فرشتوں کا مرکز ہے جس کے ہزارہا ستون ہیں۔ اس میں اللہ تعالٰے نے اپنی قدرتِ کاملہ کا اظہار فرمایا کہ وہ بہت بڑے عرش کا مالک و محافظ ہے۔

عرش کی عظمت

مروی ہے کہ عرش معلیٰ کے ایک ہزار ستون ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کے تین ہزار پائے ہیں۔ ایک پایہ سے دوسرے پائے تک تین ہزار سال کی مسافت ہے۔ ہر ایک پایہ پر بے شمار صف بستہ اور گھیرا ڈالے ہوئے ملائکہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے اُن کی حفاظت فرماتا ہے۔ اس سے حضور علیہ السلام نے گویا فرمایا کہ میرا رب اتنی بڑی قدرت کا مالک ہے اگر چاہے تو میرے دشمنوں سے مجھے پناہ دے اس لیے کہ اپنے بندوں کا وہی حامی و ناصر اور وہی سب کو پناہ دینے والا ہے۔ ۔

ازو خواہ یاری کہ یاری دہ اوست
بدو التجا کن کہ اینہا ازوست
کسے را کہ او آرد در پناہ
چہ غم دارد از فتنہ کینہ خواہ

ف: حدادی صاحب نے فرمایا کہ رب العرش العظیم کا معنیٰ ہے کہ وہ اس بہت بڑے عرش کا خالق ہے جو تمام آسمانوں اور زمینوں سے بڑا ہے۔

سوال: صرف عرش کی کیا تخصیص ہے وُہ تو ہر شئے کا خالق اور رب ہے۔

جواب۱: جب کسی کو یہ یقین ہوجائے کہ وُہ اتنے بڑے عرش کا خالق اور رب ہے تو اسے دُوسری اشیاء کے ماننے کے لیے تامل نہ ہوگا اسی لیے اس کی تخصیص کی گئی۔

جواب۲: اس سے عرشِ معلیٰ کی تعظیم و تکریم کا اظہار مطلوب ہے۔

ف: عناصر و افلاک کی ترتیب یُوں ہے: زمین اس کے اُوپر پانی پھر ہوا پھر آگ اس کے بعد فلک القمر پھر فلک عطارد پھر فلک زہرہ پھر فلک شمس پھر فلک مشتری پھر فلک زحل پھر فلک ثوابت پھر فلک الافلاک ہے جسے فلکِ اعظم کہتے ہیں۔ وہی فلکیات و عناصر کو محیط ہے اس کے بعد خلا و ملا کے سوا اور کچھ نہیں۔

ف: ہر محیط اپنے محاط کو مس کرتا ہے یعنی جو محاط جس محیط کو قریب ہوگا[1] وہ اسے مس کرے گا۔ جس طرح ترتیب

---

[1] ملتفاً یا متواز اً بذریعہ کشش وغیرہ۔

مذکور ہوئی اسی طرح ان کے مس کرنے کی ترتیب ہے اس لیے اُن کے مابین خلاء کا ہونا محال ہے۔[1]

ف : ان اجرام عناصر وفلکیات کے مجموعے کا نام عالم ہے۔

عرش است کمیں پایۂ ز ایوانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بعض محققین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عرش معلیٰ کو صرف اپنے محبوب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و شرافت کے اظہار کے لیے پیدا فرمایا اس لیے کہ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں فرمایا :

عسٰی ان یبعثک ربک مقاماً محموداً۔

اور مقام محمود عرشِ معلیٰ کے نیچے ایک اعلیٰ مقام کا نام ہے۔ دُوسرا یہ کہ عرش کتاب الابرار کا معدن و مخزن ہے کما قال :

ان کتاب الابرار لفی علیین۔

علاوہ ازیں عرش معلےٰ فرشتوں کا آئینہ ہے کہ اس سے وہ تمام انسانوں کو دیکھ رہے ہیں تاکہ وہ قیامت میں اُن کے متعلق گواہی دے سکیں۔

ف : عالم مثال وتمثال عرش میں ہے جیسے عالم اطلس کرسی میں ہے۔

عرشِ اعظم حضرت انسان ہے صاحب رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : میرے شیخ قدس سرہٗ نے اپنے رسالہ ''عرفانیہ'' میں لکھا ہے جسے آپ نے ۱۰۸۲ھ میں تحریر فرمایا کہ عرش عظیم انسان کبیر اور عرش کریم انسان صغیر ہے۔ عرشِ عظیم اور انسانِ کبیر کا ظاہر متبدل ومتغیر ہوتا رہتا ہے لیکن اس کا باطن دائماً ایک حالت پہ ہوتا ہے۔ عرش کریم اور انسانِ صغیر کا باطن متغیر ومتبدل ہوتا ہے لیکن اس کا ظاہر ایک حال پہ رہتا ہے۔

صاحبِ روح البیان کی تحقیق صاحبِ رُوح البیان اپنے شیخ قدس سرہٗ کے مذکورہ بالا بیان کی تشریح کرتے ہُوئے لکھتے ہیں کہ میرے شیخ رضی اللہ تعالیٰ کے کلام مذکور کا مطلب یہ ہے کہ عرشِ عظیم سے مراد وہی عرش محیط ہے جسے ملکوت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کے ظاہر سے اس کے ماتحت باقی تمام اجرام وفلکیات مراد ہیں جسے عالمِ کون وفساد کہا جاتا ہے۔ چونکہ یہی اشیاء عرش کے نیچے

---

[1] لیکن آج کل کے سرپھرے سرے سے آسمانوں کے وجود کے قائل نہیں اسی لیے وہ اوپر کو چھلانگیں لگا رہے ہیں لیکن افسوس ان علماء پر ہے جو ان کی تصدیق پر زمین وآسمان کے قلابے ملا رہے ہیں۔ بعض بدبخت تو ان کے چاند پر پہنچنے کے لیے نصوص قرآنی پیش کر رہے ہیں۔ دیہ محض تحریلاً وتحریفاً قرآن پاک سے کھیل رہے ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

ظاہر ہیں اس لیے انہیں تغیر و تبدل بھی ہے اور کون و فساد کو بھی قبول کرتی ہیں بخلاف عرش کے باطن کے کہ وہ
اس کی اپنی ذات ہے اس کا ایک حالت پہ رہنا ضروری ہے اور عرش کریم جسے انسانِ کبیر سے تعبیر کیا گیا ہے
اُس کا ظاہر اُس کی عمر اور زندگی مراد ہے وہ ایک ہی حالت پہ رہتی ہے بخلاف اس کے باطن کے کہ اس سے اس کا قلب
مراد ہے اور وہ متبدل متغیر ہوتی رہتی ہے اسی لیے اسے افکار و تفکرات گھیرے رہتے ہیں اس لیے کہ وہ متبدل بھی ہے
اور متغیر بھی۔ اور اللہ تعالےٰ ہر عرش ظاہری و باطنی اور ہر اوّل و آخر کا رب اور خالق ہے۔

فضائل آیت لَقَدْ جَآءَکُمْ الخ ان دو آیات مذکورہ، جو اس سورۃ توبہ کی آخری دو آیتیں ہیں، جن کا آغاز لقد جاء کم اور اختتام رب العرش العظیم پہ ہوتا ہے، کے بہت فضائل ہیں منجملہ اُن کے مندرجہ ذیل حکایات ہیں،

شیخ شبلی کی برکت اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر ابن مجاہد مقری رضی اللہ عنہ کے ہاں اُن کی مسجد میں حضرت شیخ شبلی قدس سرہٗ تشریف لائے تو حضرت ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالےٰ تعظیماً شیخ شبلی قدس سرہٗ کے لیے کھڑے ہو گئے۔ شاگردوں نے عرض کی کہ آپ کا استغنا مشہور ہے کہ علیسی وزیر بھی آئے تو آپ کھڑے نہیں ہوتے۔ لیکن ایک فقیر (شیخ شبلی رحمہ اللہ تعالیٰ) کے لیے آپ نے قیام فرمایا۔ حضرت ابن مجاہد نے فرمایا:

کیا میں ایسے بزرگ کی تعظیم سے محروم رہتا جس کی خود آقائے نامدار تعظیم کریں۔ اس لیے کہ میں نے خواب میں حضور تاجدارِ رسل صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہُوا تو مجھے فرمایا:

اے ابوبکر! کل تیرے[1] ہاں ایک بندۂ خدا تشریف لائے گا وہ اہلِ بہشت سے ہے آپ اُن کی تعظیم بجا لانا۔

اس لیے مَیں نے اُن کی تعظیم کی ہے۔

حضرت ابنِ مجاہد رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا: دو راتوں کے بعد پھر مجھے سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارت سے مشرف فرمایا اور ارشاد فرمایا:

اے ابوبکر! اللہ تعالےٰ تجھے ہمیشہ خوش و خرم اور باعزت رکھے کیونکہ تم نے ایک اہلِ بہشت بزرگ کی عزت و تکریم کی۔

---

[1] جلاء الافہام میں شبلی کو ماتھے پر بوسہ دینے کا بھی ذکر ہے بفضلہٖ تعالےٰ ہمارے اہلسنت ہر نماز کے بعد درود شریف کا ورد کرتے ہیں لیکن بدقسمت وہابیہ روکتے ہیں اور شرک و بدعت کا فتویٰ دیتے ہیں۔ ابوبکر سے ابن مجاہد مذکور مراد ہیں۔

میں نے عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت شبلی قدس سرہ العزیز کو یہ شرف کیسے نصیب ہوا؟

حضور علیہ السلام نے فرمایا:

وہ وہی مردِ خدا ہے جس نے اسی سال سے پانچوں نمازوں کے بعد میرا ذکر کر کے یہی آیت لقد جاءکم رسول من انفسھم الخ پڑھا ہے فلہذا میں اس بندے کی کیوں نہ عزت افزائی کروں۔

(کذا فی عقد اللآلی والالی)

حکایت وزیر اور زیارت نبی بشیر و نذیر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

ایک نیک آدمی کو تنگدستی نے ستایا تو اسے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا:

"اے فلاں! غم نہ کھا، صبح کو علی بن عیسٰی کے ہاں چلے جانا اور اسے میرا سلام پہنچا کر کہنا کہ تو نے میرے روضۂ پاک پر جا کر ہزار مرتبہ درود شریف پڑھا تھا۔ یہی نشانی ہے اس کی برکت سے ایک ہزار دینار مجھے عنایت کر دے۔"

صبح کو وہ نیک مرد وزیر مذکور کے ہاں حاضر ہوا اور تمام واقعہ سنایا تو وزیر مذکور سُن کر مسرور ہوا اور اس کی آنکھوں میں خوشی سے آنسو آ گئے اور کہا:

صدق اللہ و رسولہٗ۔ (جل جلالہٗ وصلی اللہ علیہ وسلم)

نیک مرد نے کہا: آپ سچ فرماتے ہیں۔ یہ وہ راز ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔

پھر اپنے نوکر سے فرمایا: میری دولت کی تھیلی لائیے۔ جب تھیلی لائی گئی تو تین ہزار دینار پیش کر کے عرض کی کہ ایک ہزار کا تو حکم ہوا، دوسرا ہزار آپ کی بشارت کے صدقے اور تیسرا ہزار آپ کی نذر ہے۔

وہ نیک مرد تین ہزار دینار لے کر وزیر مذکور کو دعائیں دیتا ہوا واپس ہوا۔ لیکن وزیر کی قسمت جاگ پڑی۔ اس نے وزارت کا قلمدان بادشاہ کے سپرد کر کے دنیا کو ترک کیا اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے مکہ معظمہ کا مجاور بن بیٹھا۔

سبق: سب کا انجام اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے جسے چاہے اور جس طرح چاہے کرتا ہے کسی کا انجام بد اور کسی کا

لہ وہ ذکر یہ ہے: "الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ"۔ جلاء الافہام لابن القیم میں ہے کہ تین بار یہ درود پڑھ کر پھر آیت پڑھتے تھے۔ اویسی غفرلہٗ

نیک انجام ہے۔

خدایا بحق بنی فاطمہ
کہ بر قولِ ایماں کنی خاتمہ

احادیثِ مبارکہ ۱۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قرآن مجید کی سب سے آخر میں نازل ہونے والی یہی دو آیتیں ہیں۔ تمام سورتوں کا ایک ایک رکوع یا ایک ایک آیت اتری۔ لیکن دو سورتیں ایسی ہیں جو بیک وقت نازل ہوئیں :

۱۔ سورۃ براءۃ

۲۔ سورۂ اخلاص یعنی قل ھو اللہ احد

ان کے نزول کے وقت ستر ستر ہزار ملائکہ صف بستہ کھڑے تھے۔

فائدہ تفسیریہ سورتوں کے اواخر میں صاحبِ کشاف نے ہر سورۃ کے فضائل کی احادیث نقل فرمائی ہیں۔ یہ تمام مفسرین جلیل القدر علماء ہیں سے ہیں ان کی تفاسیر بھی جلالۃ شان میں مشہور رہیں لیکن بہت سے محدثین انھیں صحیح بتاتے ہیں ان میں بہت سے انھیں غلط اور موضوع ہونے کا الزام لگاتے ہیں جیسے امام صنعانی وغیرہ محدثین نے ان احادیث کو موضوع قرار دیا ہے۔

صاحبِ روح البیان کا نکتہ دربارہ احادیث موضوعہ صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس فقیر کو ان احادیث مبارکہ کے متعلق تقریر ذیل الہام سا ہوا کہ احادیثِ مذکورہ عند اللہ یا تو صحیح ہیں یا ضعیف یا جھوٹی اور وضعی (موضوع) اگر عند اللہ وہ صحیح ہوں تو پھر ان پر عمل کرنے میں ثواب ہی ثواب۔ اگر ضعیف ہوں تب بھی ان پر عمل کرنے میں حرج نہیں اس لیے کہ تمام محدثین کا اتفاق ہے[1] کہ "ان الحدیث الضعیف یجوز العمل بہ فی الترغیب والترھیب فقط" کما فی الاذکار للنووی والنسان العیون لعلی بن برھان الدین الحلبی والاسرار المحمدیہ لابن فخر الدین الرومی وغیرھا[2]۔ اگر وہ موضوع ہیں تو اس کے متعلق ایک حکایت سے اندازہ کیجئے کہ اس پر عمل کر لیا جائے تو نیت نیک ہے

---

[1] لیکن دیوبندیوں نے قسم کھا رکھی ہے کہ جن روایات کو نبوت سے تعلق ہے انہیں خواہ مخواہ ضعیف قرار دے کر عمل نہیں کرنا بلکہ اوروں کو بھی روکنا۔ اسی طرح ان کے بڑے بھائی غیر مقلدین نے بھی مطلقاً حدیثِ ضعیف پر عمل کرنا بلکہ گناہ سمجھ رکھا ہے اور ان دونوں کی اس گندی عادت کو دیکھ کر دیگر فرقے منکرینِ حدیث (چکڑالوی پرویزی اور نیچری) پیدا ہوئے۔

[2] ان کے علاوہ بے شمار کتب احادیث و اصول حدیث میں حوالہ و قاعدہ موجود ہے۔

تو ثواب کی اُمید کی جا سکتی ہے ۔ چنانچہ امام حاکم وغیرہ لکھتے ہیں کہ ایک فرد زاہد عابد تھا لیکن احادیث موضوعہ دربارہ فضائل قرآن و فضائل سور القرآن کے وضع کرنے کا بھی استاد تھا ۔ کسی نے اسے کہا کہ تم کیوں احادیث وضع کرتے ہو ۔ یہ تو گناہ ہے ۔ اس نے جواب دیا چونکہ لوگ قرآن مجید کی تعلیم اور اس کی تلاوت سے دُور ہوتے جا رہے ہیں اس لیے میرا ارادہ ہُوا کہ اُن کے متعلق انہیں احادیث پڑھ کر قرآن مجید پڑھنے کی ترغیب و ترہیب دوں اگرچہ وضعی سہی ۔ اسے کہا گیا یہ تو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی کے سراسر خلاف ہے ۔ کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من کذب علیّ متعمداً فلیتبوأ مقعده من النار ۔ جس نے مجھ پر بہتان تراشا اسے چاہیے وہ اپنا گھر جہنم میں بنائے ۔

ف : تبوۃ بمعنے اتخاذ المسکن والمنزل یعنی تبوءُ بمعنے کسی جگہ اپنا مسکن و منزل بنانا ۔

ف : اگرچہ یہ جملہ خبریہ ہے لیکن درحقیقت اس میں نہی شدید اور سخت وعید ہے یعنی جو شخص بھی حضور علیہ السلام کی طرف جھوٹی حدیث کی نسبت کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس شخص کا گھر جہنم میں بنائے گا ۔

اس زاہد عابد نے اس حدیث شریف کا جواب دیا کہ میں حضور علیہ السلام پر جھُوٹ اور بہتان تھوڑا تراشتا ہوں میں تو ان کے دین کا فائدہ کرتا ہُوں ۔ من کذب علیہ پر وعید شدید ہے ۔ میں تو کذب لہٗ کا مصداق ہوں ۔ گویا اس زاہد عابد نے حدیث مذکور کی تاویل کرتے ہُوئے کہ آپ کی وہ وضعی حدیثیں بیان کرنا حرام ہیں جو اسلام کے قواعد اور شریعت و احکام کے افساد کا موجب ہوں اور میرا عمل الٹا دین اور شریعت کے احکام کے فائدہ کے لیے ہے بلکہ انکی شریعت کی اتباع کی ترغیب ہے اور انہی کے طریقہ پر چلنے کا بہترین ذریعہ ہے ۔

جائز جھُوٹ بولنے کا قاعدہ حضرت شیخ عزّ الدین بن عبد السلام قدس سرّہٗ فرماتے ہیں کہ گفتگو مقاصد کے حصول کا وسیلہ ہے لیکن ہر اچھے مقصود کو سچ اور جھُوٹ سے حاصل کیا جا سکتا ہے مگر اس کے حصول میں جھوٹ بولنا حرام اور اشد حرام ہے ہاں اگر سوائے جھوٹ بولنے کے اس کا حصول ناممکن ہو تو ایسے مقام پر جھوٹ بولنا مباح ہے ۔

مسئلہ : اگر وہ مقصد مباح ہو تو اس کے لیے جھوٹ بولنا مباح اگر واجب ہے تو واجب ۔ یہ وہی قاعدہ کلیہ ہے جسے شیخ سعدی قدس سرّہٗ نے یُوں ادا فرمایا :

"خردمنداں گفتہ اند دروغ مصلحت آمیز بہ از راست فتنہ انگیز ۔"

اور حضرت لطیفی نے فرمایا : ؎

دروغیکہ جان و دولت خوش کند
بہ از راستی کان مشوش کند

انتباہ

احادیث موضوعہ میں انسان کے لیے ضروری نہیں کہ ان پر خواہ مخواہ عمل کرے۔ اگر اسے ناقلین روایت (جو بہت بڑے اکابر محدثین سے ہوتے ہیں بالخصوص جلیل القدر تفاسیر میں مندرج ہوتی ہیں) پر حُسنِ ظن ہو کہ یہ حضرات جب اپنی تصانیف میں عام کلمہ بڑی سوچ بچار سے تحریر فرماتے ہیں تو روایت حدیث میں کس طرح تساہل کرتے۔ اس اعتبار سے ایسی احادیث موضوعہ پر عمل کرلے تو کوئی حرج نہیں۔ اگر صرف بعض محدثین کے کہنے پر کہ یہ احادیث موضوعہ ہیں اگر عمل نہ کرے اور اُن احادیث کے بتائے ہُوئے بہت بڑے فوائد ومنافع سے محروم ہوجائے تو اس کی اپنی مرضی۔ صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ تعالٰے کے اشارات وکنایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان احادیث پر عمل کرلینا چاہیے۔

قاعدۂ حدیثیہ

بہت سی روایات پر عام محدثین کا اتفاق ہوجاتا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے حالانکہ درحقیقت وہ حدیث صحیح نہیں ہوتی۔ اُن کا کسی روایت کی صحت پر اتفاق کرلینے سے وہ حدیث صحیح نہیں بن جاتی اس لیے کہ انسان خطاء ونسیان سے مرکب ہے۔ اس روایت ودیگر جمیع احوال کا صحیح علم اللہ جل جلالہٗ کو ہوتا ہے۔

شیخ اکبر قدس سرہٗ کی تقریر

حضرت شیخ اکبر قدس سرہ الاکبر نے فرمایا کہ اللہ تعالٰے کے بہت سے بندے ایسے بھی ہوتے ہیں جو براہِ راست اللہ تعالٰے سے کلام سُنتے ہیں جو حدیث شریف کے حکم کے صریح خلاف ہوتا ہے جسے عوام سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالٰے کے بندے کا اجتہاد ہے اور اس کا اجتہاد مبنی برخطا ہے۔ لیکن اس بندۂ خدا کو وُہ حدیث شریف بذریعہ کشف حضور علیہ السلام سے حاصل نہیں ہوئی۔ اگرچہ اس کا حکم انھیں معلوم تھا لیکن وُہ بندۂ خدا بہت بڑے مرتبہ کا مالک ہے اس لیے وُہ راویانِ حدیث پر اعتبار نہیں کرتا اس معنے پر کہ وُہ راوی اگرچہ بہت بڑے عادل اور ثقہ سہی لیکن سہو ونسیان سے بَری نہیں ہوتے اور نہ ہی وہ مبدأ تاویلات وتحریفات سے معصوم مانے جاتے ہیں۔ لیکن وُہ بندۂ خدا مشاہدہ سے اپنی بات پر محکم ومضبوط ہوتا ہے فلہٰذا اس کی بات اس کے نزدیک وزنی ہوتی ہے۔ اسی طرح اس کے ماننے والوں اور اس کی روایت پر عمل کرنے والوں کو ملامت نہیں کی جاسکتی اگرچہ وہ محدثین کے نزدیک حدیث موضوع قرار پائے گی اور شرعی احکام کا ترتب بھی انہی پر ہوگا۔ ان کشفی احادیث پر مسائل واحکام کا ترتب نہیں ہوسکے گا۔ لیکن ان پر اعتراض کرنا بھی بیجا ہے[1] شیخ اکبر قدس سرہٗ کا کلام حق ہے۔ اس میں کسی قسم کا شک نہیں۔ آپ کے کلام کی

---

[1] لیکن ایسے بندگانِ خدا عالم دنیا میں کالعنقاء ہیں البتہ مکر وفریب کے جال پھیلانے والے لاتعداد ولاتحصٰی ہیں۔ جیسے قادیانی نے کیا اور اس کے چیلے چانٹوں نے۔ ۱۲

حقیقت پرکسی کو شک ہوسکتا ہی نہیں۔

قاعدہ قرآنیہ بعض متقدمین نے قرآن مجید کو تین حصّوں میں منقسم کیا ؛
۱۔ سورۂ توبہ کی آیت وقعد الذین کذبوا اللّٰہ ورسولہٗ پر۔
۲۔ سورۂ عنکبوت کی آیت الاّ بالّتی ھی احسن پر۔
۳۔ الیٰ آخر القرآن۔

عوام کے نزدیک " وطبع اللّٰہ علیٰ قلوبھم فھم لا یعلمونؔ پر۔ یعنی دسویں پارے پر قرآن مجید کی تہائی ختم ہوئی۔ دُوسری تہائی بیسویں پارے پر۔ اور تیسری تہائی الیٰ آخر القرآن۔

ف : پہلا قول تحقیقی اور دُوسرا تقریبی ہے۔ (واللّٰہ اعلم بالصّواب)

خاتمۃ التفسیر للثلث الاوّل من القرآن المجید

صاحب رُوح البیان قدس سرّہٗ اس سورہ توبہ کی تفسیر کے خاتمہ میں لکھتے ہیں کہ :

یقول الفقیر سمی الذبیح اسماعیل حقی الخ

یعنی فقیر اسماعیل حقی (قدس سرّہٗ) کہتا ہے کہ :

مجھے اس تفسیر کے آغاز میں ارادہ تھا کہ اس کی صرف ایک یا دو جلدیں لکھوں گا۔ اگر زندگی نے وفا کی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا ایسا فضل وکرم ہُوا کہ اس کی صرف ایک جلد اوّل سُورۃ توبہ کے اختتام پر ختم ہُوئی اب دُوسری جلد کا آغاز کروں گا اور اس جلد اوّل کا اختتام شہر بروسہ حضرت سید محمد سبزی قدس سرّہٗ کے دولت کدہ میں ہُوا۔ بروز اتوار ماہ شوال کی بالکل آخری تاریخ ۱۱۰۰ھ میں تفسیر ختم ہُوئی۔

حُسنِ اتفاق سے فقیر نے بھی آج بروز جمعرات یکم ذیقعدہ ۱۳۹۵ھ دار التصنیف دار العلوم جامعہ اویسیہ رضویہ بہاولپور میں اس مقام ترجمہ الموسوم بہ " فیوض الرحمٰن " ختم کیا۔

فللّٰہ الحمد والمنۃ والثناء والتحیۃ لکاشف الغمم وشافع الامۃ وعلیٰ آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین۔

انا الفقیر القادری ابو الصالح محمد فیض احمد
اویسی رضوی
غفرلہٗ

دیباچہ

(از مصنف روح البیان)

روح البیان کے جزو دوم کا دیباچہ جسے صاحب رُوح البیان نے خود لکھا۔

بسم الله الرحمٰن الرحيم

الحمد لله الذی انزل القرآن موعظة وشفاء لما فی الصدور وجعله منها عذابا للورود والصدور اظهره من مقام الجمع والتنزيه والنون فالزمه حجة لاهل الظواهر والبطون جمع فيه علوم الاوّلين والأخرين فلا رطب ولا يابس الّا فی كتاب مبين والصلوٰة والسلام علی من اوحی اليه ذٰلك القرآن من لوح الوجوب والامر والشان سيّدنا محمدٌ اجرى من مسجله ما يحاكی السلسبيل والرحيق وافحم بلاغته كل متكلم منطيق ونسر الأيات فی الانفس والأفاق علیٰ مراد اليه الملك الخلّاق وعلیٰ اٰله واصحابه المقتبسين من مشكاة انواره المغترفين من بحار اسراره المتفردين فی رياض البيان بالخطب العرفانية المترنمين فی مروج العيان بالكلمات الحقانية ومن تبعهم ممن تخلق بالقرآن فی كل زمان ما طلع المرزبان۔

امّا بعد

بندہ اپنے گناہ وخطاء کا اعتراف کرتا ہُوا اپنے رب کریم سے عفو وعطاء کی التجاء کر کے اپنے اُوپر بیکراں لُطف کرم کے انعام کی بارش کی اُمید رکھے اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے بندوں کی طرف بھیجنے کی کریمی کا صدقہ دینے والا (اسمٰعیل) حضرت اسماعیل ذبیح علیہ السّلام کا ہمنام المعروف "حقی جلوتی (بالجیم)" اللہ تعالےٰ اسے اور اس کے جملہ دوستوں کو شیطان رجیم سے محفوظ رکھے اور اس کا آج کا دن کل گزشتہ روز سے بہتر بنائے یہاں تک کہ موت آجائے بلکہ اس کی گردن میں روحانی ترقی کا طوق ڈالے اور اسے حقانی مقامات کی سعادت عطا فرمائے عرض کرتا ہے کہ:

علم تفسیر ایک ایسا فن ہے کہ اس میدان میں ہر جوان کا کام نہیں اگرچہ وُہ بہت بڑی طاقت رکھنے والا شیر بہادر کیوں نہ ہو۔ اور نہ ہی اس کا جھنڈا ہر امیر اٹھا سکتا ہے اگرچہ اس کی زندگی اسی کے رشک میں بسر ہو۔ اور یہ ایسا واضح اور روشن بیان ہے جس کے لیے کسی دلیل کی ضرورت ہی نہیں۔ ادھر اس کی بہت بڑی عظمت ادھر ہمارے ہاں اتنی فرصت کی کمی کے علاوہ کرتا ہوں کی بہر بار ہم نے بہت سے بڑے بڑے فضلاء وعلماً جن کی تحریر اور تقریر کی دھاک عالم دُنیا میں بیٹھی ہوئی ہے کو دیکھا کہ وہ اس میدان میں بڑی تیزی سے دوڑ رہے تھے کہ منزلِ مقصود پر پہنچنے سے پہلے قضاً وقدر کے تیر نے ایسی ضرب کاری لگائی کہ وُہ راستے میں ہی دم توڑ گئے۔ اور

اجل مقرر گھڑیوں سے آگے جانے دیتی ہی نہیں اور نہ ہی دور زمانہ اپنی دستبرد سے کسی کو معاف کرتا ہے۔ ویسے دنیا کا عیش کسی کو راس نہیں آیا اور نہ ہی اس نے کسی کو صاف پانی پینے دیا ہے اگرچہ وہ آب حیات کا ساقی بھی بن بیٹھے۔

بتائیے از آدم تا ایں دم کون سا خوش بخت ہے جسے موت نے اپنے شکنجے میں نہ جکڑا ہو۔ اور وہ کون سی نعمت ہے جسے زمانے نے اہل نعمت کے لیے منغص نہ کیا ہو۔

جب میں نے اسی مجموعہ تفسیر مسمی بہ رُوح البیان کے دفتر اوّل کو مکمل کر چکا تو میرے دل میں روح قدس سے خیال گزرا بلکہ عالم ملکوت اور حضرت اُنس سے الہام ہُوا تھا اس سے قبل مَیں نے اپنے قلم کو اس ارادہ پر روک لیا کہ میرے سے افضل و اعلیٰ حضرات تفسیر کو مکمل نہ کر سکے تو میں کون لگتا ہُوں اسے پُورا کرنے والا۔ تو اسی اثنا میں میں نے ایک خواب دیکھا جس سے مجھے شدید خوف محسوس ہُوا اور بہت بڑی گھبراہٹ نے مجھے گھیر لیا لیکن جُونہی میں نے اس کی تعبیر میں توجہ دی تو نتیجہ نکلا کہ مجھے اپنی زندگی میں بہت بڑی مُہلت دی گئی ہے یہاں تک کہ میں اس تفسیر کو مکمل کر لوں گا۔ لیکن اس کی بھی تعیین نہیں تھی بس مبہم طور پر معلوم ہُوا کہ زندگی کے چند لمحات باقی ہیں۔

ادھر میری عمر چالیس برس سے متجاوز ہو رہی تھی اور یہ سب کو معلوم ہے کہ انسان جب چالیس سے تجاوز کرتا ہے تو اس پر بڑھاپا سایہ فگن ہونے لگتا ہے اور اعضا کی قوت میں ضعف آنے لگتا ہے۔ میری حالت بھی کچھ ایسے ہی تھی میں نے اپنی قوت و طاقت میں ضُعف اور کمزوری کے آثار دیکھے تو اپنی ہمت کو تھکا ہارا پایا لیکن مسبب الاسباب کی رحمت سے نااُمیدی نہیں تھی اسی لیے اس کی درگاہ میں سر بسجود ہو کر دو آنسو بہائے اور ان کو اپنا بہتر وسیلہ سمجھا کہ وُہ کریم میری اس عاجزی کو قبول فرما کر مجھے اس تفسیر کے بقایا دفتر دوم وسوم یعنے تا آخر لکھنے کی توفیق بخشے گا اور اس لکھنے کے دوران جملہ علائق وعوائق دُور فرمائے گا۔ اگرچہ یہ کام بہت بڑا ہے لیکن اس کی رحمت اور لطف و کرم سے کیا شے بڑی ہو سکتی ہے۔

خصُوصیاتِ تفسیر ہٰذا

از

مصنّف رحمہ اللہ تعالیٰ

۱۔ اس تفسیر میں بکثرت وجوہ تفسیر بیان کرنے کے بجائے اختصار کو ملحوظ رکھ کر آیات کے اصل منشا کو واضح کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ البتہ متقدمین کی معتبر و مستند تفاسیر کا خلاصہ ضرور بیان کیا جائے گا اس سے میری تفسیر کو مقبولیت حاصل ہو گی۔

۲۔ ہر آیت کے تحت مناسب لیکن دلپسندیدہ پند و نصائح ضرور بیان کروں گا تاکہ ان سے قلوب کو جلا اور ارواح کو

سرور حاصل ہو۔

۳۔ موقعہ کے مطابق فارسی اشعار بھی لکھوں گا تاکہ اہلِ دل ان اشعار سے رُوحانی ذوق پائیں۔

۴۔ حتی الامکان جن تفاسیر معتبرہ اور کتب فقہ واحادیث مبارکہ کا حوالہ دُوں گا ان کی اصل عبارت لکھنے کی کوشش کروں گا البتہ کہیں بوقتِ ضرورت صرف عبارات میں ترمیم و اضافہ کروں گا لیکن مطالب ومقاصد میں ذرہ برابر فرق نہیں آنے دُوں گا۔

۵۔ بہت تھوڑے ایسے مواقع آئیں گے جہاں میں اپنا نظریہ (بقول الفقیر سے) پیش کروں گا لیکن وہ بھی بحمدہ تعالیٰ کسی شیخ کامل اور معتبر ولی اللہ کی تقریر کا خلاصہ ہوگا۔

آغاز تصنیف دفتر ہذا

اس دفتر کا آغاز ۲۲ شعبان ۱۴۰۲ھ میں ہُوا۔ پہلے دفتر کی طرح اس کا آغاز شہر بروسہ میں ہوا جبکہ میں اسی شہر کی طرف ہجرت کرکے مقیم ہوگیا تھا۔ خدا کرے یہ شہر ارواحِ قدسیہ والے حضرات کا مرکز بنا رہے۔

اے الٰہ العالمین! جس طرح تُونے مجھے اس کے دفتر کے اتمام کی توفیق بخشی ہے اپنے فضل وکرم سے اس کے بقایا حصص کی تکمیل کی بھی توفیق عطا فرما اور میری اس تحریر کو قیامت کے دن میرے چہرے کی سفیدی کا سبب بنا جیسے تیرے اولیاء کرام کے چہرے نورانی ہوں میرا بھی چہرہ نورانی ہو اور اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میرے گناہ کے سیاہ دفتروں کو دھو ڈال۔ اور میں بھی صبح وشام تا دمِ زیست تیرے سے دُعائیں مانگتا رہوں گا اور اس میں ناامیدی بھی نہیں۔

فلك الحمد فى الاولىٰ والاخرى علىٰ عنايتك الكبرى واٰخر دعواهم ان الحمد لله رب العالمين۔



دیباچہ

از مترجم

ناکارہ وآوارہ الفقیر القادری ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہٗ عرض پرداز ہے کہ فقیر نے زمانہ طالب علمی میں اپنے اکابر اہلسنت سے تفسیر رُوح البیان کا غلغلہ سُنا۔ مخالفین اہلسنت نے اسے ضعیف اور

غیر معتبر تفسیر گردانا۔ تحصیل علوم و تکمیلِ فنون کے بعد ۱۳۷۱ھ/ ۱۹۵۱ء میں اپنے گاؤں حامد آباد ضلع رحیم یار خاں میں تعلیم و تدریس میں مشغول ہو گیا۔ اسی اثناء میں تفسیر ابن کثیر کا اُردو ترجمہ شائع ہوا۔ عوام میں تاثر پیدا کر دیا گیا کہ یہ زمانۂ قدیم کی معتبر تفسیر ہے حالانکہ ابن کثیر ابن تیمیہ کا شاگرد اور اس کے مذہب و مسلک کے لیے سر کی بازی لگانے والا ہے۔ اس نے تفسیر ابن کثیر میں اہلسنت کے خلاف بہت کچھ لکھا۔ یہ تفسیر اہلسنت کے عقاید کے بھی خلاف ہے اور مسلک حنفیت کے بھی۔

فقیر قلیل البضاعۃ و عدیم الفرصت کو اتنی جرأت کہاں کہ تفسیر جیسے اہم و مشکل ترین فن میں قدم رکھے۔ لیکن فضل ایزدی پر اُمید رکھ کر رُوح البیان کے ترجمہ کا آغاز کیا۔ یہ تفسیر بحمدہٖ تعالیٰ اصول و ضوابط اور قوانین اصول کے عین مطابق ہیں اور مخالفین اہلسنت اسے صرف اسی لیے غیر معتبر و ضعیف گردانتے ہیں کہ صاحبِ رُوح البیان نے امام ابُو حنیفہ کا مذہب اور صوفیائے کرام میں سے سیدنا ابن العربی اور حضرت مولانا روم قدس سرہما کا مسلک پیش کیا ہے اور یہی ہمارا عین مدعا ہے اور مخالفین کے لیے موت اور زہرِ قاتل۔

اب عوام اس فرق کے بعد تفسیر ابنِ کثیر کا مطالعہ کریں تو وہ نہ صرف غیر مفید بلکہ ان کے عقاید اور مسائل احناف کے لیے سخت مضر۔ اور رُوح البیان کا مطالعہ نہ صرف ان کے عقاید اہلسنت و مسائل احناف کو اُجاگر کرے گا بلکہ حضرت مولانا روم اور عارف باللہ سیدنا ابن العربی قدس سرہما کے عارفانہ کلام سے رُوحانیت کو بھی تازگی بخشے گا۔

تفسیر روح البیان معتبر تفسیر ہے

کسی کو زبان سے غیر معتبر اور ضعیف کہہ دینا صرف مخالفین کی اپنی بڑ ہے ورنہ مطالعہ کے بعد قاری خود محسوس فرمائے گا کہ عالمِ اسلام کی جملہ تفاسیر سے بوجہ اصول و قواعد و ضوابط فنِ تفسیر کے تفسیر ہذا کتنا بلند مرتبہ رکھتی ہے۔ طرفہ یہ کہ صاحبِ رُوح البیان نے ہر ایک مضمون کو مشہور و معروف اور نہایت معتبر اور مستند تفاسیر و کتب احادیث و فقہ حنفی کے حوالہ جات سے مزین فرمایا ہے اور صوفیانہ تفسیر کو اصول تفسیر میں حق مانا گیا ہے جس کا مخالفین کے اکابر نے اعتراف کیا ہے۔ اسی لیے تعصب سے بالا ہو کر اس تفسیر کا مطالعہ کیا جائے تو حق واضح اور روشن ہو گا۔

خصُوصیاتِ ترجمہ

۱۔ فقیر نے ترجمہ میں کسی قسم کی ترمیم و اضافہ نہیں کیا صرف اس ارادہ پر کہ عوام اس تفسیر کے مطالعہ کے بعد خود اس نتیجہ پر پہنچیں اور سمجھیں کہ گیارھویں صدی میں عقائد و مسائل یہی تھے جن کی امام اہلسنت مجددِ دین وملت شیخ الاسلام والمسلمین سیدنا شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرہٗ نے چودھویں صدی میں ترجمانی فرمائی ہے ان کے دلائل و مسائل کو بدعت کہنا ایسے ہے جیسے امام الانبیاء حبیبِ کبریا شافعِ روزِ جزا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکینِ عرب نے بدعتی گردانا اور منافقین نے مشرک[1]۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کو خارجیوں نے مشرک و بدعتی کہا۔ اسی طرح

---

[1] دیکھئے فقیر کی تصنیف "الفیضان علیٰ روح البیان"۔

امام اعظم اور حسن بصری اور ان کے متبعین و معتقدین کو معتزلہ نے مشرک و بدعتی ہونے کا فتوی جڑا۔ اسی طرح ابن تیمیہ کی پارٹی اور عبدالوہاب نجدی نے تو تمام اہلِ حق کو مشرک و بدعتی گردانا۔ اب اگر اعلیٰحضرت بریلوی اور ان کے تلامذہ اور معتقدین و متعلقین کو وہابی، دیوبندی، مودودی، تبلیغی، احراری وغیرہم بدعتی اور مشرک کہیں تو وہ مجبور ہیں۔

تاریخ گواہ ہے کہ سوائے مشرکین عرب و منافقین کے باقی ہر دَور میں ہمارے اکابر و اسلاف صالحین کو بدعتی اور مشرک گرداننے والے اپنے آپ کو موحّد (اہلِ توحید) کہلاتے ہیں۔ تفصیل فقیر کی تصنیف " ابلیس تا دیوبند " کا مطالعہ کیجئے۔

۲۔ چونکہ تفسیر ہذا عربی میں اور دورِ قدیم کی طرز پر لکھی گئی اس لیے فقیر نے دورِ حاضرہ کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی جگہ جگہ عنوانات قائم کیے۔ کہیں ضرورت محسوس ہوئی تو بریکیٹ میں کچھ لکھ دیا یا حواشی پر مختصراً لکھا۔

۳۔ ادیبانہ طرز پر نہیں اپنے جیسے عوام کی خاطر سادہ اور بہت سادہ اردو لکھا ہے اور چونکہ فقیر نے صرف پانچ جماعت تک اردو پڑھا پھر حفظِ قرآن اور عربی علوم و فنون کی تحصیل کی۔ پھر ان کی تدریس و تعلیم میں مصروف ہو گیا۔ اسی لیے ممکن ہے اردو قواعد میں غلطی بھی کی ہو۔ لیکن بحمدہ تعالیٰ تفسیر کا اصل منشا ادا کیا ہے اس سے صرف عوام تک پہنچانا مطلوب ہے۔ ادبا و علماء سے داد لینا مقصود نہیں بلکہ ان سے نہایت عاجزی سے ملتجی ہوں کہ آپ حضرات اپنے علوم کے صدقے فقیر کے ٹیڑھے میڑھے ترجمے سے کیڑے نکالنے کے بجائے اصلاح فرما کر فقیر کو براہِ راست مطلع فرمائیں۔ فقیر اور عوام الناس کے درمیان روڑے نہ اٹکائیں۔ ممکن ہے مناع للخیر کی وعید آپ پر صادق آجائے۔

فقیر نے تفسیر رُوح البیان کے سمجھنے اور اسے معتبر و مستند تفسیرِ احناف ثابت کرنے کے لیے کتاب " الفیضان علیٰ رُوح البیان " لکھی ہے۔ تفسیر کی تکمیل کے بعد اسے علیحدہ شایع کیا جائے گا (ان شاء اللہ تعالیٰ)

آخر میں باری تعالیٰ سے دُعا ہے کہ بطفیل حبیب کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم فقیر کو اس کے ترجمے کی تکمیل کی توفیق بخشے اور آخرت میں میرے اور میرے اساتذۂ کرام اور والدین ماجدین کے لیے بہترین توشہ بنائے۔ (آمین)

تصنیف گھر، بہاولپور
۲۰ شوال ۱۳۹۶ھ شب جمعۃ المبارک تقریباً ۱۱ بجے
فقیر قادری ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہٗ

سُوْرَةُ يُوْنُسَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّتِسْعُ اٰيَاتٍ وَّاَحَدَ عَشَرَ رُكُوْعًا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ
النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ
مُّبِيْنٌ ۝ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى
الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ اَفَلَا
تَذَكَّرُوْنَ ۝ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ
لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ
وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ
مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ
لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا
بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝ۙ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ اِنَّ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ
الْاَنْهٰرُ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ؕ دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ
دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ع

ترجمہ : یہ حکمت والی کتاب کی آیات ہیں۔ کیا لوگوں کو تعجب ہے کہ ہم نے ان میں سے ایک مرد کی
طرف وحی بھیجی کہ لوگوں کو ڈرائیے اور اہل ایمان کو خوشخبری سنائیے کہ بے شک ان کے لیے ان کے رب کے
ہاں بلند مقام ہے کافروں نے کہا کہ یہ تو کھلا جادوگر ہے بیشک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں
کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا پھر اپنی شان کے لائق عرش پر ہوا۔ وہ ہر کام کی تدبیر کرتا ہے اس کی اجازت کے
بغیر کوئی سفارش کرنے والا نہیں یہ ہے اللہ تمہارا پروردگار، سو اس کی عبادت کرو تو کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے
اسی کی طرف تم سب کا لوٹنا ہے اللہ کا وعدہ سچا ہے بے شک وہی پہلی بار بناتا ہے پھر وہی دوبارہ بنائیگا۔
تاکہ انھیں انصاف کے ساتھ جزا دے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور جو کافر ہوئے ان کے لیے پینے
کا کھولتا ہوا پانی ہے اور دردناک عذاب ان کے کفر کی وجہ سے۔ وہی ہے جس نے سورج کو جگمگاتا اور چاند کو

نورانی بنایا اور اس کے لیے منزلیں مقرر فرمائیں تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب کو جان سکو اللہ نے اسے پیدا نہیں فرمایا مگر حق نشانیاں تفصیل سے بیان فرماتا ہے ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں بیشک رات اور دن بدلتا ہوا آنا جانا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ان میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو اللہ سے ڈرتے ہیں بے شک وہ جو ہمارے حاضری کی اُمید نہیں رکھتی اور دُنیا کی زندگی پسند کی اور اس پہ جی لگا دیا اور وہ جو ہماری آیات سے غافل ہیں ان لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہے اس وجہ سے جو وہ دنیا میں عمل کرتے تھے بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے انھیں ان کا رب ان کے ایمان کی وجہ سے راہ دکھائیگا ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی نعمت کے باغوں میں۔ اس میں ان کی یہ دُعا ہوگی کہ اے اللہ تجھے پاکی ہے ان کی باہمی ملاقات کا پہلا بول ہوگا السلامُ علیکم۔ اور ان کی الوداعی دُعا یہ ہوگی کہ تمام خوبیاں اللہ کے لایق ہیں جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔

(تفسیر آیاتِ صفحہ گزشتہ)

سورۃ یونس مکیہ ہے اور اس کی ایک سو نو آیات ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

تفسیر عالمانہ الٓـر یہ سورۃ کا نام ہے اور محلاً مرفوع مُبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے یا خبر ہے تو اس کا مبتدا محذوف ہے یعنی دراصل الٓـر ھذہ السورۃ یا ھذہ السورۃ الٓـر تھا اور یہی اس کا نام ہے اور اللہ تعالیٰ جس طرح چاہے سُورتوں کو موسوم فرمائے۔

ف: حضرت ابوالسعود رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو راجح بتایا ہے اور فرمایا کہ اسے مرفوع تو پڑھنا ہے اور بڑی تحقیق و تنقیح کے باوجود معلوم نہیں ہوسکا کہ اس سُورۃ کا فلاں نام ہے اور اسے موضوع کا عنوان بھی نہیں بنایا جا سکتا' کیونکہ وُہ بھی مخاطب کے علم پر موقوف ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ مخاطبین کو نزولِ سُورہ سے پہلے کوئی علم نہیں کہ اس سورۃ کا موضوع کیا ہے کیونکہ وہ مخاطبین کو اس کے موضوع کا علم تو اس وقت ہوگا جب یہ سورہ مکمل طور پر نازل ہو جائے اور وہ اسے اپنے سامنے رکھ کر اس کا موضوع متعین کرے گا جیسے شئے سامنے موجود ہوتی ہے تو کہا جا سکتا ہے: ھذا من اشتری فلاں۔

صاحب روح البیان کی تحقیق یہ سب کو معلوم ہے کہ حروف کلمات کے اور کلمات جملوں اور جملے آیات اور آیات سورتوں کی اور سورتیں قسم آن کے اجزاء ہوتے ہیں۔ قرآن پاک کو پہلے سُورتوں کی طرف پھر آیات کی طرف، آیات جُملوں کی طرف اور جُملے کلمات کی طرف اور کلمات حروف کی طرف

اور حروف نقطوں کی طرف منقسم ہوتے ہیں جیسے دریا سے بڑی نہریں، بڑی نہروں سے چھوٹے نالے اور نالیاں اور نالیوں سے قطرات نکلتے ہیں۔ اگرچہ قطرہ یا نقطہ ان ہر دو مثالوں میں ایک معمولی شے ہے لیکن درحقیقت ان کی اصل اور جڑ بھی ہیں اس لیے کہ ان دونوں کو یہ وسعت وکثرت نقطہ وقطرہ کی وجہ سے نصیب ہوئی ہے۔

ازالۂ توہم یہ جو اہل ظواہر (عام علماء) کہتے ہیں کہ اکثرا جیسے دوسرے حروف مقطعات صرف تحدی (یعنی مخالفین اسلام کو لاجواب کرنے کی خاطر) کے لیے لائے گئے۔ یہ ان کا وہم اور سراسر غلط بیانی ہے اس لیے کہ:

هي الحروف المقطعة لها مدلولات صحيحة وهي زبدة علوم الصوفية المحققين رحمهم الله تعالىٰ[1]

حروف مقطعات معانی واسرار ورموز پر مشتمل ہیں صوفیۂ محققین رحمہم اللہ تعالےٰ کے اسرار ورموز الٰہی میں مضمر اور پوشیدہ ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلی علم غیب صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اوّلین وآخرین کے علوم سے نوازا ہے اور ظاہر ہے کہ آدم وادریس علیہما السلام کے علوم انہی حروف پر مشتمل تھے۔ اور پہلے مانا جا چکا ہے کہ حضور علیہ السلام کو سابقہ انبیاء علیہم السلام کے جملہ علوم عنایت ہوئے منطقی نتیجہ نکلا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو علوم کلی عطا ہوئے منجملہ ان کے حروف مقطعات کا علم بھی ہے جو آپ کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے عطا ہوا اس سے ان بدبختوں کا رد ہو گیا جو کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو حروف مقطعات کا کوئی علم نہ تھا۔ (معاذ اللہ) مزید تحقیق کے لیے فقیر کی تفسیر اویسی کا مطالعہ کیجئے۔

سوال: علماء محققین نے ان لوگوں کی سخت مذمت فرمائی ہے جنہوں نے حروف مقطعات کے معانی ومطالب بیان کیے ہیں اور تم کہتے ہو کہ یہ صوفیۂ محققین کے اسرار ورموز ہیں کیا علماء وصوفیۂ آپس میں ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔

جواب: جن علماء کرام نے مذمت فرمائی ہے انہوں نے صوفیۂ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی مذمت نہیں بلکہ ان جہال کی مذمت فرمائی ہے جنہوں نے ان حروف سے اپنے مقاصد ومطالب پر ان حروف سے اشارات ثابت کیے، اور

---

[1] روح البیان ج ۴ ص ۴

٭ صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایسی تحقیقات کی وجہ سے دیوبندی وہابی فرقہ ان سے ناراض ہے اسی لیے بے دھڑک کہہ دیتے ہیں کہ یہ تفسیر غیر مستند ہے حالانکہ تفسیری حیثیت سے اس تفسیر کی نظیر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ (دیکھیے فقیر کی کتاب "الفیضان علی روح البیان") اصل میں ان بیچاروں کی مثال اس حبشی کی ہے جس نے آئینے میں اپنی شکل دیکھ کر آئینے کو زمین پر دے مارا تھا۔ اپنی صورت کو نہ سمجھا اور قصور وار آئینے کو ٹھہرایا۔ (اویسی غفرلہ)

ان کی حقیقی عبارات کے مفاہیم و مضامین بدل کر شریعتِ مطہرہ کے متعلق توہین آمیز کلمات استعمال کیے۔ ایسے لوگ قابلِ مذمت ہیں۔ ہم بھی اُن کی مذمت اور سخت مذمت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان حروف سے اپنے مطالب بیان کرنا اور حقیقی مقاصد سے انحراف اور شریعت مطہرہ کی توہین کرنے والا شیطان ہے رجیم ہے۔ اس لیے کہ ہم شریعتِ مطہرہ کو حقیقت کا لباس مانتے ہیں جیسے الفاظ معانی کا۔ اسی طرح اشارات صوفیہؒ کے انہی حروف میں رموز ہوتے ہیں جیسے وجود شہود کا آئینہ متصور ہوتا ہے اور وہ ایک دوسرے کو لازم و ملزوم ہوا کرتے ہیں۔ اُن کے کسی ایک راز سے انکار معرفت الٰہیہ سے محرومی کی علامت ہے۔

خلاصہ یہ کہ معترض نے غلط کار جہال کے خیالات کو سامنے رکھ کر صوفیہ کرام پر اعتراض جڑ دیا۔ آجکل یہی طریقہ دیوبندی، وہابی، نجدی، مودودی گروہ نے اختیار کر رکھا ہے کہ عوام کو صوفیہ کرام سے بدظن کرنے کے لیے مذکورہ بالا تقریر صوفیہ کرام پر چسپاں کرتے ہیں۔

صاحبِ روح البیان کا عقیدہ

صاحبِ رُوح البیان رحمۃ اللہ علیہ حروفِ مقطعات کے متعلق محاکمہ کر کے آخر میں اپنا عقیدہ لکھتے ہیں کہ:

"فعلم هٰذه الحروف بلوازمها وحقائقها مفوض فی الحقیقة الی اللہ و رسوله وکمل الورثة منهم۔

حروف مقطعات کا علم مع لوازم وحقائق اللہ و رسول (جلّ جلالہٗ وصلی اللہ علیہ وسلم) یا پھر اولیاء کاملین جانتے ہیں۔

ف: بعض مفسرین ان حروف کی تاویل کرتے ہوئے فرماتے ہیں حروف مقطعات کا ایک ایک حرف اللہ تعالیٰ کے اسماء ہیں ''ایک اسم کے مجموعہ میں سے ایک حرف پر اکتفا کیا گیا ہے جیسے اہلِ عرب کی عادت ہے کہ مجموعہ کلام میں سے ایک حرف نقل کرتے ہیں۔ مثلاً شاعر نے کہا: ع

قلت لها قفی فقالت ق

میں نے اسے کہا کہ ٹھہر جا اس نے کہا: ق - یعنی وقفت - یعنی میں ٹھہر گئی۔

اس بناء پر حضرت عبداللہ بن عباس سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا:

الٓرا بمعنے انا اللہ اریٰ - یعنی میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں۔

اور یہ بھی انہی سے منقول ہے کہ:

یہ الرحمٰن کے حروف میں سے ہے اس لیے کہ جب الٓرا اور حٰمٓ اور ن کو جمع کیا جائے تو "الرّحمٰن" بنتا ہے۔

تفسیرِ صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ان حروف میں دُو اشارے ہیں:

۱۔ اشارۃ من الحق للحق الی عبدہ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

یعنی حق سے حق کے محبوب بندے پیارے مُصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ۔

۲۔ الاشارۃ من الحق لنبیّہ والیہ علیہ السلام۔

یعنی حق کا اشارہ اپنے نبی اور ذاتِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف۔

پہلے اشارے میں اللہ تعالیٰ نے حلفاً فرمایا کہ:

بآلائی علیك فی الازل وانت فی العدم و بلطفی منك فی الوجود ورحمتی و رافتی لك من الازل الی الابد[1]

مجھے اپنی ان نعمتوں کی قسم جو ازل سے آپ پر ہیں باوجودیکہ آپ عدم میں تھے اور مجھے اپنے اس لطف کی قسم جو عالمِ وجود میں آپ کے ساتھ ہے۔ اس معنے پر میری رحمت و شفقت ازل سے ابد تک آپ کے ساتھ ہے۔

دوسرے اشارے میں بھی حلفاً فرمایا کہ:

بانسك معی حین خلقت روحك اول شیئ خلقته فلم یکن معنا ثالث و بلبیك الذی احببتنی بہ فی العدم حین دعوتك للخروج منہ فخاطبتك وقلت یاسین ای سیّد قلت لبیك و سعدیك والخیر کلہ بیدیك و برجوعك منك الیٰ حین قلت لنفسك ارجعی الیٰ ربك۔[2]

مجھے تیرے اُس اُنس کی قسم جو آپ کو میرے ساتھ ہے اُس وقت سے جبکہ سب سے پہلے میں نے آپ کی رُوح کو پیدا فرمایا اس وقت صرف مَیں تھا یا آپ، اس وقت تیسرا اور کوئی نہیں تھا اور مجھے آپ کے اس لبیک کی قسم جو آپ نے میرے بلاوے پر کہا جبکہ آپ عالمِ عدم سے عالمِ وجود میں تشریف لائے اس پر میں نے آپ سے خطاب فرمایا کہ یٰسٓ یعنی اے شاہ جی آپ نے اس کے جواب میں کہا لبّیك و سعدیك میں حاضر ہوں اور کل بھلائی تیرے قبضہ میں ہے اور مجھے تیرے اس رجوع کی قسم جو آپ اپنے سے میری طرف ایسے متوجہ ہُوئے کہ اپنے آپ کو فرما رہے تھے ارجعی الیٰ ربّك۔

---

[1] رُوح البیان ص ۳ ج ۴ [2] ایضاً

تفسیر عالمانہ تِلْکَ یہ محلاً مرفوع اور مبتدا ہے۔ اس کا مابعد اس کی خبر ہے۔
ف: اس تقدیر پر کہ الٓر ابتدا بنایا گیا تو یہ دُوسرا مبتدا ہوگا اور یہ سُورۃ کے مجموعہ مضمون کی طرف اشارہ ہے۔

اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْحَکِیْمِ ۝ یہ کتاب حکیم کی آیات ہیں یعنی قرآن مجید کی وُہ آیات ہیں جو ہزاروں حکمتوں پر مشتمل ہیں۔ یہ اُس وقت ہے جبکہ حکیم کے لفظ میں نسبتی معنیٰ مانا جائے۔ یعنی الحکیم بمعنے ذی الحکم۔ یہ اس لیے کہ اللہ تعالےٰ نے قرآن پاک کی ہر آیت میں ہزاروں حکمتیں امانت رکھی ہیں کما قال فی مقام آخر ولا رطب ولا یابس الا فی کتٰب مبین[1]۔ یعنی ہر خشک و تر کا بیان قرآن مجید میں ہے۔

حکایت حضرت امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ ایک دفعہ فقر و فاقہ میں مبتلا ہو گئے ایک شربت بیچنے والے کے ہاں تشریف لاتے اور ایک گھونٹ شربت کا مانگا اور فرمایا کہ اس کے عوض میں تمہیں دو مسئلے بتاؤں گا۔ دکاندار نے کہا: مجھے کسی مسئلہ کی ضرورت نہیں۔ ؎

قیمت در گرانمایہ چہ دانند عوام
حافظا گوہر یکدانہ مدہ جز بخواص

اتفاقاً اس نے قسم کھائی کہ اگر میں نے اپنی بچی کو جہیز میں عالمِ دُنیا کی ہر شَے نہ دی تو اُس کی عورت کو تین طلاق۔ یہ کہہ کر بعد میں پچھتایا۔ علماء کرام سے فتویٰ پُوچھا تو سب نے فتویٰ دیا کہ تیری عورت کو تین طلاقیں واقع ہو گئیں۔ اب حلالہ کے بغیر تیرے لیے جائز نہیں اس لیے کہ عالمِ دُنیا کی تمام اشیاء تیرے بس میں نہیں۔ مایوس ہو کر حضرت امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ امام صاحب نے فرمایا کہ میں نے تجھ سے ایک گھونٹ شربت مانگا تھا۔ اس وقت میرا ارادہ تھا کہ میں تمہیں دُو مسئلے بتاؤں۔ ان میں سے ایک یہی تھا۔ لیکن تُو نے اس کی قدر نہ کی۔ اب صرف اس مسئلہ پر ایک ہزار دینار ادا کرنا پڑے گا تاکہ تمہیں مسئلہ شرعیہ کی قدر معلوم ہو۔ اُس نے بلا تاخیر ایک ہزار دینار پیش کیا تو امام صاحب نے فرمایا اپنی لڑکی کے جہیز میں قرآن مجید دے دے تو تیری عورت کو کسی قسم کی طلاق واقع نہ ہوگی۔ علماء کرام نے حضرت امام صاحب سے وجہ پُوچھی تو آپ نے فرمایا کہ قرآن عزیز خود فرماتا ہے:

ولا رطب ولا یابس الا فی کتٰب مبین[2]

علماء نے امام صاحب کا جواب سُن کر اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ ؎

---

[1] سورہ انعام ۵۹/۷
[2] اس سے معلوم ہُوا کہ اسقاط میں قرآن مجید بطور حیلہ دینا جائز ہے جیسا عوام اہلسنت میں رواج ہے۔

حلالہ

علم دُرلیست نیک با قیمت
جہل دردلیست سخت بے درماں

تفسیرِ صُوفیانہ

"تاویلات نجمیہ میں ہے کہ:

تلك بمعنے ھٰذہ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ سے نازل شدہ آیات الکتاب الحکیم یعنی اُس کتاب حکیم کی آیات ہیں جو آپ اور آپ کی اُمت کے لیے وراثت کے طور پر ہم نے ازل سے لکھ رکھی ہے کما قال: ثمّ اورثنا الکتٰب الذین اصطفینا من عبادنا۔

نکتہ: اس کتاب کو حکیم کہنے میں ایک لطیف اشارہ ہے کہ یہ کتاب تمام کتب کی حاکم ہے بایں معنیٰ کہ اِن کے جملہ احکام و شرائع کو منسوخ کرتی ہے اور یہ ایسی کتاب ہے کہ اسے کوئی کتاب ناسخ نہیں ہوسکتی اور اللہ تعالیٰ نے امت مصطفویہ کو تمام اُمتوں سے برگزیدہ بنایا اور صرف اُسے اپنی کتاب کا وارث بنایا۔ اور وراثت کا معنیٰ یہ ہے کہ یہ اُمت قیامت تک باقی رہے گی اور یہ آپس میں ایک دُوسرے کے وارث بنتے رہیں گے۔

تفسیرِ عالمانہ

اَکَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا کیا لوگوں کو تعجب ہے۔ یہ ہمزہ انکاری کفّار کے تعجب سے انکار مطلوب ہے بلکہ سامعین کو ان پر تعجب دلانا مقصود ہے۔ اس لیے کہ انہوں نے تعجب کو غیر محل میں استعمال کیا۔

ف: الناس سے کفّارِ مکہ مراد ہیں۔

ف: ابوالبقاؒ نے فرمایا کہ:

للنّاس، عجبًا سے حال ہے اس لیے کہ یہ دراصل اَکَانَ عَجَبًا لِلنَّاس تھا اور عَجَبًا، کَانَ کی خبر ہے اور کَانَ کا اسم اَنْ اَوْحَیْنَا اِلٰی رَجُلٍ مِّنْھُمْ ہے یہ کہ ہم نے وحی بھیجی ایک ایسے مرد کی طرف جو ان میں سے ہے یعنی ان کی جنس کا ایک بشر ہے[1]

وہ اس سے متعجب ہوتے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن جیسا بشر نبی بنا کر بھیجا لیکن وہ اس سے مشوش نہ ہوتے کہ انہوں نے پتھریوں، لکڑیوں، پیتل اور دیگر ایسی اشیاء کو معبود بنا رکھا تھا کہ جنہیں نہ کوئی مرتبہ یا مال یا حکومت حاصل تھی یا انہیں ایسے اسباب میسر تھے کہ جن سے انہیں ذی عزّت و عظمت سمجھا جاتا ہو۔ مکہ کے بیوقوف کافر کہا کرتے کہ اللہ تعالےٰ کو رسول بنانے کے لیے ابُوطالب کا پروردہ یتیم ملا۔ اس کی خدائی ہیں اور کوئی ذی عزّ و شان انسان نہیں تھا۔ (معاذاللہ) وُہ اپنی کمال حماقت اور انتہائی سفاہت سے بکتے تھے۔ اُن کی نظر مادیات پر تھی اور ظاہری ٹھاٹھ پر نظر رکھتے تھے۔

---

[1] جیسے اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ نبی علیہ السلام بشر کی جنس سے تو ہیں لیکن حقیقت اُن کی نور ہے۔ جنسیت سے اُن کی حقیقتِ نورانیت میں فرق نہیں پڑتا۔

انھیں وحی و نبوت کی حقیقت سے ذرہ بھر خبر نہیں ورنہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم عزت و عظمت، حسب ونسب اور دیگر کمالات سے ان سے کچھ کم نہیں تھے بلکہ انھیں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائلِ حمیدہ اور عاداتِ کریمہ کا اعتراف تھا صرف (ظاہری طور پر) آپ کے ہاں مال نہیں تھا اور مال کی کمی انسان کی شریف النفسی اور جوہرِ ذاتی کے لیے دخیل نہیں بنتی لیکن چونکہ وہ دولت و دُنیا کے بھوکے تھے اس لیے وُہ آپ کی اس کمی کو دیکھ کر آپ کو رسالت سے شرفیاب پاکر انکار کر بیٹھے اور کہا:

لولا اُنزل ھٰذا القراٰن علیٰ رجل من القریتین عظیم[1]

کیوں نہ اُتارا گیا یہ قرآن ان دو شہروں کے کسی بڑے آدمی پر۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

تاج شاہی طلبی گوھر ذاتی بنما
ور خود از گوھر جمشید فریدوں باشی

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

ھنر باید و فضل و دیں
کہ گاہ آید و گہ رود جاہ و مال

تفسیر صُوفیانہ "تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ تعجب کرتے ہیں کہ ہم نے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی سے کیوں نوازا۔ وہ اس لیے کہ انھوں نے اب دیکھا کہ وہ بھی ایک مرد ہیں انھی میں سے۔ لیکن ہم نے اُن کی رجولیت قبل وحی اور قبل از رسالت ملاحظہ فرمائی جو دُوسروں کو وہ رجولیت نصیب نہ تھی۔

ف: رجولیت سے صدق اللسان ودفع الاذی عن الجیران والمواسات مع الاخوان (سچی زبان والے اور ہمسائیگاں سے ایذاء ہٹانے والے اور عوام کو ہر طرح کی آسانی دینے والے) مراد ہے۔ یہ ان کے ظاہری حقیقت ہے اور ان کی باطنی رجولیت کا یہ حال تھا کہ انھیں ماسوی اللہ سے کوئی تعلق نہیں۔ اسی راز کے تحت عورت کو نہ نوازا گیا کہ اس کی فطرت میں ایسی رجولیت نہیں رکھی گئی۔

حدیثِ معراج میں ہے:

ان اللہ تعالیٰ نظر الیٰ قلوب الخلق فلم یجد اعشق من قلب محمد علیہ السلام فلذا	اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے قلوب پر نظر فرمائی تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسا عاشق باللہ کسی کو نہ پایا۔

---

[1] سورہ زخرف رکوع ۳

اکرمہ بالرؤیۃ [1] اسی عشق کی وجہ سے صرف انہیں دیدارِ ذات سے نوازا۔

شانِ ولایت یاد رہے کہ ولایت نبوت سے شان رکھتی ہے۔ ہر زمانہ میں اہل اللہ کی یہی شان رہی ہے کہ وہ ظاہری طور پر کسی قسم کے ٹھاٹ باٹ نہیں رکھتے جو انہیں دیکھ کر ان کی ولایت پہ انکار کرتا ہے تو اُسے کسی بھی اللہ والے کی صحبت و معیت نصیب نہیں ہوتی اور وہ ہمیشہ محروم رہتا ہے۔

اَنْ یہ مفسرہ اور فعلِ مقدر کا مفعول ہے دراصل اوحینا الیہ شیئًا ھو یعنی ہم نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ

اَنْذِرِ النَّاسَ کہ عالمِ دنیا کے تمام لوگوں کو ڈراؤ، صرف اہلِ مکہ مراد نہیں۔ جیسے پہلے الناس میں صرف اہل مکہ مراد تھے اس لیے کہ فعل انذار عام ہے جو تمام لوگوں کے لیے نفع بخش ہے۔ اہلِ مکہ کفار ہوں یا دیگر عوام و خواص اہل ایمان۔

اِنذار کا معنٰی نارِ جہنم سے جیسے کفار کو دار نعیم کی کمی سے ڈرانا۔ جیسے فساق اہلِ ایمان کو تبشیر سے مقدم کرنے میں یہ حکمت ہے کہ امور مالا ینبغی کا ازالہ افعال ماینبغی پر عمل سے پہلے ضروری ہے اس لیے کہ نفس کا حسن نہیں نکھرتا جب تک اس کو کفر و معاصی کی تلویث سے پاک صاف نہ کیا جائے۔

قاعدہ ہے کہ گھر کو گندگیوں اور غلاظتوں سے پہلے صاف ستھرا کیا جاتا ہے پھر اس میں عطریات و خوشبوئیں چھڑکائی جاتی ہیں۔ دیکھیے طبیب بیمار کے بدن کا پہلے تنقیہ کرتا ہے پھر مواد ردیہ نکالتا ہے ، بعدہٗ مقویات استعمال کراتا ہے ایسے ہی طبیبِ روحانی امراضِ قلب کا علاج فرماتے ہیں کہ غلط عقاید اور اخلاق ردیہ اور امراض قبیحہ کی خرابیوں کو قلب سے ہٹاتا ہے اور وہ انذار سے ہوتا ہے تاکہ اُن بُرے انجام سے ڈر کر قلب کی صفائی ہو جائے۔ پھر اسے طاعات و عبادات کی جزا بتا کر تبشیر کے میٹھے گھونٹ پلاتا ہے تاکہ اُسے خوشی ہو کہ ان طاعات و عبادات کی جزا اُسے اس کا جی مسرور و مفروح ہو۔ اس لیے اللہ تعالےٰ نے نبوت کے ابتدائی دور میں اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

یٰاَیّھا المدثر قم فانذر [2] اے بالاپوش اوڑھنے والے! کھڑے ہو جاؤ پھر ڈر سناؤ۔

تفسیرِ عالمانہ وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اور ایمان والوں کو خوشخبری سناؤ نہ اہلِ کفر کو اس لیے کہ کافر جب تک کفر میں ہیں اُن کے ہاں ایسا کوئی امر نہیں جنہیں بہشت اور رحمت کی خوشخبری سنائی جائے۔ اَنَّ لَھُمْ بایں طور کہ ان کے لیے قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّھِمْ ؕ ان کے رب کے ہاں سچ کا مقام ہے یعنی ان کے پاس اعمال صالحہ کی پُونجی ہے جس کی وجہ سے وُہ آخرت کے بلند درجات کے مستحق ہُوئے۔

---

[1] روح البیان ج ۴ ص ۵ [2] سورۂ مدثر آیت ۱، ۲

قاعدہ ۱ : قدم صدق سے تعبیر کرنے میں تسمیۃ الشئ باٰلۃ کا قاعدہ جاری ہے اس لیے کہ سبق و قدوم اقدم سے ہی ہوتے ہیں جیسے نعمت کو یَـد سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ بھی اس لیے کہ نعمت عموماً ہاتھ سے عطا کی جاتی ہے ۔
قاعدہ ۲ : قدم کی صدق کی طرف اضافت میں " اضافۃ الموصوف الی الصفۃ " کا قاعدہ ہے تاکہ اُس کے صدق و تحقق میں مبالغہ ہو گو واضح کیا گیا ہے کہ اس کا صدق و تحقق جبلی ہے اور قاعدہ ہے کہ جب کسی کو واضح تر بیان کرنا مطلوب ہوتا ہے تو اُسے اس طریق " اضافۃ الموصوف الی الصفۃ " سے لایا جاتا ہے ۔
ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا :
" قدم صدق " حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم آگے آگے اور ہم گنہگاران کے پیچھے پیچھے بہشت میں داخل ہوں گے ۔

؎

گفتی کنم شفاعت عاصیؔ عذر خواہ
دل بر امید آں کرم افتاد در گناہ

ترجمہ : اے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ! آپ نے خود فرمایا کہ میں عذر خواہ گنہگار کی شفاعت کروں گا ۔ اسی امید پر گناہ پر دل نے غلطی کر لی ۔

قَالَ الْكٰفِرُوْنَ کافروں نے کہا اس سے مراد وہ کفار ہیں جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر تعجب کر کے کہا کرتے اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ۝ بیشک یہ تو کھلا جادوگر ہے ۔
ف : یہاں سے معلوم ہوا کہ کفار نے نبی علیہ السلام سے چند امور بطور معجزہ دیکھے جن کے مقابلہ سے اپنے عجز کا اعتراف کیا ۔

تفسیر صوفیانہ

کافروں پر نفس فرعون کے جادوگروں کی صفات نے جادو کیا اس لیے وہ حق کے سننے ، بولنے ، دیکھنے سے بہرے گونگے اندھے ہیں اسی لیے وہ حق کو سمجھتے اور نہ داعیِ حق کی فرمانبرداری کرتے اس لیے نفس حب ریاست اور طلبِ تقدم کے لیے مارا مارا پھرتا ہے وُہ کسی کے تابع رہنے پر راضی نہیں اس کی اصلاح عبودیت یعنی ریاست کی ضد میں اُسے ذلیل کرنا لازمی ہے بلکہ کسی مرشد کی غلامی میں لگا دینا چاہیے ۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

ہمچو استورے کہ بگریزد ز بار
او سر خود گیرد اندر کوہسار
صاحبش از پے دواں کاے خیرہ سر
ہر طرف گرگیست اندر قصد خر

؎ شفاعتی لاہل الکبائر ۱۲

استخوانت را نجاید چوں شکر
کہ نہ بینی زندگانی را دگر
ہین بگریز از تصرف کردنم
وز گرانی بار چوں جانت منم
تو ستوری ہم کہ نفست غالبست
حکم غالب را بود لے خود پرست
مبر آخر بود حق را مصطفٰے
بہر استوراں نفس بر جفا
لاجرم اغلب بلا بر انبیاست
کہ ریاضت دادن خامان بلاست

خلاصہ : وہ جانور جو بوجھ کے خطرہ سے پہاڑوں کی طرف بھاگے اس کا مالک اس کے پیچھے چل کر اسے سمجھائے کہ تُو ایسے علاقہ میں آگیا ہے جہاں تیرے خون کے پیاسے ہیں تیری بوٹی بوٹی کر لیں گے اس لیے مجھ سے مت بھاگ اور نہ ہی میرے بوجھ سے خوف کیجئے اس طرح تم بھی ایک جانور کی مانند ہو اس لیے کہ تمہارے اُوپر نفس غالب ہے اور ظاہر ہے کہ حکم غالب کا ہوتا ہے حضور نبی مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم قبول کیجئے اور نفس جانور پر خوب بوجھ لاد و۔ دیکھئے انبیاء علیہم السلام معصوم ہونے کے باوجود کتنی حرج کشی فرماتے تھے۔

نکتہ : حضرت عیسٰی علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے پُوچھا کہ انگوری کہاں سے اُگتی ہے؟
سب نے عرض کی : زمین سے۔
آپ علیہ السلام نے فرمایا : قلب سے حکمت بھی ایسے ہی پیدا ہوتی ہے جیسے زمین سے انگوری اُگتی ہے۔
آپ کا اشارہ اس طرف تھا کہ جیسے زمین نے تواضع کی تو ایسی انگوری اُگی، ایسے ہی جو دل انکسار و تواضع کرتا ہے اس سے حکمت نمودار ہوتی ہے۔

حدیث شریف : قولِ مذکور کی تائید حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یُوں فرمائی ؛

من اخلص للہ اربعین صباحًا ظہرت ینابیع الحکمۃ من قلبہ علیٰ لسانہ۔

جو اللہ تعالٰے کے لیے چالیس روز خلوص کرتا ہے اسکے دل سے زبان پر حکمت کے چشمے اُبلتے ہیں۔

ف : الینابیع (چشمے) زمین سے اُبلتے ہیں اس لیے کہ پانی کا مرکز زمین ہے۔ اس سے واضح ہُوا کہ چونکہ کفار نے

اپنے نفوس کو تواضع وانکسار کے مرتبہ تک نہ پہنچایا۔ بنا بریں حُسنِ نیت سے انذار کو قبول نہ کر سکے اس لیے میٹھے چشمے یعنی قرآن کے فیوض و برکات سے محروم رہے اور دیدار الٰہی کے ہجر اور جُدائی میں پیاسے رہے۔ اسی طرح جو لوگ تکبر کر کے خواہشاتِ نفسانی میں منہمک ہیں اُنھیں اپنے حبیب کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکمت کے چشموں سے محرومی نصیب ہوتی ہے۔ کافر کفر جلی کی وجہ سے قرآن کو جادو کہہ کر محروم ہُوئے تو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا انکار ایسے ہی مشرکین کفر خفی کی وجہ سے کرامات کا انکار کیا۔

منکرینِ ولایت کی علامت

حضرت امام یافعی رحمہ اللہ نے فرمایا:

ثم ان کثیرا من المنکرین یقولون للاولیاً	بہت سے اولیاء کرام پر انکار کرنے والے اُن کے
والصالحین یطیرون فی الھواء لقالوا	کرامات دیکھ کر کہتے ہیں کہ جادو اور کرامات دکھانے والے
ھذا سحر وھٰؤلاء شیاطین۔	شیاطین ہیں۔ (معاذ اللہ)

انتباہ جواز لی محروم اور حق کا منکر ہوتا ہے تو اسے غیبی امور پر ایمان نہیں ہوتا وہ ایسے امور عالم شہود میں دیکھ کر انکار کر دیتا ہے جیسے بدبختوں نے انبیاء عظام کے معجزات اور اولیاء کرام کے کرامات دیکھ کر جادو سے تعبیر کیا اور ان حضرات کو شیاطین کہا۔ (معاذ اللہ)

نسأل اللہ العفو والعافیة سراً وجھاراً	ہم اللہ تعالیٰ سے عفو و عافیت چاہتے ہیں اور سوال کرتے ہیں
وان یحفظنا من العقائد الزائفة والاعمال	کہ ہمیں ان عقاید و اعمال سے بچائے جو جہنم کے ایندھن
الموجنه بوارا۔	کا سبب بنتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیْ یہ خطاب کفارِ مکہ کو ہے بے شک تمہارا رب یعنی تمہارا مربی اور تمہارے جملہ امور کا مدبّر وہ ہے خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ جس نے تمام آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا جو کہ یہی جملہ ممکنات اور تمام اجسام کے اصول ہیں۔

سوال: اسمائے موصولہ اس لیے وضع کیے گئے ہیں کہ ان سے ان اشیاء کی طرف اشارہ کیا جائے کہ جب وہ صلہ کے مضمون سے موصوف ہوں تو اسے مخاطب جانتا ہو۔ عرب تو نہیں جانتے کہ واقعی اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کا خالق ہے۔

جواب: چونکہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا معاملہ سب کو معلوم ہے اور اہلِ عرب کی اُن کے ساتھ بہت زیادہ نشست و برخاست تھی اور ان سے ہر وقت سُنا کرتے اس معنے پر یہ عبارت صحیح ہُوئی۔

ف: ربیع الابرار میں ہے کہ اللہ تعالےٰ نے سات آسمان اور سات زمینیں پیدا فرمائیں اور زمین کی موٹائی پانچسو سال کی،

اسی طرح ہر آسمان کی موٹائی پانچسو سال کی مسافت ہے اور ہر زمین و آسمان کی درمیانی مسافت بھی پانچسو سال کی ہے ساتویں آسمان پر ایک دریا ہے جس کا عمق ان چودہ طبقات کے برابر ہے اس میں ایک فرشتہ ہے جسے وہ پانی صرف گھٹنوں تک آتا ہے ۔

فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ چھ دنوں میں یعنی چھ اوقات میں ۔یہاں یوم سے ایسا یوم مراد لیا گیا ہے جیسے کُلَّ یوم ھو فی شان ۔یعنی وہ منفرد گھڑی جو قابلِ انقسام نہیں اور یوم کی شان سے اس لیے موسوم کرتے ہیں کہ شان اس میں پیدا ہوتا ہے ۔آن سے دقیقے، دقیقوں سے دُرج ، درج سے ساعات اور ساعات سے یوم مقدر ہوتے ہیں۔ جب آن پھیلتی ہے تو یوم بنتا ہے اور یوم سے ہفتے اور ہفتوں سے مہینے اور مہینوں سے سال اور سالوں سے دور بنتے ہیں ۔اس سے ثابت ہُوا کہ یوم سے مطلق وہ وقت مراد ہے کہ جس پر لفظ زمان کا اطلاق ہو سکتا ہے کہ جس سے مذکورہ بالا زمانے بنتے ہیں اور آخرت کا ایک ہزار سال ہوگا اور قیامت کا ایک دن پچاس ہزار سال کا ۔اور ستۃ ایام سے ادنیٰ مقدار مراد ہے اس لیے کہ یوم کا مبدا طلوعِ شمس اور اس کا منتہیٰ غروب شمس ہے اور اس وقت نہ شمس تھا اور نہ نہار کا تصوّر۔ پھر اس سے معین یعنی مقداری یوم کیسے مراد ہو سکتا ہے بلکہ اس سے مطلق اور ادنیٰ مقدار مراد ہے ۔اگر وہ ان چودہ طبقوں کو ایک لحظہ میں پیدا کرنا چاہتا تو کر لیتا ۔لیکن انسان کو سبق دیا گیا کہ دیر میں خیر ہوتی ہے ۔

عجلت کار شیطان بود

ہاں توبہ میں عجلت ضروری ہے ۔اسی طرح قرض کی ادائیگی میں بھی جلدی کرنی چاہیئے مہمان کی مہمانی اور لڑکی بالغہ کا نکاح اور دفنِ میت اور غسلِ جنابت میں بھی عجلت ضروری ہے ۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

مکر شیطانست تعجیل و شتاب

خوئے رحمانست صبر و احتساب

با تانی گشت موجود از خدا

تا بشش روز این زمین و چرخہا

ورنہ قادر بود کز کُن فیکون

صد زمین و چرخ آوردی بروں

این تانی از پے تعلیم تست

طلب کہ آہستہ باید بے شکست

خلاصہ یہ عجلت اور جلد بازی شیطان کا مکر ہے اور رحمان کی صفت ہے ۔نہایت دیر سے اللہ تعالےٰ

نے موجودات پیدا فرمائے۔ زمین و آسمان کی تخلیق پر چھ روز لگائے گئے ورنہ وہ قادر ہے کہ صرف کُن سے کائنات بنانا بلکہ سیکڑوں زمینیں اور آسمان کُن سے پیدا کر دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس دیر میں ہمیں سبق دیا کہ صبر میں تمہاری کامیابی ہے۔

حدیث شریف:

ان اللہ خلق التربۃ یوم السبت وخلق فیھا الجبال یوم الاحد وخلق الشجر یوم الاثنین وخلق المکروہ یوم الثلاثا وخلق النور یوم الاربعاء وبث فیھا الدواب یوم الخمیس وخلق آدم بعد العصر یوم الجمعہ آخر الخلق فی آخر ساعۃ من ساعات الجمعہ فیما بین العصر الی اللیل۔

بے شک اللہ تعالےٰ نے خاک یعنی زمین کو ہفتہ کے دن اور اس زمین میں پہاڑوں کو اتوار کے دن اور درختوں کو پیر کے دن اور مکروہ اشیاء کو منگل کے دن اور نور کو بُدھ کے دن اور جانوروں کو خمیس کے دن اور آدم علیہ السلام کو جمعہ کی عصر اور مغرب کے درمیان پیدا فرمایا۔

سوال: قرآن پاک کی آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام اشیاء کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا اور حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں سات دنوں میں بنایا۔

جواب: آسمان و زمین اور اُن کے مابین کی اشیاء کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا اور آدم علیہ السلام چونکہ زمین سے پیدا ہوئے اس لیے انہیں اس کی فرع کی حیثیت ہے اُن کی علیحدہ تخلیق کا ذکر اُن کی عظمت شان کی وجہ سے ہے۔ (کذا فتح القریب)

نکتہ: تخلیق آدم میں تاخیر کی حکمت یہی ہے کہ انہیں چونکہ اللہ تعالےٰ نے زمین کا خلیفہ اور اپنا نائب بنانا تھا، اس لیے پہلے اُن کی رعیت کی تخلیق کی گئی تا کہ اُن کی آمد سے پہلے اُن کی شان و شوکت کا اظہار ہو اور رعیت کے بغیر بادشاہ کا وجود بے نشاں سا ہوتا ہے بنا بریں رعیت کی تخلیق پہلے ہوئی تاکہ خلافت اور خلیفہ کی تشریف و تکریم ہو۔

ف: میزان میں پہلے فلک نے اپنی گھڑیوں سمیت پہلا دورہ کیا اس سے ایام کا حدوث ہوا۔ اُس وقت نہ دن تھا نہ رات اس لیے کہ دن اور رات کا حدوث تو سُورج کی وجہ سے ہُوا۔ اور وہ چوتھے آسمان پر بعد کو پیدا ہُوا اور اس کا مشرق سے مغرب تک ایک طرح کا چکر ہوتا ہے۔ (کذا فی عقلۃ المتوفز)

ف: دنوں میں سب سے پہلے اتوار کو پیدا کیا گیا اس لیے اس میں اولیت کا معنےٰ ہے اس کے دوسرے مرتبہ پر پیروار (سوموار) پیدا ہوا۔ اسے یوم الاثنین کہا جاتا ہے کیونکہ وہ یوم الاحد (اتوار) کا دُوسرا ہے۔

ف: مخلوقات کی تخلیق کے آغاز کے لحاظ سے چھٹا دن خمیس کا دن ہے۔ اس کے بعد جمعہ میں حضرت آدم کی تخلیق ہوئی

اور اسے مستقل نہیں کہا جاتا۔

ف : سبت بمعنے راحت ہے۔ چونکہ یہودیوں نے سمجھا کہ اللہ تعالےٰ نے آسمان و زمین وغیرہا کی تخلیق سے اس دن آرام فرمایا بنا بریں یہ یوم سبت (راحت) ہے اگرچہ اُن کا یہ قول غلط ہے اس لیے کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا :

وما مسّنا من لغوب۔

لغوب بمعنے اعیاء (تھکان) یا انہوں نے عمداً اس ارشاد کی تکذیب کی۔ اس سے ثابت ہُوا کہ یہود کے نزدیک ہفتہ کا آغاز اتوار سے ہوتا ہے۔ یہی نصارٰی کہتے ہیں اور ان کے نزدیک یہی افضل الایّام ہے۔

اعجوبہ اور حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنیچر کے متعلق پُوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

یوم مکر وخدیعۃ۔

وہ مکر و فریب اور دھوکہ کا دن ہے۔

ف : وُہ اس لیے کہ قریشِ مکہ (کفار) نے دار الندوہ میں آپ سے دھوکہ وفریب دہی کے لیے اُس دن مشورہ کیا تھا۔

مسئلہ : ہفتہ، اتوار، منگل کے دنوں میں نیا کپڑا نہ خریدا جاتے۔ حضرت شیخ صدر الدین قونوی قدس سرہٗ نے فرمایا :

جب نیا کپڑا منحوس وقت میں خریدا جاتے یا سلایا جائے تو اس میں نحوست گھس جاتی ہے۔ اس کے تاثرات گاہے گاہے نمودار ہوتے رہتے ہیں۔

مسئلہ : اسی طرح کھانے پینے کی چیزوں کا بھی یہی حال ہے کہ اُن میں اوقات کی نحوست کے اثرات ظاھر ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے حدیث شریف میں تنبیہہ کی گئی ہے کہ عورت اور گھوڑے اور دار میں نحوست ہوتی ہے اس سے تجربہ کار لوگوں کے بار بار تجربے شاہد ہیں ان مذکورہ بالا اشیاء کی نحوستوں کا اثر ان لوگوں کے باطنی احوال بلکہ اُن کے ظواہر سے بھی ایسے اثرات ظاہر ہوتے ہیں کہ کبھی ایسی غذا یا لباس یا اُن کے اجسام کے نقصانات متعدی ہو کر اس صاحبِ غذا و لباس و جسم و رُوح و قلب کو ملوّث کرتے ہیں۔ ایسے امورِ قلب و رُوح کے لیے نجاست بنتی ہے، جیسے ظاہری طور پر کپڑے گندگیوں سے آلُودہ ہو جاتے ہیں۔ ایسے ہی قلب و رُوح بھی گندگیوں سے ملوث ہو جاتے ہیں اور رُوح و قلب کی گندگیاں یہی ہیں جو افعال و امُور شرعاً مکروہ ہیں اور مکروہات امور و افعال محرمہ سے درجہ میں ہوتے ہیں۔

سوال : حضرت الشیخ صدر الدّین قونوی قدس سرہٗ سے سوال ہُوا کہ آپ نے تو ہفتہ کے دن کی مذمت کی ہے حالانکہ روایت میں آیا ہے : "بارك الله فى السبت والخميس" اللہ تعالیٰ سنیچر اور خمیس کو برکت دے۔

جواب: آپ نے تو فرمایا: ان دونوں کی یہ برکت جمعہ کی ہمسائیگی کی وجہ سے ہے۔

ف: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا:
اتوار کے متعلق کچھ فرمائیے۔

تو آپ نے فرمایا:
اتوار باغ بوٹی اور مکانات کی تعمیر کا دن ہے۔ وہ اس لیے کہ اتوار کے دن میں اللہ تعالیٰ نے دنیا اور دنیا کے متعلقات کو پیدا فرمایا۔

ایک اور روایت میں ہے:
بنیت الجنۃ فیہ و غرست۔ اتوار کے دن بہشت تیار ہوئی اور اسی دن بہشت کے باغات لگائے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوموار کے متعلق پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا:
یوم سفر وتجارۃ۔
یعنی وہ سفر و تجارت کا دن ہے۔
اس لیے کہ اُس دن جس نے تجارت کی تو نفع پائیگا۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے منگل کے دن کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:
یوم دم۔ یعنی یہ خون کا دن ہے۔

اس لیے کہ اس دن بی بی حوا کو حیض کا آغاز ہوا، اور اسی دن آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں میں سے ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا اور اسی دن حضرت جرجیس اور زکریا و یحییٰ علیہم السلام اور فرعون کے زمانہ کے جادوگر (جو بعد کو موسٰی علیہ السلام پر ایمان لا کر مومن ہو گئے) اور آسیہ بنت مزاحم یعنی فرعون کی اہلیہ اور بنی اسرائیل کی گائے اور دیگر اکابرین اسی دن شہید ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے منگل کے دن خون نکلوانے سے سخت ممانعت فرمائی ہے اور فرمایا:
فیہ ساعۃ لا یرقاء فیھا الدم۔
اس میں ایک ایسی گھڑی ہے کہ اگر خون بہہ نکلا تو اس کا بند ہونا ناممکن ہوگا۔
یعنی اگر کوئی پچھنے لگائے گا یا خون نکلوائے گا تو خون بند نہیں ہوگا جب تک کہ وہ انسان مر نہ جائے۔
وفیہ نزل ابلیس الی الارض وفیہ خلقت جہنم وفیہ سلط اللہ ملك الموت علی ارواح بنی آدم وفیہ ابتلی ایوب۔
اور یہ وہ دن (منگل) ہے جس میں ابلیس زمین پر اُترا اور اسی میں جہنم پیدا ہوئی اور اس میں اللہ تعالیٰ نے

ملک الموت کو بنی آدم کے ارواح قبضہ میں دے دیئے اور اسی دن ایوب علیہ السلام بیماری میں مبتلا ہوئے۔

ف: حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مدارس اور تعلیم کے لیے ہفتہ کے دن چھٹی ہوتی تھی۔ پھر خصاف کے زمانہ میں کبھی سوموار اور کبھی منگل کے دن چھٹی ہوتی تھی۔

ف: حضرت خصاف ۲۶۱ھ میں فوت ہوئے۔ صاحب روح البیان کے زمانہ میں منگل اور جمعہ کے دن چھٹی ہوتی تھی۔

ف: حضرت صاحب روح البیان کے شیخ اور پیر و مرشد فرمایا کرتے تھے کہ چھٹی کے ایام میں سبق پڑھنا حد سے متجاوز ہوتا ہے۔ اس لیے ضروری ہوتا ہے کہ ہفتہ میں ایک دن چھٹی ہونی چاہیے تاکہ طالب علم کو مطلوب علم کے حصول میں فتور اور نقص پیدا نہ ہو۔

مسئلہ: اس سے ثابت ہوا کہ کبھی کبھی انسان کو آرام ضروری ہے۔ اگر سالک سلوک کی منزلیں طے کر رہا ہو تو اس کے لیے لازم ہے کہ وہ بھی اپنے نفس کو کچھ آرام دے ورنہ مقصد فوت ہو جائے گا۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بدھ کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

"یوم نحس" یعنی منحوس دن ہے۔

اس لیے کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم کو غرق کیا۔ اسی دن عاد و ثمود اور صالح علیہ السلام کی قوم کو اللہ تعالیٰ نے تباہ و برباد کیا۔

مسئلہ: بدھ کے دن ناخن کٹوانا منع ہے اس لیے کہ وہ برص پیدا کرتا ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ بدھ کے دن طبع پرسی مکروہ ہے۔

مسئلہ: منہاج الحلیمی میں ہے کہ بدھ کے دن زوال سے لے کر تا قبل عصر دعا مستجاب ہوتی ہے اس لیے کہ غزوۂ احزاب میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن اسی وقت دعا فرمائی تو آپ کی دعا مستجاب ہوئی۔

مسئلہ: بعض کے نزدیک اس دن استحمام مستحب ہے۔

ف: جو کام بدھ کے دن شروع کیا جاتے وہ ضرور مکمل ہوگا۔ مثلاً اس دن تدریس کا آغاز ہونا چاہیے۔ صاحب ہدایہ کا طریقہ تھا کہ وہ اپنے ہر طالب علم کا سبق بدھ کے دن شروع کراتے تھے اور دلیل میں یہی حدیث پیش فرماتے اور کہتے کہ میرے والدگرامی بھی اسی طرح کرتے تھے۔ اور یہی روایت اپنے شیخ احمد بن عبدالرشید سے بیان کرتے تھے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے خمیس کے دن کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

یوم قضاء الحوائج والدخول علی السلطان۔

یہ ضروریات وحوائج پورا کرنے اور بادشاہوں (حاکموں) کے پاس جانے کا دن ہے۔

اس لیے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مصر کے بادشاہ کے ہاں اس دن تشریف لے گئے اور اس نے آپ کا مقصد

پورا کردیا یکہ بی بی ہاجرہ بھی ہدیۃً پیش کی۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے جمعہ کے دن کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

یومِ نکاح - یہ نکاح کا دن ہے۔

اس دن حضرت حوا کا حضرت آدم سے اور بی بی زلیخا کا یوسف علیہ السلام سے اور بنتِ شعیب کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اور بلقیس کا سلیمان علیہ السلام سے اور بی بی خدیجہ اور بی بی عائشہ رضی اللہ عنہما کا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا۔

مسئلہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو جمعہ کے دن ناخن کٹوائے گا اللہ تعالیٰ اس کے جسم سے بیماری دور فرمائے گا اور اس کے جسم میں شفا داخل فرمائے گا۔

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ تبیان میں ہے کہ قرآن مجید میں لفظ ثُمَّ پانچ طرح مستعمل ہے:

۱۔ عاطفہ جیسے ان الذین اٰمنوا ثم کفروا ثم اٰمنوا ثم کفروا۔

۲۔ بمعنے قبل جیسے ثم استوٰی علی العرش یہاں پر ثمّ بمعنے قبل استوی علی عرش۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ چودہ طبق کی تخلیق سے عرشِ معلّٰی پہلے تھا کما قال تعالیٰ وکان عرشہٗ علی الماء۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ آسمان اور زمین کے طبقات کی تخلیق سے عرش پہلے تھا۔ یہی آیت ثم ان مرجعھم لا الی الجحیم میں بھی ثم بمعنے قبل ہے یعنی قبل ذلک مرجعھم۔

شاعر کے شعر ذیل میں ثمّ بمعنے قبل ہے۔ ؎

قل لمن ساد ثم ساد ابوہ

ثم قد ساد قبل ذلک جدہ

ترجمہ: اسے کہہ دو جو قوم کا سردار بنا ہے اس سے قبل اس کا باپ اور اس سے پہلے اس کا دادا سردار تھے۔

اس شعر میں ثمّ بمعنے قبل ہے۔

۳۔ ثمّ بمعنے واؤ ہے جیسے ثم کان من الذین اٰمنوا میں ثم بمعنے واؤ ہے

۴۔ ثمّ بمعنے الابتداء جیسے الم نھلک الاوّلین ثم نتبع الاٰخرین۔ یہاں پر نحن نتبعھم الاخرین میں ثم بمعنے ابتدا ہے۔

۵۔ ثم بمعنے تعجب، کما قال تعالیٰ الحمد للہ الذی خلق السمٰوٰت والارض وجعل الظلمات ثم الذین کفروا بربّھم یعدلون۔ یعنی تعجب کرو کہ دیکھو وہ کیسے اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ شرک کر رہے ہیں۔

صاحب رُوح البیان نے فرمایا :

صاحب روح البیان کی تحقیق یہاں پر عرش کی عظمت اور اس کی آسمانوں اور زمینوں پر فضیلت بیان کرنے کے لیے ہے نہ تراخی فی الوقت کے لیے۔ ثم استوٰی الی السّماء جو سورۂ بقر میں ہے تراخی فی الوقت کے لیے ہے جیسا کہ مفسرین نے فرمایا، اس معنے پر تاویل کی ضرورت نہیں۔

افلاک کی تحقیق افلاک کے نو طبقات ایک دُوسرے پر ہیں اور فلک محیط یہی عرش معظم ہے جو تمام افلاک کو محیط ہے اسی طرح انسان کا جسم بھی نو جواہر سے پیدا کیا گیا ہے اور وہ جواہر بھی ایک دُوسرے پر ہیں تاکہ انسان کمیت وکیفیت میں افلاک سے مشاکلت ہو اور وُہ نو جواہر یہ ہیں :

۱۔ چربی	۲۔ ہڈی
۳۔ جوڑ	۴۔ رگیں
۵۔ خُون	۶۔ گوشت
۷۔ چمڑہ	۸۔ بال
۹۔ ناخن	

اوّل المخلوق کون اجسام میں سے اول المخلوق عرشِ اعظم ہے اور ارواح میں ہمارے نبی کرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوحِ اقدس ہے۔ اور عرشِ معلّٰی سُرخ یاقوت کا ہے ؛ اس کے ایک ہزار پائے ہیں اور ہر پایہ میں دُنیا کے برابر جہان ہے۔

ف : حضرت ابن الشیخ نے فرمایا کہ : استواء بمعنے استیلاء ۔ یعنی اپنی قدرت وغلبہ اور تصرف میں اللہ تعالیٰ اس پر غالب ہے۔

نکتہ : عرش کی تخصیص اس لیے کی گئی کہ وہ اعظم المخلوقات ہے تاکہ تنبیہہ ہو کہ جب وُہ بہت بڑی مخلوق پر غلبہ رکھتا ہے تو جو اس سے درجہ میں کم ہیں تو بطریقِ اولیٰ ان پر بھی غلبہ رکھتا ہے۔

ربط : حدادی نے فرمایا کہ جیسے ثمّ استوی علی العرش پر داخل ہے ایسے ہی آنے والے جملے میں بھی داخل ہے گویا فرمایا کہ ثمّ "یُدَبِّرُ الْاَمْرَ" کام کی تدبیر کرتا ہے حالانکہ وہ مستوی علی العرش ہے اور جملہ امور عرش کے نیچے سے نازل ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دُعا کے وقت عرش کی طرف ہاتھ اُٹھائے جاتے ہیں۔

ف : قاضی بیضاوی نے فرمایا :

یدبر الامر بمعنے یقدر امر الکائنات الخ یعنی اللہ تعالےٰ اپنی کائنات کے جملہ امُور کی تدبیر کرتا ہے جیسے اس کی حکمت کا تقاضا ہوتا اور اس کی تقدیر چاہتی ہے پھر اس کے مطابق اسباب بناتا اور انہی

اسباب کو اپنی طرف سے نازل کرتا ہے۔ التدبیر بمعنے النظر فی ادبار الامور لتجی محمودۃ العاقبۃ۔ تدبیر امور کے انجام پر غور کرنا تاکہ بہتر انجام نصیب ہو۔

عمرو بن مُرہ فرماتے ہیں :

خدائی بندوں کے ہاتھ میں باذنِ الٰہی چار فرشتے امرِ دُنیا کی تدبیر بناتے ہیں :

۱۔ جبرائیل علیہ السلام
۲۔ میکائیل علیہ السلام
۳۔ ملک الموت علیہ السلام
۴۔ اسرافیل علیہ السلام

- جبرائیل علیہ السلام ہواؤں اور جنودِ ربانی پر ،
- میکائیل علیہ السلام بارش کے قطروں اور انگوریوں پر ،
- ملک الموت نفوس پر ،
- اور ملائکہ مذکور جن امور پر مامُور من اللہ ہوتے ہیں وہ امر من اللہ اسرافیل علیہ السلام لاتے ہیں۔

تاویلات نجمیہ میں ہے :

تفسیر صُوفیانہ خلق السمٰوٰت والارض اللہ تعالےٰ نے عالم صورۃ وعالم اکبر میں ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں پیدا فرمائیں فی ستۃِ ایام۔ چھ دنوں میں ۔ یعنی چھ انواع سے ، اور وہ یہ ہیں :

۱۔ افلاک
۲۔ کواکب
۳۔ عناصر
۴۔ حیوان
۵۔ نبات
۶۔ جماد

ثم استوی علی العرش عرش جسمانی بھی روحانی بھی ۔ یعنی عرش میں دونوں جہتیں ہیں ۔ جہت روحانی سے روحانیوں سے اور جہت جسمانی سے جسمانیوں سے متعلق ہیں یدبّر الامر عرش پر فیضِ رحمانیہ کے لیے فیضان کے لیے امور کی تدبیر کرتا ہے اس لیے کہ عرش نے ہی سب سے پہلے فیض رحمانی کو قبول کیا الرحمٰن علی العرش استوٰی کی ایک تفسیر یہی ہے پھر عرش سے ہی مستحقین کا فیض تقسیم ہوتا ہے گویا رحمانی فیض کی تقسیم گاہ عرشِ الٰہی ہے۔ اسی عرش

سے تمام مخلوقات کو فیض پہنچتا ہے یہاں تک کہ افلاک کو تاثیر یہاں سے حاصل ہوتی ہے اور کواکب اسی سے تاثیر پاتے ہیں عناصر کے توالد کا اثر پاتا ہے اس سے ہی نباتات حرکت پاتی ہے اس سے معاون کو اثرات نصیب ہوتے ہیں۔

دیگر تفسیر صوفیانہ

انّ ربکم اللہ الذی تمہارا وہ معبود جو تمہاری تربیت کرتا ہے۔ خلق السمٰوٰت جس نے ارواح کے آسمان و الارض اور تمہارا عالمِ معنیٰ، یعنی عالمِ اصغر میں تمہارے نفوس کی زمین کو پیدا فرمایا فی ستۃ ایام چھ انواع میں۔ وہ چھ انواع یہ ہیں:

- رُوح
- قلب
- عقل
- نفس یعنی رُوحِ حیوانی
- نفس نباتیہ یعنی نیامہ
- خواص المعاون

یہ ایک قوت ہے جو انسان میں ہوتی ہے جس سے وہ احوال و اوصاف اور ان کے تغیّر کو قبول کرتا ہے۔

ثم استوٰی علی العرش یہاں پر عرش سے قلبِ انسانی مراد ہے۔ یدبّر الامر یعنی امر سعادت وشقاوت کی تدبیر بناتا اور اخلاق و احوال و اعمال و افعال و حرکات و سکنات کے اسباب تیار فرماتا ہے۔

حدیث شریف قلوب العباد بیدی اللہ یقلبھا کیف یشاء کا اسی طرف اشارہ ہے۔ یعنی بندوں کے قلوب اللہ تعالےٰ کے دونوں ہاتھوں میں ہیں وُہ انہیں بدلتا ہے جس طرح چاہتا ہے۔

مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ط مگر اس کے اذن کے بعد یعنی جس کے لیے اس کی حکمت کا تقاضا ہوگا وہی شفاعت کرے گا۔

ف : اس میں بُت پرستوں کے اس قول کا ردّ ہے کہ بُت ان کی شفاعت کریں گے۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ ملک مقرب اور نبی مرسل کسی کی شفاعت نہیں کریں گے سوائے اس کے جس کی اللہ تعالیٰ اجازت دے گا اور جس سے صرف وہی راضی ہوگا۔

ف : آیت سے ثابت ہُوا کہ آیت میں شفاعت کی نفی بتوں کے لیے ہے اس لیے کہ انہیں عقل ہے نہ شعور۔

عقیدہ : آیت سے واضح ہُوا کہ ماذون لہٗ انبیاء و اولیاء قیامت میں گنہگار بندوں کی شفاعت کریں گے۔

ذٰلِکُمُ وُہ عظیم الشان رب تعالےٰ جس کی صفات و کمالات اوپر مذکور ہُوئے۔

سوال : یہ اشارہ محسوس مشاہد کے لیے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات نہ محسوس ہے نہ مشاہد۔

جواب : مجازاً اُس کی طرف ایسا اشارہ جائز ہے جبکہ اُس کے کمالات وصفات اس کی ذات پہ دلالت کرتے ہیں۔
سوال : بہشت محسوس مشاہد نہیں لیکن اس کی طرف تلك الجنة کہہ کر اشارہ کیوں جاتا ہے۔
جواب : اُس کے اوصاف بیان کر کے بندوں کے ذہنوں میں ایسا واضح کیا گیا ہے کہ گویا وہ محسوس ومشاہد ہے۔
اللّٰهُ یہ ذٰلِكُمُ کی خبر ہے کہ یہ صفت اور ما بعد اُس کی خبر ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ صفت اور ما بعد اُس کی خبر ہو۔ چنانچہ کاشفی نے ترجمہ کیا کہ :

"آں خداوندیکہ موصوف است بصفات خلق وتدبیر واستیلاء"

وُہ اللہ جو صفاتِ خلق وتدبیر واستیلاً سے موصوف ہے رَبُّكُمْ وہی تمہارا رب ہے نہ کوئی اور، اس لیے کہ ان صفات میں اس کا اور کوئی شریک نہیں۔

ف : حضرت ابوالسعود رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ ربکم یا الله کا عطف بیان یا بدل یا اسم اشارہ کی دُوسری خبر ہے۔
فَاعْبُدُوْهُ ط پس اُسی کی عبادت کرو۔ اُس کے ساتھ کسی دُوسرے مَلک یا انسان کو شریک نہ کرو چہ جائیکہ پتھروں کو جو نہ نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ○ کیا تم دھیان نہیں کرتے یعنی سوچتے نہیں ہو کہ معمولی سے نظر وفکر سے تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ عبادت و ربُوبیت کا مستحق صرف وہی ہے نہ یہ تمہارے بُت کہ جن کی تم پرستش کرتے ہو اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ط تم سب کو اُسی کی طرف پھرنا ہے۔ مَوت اور بعثت ونشر سے نہ کسی دُوسرے کی طرف بلکہ اُسی کی حاضری کے لیے تیاری کرو۔
ف : جمیعاً ضمیر مجرور سے حال ہے اس لیے کہ وہ معنےً فاعل ہے۔ دراصل عبارت یُوں ہوگی : اِلَيْهِ رُجُوْعُكُمْ مُجْتَمِعِيْنَ۔

تفسیرِ صُوفیانہ

اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا یعنی اللہ تعالےٰ کے حضور میں ہر مقبول و مردُود نے حاضر ہونا ہے۔ مقبول کی حاضری جذبات عنایت سے جسے ارجعی الی ربك کے خطاب سے نوازا گیا درحقیقت یہ جذبات وُہ ہیں کہ جن سے قلب ذاتِ حق کی طرف منجذب ہو جاتا ہے اور اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ نفس دنیا اور اس کے تمام متعلقات سے مستغنی ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اس کے نزدیک سونا اور مٹی کا ڈھیلا برابر ہوتا ہے۔ اور دل ماسوی اللہ سے بالکل فارغ ہو جاتا ہے۔ رُوح بحرِ شوق ومحبت میں ڈوب جاتی ہے اور ماسوی اللہ اس کی پروا نہیں ہوتی۔ انسانی سِرّ (راز) شہودِ حق میں مصروف ہو کر خلق سے رُوگردانی کر لیتی ہے اور مردُود اللہ تعالےٰ کے ہاں لوہے کی بیڑیوں اور زنجیروں میں بے اختیاری سے گرفتار ہو کر حاضری دیتا ہے۔ حکم ہوتا ہے کہ اُسے منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں لیجایا جائے۔ اُس وقت اُس پہ قہرِ حق کی صفت ظاہر ہو جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وُہ دُنیا اور اُس کے متعلقات میں پھنس جاتا ہے اور اس پر نفس کے صفات جیسے حرص وبخل، غلط آرزو، کبر وغضب، شہوت وحسد

کینہ وعداوت اور لالچ سوار ہوجاتے ہیں۔ یہی ہر ایک کے لیے بیڑیاں اور لوہے کی زنجیریں ہیں جن سے انھیں نارِ جہنم میں ڈالا جاتا ہے۔ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ط اللہ تعالٰے کا وعدہ جو اس سے فرمایا کہ تم نے قیامت میں مرنے کے بعد اٹھنا ہے حقًّا سچ ہے۔ اس میں کسی قسم کا شک نہیں۔ وعد اللہ مصدر (مفعول مطلق) موکد للنفسہ ہے اس لیے کہ اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ بھی مرنے کے بعد اُٹھنے کا وعدہ ہے پھر اسے وعد اللہ حقًّا کہنے سے اس کا اعادہ ہوگیا۔ اس بنا پر اسے موکد للنفسہ کہا گیا۔ حقًّا مصدر (مفعول مطلق) موکد لغیرہ ہے اس لیے کہ یہ وعد اللہ کے مدلول کی تاکید کے لیے ہے اس لیے کہ مدلول میں غیر کا احتمال ہے۔ اس احتمال کو دُور کرنے کے لیے حقًّا لایا گیا ہے ای حق ذالك حقًّا۔ اِنَّهٗ بے شک اللہ تعالٰے يَبْدَؤُا الْخَلْقَ پہلی بار بناتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے بَدَأَ اللّٰهُ الْخَلْق ای خلقھم (کذا فی القاموس) یعنی انھیں اللہ تعالٰے نے فرمایا ثُمَّ يُعِيْدُهٗ پھر انھیں دُنیا میں پیدا کیا تاکہ مکلف بنا کر عبادت پر مامور فرمائے ثم انھیں ان کے اعمال کے اختتام پر اُنھیں فوت کرے گا۔ موت کے بعد پھر اُنھیں اُٹھائے گا۔ یہ جملہ مستانفہ بمعنے تعلیل کے ہے اس لئے کہ اس کی طرف سب کو ضروری لوٹنا ہے لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یہ يُعِيْدُهٗ کے متعلق ہے تاکہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے انھیں اپنے فضل اور لطف وکرم کے لائق ایسا صلہ عنایت فرمائے کہ جسے کسی نے نہ دیکھا اور نہ سُنا اور کسی کے تصور میں آسکے بِالْقِسْطِ ط یجزی کے متعلق ہے بمعنے بالعدل یعنی نیک کو ثواب عنایت فرمائے گا تو مکمل کہ اس میں کسی قسم کی کمی نہیں ہوگی اور بُرے کو بھی سزا دے گا تو پُوری پُوری کہ اس سے ذرہ برابر بھی زیادتی نہیں ہوگی بلکہ ہر ایک کو اپنے عمل کے مطابق جزا و سزا ملے گی کما قال تعالٰی جزاء وفاقا۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ اور کافروں کے لیے پینے کا گرم پانی کہ جب وہ اسے پئیں گے تو اُن کی آنتیں اور دل وجگر پاش پاش ہوجائیں گے وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اور دردناک عذاب کہ جس کے درد کا اثر دل پر پڑے گا بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ یہ مرفوع ہے اس لیے کہ عذاب کی دُوسری صفت ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اسے مبتدا محذوف کی خبر بنایا جائے۔ اس وقت عبارت یُوں ہوگی ذلك المذکور من الشراب والعذاب حاصل لھم بسبب کفرھم باللہ ورسولہ یعنی شراب و عذاب مذکور جو انھیں حاصل ہوگا وہ اُن کے اللہ جل جلالہٗ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفر کی وجہ سے ہے۔

سوال: ولیجزی الخ کے بجائے بشراب الخ کیوں نہ فرمایا اس قدر طویل عبارت کیوں۔

جواب: تاکہ تنبیہ ہو کہ مقصود بالذات ثواب وعتاب ہیں جو ابداء واعادہ کی وجہ سے واقع ہُوئے۔

ف: دُنیا آخرت کی کھیتی ہے اللہ تعالٰی اپنی قدرت سے تمام مخلوق کو موت کے بعد لوٹائے گا تاکہ ہر شخص اپنی کھیتی کاٹ سکے۔

سبق: جو دُنیا میں نیکی کرتا ہے اُسے آخرت میں اچھا پھل ملے گا اور جو بُرائی کرتا ہے وہ ندامت اور خجالت پائے گا۔ ؎

جملہ دانند ایں اگر تو نکہ دی
ھر چہ کاریش روزے بدردی

ترجمہ: سب کو معلوم ہے جو کچھ بوؤ گے وُہی اٹھاؤ گے۔

حکمت: قادر کو اپنی قدرت سے اس دنیا میں ہر نیک اور بد کو اچھی اور بُری جزا دے سکتا تھا لیکن بجائے دُنیا کے آخرت میں جزا و سزا کو موقر فرمایا کہ عالمِ دُنیا کو وہ طاقت و قوت نہیں کہ جزا و سزا کو برداشت کر سکے اور اللہ تعالیٰ کے ہر فعل میں حکمت ہوتی ہے۔

سبق: جب یہ کیفیت ہے تو بندے کو اللہ تعالےٰ سے ہر وقت ڈرنا چاہیے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ بڑا غیور ہے وُہ نہیں چاہتا کہ اس کا بندہ اس کے احکامات کی مخالفت کر کے اس کی طاعات کے دائرہ سے نکل کر باہر جائے۔

بجلی کا کرنٹ اور شبر و شبیر کی کہانی

حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ دورِ سابق میں بیت المقدس پر ہر رات ایک ہزار ٹیوبوں (TUBES) (گیس لالٹین) سے چراغاں ہوتا۔ ان کے لیے تیل طورِ سینا سے لایا جاتا جو قدرتی طور پر اونٹ کی گردن کے مشابہ کوئی چیز ظاہر ہوتی اس میں تیل کا مشکیزہ ہوتا اس تیل سے بھی ایک ہزار ٹیوبیں (گیس لالٹین) روشن ہو جاتیں۔ تیل ڈالنے میں اور آگ جلانے میں کسی انسان کو دخل نہ تھا۔

حضرت ہارون علیہ السلام کے دو صاحبزادوں شبر و شبیر کو صرف اتنا حکم تھا کہ وہ وقت مقررہ پر ٹیوبوں (گیس وغیرہ) کی دیکھ بھال کریں لیکن انھیں ہاتھ مت لگائیں اور نہ ہی انھیں دُنیوی آگ سے روشن کریں۔ ایک دن اُن سے غلطی ہُوئی کہ دُنیوی آگ سے اُنھیں جلا دیا تو ان ٹیوبوں (گیس وغیرہ) سے ایک آگ نکلی جو شبر و شبیر کو لپٹی اور انھیں آنکھ جھپکنے سے پہلے ہی فنا کر گئی۔ اس کیفیت سے شور برپا ہُوا۔ حضرت مُوسیٰ علیہ السلام کو جب یہ واقعہ سنایا گیا تو حضرت مُوسےٰ علیہ السلام نے بارگاہِ ایزدی میں عرض کی کہ اے الٰہ العٰلمین! یہ میرے بھتیجے ہیں اور تیرے گھر کے خدام۔ ان کی معمولی سی غلطی سے اتنی ناراضگی۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا: یہی تو وجہ ہے کہ میرے محبوب اور پیارے ہو کر اُنہوں نے غلطی کیوں کی۔ میرے محبوبوں اور دوستوں سے جب غلطی سرزد ہو جائے تو ان کے ساتھ میں ایسے کر لیتا ہوں تاکہ میرے دشمنوں اور نافرمانوں کو عبرت حاصل ہو۔

اعجوبہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جہنم کے تھوہر کا ایک قطرہ اگر زمین پر گرے تو روئے زمین کی تمام انگوریوں کا ذائقہ بگڑ جائے گا۔

سبق: غور کیجئے جب اس کے ایک قطرے کا یہ حال ہے تو اس بدبخت کا کیا حال ہوگا جسے جہنم میں غذا کے طور کھانا پڑے گا اور پینے کے لیے گرم پانی ملے گا۔ (نعوذ باللہ منہا)

نسخۂ رُوحانی جو شخص مبدا و معاد کو یاد کر کے غور و فکر میں ڈوب جاتا ہے کہ آخر فنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونا ہے تو ایسے شخص کو غلطیوں اور گناہوں سے توبہ کرنے کا موقعہ نصیب ہوتا ہے اور وُہ الذین اٰمنوا وعملوا الصّلحٰت کے زمرہ میں شریک ہو جاتا ہے۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

اذا بلغ العبد اربعین سنۃً و لم یغلب خیرہ شرہ قبل الشیطان بین عینیہ وقال فدیت وجہا لا یفلح ابدا۔

جو چالیس سال کی زندگی ختم کر لے لیکن اس کی برائیوں پر اس کی نیکیوں کا غلبہ نہ ہو تو شیطان اس کا منہ چومتا ہے اور کہتا ہے قربان جاؤں یہ وُہ چہرہ ہے جو دائمی طور فلاح سے محروم رہا۔

شیطان کا واویلا اگر کسی بندے پر اللہ تعالےٰ کا فضل و کرم ہُوا اور اُس کو گناہوں سے توبہ کرنے کی توفیق بخش کر اسے جہالت کے گڑھے سے نکالتا اور گمراہی کی خرابیوں سے بچاتا ہے تو شیطان کہتا ہے ؛ ہائے افسوس ! اس کی زندگی گناہوں میں بسر ہُوئی جس کے گناہوں سے میری آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچتی تھی لیکن شومیِ قسمت سے اللہ تعالےٰ نے اسے توبہ کی توفیق بخشی جس سے اس کے تمام گناہ بخش دیے گئے اور وہ نورِ طاعت سے سرفراز ہوا۔

مثنوی شریف میں ہے ؛

مرد اول بستہ خواب و خور ست
آخر الامر از ملائک برتر است
در پناہ پنبہ و کبریتہا
شعلۂ نورش بر آید بریتہا

خلاصہ انسان پہلے تو خواب و خور کا پابند ہوتا ہے لیکن جب ترقی کرتا ہے تو ملائکہ سے بھی افضل ہو جاتا ہے جیسے پہلے آگ کا انگارہ معمولی سا ہوتا ہے لیکن اس کے ساتھ جب رُوئی اور کپڑا ملتے ہیں تو بہت بڑی آگ بن جاتی ہے ۔ ایسے ہی انسان پہلے تو گندے پانی اور بے قدر مٹی سے مرکب ہو کر ظاہر ہوتا ہے پھر اسے کسی کامل کی تربیت یا بلا واسطہ فیض ربانی نصیب ہوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسا برگزیدہ ہو جاتا ہے کہ اس کی پرواز سے ملائکہ عاجز ہوتے ہیں اور عام انسانوں میں رہ کر اُونچی شان کا مالک ہوتا ہے۔ (نسئال اللہ العنایۃ والتوفیق)

تفسیر عالمانہ هُوَ الَّذِیْ اللہ تعالیٰ وُہ ہے جس نے اپنی قدرت سے جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً سُورج کو روشنی والا بنایا تاکہ تمام کائنات اس سے مستنیر ہو۔ سُورج کے عین سے استفادہ نہیں کیا جاتا بلکہ اس کی روشنی سے فائدہ حاصل کیا جاتا ہے یا معنیٰ یہ ہے کہ سُورج کو پیدا فرمایا درانحالیکہ وہ صاحب ضیاء ہے۔

ف : ضیاء در اصل ضواء تھا۔ واؤ کو یا سے تبدیل کیا گیا۔ اس کے ماقبل کی کسرہ کی وجہ سے واؤ یا سے بدل گئی۔ اور الشمس، شمسۃ القلادۃ سے ماخوذ ہے اور شمسۃ سب سے اچھے موتی کو کہتے ہیں جو سب سے بڑا اور نفیس تر اور زیادہ قیمتی ہوتا ہے (اسے فارسی میں میانگین کہا جاتا ہے)

سورج بھی ایک ستارہ ہے لیکن چونکہ ستاروں میں اس کی موتی کی حیثیت ہے اس لیے اسے اس نام سے موسوم کرتے ہیں۔ (کذا فی شرح التقویم)

وَّالْقَمَرَ بمعنے چاند۔ قمر بمعنے سفیدی و زردی کی ملاوٹ۔ جس گدھے کا رنگ سفید اور زرد ہو، اسے ابیض فی صفرۃ کہا جاتا ہے۔ چونکہ چاند کا رنگ سپیدی و زردی ملا ہوتا ہے اس لیے اسے قمر سے موسوم کرتے ہیں۔
نُوْرًا چاند کو نورانی بنایا، اس لیے کہ وہ رات کو چمکتا ہے۔

ف : ضیاء، نور سے وضع و استعمال کے لحاظ سے قوی تر ہوتا ہے اسی لیے ضیاء سورج کی طرف اور نور چاند کی طرف منسوب ہوتا ہے۔

ف : حکماء فرماتے ہیں کہ ضیاء ذاتی نور کو کہا جاتا ہے جیسے سورج کا نور ذاتی ہے اور جس کا نور بالعرض ہو اس پر نور مستعمل ہے جیسے زمین پر چمکنے والی روشنی۔ اس سے ثابت ہوا کہ نور القمر مستفاد من الشمس یعنی چاند کا نور سورج سے حاصل ہوتا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ چاند ایک صیقل شدہ ظلمانی اور روشنی قبول کرنے والا ایک جسم ہے جب وہ سورج کے بالمقابل ہوتا ہے تو سورج کے عکس سے نور سے بھر جاتا ہے اس وجہ سے زمین پر اس کی روشنی پڑتی ہے۔ ؎

نور ہستی جملہ ذرات عالم تا ابد
میکنند از مغربے چوں ماہ از مہر اقتباس

ترجمہ : تمام عالم اللہ تعالےٰ سے تاباں ہے جیسے چاند سورج سے نور حاصل کر رہا ہے۔

سورج اور چاند کی شرعی تحقیق

مذکورہ بالا حکماء کی تحقیق شرعی تحقیق کے خلاف ہے اس لیے کہ اسئلۃ الحکم میں ہے کہ حدیث شریف ۱ میں ہے :

ان اللہ خلق شمسین نیرین قبل خلق الافلاک۔

اللہ تعالےٰ نے دو نورانی سورج اور چاند افلاک کی تخلیق سے پہلے پیدا فرمائے۔

حدیث شریف ۲ : ایک اور روایت میں ہے کہ :

ان اللہ خلق نور القمر سبعین جزء وکذا نور الشمس ثم امر جبریل فمسحہ بجناحیہ فمحا من القمر تسعۃ و ستین

بے شک اللہ تعالےٰ نے چاند کا نور سورج کی طرح ستر جزء بنائے اس کے بعد جبریل کو حکم فرمایا کہ وہ اپنے پروں سے چاند کے انہتر اجزاء نکال کر سورج میں

جز فهولها الی الشمس فاذهب عنه الضوء وابقی فیه النور والشمس مثل الارض مائة وستا وستین مرة وربعا ثم جرم الارض والقمر جز من تسعة وثلاثین وربع ما فی الواقع۔

ڈال دے اس کے بعد چاند میں صرف ایک حصہ نور کا رہا اور سورج کا طول وعرض زمین کے طول وعرض سے ۱۶۶ بار زاید ہے اس معنے پر زمین اور چاند کا طول وعرض سورج کے بالمقابل صرف سوا انتیس حصص پر مشتمل ہے۔

حدیث شریف ۳: مروی ہے کہ،

ان وجوههما الی العرش وظهورهما الی الارض تضیٔ وجوههما لاهل السمٰوٰت السبع وظهورهما لاهل الارض السبع۔

چاند اور سورج کے چہرے عرش کی جانب اور انکی پیٹھ زمین کی طرف ہے۔ ان کے چہرے ساتوں آسمان والوں کو نور دے رہے ہیں اور ان کی پیٹھ ساتوں زمین والوں کو۔

ف: مشہور ہے کہ جب زمین والوں کا دن ہوتا ہے اس وقت زمین کے نیچے والوں کے لیے رات ہوتی ہے۔ اس کے برعکس یعنی جب زمین کے نیچے والوں کا دن ہوتا ہے تو زمین کے اُوپر رہنے والوں کے لیے رات ہوتی ہے۔

حدیث شریف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:

ان فی الارض الثانیة خلقا وجوههم وابدانهم وایدیهم کوجوه بنی آدم وابدانهم وایدیهم وافواههم کافواه الکلاب وارجلهم واذانهم کارجل البقر واذانها وشعورهم کصوف الضان لا یعصون الله طرفة عین لیلنا نهارهم ونهارنا لیلهم۔

(کذا فی ربیع الابرار)

دُوسری زمین میں ایسی مخلوق ہے جن کے چہرے اور بدن اور ہاتھ آدمیوں کی طرح ہیں بعضوں کے منہ، ابدان اور ہاتھ کتوں کی طرح اور ان کے پاؤں اور کان گائے کی طرح اور ان کے بال بھیڑ کی طرح۔ لیکن آنکھ جھپکنے کے برابر بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے جب ہماری رات ہوتی ہے ان کا دن ہوتا ہے اور جب ہمارا دن ہوتا ہے تو اُن کی رات۔

سُورج افضل ہے یا چاند

بعض کے نزدیک چاند سورج سے افضل ہے اس لیے کہ چاند مذکر ہے اور سُورج مؤنث۔ اور قاعدہ ہے کہ مونث مذکر کی فرع ہے اور اصل فرع سے افضل ہوتا ہے۔ یہی اصح واشہر ہے۔

سوال: آیات قرآنیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سورج افضل ہے کیونکہ ہر جگہ سورج کا ذکر پہلے آیا ہے۔

جواب : کسی کا پہلے مذکور ہونا افضلیت کی دلیل نہیں کیونکہ قرآن مجید میں بہت سی بزرگ ترین اشیاء مؤخرالذکر ہیں۔
کما قال :

فَمِنۡکُمۡ کافر و منکم مومن ۔ تم میں بعض کافر ہیں اور بعض مومن۔

اور فرمایا :

وجعل الظلمات والنور ۔ اور اللہ تعالیٰ نے ظلمات اور نور پیدا فرمایا۔

(کذا فی اسئلۃ الحکم)

فیصلہ از صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت اسمٰعیل حقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : صرف تذکیر و تانیث سے افضلیت ثابت کرنے سے افضلیت ثابت نہیں ہوتی۔ علاوہ ازیں جس تذکیر و تانیث سے افضلیت ثابت ہوتی ہے وہ تانیث حقیقی ہے تانیث لفظی کسی نے ثابت نہیں کی اور نہ ہی اس سے افضلیت ثابت ہوسکتی ہے کیونکہ بہت سے مردوں کے نام تانیث لفظی سے عرب میں پائے جاتے ہیں۔ مثلاً طلحۃ ، اس میں تانیث لفظی ہے لیکن نام مذکر کا ہے۔ اس بنا پر چاند کی تذکیر سے سورج کی تانیث پر افضلیت ثابت نہ ہوئی۔ کسی شاعر نے کیا خوب فرمایا ہے : ؎

ولا التانیث عار لاسم شمس

ولا التذکیر فخر للھلال

ترجمہ : نہ تانیث سورج کے لیے عار کا موجب ہے اور نہ ہی تذکیر چاند کے لیے فخر کا باعث ہے۔

نیز سورج کی تمام طبائع نباتیہ و معدنیہ و حیوانیہ پر سلطنت ہے اس لیے کہ کوئی کھیتی اگتی ہے یا کوئی میوہ یا کسی شے میں لذت اور چاشنی پیدا ہوتی ہے تو باذن اللہ تعالیٰ تمام سورج کا فیض ہے۔

ف : کھیتیاں سورج سے پکتی ہیں ان پہ رنگ چاند سے چڑھتا ہے ان میں ذائقہ ستاروں سے آتا ہے۔

لطیفہ : اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ :

حوصلہ میں زمین کی طرح ، سخاوت میں جاری پانی کی طرح ، رحمت میں سورج اور چاند کی طرح ہونا ، کیونکہ یہ دونوں ہر ایک کو روشنی پہنچاتے ہیں ، نیک اور بد کو نہیں دیکھتے۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

نظر کردن بدرویشاں منافیِ بزرگی نیست

سلیمان با چناں حشمت نظرہا بود با مورش

سلیمان علیہ السلام اتنی بڑی شان و شوکت کے باوجود ہر چھوٹے بڑے پر نگاہ رکھتے تھے یہاں تک کہ چیونٹی

پر بھی۔

تفسیر صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رُوح کو نورانی بنایا۔ اُس کے اندر سُورج کی طرح ضیاء (روشنی) ہے۔ اور قلب کو چاند کی طرح صاف و شفاف بنایا جو نور و ظلمت کو قبول کرتا ہے اور نفس کو زمین کی طرح ظلمانی بنایا۔ جب قلب چاند اور رُوح سورج کے بالمقابل ہوتی ہے تو قلب اس سے منوّر اور روشن ہوجاتا ہے۔ اور جب نفس زمین کے بالمقابل ہوتا ہے تو اس کے ظلمات کا اس پر عکس پڑتا ہے۔

ف: قلب کو دوؔ وجوہ سے قلب کہا جاتا ہے:

۱۔ جسم کے درمیان ہونا۔ چونکہ یہ رُوح و نفس کے درمیان واقع ہے، بنا بریں قلب کے نام سے موسوم ہوا۔

۲۔ قلب بمعنے بدلنا۔ چونکہ اس کے احوال تبدل ہوتے رہتے ہیں کہ رُوح کا فیض قبول کرتا ہے تو نورانی ہوجاتا ہے اگر نفس کی صفات قبول کرتا ہے تو ظلمانی ہوجاتا ہے۔

لطیفہ: صاحبِ رُوح البیان فرماتے ہیں کہ میرے شیخ قدس سرّہٗ نے فرمایا: ہم دوؔ نوروں کے درمیان ہیں:

○ شمس حقیقۃ کا نور

○ قمر شریعت کا نور

جب حقیقت کا دن ہوتا ہے تو ہم حقیقت کے نُور سے روشنی پاتے ہیں۔ جب شریعت کی رات آتی ہے تو ہم شریعت کے چاند کے نُور سے روشنی حاصل کرتے ہیں۔ اس معنے پر ہم نورانی لوگ ہیں کہ شریعت کے نور سے حقیقت کے نور کی طرف پرواز کرتے ہیں۔ اس لیے ہم کبھی روشنی میں ہوتے کبھی اندھیرے میں یعنی کبھی تجلیات سے متجلی ہوتے اور کبھی ان تجلیات سے محجوب۔ نورِ الٰہی کا نور جب ہمارے قلوب، ارواح اور اسرار پر متجلی ہوتا ہے تو ہمیں صرف وہی کافی ہے۔ اس کے بعد ہمیں اور کسی شے کی ضرورت نہیں۔ اور جب ہمارے آگے حجابات حائل کردیے جائیں تو بھی ہمیں ملول نہیں ہونا چاہیے کہ ہمارے پاس اس وقت شریعت کے چاند کا نُور موجود ہوتا ہے پھر ہمیں کسی کی محتاجی کیوں۔

وَقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ اور ان دونوں (سورج اور چاند) میں سے ہر ایک کی منزلیں مقدر فرمائی ہیں کہ وہ نہ توان منزلوں سے تجاوز کرسکتے ہیں نہ کوتاہی۔ یہاں حرفِ جر محذوف ہے۔

بروجِ شمس کی تفصیل شمس کی منازل سے اس کے بروج مراد ہیں اور سُورج کے بارہ بروج ہیں۔ ان میں تین بروج ربیع ہیں:

۱۔ حمل

۲۔ ثور

۳۔ جوزا

یہ تینوں ربیعہ شمالیہ ہیں اور شمال قبلہ کی بائیں جانب کو کہتے ہیں۔ (بروج کو ان اسمٔا سے موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ کواکب جو فلک میں مرکوز ہیں ان کا نام ان کے ہمشکل کے اسماء پر رکھے گئے۔ مثلاً جو شیر کی شکل میں ہے اس کا نام اسد ہے۔ جو بیل کی شکل میں ہے اس کا نام ثور وغیرہ وغیرہ۔

تین بروج صیف ہیں؛

۱۔ سرطان

۲۔ اسد

۳۔ سنبلہ

ف؛ سرطان کی ابتداء انقلاب صیفی سے ہوتی ہے۔ یہ تینوں صیفی شمالی ہیں۔ تینوں بروج خریف ہیں؛

۱۔ میزان

۲۔ عقرب

۳۔ قوس

ف؛ میزان کی ابتداء نقطۂ اعتدال سے ہوتا ہے اور یہ تینوں خریفی جنوبی ہیں۔ تین بروج شتاء ہیں؛

۱۔ جدی

۲۔ دلو

۳۔ حوت

جدی کی ابتداء انقلاب شتوی سے ہوتا ہے اور یہ شتوی جنوبی ہیں اور جنوب قبلہ کی دائیں جانب کا نام ہے۔

ف؛ ان بارہ برجوں کو نصاب الصبیان میں ان دو بیتوں میں بیان کیا گیا ہے ؎

برہما دائم کہ از مشرق بر آورد ند سر
جملہ در تسبیح و در تہلیل حی لایموت
چوں حمل چوں ثور چوں جوزا و سرطان و اسد
سنبلہ میزان و عقرب قوس و جدی و دلو حوت

ترجمہ؛ تمام برج مشرق میں ہیں اور وہ ہمیشہ حی لایموت کی تسبیح پڑھتے ہیں اور وہ بارہ برج یہ ہیں؛

۱۔ حمل	۲۔ ثور
۳۔ جوزا	۴۔ سرطان
۵۔ اسد	۶۔ سنبلہ

۷۔ میزان ۸۔ عقرب
۹۔ قوس ۱۰۔ جدی
۱۱۔ دلو ۱۲۔ حوت

قاعدہ: سُورج مذکورہ بالا بُروج میں سے ہر ایک بُرج میں ایک ماہ میں لازمی طور رہ کر دورہ کرتا ہے۔ چنانچہ نصاب الصبیان میں ہے: ۔

خور بجوزا است سی و دو و یکست
حمل و ثور و شیر با پس و پیش
دلو و میزان و حوت و عقرب سی
بیست و نہ قوس و جدی بے کم و بیش

ترجمہ: سُورج جوزا میں تیس دن ٹھہرتا ہے۔ اسی طرح حمل و ثور اسد میں دلو اور میزان اور حوت اور عقرب میں بھی تیس روز اور قوس وجدی میں انتیس دن۔

چاند کی منزلیں چاند کی کل اٹھائیس منزلیں جو مذکورہ بالا بروج پر منقسم ہیں۔ ہر بُرج میں اس کی سوا دو منزلیں اور ہیں۔ ہر رات اپنی معین منزل میں نازل ہوتا ہے۔ جب آخر منزل کو پہنچتا ہے تو باریک ہو کر کمان کی طرح ہو جاتا ہے۔ پھر اگر مہینہ تیس کا ہو تو دو راتیں اور اگر انتیس کا ہو تو ایک رات چھپ جاتا ہے اور سُورج اپنی ہر منزل کو تیرہ دنوں میں طے کرتا ہے یہ منزلیں ستاروں کے مواقع ہیں جنہیں اہلِ عرب ستاروں کی تاثیر سے تعبیر کرتے ہیں اس کی تفصیل و اذا اذقنا الناس (الآیہ) میں عرض کی جائے گی۔ (ان شاءاللہ)

چاند کی منازل کے اسماء اور تفصیل ۱۔ چاند کی منزل اوّل سرطان ہے۔
۲۔ بطین بروزن زبیر۔ یہ تین چھوٹے ستارے ہیں۔ چولھے کے تین پایہ کی طرح معلوم ہوتے ہیں اور بُرج حمل کا بطن یہی ہیں۔

۳۔ الثریا بالضم وفتح الرا والیاء المشددۃ کہکشاں۔ یہ چھ ستارے ہیں جو دو دو ایک دُوسرے کے بالمقابل نظر آتے ہیں۔

۴۔ الدبران (محرکۃ)

۵۔ الہقعہ۔ یہ تین ستارے ہیں جو جوزا کے دونوں کاندھوں کے درمیان چولھے کے تین پایہ کی طرح نظر آتے ہیں ان کی علامت یہ ہے کہ جب فجر کے وقت طلوع کرتے ہیں تو سورج میں سخت گرمی ہوتی ہے۔

۶۔ الہنعۃ۔ یعنی جوزا بُرج کے بائیں کاندھا۔ یہ دراصل پانچ ستارے ہیں صف بستہ۔ یہی چاند کی منزلیں ہیں۔

۷۔ الذراع۔ یعنی بُرج اسد کا پھیلا ہوا ہاتھ۔ اس لیے کہ بُرج اَسد کے دو ہاتھ ہیں: ایک مبسوطہ یعنی دراز ہے دُوسرا مقبوضہ یعنی مٹھی کی طرح بند شدہ۔ یہی شام کے علاقہ کے قریب ہے اور مبسوطہ یمن کے قریب واقع ہے سماک سے ارفع اور اپنے دُوسرے سے دراز تر ہوتا ہے اس بُرج میں چاند برابر ہو جاتا ہے اور تموز[1] یعنی ساون کے مہینے کی چار تاریخ کو چاند اس بُرج سے طلوع کرتا ہے اور اس سے نکلتا ہے تو کانون اول کی چوتھی تاریخ ہے۔

۸۔ نثرہ۔ وُہ دو ستارے ہیں اُن کے درمیان کا فاصلہ دو بالشت کی مقدار ہے اور اُن کے اُوپر ایک سفید شے بادل کے ٹکڑے کی طرح نظر آتی ہے اور انھیں اہلِ نجوم انف الاسد بھی کہتے ہیں۔

۹۔ قوس کا کنارہ، جو "السیہ اور ارانہران" کے درمیان واقع ہے۔ الانہران سے العوا[2] اور السماک مراد ہیں۔ انھیں اس لیے الانہران کہتے ہیں کہ ان میں پانی کی کثرت ہے۔

۱۰۔ الجبہ۔ یہ چار ستارے ہیں، تین چُولھے کے تین پایوں کی طرح ہیں اور ایک ان سے علیحدہ۔

۱۱۔ الزبرہ (بالضم) وہ دو چمکدار ستارے جو بُرج اور اسد کے کاندھے پر واقع ہیں۔ یہاں پر بھی چاند نازل ہوتا ہے۔

۱۲۔ الصرفہ (بالفتح فا)۔ ایک روشن ستارہ ہے جو زبرہ کے پیچھے آتا ہے اور اسے صرفہ سے اس لیے تعبیر کرتے ہیں کہ اس ستارے کے طلوع سے سردی پھر جاتی ہے۔

۱۳۔ العوا[2]۔ یہ دراصل چار یا پانچ ستارے ہیں۔ دُور سے الف کی شکل میں نظر آتے ہیں۔

۱۴۔ السماک بروزن کتاب۔ یہ دو چمکدار ستارے ہیں۔

۱۵۔ الغفر (بالفتح) (میزان میں) چھوٹے تین ستارے ہیں۔

۱۶۔ الزبانی (بالضم)۔ دو چمکدار ستارے جو عقرب کے دو قرنوں میں واقع ہیں۔

۱۷۔ الاکلیل (بالکسر)۔ چار ستارے صف بستہ۔

۱۸۔ القلب۔ منازل قمر کا ایک ستارہ۔

۱۹۔ الشولہ۔ دو چمکدار ستارے ہیں جن میں چاند نازل ہوتا ہے اسے ذنب العقرب (عقرب کی دُم) کہا جاتا ہے۔

---

[1] اور وُہ بُرج اسد کی پیشانی پر واقع ہیں ۱۲ غیاث [2] بالفتح و تشدید، وہ سنبلہ کے سینہ پر ہے نیز اشکال شمالی سے پانچویں شکل کا نام اور وُہ مرد کی صورت ہے۔ سیدھے ہاتھ میں عصا پکڑے ہُوئے کھڑا ہے اور اس کے کل بائیس[۲۲] ستارے ہیں ۱۲ غیاث۔
[3] غیاث اللغات میں ہے کہ وہ تین ستارے مثلث تاج کی صورت میں عقرب کی پیشانی میں ہیں۔ [4] غیاث اللغات میں ہے کہ وہ تین ستارے ہیں ان کا درمیانی ستارہ سرخ اور بڑا کہ بجائے قلب عقرب کے واقع ہے۔ ۱۲

۲۰ - النعائم[1] (بالفتح)، چار ستارے۔

۲۱ - البلدہ (بالضم) - چھ چھوٹے ستارے برج قوس میں ہیں۔ سال کے تمام چھوٹے دنوں میں سورج اس منزل میں ہوتا ہے۔

ف: قاموس میں لکھتے ہیں کہ البلدہ آسمان کے ایک حصے کا نام ہے جہاں ستارے نہیں اور یہ البلدہ النعائم اور سعد الذابح کے درمیان واقع ہے۔ اس مقام پہ کبھی چاند نازل ہوتا ہے اور کبھی اس سے ہٹ کر القلادہ میں واقع ہوتا ہے اور وہ گول دائرہ یعنی کمان کی طرح چھ ستارے ہیں۔

۲۲ - سعد الذابح[2]، دو چمکدار ستارے ہیں جن کے آپس میں درمیان کا فاصلہ ایک گز ہے اور ان دونوں میں ایک کے سینے پر ایک چھوٹا ستارہ دُور سے ایسے نظر آتا ہے کہ گویا اسے ذبح کر رہا ہے۔

۲۳ - سعد بلع بروزن زفر (معرفہ)۔ جب اللہ تعالےٰ نے نوح علیہ السلام کے طوفان کے موقعہ پر فرمایا:

یا ارض ابلعی مائك۔

اس وقت یہ ستارہ چمکا تھا۔ دراصل یہ دو ستارے رفتار میں برابر ہیں، ایک پوشیدہ ہے، دوسرا چمکیلا اور روشن ہے۔ اسے بلع بھی اسی لیے کہتے ہیں کہ ان میں سے ایک نے دوسرے کو نگل لیا ہے اور آب[3] (بھادوں) کی ایک رات گزر جانے پر طلوع کرتا ہے۔

۲۴ - سعد السعود[4]

۲۵ - سعد الاخبیہ - یہ گول ستارے ہیں۔

ف: قاموس میں ہے کہ نیک ستارے دس ہیں:

○ سعد بلع

○ سعد الاخبیہ

---

[1] وہ بشکل مربع یعنی چار گوشہ ہیں - برج قوس میں کہ زحل سے نسبت رکھتے ہیں۔ ۱۲ غیاث

[2] یہ دو ستارے جدی کے سینگوں پر ہیں اور ان کے درمیان ایک ستارہ ہے اسے شاۃ سعد کہتے ہیں اور دُور سے ایسے نظر آتا ہے کہ گویا یہ سعد اسی بکری کو ذبح کرتا ہے اس لیے اسے سعد ذابح کہتے ہیں۔

[3] آب رومی مہینوں میں ایک مہینے کا نام ہے۔ معمولی تفاوت سے بھادوں کے مطابق ہے۔ ۱۲ غیاث

[4] غیاث اللغات میں لکھا ہے کہ ستارہ مشتری کو سعد السعود کہا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ لکھا کہ سعود بضمتین نیک ستارے جیسے زہرہ، مشتری اور قمر بفتح اول وضم ثانی وہ چھوٹے تین ستارے جدی کی دم اور دلو کے شانے پر ہیں۔ ۱۲ غیاث

○ سعد الذابح

○ سعد السعود   یہی چاروں چاند کی منازل ہیں شامل ہیں۔

○ سعد ناشرہ

○ سعد الملك

○ سعد البہائم

○ سعد الہمام

○ سعد البارع

○ سعد المطر   یہ چھ مؤخر الذکر چاند کی منازل میں شامل نہیں ہیں اور یہ ہر ایک دو دو ستارے ہیں ان دونوں کے درمیان کا منظر صرف ایک گز ہے۔

۲۶۔ فرغ الدلو المقدم

۲۷۔ فرغ الدلو الموخر

ف : قاموس میں ہے، فرغ (بالغین المعجمۃ) الدلوا لمقدم والمؤخر۔ یہ دونوں چاند کی منزلیں ہیں۔ ہر ایک میں دو دو ستارے ہیں جو ایک نیزہ کے برابر فاصلہ پر نظر آتے ہیں۔

۲۸۔ الرشاء۔ اسے بطن الحوت بھی کہتے ہیں۔ مچھلی کی صورت میں چند چھوٹے ستارے ایک جگہ جمع ہیں جس کے ناف والے مقام پر ایک چمکدار ستارہ نظر آتا ہے۔

چاند کے قواعد

سن قمری سے مراد یہی ہے کہ چاند اور سورج سال میں بارہ[۱۲] مرتبہ آپس میں مجتمع ہوتے ہیں۔

۲۔ سن قمری کے کل تین سو چوّن (۳۵۴) دن اور آٹھ ساعات اور اڑتالیس دقیقے ہوتے ہیں۔

۳۔ فنِ میقات کے ماہرین بتاتے ہیں کہ کوئی چاند انتیس دنوں سے کم اور تیس سے زاید نہیں ہوتا۔

۴۔ سن قمری کا کوئی سال تین سو چوّن (۳۵۴) دنوں سے کم اور تین سو پچپن (۳۵۵) دنوں سے زاید نہیں ہوگا۔

مسئلہ : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں اللہ تعالٰی نے سن قمری کی ترویج کو ترجیح دی ہے[۲]۔ کما قال تعالٰی : ان عدۃ الشھور عند اللہ اثنا عشر شھرا۔ بے شک اللہ تعالٰی کے ہاں مہینوں کی تعداد بارہ[۱۲] ہے۔

---

[۱] بالکسر، وہ چند ستارے چھوٹے ملی ہوئی رسّی کی مانند۔ ۱۲ غ

[۲] لیکن افسوس امتِ محمدیہ کہ انہوں نے اپنے نبی علیہ السلام کا سنِ ہجری ترک کر کے انگریز بے ایمانوں کے سنِ عیسوی کو اپنا لیا ہے[۱۲] (اویسی غفرلہٗ)

تفسیر صُوفیانہ اس میں تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہماری عبادات کی ضرورت نہیں ہے اور پھر اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں کو اس میں سے اشارہ فرمایا کہ چاند ایک دن مٹنے والا ہے اور اسی عالم ظاہر سے اس کا وجود ہو جائے گا لیکن یہ وُہ سمجھ سکتا ہے جسے عبرت اور تدبّر و تفکر کا طریقہ و سلیقہ نصیب ہو۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے اسی تدبّر کی دعوت "لا الشمس ینبغی لہا ان تدرک القمر" دی ہے اور بتایا ہے کہ قمر یعنی عارف کو جو مراتب و بزرگی نصیب ہے انہیں سورج یعنی غیر عارف نہیں پا سکتا۔ اس سے ثابت ہُوا کہ جو آیات اور علوم و عرفان اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبوں (محدثین عربیین) کو عطا فرمائے ہیں اگر وہ کسی پر ظاہر نہ ہونے دیں تو اُن کے لیے جائز ہے۔ (کذا فی عقلۃ المستوفز لحضرت الشیخ الاکبر قدس سرہ الاطہر)

صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ کے پیر و مرشد کی صُوفیانہ تقریر صاحبِ رُوح البیان قدس سرّہٗ نے فرمایا کہ ہمارے شیخ قدس سرّہٗ اپنی کتاب "اللائحات الباقیات" میں لکھتے ہیں کہ چاند کے مراتب میں اشارہ ہے کہ مراتبِ الٰہیہ میں عارف کا ایک مرتبہ ہے جسے مرتبہ رُبوبیت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور مرتبۂ شمس میں بھی اس کے ایک مرتبہ کی طرف اشارہ ہے جسے مرتبۂ الوہیت کہتے ہیں۔ اور مراتب کونیہ آفاقیہ میں عارف کے مرتبہ قمر کا اشارہ مرتبۂ کرسی اور لوح اور اس کے مرتبۂ شمس کا اشارہ مرتبۂ عرش اور قلم کی طرف ہوتا ہے اور مراتب کونیہ النفسیہ میں اس کے مرتبہ قمر کا اشارہ مرتبۂ رُوح اور مرتبۂ شمس کا اشارہ مرتبۂ سر کی طرف ہوتا ہے۔ (فقط)

عجائباتِ صُوفیانہ ظاہر نفس اجمالی کے حروف کی منزلیں منازلِ قمر کی گنتی پر ہیں۔ انھیں تعینات سے تعبیر کیا جاتا ہے اور وہ یہ ہیں:

۱۔ العقل الاول	۲۔ نفس کلیہ	۳۔ طبیعیہ کلیہ	۴۔ الھباء
۵۔ الشکل الکلی	۶۔ الجسم الکلی	۷۔ عرش	۸۔ کُرسی
۹۔ الفلک الاطلس	۱۰۔ المنازل	۱۱۔ سماء کیوان	۱۲۔ سماء المشتری
۱۳۔ سماء المریخ	۱۴۔ سماء الشمس	۱۵۔ سماء الزھرہ	۱۶۔ سماء عطارد
۱۷۔ سماء القمر	۱۸۔ عنصر النار	۱۹۔ عنصر الھواء	۲۰۔ عنصر الماء
۲۱۔ عنصر التراب	۲۲۔ المعدن	۲۳۔ النبات	۲۴۔ الحیوان
۲۵۔ الملک	۲۶۔ الجن	۲۷۔ الانسان	۲۸۔ المرتبہ

اسی طرح نفس کے باطنی حروف بھی بمقابل ظاہری کے اٹھائیس منزلیں ہیں:

۱۔ البدیع	۲۔ الباعث	۳۔ الباطن	۴۔ الآخر

۵۔الظاھر ۶۔الحکیم ۷۔المحیط ۸۔الشکور
۹۔الغنی ۱۰۔المقتدر ۱۱۔الرب ۱۲۔العلیم
۱۳۔القاھر ۱۴۔النور ۱۵۔المصوّر ۱۶۔المحصی
۱۷۔المبین ۱۸۔القابض ۱۹۔المحی ۲۰۔الممیت
۲۱۔العزیز ۲۲۔الرزاق ۲۳۔المذل ۲۴۔القوی
۲۵۔اللطیف ۲۶۔الجامع ۲۷۔الرفیع[1]

ف: حروفِ تہجی پر غور کیا جائے تو اُن کی بھی یہی ترتیب اور منزلیں حاصل ہوتی ہیں۔ مثلاً:

۱۔ھمزہ ۲۔الہاء ۳۔العین ۴۔الحاء المہملۃ
۵۔الغین المعجمۃ ۶۔القاف ۷۔الکاف ۸۔الجیم
۹۔الشین المنقوطہ ۱۰۔الیاء المثناۃ ۱۱۔الضاد المعجمۃ ۱۲۔اللام
۱۳۔النون ۱۴۔الراء المفضلۃ ۱۵۔الطاء المہملۃ ۱۶۔الدال المہملۃ
۱۷۔الطاء المثناۃ من فوق ۱۸۔الزاء ۱۹۔السین المہملۃ ۲۰۔الصاد المہملۃ
۲۱۔الظاء المعجمۃ ۲۲۔الثاء المثلثۃ ۲۳۔الذال المنقوطہ ۲۴۔الفاء
۲۵۔الباء الموحدۃ ۲۶۔المیم ۲۷۔الواؤ[2]

فسبحان من اظہر الخ پاک ہے وہ ذات جس نے آفاق و انفس میں نفسِ رحمانی سے اپنے کمال ارادہ کے مطابق ظہور فرمایا۔

تفسیر عالمانہ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ط تاکہ وُہ سالوں کی گنتی اور حساب معلوم کریں۔ یعنی مہینوں، رات دنوں اور گھڑیوں کے حساب معلوم کر کے اپنی معاشیں اور اپنے دین کے فرائض مثلاً حج، روزہ، فطر (روزہ نہ رکھنے کے ایّام) اور نماز کے علاوہ دیگر فرائض ادا کر سکیں۔ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ ان مذکورہ یعنی سُورج، چاند وغیرہ کو نہیں پیدا کیا گیا اِلَّا بِالْحَقِّ ج مگر حق کے ساتھ کہ ان میں جس طرح حکمتِ بالغہ کے تقاضے تھے سب پُورے کیے گئے ہیں۔ مثلاً پہلے اجمالی طور اشارہ کیا گیا ہے کہ ان سے سنین اور اوقات معلوم ہوتے ہیں اور انہی سے ہمارے دینی و دنیوی معاملات و عبادات متعلق ہیں۔ نتیجۃً ان مذکورہ بالا اشیاء کی تخلیق عبث اور بیکار نہیں۔

---

[1] مصنف کی گنتی اتنی ہی ہے ایک نام رہ گیا ہے۔ واللہ اعلم [2] ایضاً

حکایت ایک شخص نے خنفساء (کیڑا) کو دیکھ کر کہا کہ اس کی پیدائش سے کیا فائدہ؟ نہ اس کی شکل اچھی نہ اس میں خوشبو ہے۔ چند روز کے بعد کسی زخم میں مبتلا ہو گیا یہاں تک کہ اطباء و ڈاکٹر اس کے معالجہ سے تنگ آ گئے۔ ایک دن گلی میں کسی عام حکیم کا اعلان سُنا۔ اس مریض نے کہا اسے لاؤ تاکہ میرا علاج کرے۔ اسے کہا گیا کہ بہت بڑے بڑے حکمائیر ے علاج سے عاجز آ گئے یہ بیچارہ تیرا کیا علاج کرے گا۔ اس نے کہا اسے لاؤ ممکن ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے مجھے صحت عطا فرما دے۔ چنانچہ اس حکیم کو بلایا گیا، اس نے زخم کو دیکھ کر کہا کہ خنفسا لاؤ۔ لوگ ہنس پڑے لیکن اسے وہی بات یاد آ گئی کہ اس نے اس پر مذاق اڑایا تھا۔ اسی لیے کہا کہ جیسے وہ فرماتا ہے اس پر عمل کرو یہ حکیم سمجھدار معلوم ہوتا ہے چنانچہ خنفساء لایا گیا تو حکیم نے اسے جلا کر اس کی راکھ اس کے زخم پر لگانے کا حکم دیا۔ چنانچہ چند دنوں کے بعد وہ شفایاب ہو گیا۔ اس نے اپنے احباب سے کہا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک راز سے آگاہ کیا کہ جسے تم رذیل ترین شے سمجھتے ہو وہ تمہارے لیے نہایت قیمتی جوہر ہے۔ جس بیماری کے علاج سے بڑے بڑے اطباء و ڈاکٹر عاجز آ گئے وہ اللہ تعالیٰ کی خسیس ترین مخلوق میں پایا گیا۔ اس سے وہ شخص سمجھا کہ اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق میں حکمتِ بلیغ ہے۔

یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ اللہ تعالیٰ آیات تکوینیہ کی تفصیل بتاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی قدرت پر دلالت کرتی ہیں۔ بعض کو بعض کے بعد بیان کرتا ہے جو بعد والی پہلی آیات کی وضاحت اور شرح بن کر آتی ہیں۔ **لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ** ○ ان لوگوں کے لیے جو علم والے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں ہزار حکمتیں ہوتی ہیں اور اس کی پیدا کردہ تمام اشیاء دلالت کرتی ہیں کہ ان کا پیدا کرنے والا کوئی ہے۔

نکتہ: اس میں علماء کی کیا تخصیص ہے حالانکہ یہ تو ہر ایک جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں ہزاروں حکمتیں ہیں وہ صرف اسی لیے کہ ان میں تامل کر کے صرف یہی حضرات نفع پاتے ہیں **اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ** بے شک رات اور دن بدلنے میں یعنی ان کا نور و ظلمات کے رنگ بدلنے میں یا ان کے اختلاف سے دن کا آنا اور رات کا جانا، اسی طرح بالعکس مراد ہے۔

دن افضل ہے یا رات رات اور دن کی افضلیت میں اختلاف ہے۔ حضرت امام نیشاپوری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ رات افضل ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ رات میں عموماً راحت و سرور حاصل ہوتا ہے اور یہ دونوں بہشت سے ہیں۔

دن میں کاروبار کی وجہ سے تھکان وغیرہ ہوتی ہے اور یہ دوزخ سے ہے۔

علاوہ ازیں رات میں سونا اور وصال نصیب ہوتا ہے اور دن میں کاروبار کی وجہ سے باہر آنا جانا اور عموماً دوستوں سے فراق اور جُدائی حاصل ہوتی ہے بناء بریں رات دن سے افضل ہے۔

قولِ دیگر: بعض فرماتے ہیں کہ دن افضل ہے کیونکہ دن نور کا مرکز ہے اور رات ظلمات اور تاریکیوں کا۔ بناء بریں دن

افضل ہوا۔

صاحبِ رُوح البیان کا صُوفیانہ فیصلہ رات سے عالمِ ذات کی طرف اشارہ ہے اور عالمِ ذات کو ہر اعتبار سے مراتبِ عُلیا حاصل ہیں اور دن سے عالمِ صفات کی طرف اشارہ ہے اور عالمِ صفات کو بھی فضائلِ عظمیٰ نصیب ہیں۔ لیکن ایک دُوسری وجہ سے رات اور دن آپس میں مختلف ہیں وُہ یہ کہ جو رات کو پیدا ہو وہ فنا فی اللہ والوں سے شمار ہوتا ہے اور جو دن کو پیدا ہو وہ بقا باللہ کے مرتبہ والوں سے گنا جاتا ہے۔ رات دن اور ان کے اہل میں راز جلال و جمال کے اسرار و رموز پوشیدہ ہیں۔

وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ اور وُہ جو کچھ آسمانوں میں کئی انواع (مثلاً سورج، چاند، ستارے، بادل، ہوائیں) پیدا فرمائیں۔ وَالْاَرْضِ اسی طرح زمین کی انواع بھی (مثلاً پہاڑ، دریا، اشجار، انہار، جانور، انگور، پانی وغیرہ)۔ لَاٰيٰتٍ البتہ ان میں بہت بڑی اور بہت زیادہ نشانیاں ہیں جو صانع کے وجود اور اس کے کمال علم و قدرت پر دلالت کرتی ہیں لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ○ پرہیزگار لوگوں کے لیے۔

ف : متقین کی خصوصیت اس لیے ہے کہ وہی اپنے انجام کے لیے خوفزدہ و ہراساں رہتے ہیں اور صرف وہی تدبّر و تفکّر فی الآیات پر عمل کرتے ہیں۔

توافق ما بین قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم وحضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا:

من اقتبس علما من النجوم من حملة القرآن ازداد به ایمانا و یقینا۔

جو نجوم کا علم قرآن کے عارفین سے حاصل کرتا ہے تو اس کے ایمان اور یقین میں برکت ہوتی ہے۔

اس کے بعد آپ نے یہی آیت پڑھی اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ (الآیۃ)

صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سے ثابت ہُوا کہ نجوم کا فن سیکھنا اس شرط پر جائز ہے کہ اس سے ثابت ہُوا کہ نجوم کا فن سیکھنا اس شرط پر جائز ہے کہ اس سے آیات سماویہ کی معرفت حاصل کر کے اس سے مسائل شرعیہ کی توثیق و تائید کی جائے اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

من اقتبس علما من النجوم اقتبس شعبة من السحر۔

یعنی جو فنِ نجوم سیکھتا ہے تو سمجھو کہ وہ جادُو کا ایک شعبہ یعنے اس کا ایک حصہ حاصل کرتا ہے۔

ف : حضرت حافظ نے فرمایا کہ فنِ نجوم اس شخص کے لیے حرام ہے جو صرف اس غرض سے سیکھتا ہے کہ وُہ آنے والے حالات بتائے گا مثلاً بارش کب ہوگی اور سردی کب واقع ہوگی اور ہوا (آندھی) کب آئے گی۔ تجارتی امور میں نرخ کم و بیش کس طرح ہوں گے وغیرہ وغیرہ ایسے لوگوں کا دعویٰ ہوتا ہے کہ امور مذکورہ بالا ستاروں کے چلنے اور ان کے

اقتران و افتراق کی وجہ سے ہوگا اور یہ ستارے کبھی ظاہر ہوتے ہیں اور کبھی چھپ جاتے ہیں۔ تو ان میں یہ تاثیر پیدا ہوتی ہیں۔

مسئلہ: علمِ نجوم اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ علمِ مشاہدہ کے ذریعہ سے زوالِ شمس اور جہتِ قبلہ معلوم کی جائے یا اس سے ادراک ہو کر کتنا وقت گزرا ہے یا کتنا رہ گیا ہے تو جائز ہے یہ شرعاً منہی عنہ نہیں۔

حکایت حضرت ذوالنون مصری قدس سرہٗ نے ایک شخص سے سنا کہ وہ دریا کے وسط میں پہاڑ کی چوٹی پر کہہ رہا تھا: سیدی سیدی! میں تیرے جزائر دریا میں رہائش پذیر ہوں اور تو وحدہٗ لاشریک بادشاہ ہے۔ اور تیرا دربان بھی کوئی نہیں اور نہ ہی تیرا کوئی ملاقاتی ہے اور وہ کون ہے جو تجھ سے انس پائے تو پھر اسے وحشت ہو اور جسے تیری قدرت کی آیات دیکھنے کا موقعہ ملتا ہے تو وہ کب کسی سے خوفزدہ ہو سکتا ہے تو نے ہی آسمانوں میں عجیب و غریب راستے بنائے اور تو نے ہی افلاک کھڑے کیے ہیں اور انہی کے زیرِ سایہ تیری مخلوق رہتی ہے اور تو نے ہی عرش محیط کو ایسا کھڑا کیا ہے کہ وہ کسی سہارے کے بغیر قائم ہے اور تو نے ہی ہواؤں کو بھیجا ہے انھیں تیرے سوا اور کوئی رکنے والا نہیں۔ یہ تمام تیری فردانیت پہ دلالت کرتے ہیں۔ آسمان بتاتے ہیں کہ انہیں صرف تو ہی روکنے والا ہے۔ اور افلاک بتاتے ہیں کہ تیری صفت عجیب ہے اور ہوائیں بتاتی ہیں کہ یہ ساری برکتیں تیری ہیں اور بادل بتاتے ہیں کہ تیری آیات عظیم الشان ہیں اور زمین بتاتی ہے کہ تیری حکمتیں بے پایاں ہیں اور نہریں بتاتی ہیں کہ ان کے اندر تو نے میٹھے بول رکھے ہیں اور درخت تیری صفت کے عجائبات ظاہر کرتے ہیں اور سورج تیری کاریگری کا پتہ دیتا ہے۔

حضرت شیخ مغربی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

جملہ نقش تعینات ویند

ہرچہ ہستند در زمین و سما

ترجمہ: یہ تمام نفوس اسی کے تعینات کردہ ہیں جو کچھ زمین و آسمان میں ہے یہ بھی اسی کا تعینات کردہ ہے۔

اور فرمایا: ؎

مغربی زاں میکند میلے بگلشن کاندرو

ہرچہ را رنگے و بوئے ہست رنگ و بوئے اوست

ترجمہ: مغربی باغ سے اس لیے انس رکھتا ہے کہ ہر ایک رنگ اور بو میں اسی کا رنگ و بو نظر آتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا بے شک وہ لوگ جو اللہ تعالےٰ کی حاضری کی امید نہیں رکھتے۔ لِقَآءَنَا سے اللہ تعالیٰ کی طرف قیامت میں اٹھنا یا حساب کی حاضری مراد ہے۔ چنانچہ فرمایا:

انی ظننت انی ملاق حسابیہ۔

بے شک مجھے یقین ہے کہ مَیں حساب کے لیے حاضر ہونے والا ہُوں۔

اور عدم رجاء سے ان کا عدمِ اعتقاد مراد ہے جیسا کہ وُہ سمجھتے تھے کہ مرنے کے بعد اٹھنا نہیں جب وہ نہ اس کا خوف رکھتے تھے اور نہ ان کی اُمید تھی تو گویا انھیں حساب دینے کا خیال نہیں اسی لیے نہ انھیں ثواب کی اُمید اور نہ حساب کا خوف ہے۔ جب انہیں ثواب کی اُمید نہیں وَرَضُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا تو وُہ حیاتِ دُنیا پر خوش ہیں۔ یعنی وہ اعلیٰ کی اُمید ختم کرکے خسیس پر راضی ہیں اور چونکہ انھیں حساب کی حاضری کا تصور نہیں۔ الارشاد میں بھی اسی طرح بیان فرمایا کہ وَ رَضُوْا بِالحیوٰۃ الدنیا یعنی وُہ آخرت کا تصور چھوڑ کر حیاتِ دُنیا پر خوش ہیں گویا اُنھوں نے قلیل فانی کو پسند کر کے کثیر باقی کو ترک کر دیا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا اور وُہ اسی پر مطمئن ہیں یعنی اپنے قصور ہمت کی وجہ سے اس دنیا فانی کی لذتوں اور اس کے نقش و نگار پر مطمئن ہیں یا دُنیا میں اس شخص کی طرح ہیں جو سمجھتا ہے کہ مجھے یہاں ہمیشہ رہنا ہے اسی لیے لمبے لمبے اراد اور طویل آرزوئیں مدِ نظر رکھتے ہیں۔ یعنی سمجھتے ہیں کہ ہم نے یہاں سے کُوچ نہیں کرنا حالانکہ آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ کُوچ کا نقارہ ہر وقت بج رہا ہے۔ ؎

آں کیست کہ دل نہاد و فارغ بنشست
پنداشت کہ مہلتے و تاخیرے ہست
گو خیمہ مزن کہ میخ می باید کند
گو رخت منہ کہ باد می باید بست

ترجمہ: وہ کون سا بیوقوف ہے کہ دل دنیا میں بے غم بیٹھا ہے اور اسے گمان ہے کہ کچھ مُہلت ملے گی اور میرے جانے میں دیر ہے اسے کہو اے بندے! یہاں خیمہ لگانے کی جگہ نہیں اپنے خیمے کی میخ اکھیڑ لے اور سامان بنا بنا کے نہ رکھ اس لیے کہ روانگی کا وقت بہت قریب ہے۔

تین آدمیوں پر تعجب

اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ تین آدمیوں پر تعجب کرنا چاہیے:

۱۔ جسے یقین ہے کہ جہنم کی آگ سامنے ہے لیکن پھر بھی ہنسی مذاق میں لگا رہتا ہے۔

۲۔ دُنیا سے دل لگانے والا حالانکہ اسے یقین ہے کہ یہاں سے جلد کُوچ کرنا ہے۔

۳۔ غفلت کی زندگی بسر کرنے والا حالانکہ اسے معلوم ہے کہ میری غفلت مجھے نقصان دے گی۔

حکایت

نعمان بن منذر نے ایک درخت کے نیچے کھیل جانے کا پروگرام بنایا تو اسے عدی نے فرمایا: اے نعمان! جانتے ہو یہ درخت تجھے کیا کہہ رہا ہے؟ نعمان نے پُوچھا: کیا کہتا ہے؟

عدی نے یہ شعر پڑھے: ؎

رب رکب قد اناخوا حولنا
یمزجون الخمر بالماء الزلال
ثم اضحوا عفف الدھر بھم
وکذالک الدھر حالا بعد حال

ترجمہ: اے رب کریم! بہت سے لوگ ہمارے ہاں آئے اور شراب پانی میں ملا کر پیتے رہے۔ پھر انہیں زمانے نے مٹا دیا اس کے بعد اور آئے اور اسی طرح ان کے ساتھ زمانہ کرتا رہے گا یعنی کئی فنا ہوئے اور کئی فنا ہوں گے۔

یہ سن کر نعمان سارا دن پریشان رہا۔ (کذا فی ربیع الابرار)

وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا اور وہ لوگ جو ہماری آیات قرآنیہ یعنی آیات تشریعیہ سے یا اس سے صفت باری تعالیٰ کے دلائل مراد ہیں اس معنے پر آیات سے آیاتِ تکوینیہ مراد ہیں غٰفِلُوْنَ ۝ غافل ہیں یعنی چونکہ آیات کے متضاد امور میں منہمک ہیں اسی لیے ان آیات میں تفکر و تدبر نہیں کرتے۔

سوال: وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا کا عطف ماقبل پر ہے اور ان کا مطلب بھی یہی ہے جو ان آیات کا ہے۔ پھر عطف کا کیا فائدہ۔

جواب: چونکہ یہ دونوں متغایر فی الوصف ہیں۔ پہلے مضمون کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ دُنیا کی لذات اور اس کے نقش و نگار میں منہمک ہیں اور یہاں ان آیات سے مراد یہ ہے کہ وہ آیاتِ الٰہیہ اور دلائلِ معرفہ سے غافل ہیں اور وہ ان دونوں کے جامع ہیں بنا بریں اس کا واؤ جمع کے ساتھ عطف جائز ہُوا۔

تفسیر صُوفیانہ

جواب۲: ان میں تغایر ذاتی ہے وہ یہ کہ لوگ ہماری طرف سیر کا اعتقاد نہیں رکھتے اور نہ ہی ان کا ہمارے ہاں پہنچنے کا کوئی پروگرام ہے کیونکہ ان کی ہمتیں پست ہیں اور وہ تمتعات دنیویہ میں خوش ہیں اور دنیوی اموال اور جاہ و مرتبہ اور شہوات نفسانیہ میں غرق ہیں۔ والذین ھم عن اٰیٰتنا غٰفلون اور وہ لوگ ہماری آیات سے غافل ہیں اگرچہ انہیں دُنیا کی طرف کسی قسم کا خیال نہیں اور نہ ہی دُنیا کے تمتعات کو جانتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ اصحابِ ریاضات و مجاہدات ہیں ان سے ملل باطلہ کے مجاہدین مراد ہیں یعنی برہمن اور فلاسفہ و اباحیہ (جاہل صُوفی) وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری سے محروم ہیں یا ان سے اہلِ اھواء اور مبتدعین مراد ہیں کہ اگرچہ وہ عبادات و ریاضات میں کامل ہیں لیکن دین میں رخنہ اندازی کی وجہ سے دینِ حق سے دُور ہیں۔

اُولٰٓئِکَ یہ اشارہ ان بُرے اوصاف والوں کی طرف ہے جو اُوپر مذکور ہوئے۔ مَاْوٰىھُمُ اُن کا ٹھکانا اور مسکن کہ جہاں سے انہیں چھٹکارا نصیب نہ ہوگا النَّارُ جہنم کی آگ، اور صوفیاءِ کرام کے نزدیک اس سے دُوری اور

درگاہِ حق سے محرومی اور حسرت کی آگ مراد ہے۔ ان کو دنیا کی نعمتیں اور جن باتوں پر وُہ خوش تھے نصیب نہیں ہوں گی۔ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ بوجہ اس کے کہ جن بُرائیوں پر مواظبت کرتے رہے اور ان اعمالِ قلبیہ کی وجہ سے کہ جن پر منہمک رہے اور اُنھیں معاصی اور سیئات کی عادت پڑ گئی تھی۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بیشک وُہ لوگ جو ایمان لائے یا وُہ لوگ جنھوں نے غافلین کے برعکس آیات کا مشاہدہ کیا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور وُہ نیک عمل کیے جو ایمان کے لائق تھے یعنی صرف رضاءِ الٰہی کی طلب میں نیک عمل کیے۔

ف : موصوف کو ذکر نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ اوصاف بمنزلہ موصوف ہوتے ہیں۔

يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ اللہ تعالےٰ انھیں آخرت میں رہبری فرمائے گا بِاِيْمَانِهِمْ اُن کے ایمان اور نور کی وجہ سے ان کے ماوٰی اور مقصود کی طرف۔ اس سے بہشت مراد ہے۔

حدیث شریف : جب مومن قبر سے نکلے گا تو اس کے نیک اعمال بہتر صورت میں متشکل ہو کر اس کے سامنے آئیں گے اور فرمائیں گے ہم تیرے نیک اعمال ہیں پھر وہی اعمال نور اور قائد بن کر اسے بہشت میں لیجائیں گے۔ اور جب کافر اپنی قبر سے نکلے گا تو اس کے بُرے عمل بُری شکل میں اُس کے سامنے آ کر کہیں گے ہم تیرے عمل ہیں۔ وُہ اسے کھینچ کر جہنّم میں لے جائیں گے۔

تفسیر صُوفیانہ یہ معنےٰ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے وُہ ہدایت مراد ہے جو سالک کو ایک ایسے راستے کی طرف رہنمائی کرتی ہے جس سے اسے حقائق کونیہ و الٰہیہ کے ادراک کا راہ حاصل ہوتا ہے۔ یہ ہدایت خاص ہے جو صرف خواص کو نصیب ہوتی ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ :

من عمل بما علم ورثہ اللہ علم ما لم یعلم۔

جو اپنے پڑھے پر عمل کرتا ہے اسے وہ راہ نصیب ہوتا ہے جس کا اسے پہلے علم نہیں تھا۔

ف : اس روایت میں پہلے علم سے ظاہری علم مراد ہے جو پڑھنے پڑھانے سے تعلق رکھتا ہے اور دُوسرے علم سے علم مکاشفہ مراد ہے جو بطور وراثت نصیب ہوتا ہے۔ یہ پہلے علم سے اعلیٰ اور بزرگ تر ہے اس لیے کہ پہلا علم بمنزلہ چھلکے کے ہے اور دُوسرا بمنزلہ مغز کے۔ ہم اللہ تعالےٰ سے وُہ فیض خاص چاہتے ہیں جو صرف خواص کو نصیب ہوتا ہے۔ (آمین)

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ جاری ہوتی ہیں ان کے نیچے سے، یعنی ان کے ان تختوں کے نیچے جو انہیں بہشت کے باغات کے اندر بچھا دیے جائیں گے اور وُہ بہت بلند ہوں گے کہ جن کے نیچے جاری ہوں گی الْاَنْهٰرُ نہریں چار (دُودھ، شہد، ٹھنڈا پانی، شرابِ طہور) فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ○ یہ تجری کے متعلق ہے

یعنی وُہ باغات کہ جن سے وہ نفع اور چَین پائیں گے۔

ف: کاشفی میں ہے کہ وُہ باغات جو نعم سے پُر ہیں۔ النعیم بمعنے وُہ نعمت جو نہایت مخفی اور پوشیدہ ہو۔ (کذا فی القاموس)

ف: الجنۃ بمعنے پوشیدہ، چونکہ اس کی زمین اس کے درختوں سے پوشیدہ ہوگی اس لیے اس نام سے موسوم ہے۔ اسی لیے جنّات کو اس نام سے موسوم کیا گیا ہے کہ وُہ لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل ہیں۔ اور المجن یعنی خود (لوہے کا کلاہ) بھی اسی لیے اس نام سے موسوم ہے کہ اس سے سر کو ڈھانپا جاتا ہے۔

دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا ان کی دُعا بہشت میں یہ ہوگی سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ اے اللہ تعالیٰ ہم تیری تسبیح پڑھتے ہیں اور خلف وعدا ورکذب سے تمہیں منزہ سمجھتے ہیں کہ تُو جیسے فرماتا ہے اس کے خلاف کبھی نہیں کرتا ہم نے یہاں پر ان نعمتوں کو پالیا ہے جن کا تُو نے ہمارے ساتھ وعدہ فرمایا تھا وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا بہشت میں ان کا تحیہ ہوگا۔ التحیۃ کسی کی ملاقات کے وقت اعزاز و اکرام کے ساتھ پیش آنا۔ یہ در اصل احیاك الله حیاۃ طیبۃ یعنی تجھے اللہ تعالیٰ پاکیزہ زندگی بخشے یہاں پر مصدر اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے یعنی بہشت میں ایک دُوسرے کو اعزاز و اکرام کے طور کہیں گے سَلٰمٌ تجھے ہر دُکھ اور پریشانی سے سلامتی ہو یا وُہ مصدر اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے یعنی فرشتے انھیں بہشت میں اعزازاً و اکراماً کہیں گے۔ چنانچہ دُوسرے مقام پر فرمایا،

والملٰئکۃ یدخلون علیھم من کل باب سلام علیکم۔

یعنی فرشتے ان کے ہاں ہر دروازے سے حاضر ہوکر کہیں گے السّلامُ علیکم۔

یا یہ معنٰے ہے کہ انہیں اللہ تعالےٰ اعزازاً و اکراماً فرمائے گا۔

چنانچہ فرمایا:

سلام قولاً من رب رحیم۔

رب رحیم سے انہیں فرمائے گا السلام علیکم۔

سے

سلام دوست شنیدن سعادتست وسلامت

بوصل یار رسیدن فضیلتست و کرامت

ترجمہ: دوست کا سلام سننا سعادت وسلامتی ہے۔ دوست کے وصال سے فضیلت و کرامت نصیب ہوتی ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اور ان کی دُعا کا اختتام ان کلمات پر ہوگا، اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ یہ کہ تمام تعریفیں

اللہ تعالیٰ رب العالمین کے لیے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی تعریف پہلے صفات جلال سے پھر صفات اکرام سے کریں گے۔ یعنی اُن کی دُعا آخرت میں مذکورہ بالا کلمات پر منحصر ہو گی اس لیے کہ اس وقت انہیں کسی اور امر کا انتظار تو نہ ہوگا کہ جسے اپنی دُعا میں شامل کریں۔

ف : یہ ان مخففہ من الثقلہ ہے۔ اس کا اسم ضمیر شان کی ہے جو محذوف ہے اور اس کے بعد کا جملہ محلاً مرفوع ہے۔ اس لیے کہ وہ ان کی خبر ہے اور ان اپنے اسم و خبر سے مل کر محلاً مرفوع مبتدا اول کی خبر ہے۔

حدیث شریف مروی ہے کہ بہشتی جب بہشت کی کسی چیز کی خواہش کریں گے تو کہیں گے:
سُبحانك اللّٰھُمّ۔

تو ان کی خواہش کے مطابق ان کے ہاں بہشت کے خدام ان کا مطلوبہ شراب و طعام پیش کریں گے۔ جب وہ کھانے سے فارغ ہوں گے تو کہیں گے:

الحمدُ للّٰہِ ربِ العٰلمین۔

نکتہ: بہشت میں نہ عبادت ہے نہ تکلف، وہاں صرف اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تہلیل ہو گی اور وُہ بھی بطور عبادت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ بطور الہام ان کے دل پر وارد کریگا جسے وہ کہہ کر لذت محسوس کریں گے۔ اس لیے کہ بہشت میں انہیں تسبیح و تہلیل بہشت کی تمام نعمتوں سے لذیذ تر محسوس ہو گی۔ ؎

ذوق نامش عاشق مشتاق را
از بہشت جاودانی خوشتر است
گرچہ در فردوس نعمت ہا بسے است
وصل او از ہرچہ دانی خوشتر است

ترجمہ: محبوب کے نام کا ذوق صرف عاشق زار جانتا ہے کہ اسے بہشت کی تمام نعمتوں سے خوشتر ہے اگرچہ جنت فردوس میں بہت بڑی نعمتیں ہوں گی لیکن عاشق کو وصل وصال سے خوشتر اور کوئی نعمت محسوس نہ ہو گی۔

تفسیر صُوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ زبان کو صرف ذکرِ الٰہی کے لیے پیدا کیا گیا ہے نہ کہ دنیا کی فضول باتوں اور غیبت و بُہتان کے لیے۔ ؎

زبان آمد از بہر شکر و سپاس
بغیبت نگرداندش حق شناس

ترجمہ: زبان صرف شکر و سپاس کے لیے بنائی گئی ہے حق شناس انسان اسے غیبت میں ملوث

نہیں کرتا

ف: سب سے پہلا کلمہ جو ہمارے دادا آدم علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی چھینک مار کر کہا: الحمد للہ۔ اور دعا کا آخری کلمہ بھی الحمد للہ تھا۔

نیز اس میں اشارہ ہے کہ بندہ از سرتا پا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں ہے اسے چاہیے کہ وہ اپنے جمیع اوقات اللہ تعالیٰ کی حمد میں صرف کرے۔

یاد رہے کہ دنیا کی نعمتیں تمنا ہی اور آخرت کی نعمتیں غیر تمنا ہی ہیں اسی لیے اس کی حمد کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا۔ اور سالکین کا انتہائی مقصد بھی یہی ہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

(۱) حمد شان چو حمد گلشن از بہار
صد نشانی دارد و صد گیرو دار

(۲) سر بہارش چشمہ و نخل و گیاہ
واں گلستاں و نگارستان گواہ

(۳) تو ملاف از مشک کان بوئے پیاز
از دم تو میکند مکشوف راز

(۴) گل شکر خوردم ہمی گوئے و بوئے
می زند از سیر کہ یاوہ مگوے

یعنے عارف کی حمد کی علامت یہ ہے کہ اس کا ہر عضو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہے بخلاف غیر عارف کے کیونکہ اسے یہ مقام نصیب نہیں اس لیے کہ دعوے کے لیے دلیل اور برہان ضروری ہے کیونکہ دعویٰ بلا دلیل بے کار ہوتا ہے (کما لا یخفیٰ علی اہل الیقان)

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ
ہمیں ان لوگوں سے بناتے جو رنج و
راحت میں ظاہراً و باطناً
اس کی حمد
کرتے ہیں۔

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ۭ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ
لَا يَرْجُوْنَ لِقَاۗءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا
اَوْ قَاۗىِٕمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ۭ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ
بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰۗىِٕفَ
فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ
الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاۗءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ۭ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ
تِلْقَاۗئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝
قُلْ لَّوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ڮ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۭ اَفَلَا
تَعْقِلُوْنَ ۝ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝
وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّھُمْ وَلَا يَنْفَعُھُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَاۗءِ شُفَعَاۗؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۭ
قُلْ اَتُنَبِّـــــُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ وَمَا
كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَھُمْ
فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ
فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝

ترجمہ : اور اگر اللہ لوگوں پر برائی ایسی جلد بھیجتا جیسی وہ بھلائی کی جلدی کرتے ہیں تو ان کا وعدہ کبھی کا
پورا ہو جاتا تو ہم انھیں چھوڑ دیتے ہیں جو ہماری حاضری کی اُمید نہیں رکھتے کہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں ۔
جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو لیٹے اور بیٹھے اور کھڑے ہو کر ہمیں پکارتا ہے پھر جب ہم اس سے
اس کی تکلیف ہٹا دیتے ہیں تو پھر چلا جاتا ہے گویا اس نے ہمیں اپنی تکلیف پہنچنے پر پکارا ہی نہ تھا اسی طرح
حد سے بڑھنے والوں کو اپنے کردار بھلے معلوم ہوئے اور بے شک ہم نے تم سے پہلے بہت سے گروہوں کو
ہلاک کر دیا جب وہ حد سے بڑھے حالانکہ ان کے پاس بہت واضح دلائل لائے اور وہ ایسے نہیں تھے کہ
ایمان لاتے اور مجرموں کو ایسے ہی بدلا دیتے ہیں پھر ان کے بعد ہم نے تمہیں زمین کا جانشین بنایا تاکہ ہم
دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو، جب ان پر ہماری روشن آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ لوگ کہنے لگ جاتے ہیں
جنہیں ہمارے ہاں حاضر ہونے کی اُمید نہیں کہ اس کے سوا اور قرآن لائیے یا اسے تبدیل کیجئے ، آپ

فرمائیے کہ میرے لائق نہیں کہ میں اسے اپنی طرف سے تبدیل کروں میں تو اس کی اتباع کرتا ہوں جو میرے ہاں وحی ہوتی ہے میں اگر اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو میں بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ فرمائیے اگر اللہ نہ چاہتا تو میں تم پر وُہ نہ پڑھتا اور نہ اللہ تمہیں اس سے خبردار کرتا اس سے پہلے بھی تو عرصہ تک میں تم میں رہا ہُوں تو پھر کیا تم عقل نہیں رکھتے پھر اس سے بڑھ کر اور کون ظالم ہو سکتا ہے جو اللہ تعالےٰ پر جھُوٹ باندھے یا اُس کی آیات کو جھٹلائے بیشک مجرم فلاح نہ پائیں گے اور اللہ کے سوا ایسی چیز کی پرستش کرتے ہیں جو وُہ نہ انھیں ضرر پہنچائے اور نہ نفع دے اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔ آپ فرمائیے کیا اللہ کو اس کی خبر دیتے ہو جو اسے معلوم نہیں نہ آسمانوں میں نہ زمینوں میں، اسے پاکی اور برتری ہے اس سے جو وہ شریک ٹھہراتے ہیں اور وہ لوگ نہیں تھے مگر ایک اُمّت پھر مختلف ہُوئے اگر تیرے رب سے ایک بات پہلے نہ ہو چکی ہوتی تو اب ان کے اختلاف کا فیصلہ ہو ہی جاتا اور کہتے ہیں کہ ان پر ان کے رب سے کوئی نشانی کیوں نہیں اُترتی تو آپ فرمائیے کہ غیب تو صرف اللہ کے لیے ہے تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں

تفسیر عالمانہ

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ اور اگر اللہ تعالیٰ بھیجتا لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لوگوں پر بُرائی جلدی۔ جیسی وُہ بھلائی کی جلدی کرتے ہیں۔

حلِ لغات: التعجیل بمعنے شے کو وقت سے پہلے لانا اور استعجال بمعنے طلب العجلۃ اور الشر سے عذاب مراد ہے اس لیے کہ سزا یافتہ کے لیے عذاب شر کی طرح مکروہ اور ایذا دینے والا ہے۔

شانِ نزول مروی ہے کہ نضر بن الحارث، جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کا منکر تھا، نے کہا تھا: اے اللہ! اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی نبوّت کے دعویٰ میں حق پر ہیں تو ہمارے اُوپر آسمان سے پتھر برسا، یا ہمارے ہاں دردناک عذاب لا۔

اس کے ردّ میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کافروں کے لیے عذاب میں جلدی فرماتا جیسے ان کے لیے بھلائی اور رحمت و عافیت دینے میں جلدی کرتا ہے لَقُضِيَ إِلَيْهِمْ أَجَلُهُمْ تو ان کے اجل پُورے ہو جائیں جو وہی ان کے عذاب کا موجب ہیں یعنی ہم انھیں تباہ و برباد کر دیں کہ ایک لمحہ کی بھی انھیں فرصت نہ ملے اگرچہ ان کی ہیئت ترکیبیہ کے لیے ہمیں دیر نہیں کہ انھیں تباہ و برباد کر کے عذاب میں مبتلا کر دیں لیکن ہم عجلت نہیں کرتے اور نہ ان کے لیے ابھی عذاب بھیجتے ہیں فَنَذَرُ الَّذِينَ اس کا عطف یعجل پر نہیں بلکہ فعل مقدر پر ہے اسی لیے کہ اگر اس کا عطف یعجل پر ہو تو یہ بھی امتناعی حکم میں داخل ہوگا جیسا کہ لفظ لَوْ کا تقاضا ہے اور یہ حکم امتناعی ہیں نہیں اس لیے کہ تعجیل تو ابھی واقع نہیں ہوئی اور ترک طغیان واقع ہوا۔ (کذا فی تفسیر ابی البقاء) یعنی ہم ان لوگوں کو چھوڑ دیتے ہیں

جو لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَ نَا ہمارے ہاں حاضر ہونے کی اُمید نہیں رکھتے یعنی ہماری آخرت کی جزا و سزا کی انھیں امید نہیں ہے جبکہ یہی آخرت ہماری حاضری کا مقام ہے اور اُمید کیا ہو جبکہ وُہ سرے سے آخرت میں اُٹھنے کے منکر تھے فِیْ طُغْیَانِہِمْ طغیانی سے آخرت میں حاضری کا عدمِ تصوّر اور مر اُٹھنے اور جزا و سزا کا انکار مراد ہے اور یہ فنذر کے متعلق ہے یا یَعْمَھُوْنَ ۝ کے۔ یعنی ہم انھیں ان کی طغیانی میں چھوڑ دیتے ہیں درانحالیکہ وہ متحیّر و متردّد رہیں گے۔

نکتہ: ان کے عذاب یا ان کی موت اور تباہ و بربادی میں عجلت نہ کرنے میں حکمت اور راز یہ ہے کہ انھیں موقعہ دیا جائے ممکن ہے کہ وُہ ایمان لائیں چنانچہ بہت سے خوش بختوں کو اس مُہلت سے دولتِ ایمان نصیب ہُوئی یا ان کی پشتوں میں کوئی ایسے خوش نصیب ہوں جو ایمان لائیں۔

چنانچہ صحابہ کرام اور تابعین وغیرہم میں بہت سے ایسے خوش بخت تھے جن کے آباؤ اجداد تو کفر میں مرے لیکن انھیں دولتِ ایمان سے نوازا گیا۔ بنا بریں انھیں مہلت ملی اور عذاب وغیرہ میں مبتلا نہ ہُوئے۔

مسئلہ: حدادی نے فرمایا کہ یہ آیت عام ہے کہ مجرم اور گنہگار کو جلدی سزا دینے یا عذاب میں مبتلا نہیں کیا جاتا تاکہ اسے اپنے کیے سے توبہ کرنے کا موقعہ مل جائے۔

مسئلہ: اسی طرح جو بندہ اپنے اور اپنے بچّوں اور عزیزوں کے لیے بددُعا کرتا ہے تو اس کی بددُعا مستجاب نہیں ہوتی۔ مثلاً جب لڑکے یا کسی عزیز کے لیے ناراضگی میں کہے:

اللھم لا تبارك فیه والعنه۔

اے اللہ! اسے برکت نہ دے اور اس پر لعنت بھیج۔

یا مثلاً اپنے لیے کہے:

رفعنی اللہ من بینکم۔

مجھے اللہ تعالےٰ تمہارے سے اٹھا لے یعنی موت دے دے۔

ایسی دُعائیں بھی اسی آیت کے حکم سے مستجاب نہیں ہوتیں۔

حدیث شریف ۱

دعاء المرء علی محبوبه غیر مقبول۔

بندے کی دُعا اپنے عزیز کے لیے مقبول نہیں ہوتی۔

حدیث شریف ۲

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انی سئلت اللہ لا یقبل دعا حبیب علی حبیبه۔

میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا ہے کہ اپنے پیارے محبوب عزیز کے لیے دعا قبول نہ فرمائیے۔

سوال : ایک اور حدیث مضمونِ بالا کے خلاف ہے وہ صحیح حدیث یہ ہے ۔

ان دعاء الوالد علی والده لا یرد ۔ (کذا فی المقاصد الحسنه) باپ کی بد دعا اولاد کے لیے رد نہیں ہوتی ۔

جواب : یہ والد کے لیے خصوصیت رکھی گئی ہے ۔ فلہٰذا وہ اس حکم مذکور سے مستثنٰی ہے ۔

حدیث شریف شہرِ بن حوشب فرماتے ہیں کہ : میں نے بعض کتب میں پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ موکل فرشتوں سے فرماتا ہے کہ میرے بندے کے وہ کلمات نہ لکھا کرو جو وہ بوقتِ غصہ بولتا ہے ۔

ربط : یہ کفار عذاب میں عجلت کی طلب میں جھوٹے ہیں اس لیے کہ اگر ان پر عذاب کے بجائے تھوڑی سی تکلیف پہنچتی ہے تو صبر نہیں کرتے بلکہ اس کے ازالہ کے لیے نہایت عجز و انکساری سے دعائیں مانگتے ہیں ۔ چنانچہ فرمایا :

وَ اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ اور جب انسان کو پہنچتا ہے الضُّرُّ یعنی کسی قسم کا دُکھ جیسے مرض اور فقر و فاقہ وغیرہ اسی طرح کی اور تکالیف معمولی سہی دَعَانَا تو اس کے ازالہ کے لیے ہمارے سے خلوص کے ساتھ دُعا مانگتا ہے لِجَنْۢبِهٖۤ اپنی کروٹ پر ، لام بمعنے علیٰ ہے ۔ چنانچہ دُوسرے مقام پہ ہے :

یخرون للاذقان ۔

یعنی وہ ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہیں ۔

یعنی وُہ زمین پر بوجہ مرض کے لیٹ کر تکلیف کے ازالہ کے لیے نہایت عاجزی سے ہمارے سے دعا مانگتے ہیں ۔

اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ج درانحالیکہ وُہ بیٹھے اور کھڑے ہوتے ہیں ۔

سوال : بندے کی دُعا کی حالت کو ان تینوں (جنب ، قعود ، قیام) سے مقید کرنے کا کیا فائدہ ؟

جواب : عموماً انسان کی حالت اضطرار ان تینوں حالتوں پر ہوتی ہے کیونکہ انسان جب بیماری اور تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے تو لیٹ جاتا ہے اگر کچھ تخفیف پاتا ہے تو اُٹھ بیٹھتا ہے ، مزید افاقہ پاتا ہے تو کھڑا ہو جاتا ہے اور اپنے دُکھ اور تکلیف کے ازالہ کے لیے دُعائیں مانگتا ہے ۔

ف : حرفِ اَوْ تردید کے طور پر اس لیے لایا گیا ہے تاکہ اصناف ضرر میں تعمیم کا اظہار ہو یا حرفِ تردید اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ بندہ اپنی تکلیف کے ازالہ کے لیے ہر ۳ حالتوں میں دُعا کرتا ہے اور وہ ان تین حالتوں سے خالی نہیں ہوتا ۔

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ پس جب ہم اس سے دفع کرتے ہیں ضُرَّهٗ اس کا ضرر ، اس کی مخلصانہ اور عاجزانہ دُعا کی وجہ سے مَرَّ تو چل پڑتا ہے اسی طریقہ پر جو دُکھ اور تکلیف سے پہلے تھا یعنی جہد و بلاء کو بُھلا دیتا ہے اور

بطریق سابق کفر و معاصی میں مبتلا ہو جاتا ہے کَاَنْ گویا لَّمْ یَدْعُنَآ اِلٰی ضُرٍّ مَّسَّهٗ کسی تکلیف کے پہنچنے پر اس نے ہمیں پکارا نہیں تھا اسے اس انسان سے تشبیہ دی گئی ہے جو اپنے دُکھ اور درد کے ازالہ کے لیے دُعا نہ مانگے اور وہ مس کے فاعل سے حال ہے اور بعض افراد ان اوصاف سے موصوف تھے بنا بریں اسے جنس پر محمول کیا جائے گا۔ کَذٰلِكَ یہ اشارہ اس تزیین کی طرف ہے جو زیّن میں ہے اور کاف محلاً منصوب ہے اس لیے کہ مصدر محذوف کی صفت ہے اور مصدر مزین میں محذوف ہے زُیِّنَ لِلْمُسْرِفِیْنَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ○ حد سے بڑھنے والوں کے اعمال بھلے کرکے دکھائے جاتے ہیں۔ یعنی ان کے وُہ اعمال جو مذکور ہُوئے مثلاً تضرع سے اعراض اور دُکھ اور درد دور ہونے کے بعد شہوات میں منہمک ہو جانا۔

سوال، کافر کو مسرف کیوں کہا گیا جبکہ مسرف وُہ ہوتا ہے جو مال وغیرہ میں اسراف کرے۔

جواب: جیسے مال میں اسراف ہوتا ہے ایسے ہی دینی امور میں غفلت کرنے کو اسراف سے تعبیر کیا جاتا ہے اور واقعی جس طرح اسراف فی الاموال ہوتا ہے ایسے ہی بندہ اتباعِ شہوات و تضییع عمر میں بھی تجاوز عن الحد کا ارتکاب کرتا ہے جس سے اسے سنگین نقصانات اُٹھانے پڑتے ہیں۔

صائب نے کہا: ؎

ازیں چہ سُود کہ در گلستاں وطن دارم
عمر چو نرگس بخواب مے گزرد

ترجمہ: اس سے مجھے کیا فائدہ اگرچہ میں باغ میں مقیم ہوں جبکہ میری عمر نرگس کی طرح نیند کرتے گزرتی ہے۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ اور بے شک ہلاک اور برباد کیں سنگتیں یعنی اُمم ماضیہ سے جیسے نوح علیہ السلام اور عاد کی قومیں۔ مِنْ قَبْلِكُمْ یہ اَھلکنا کے متعلق ہے القرون سے حال نہیں اس لیے کہ قرون اسم زمان ہے اور اس سے حال نہیں بن سکتا یعنی اے مکہ والو! تمہارے زمانے سے پہلے والے لوگوں کو ہم نے تباہ و برباد کیا لَمَّا ظَلَمُوْا جبکہ انھوں نے ظلم کیا یعنی تکذیب اور قوٰی و اعضاء کو غلط امور میں استعمال کر کے حد سے متجاوز ہُوئے۔ وَجَآءَتْهُمْ حالانکہ ان کے ہاں تشریف لائے رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ان کے رسول روشن دلیلیں لے کر جو اُن کی صداقت پر دلالت کرتی تھیں وَمَا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا اور وُہ ایسے نہیں تھے جو ایمان لاتے کیونکہ ان کی استعداد ختم ہو چکی تھی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے کردار سے انھیں اپنی درگاہ سے دُور کر دیا تھا اور اسے علم تھا کہ ان کی موت کفر پر واقع ہو گی اس کا عطف ظلموا پر ہے گویا ان کے حق میں کہا گیا ہے کہ وُہ ایسے تھے جب انہوں نے حد سے تجاوز کیا اور کفر پر ڈٹ گئے تو اب مزید انہیں مہلت دینے سے کوئی فائدہ نہیں تھا اسی لیے انھیں تباہ و برباد کر ڈالا۔

كَذٰلِكَ اسی طرح کی جزا کے یعنی رسل کرام علیہم السلام کی تکذیب اور کفر پر اصرار کی وجہ سے اب وہ اس

واقع ہو گئے ہیں کہ انہیں مہلت دی جائے بلکہ انہیں تباہ و برباد کیا جائے یہ ان کی جزا ہے اور ہم اسی طرح نَجْزِی الْقَوْمَ الْمُجْرِمِیْنَ ۝ بدلہ دیتے ہیں مجرم قوموں کو۔ ہر مجرم کو اس کے جرم کی سزا یونہی ملتی ہے ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ پھر ہم نے تمہیں ان کے بعد ان کا جانشین بنایا یعنی ان گزشتہ امتوں کے فنا و برباد ہونے کے بعد تمہیں ان کا ایسا جانشین بنایا کہ تمہارا امتحان لیا جا سکے۔

سوال: ممتحن امتحان اس لیے لیتا ہے کہ اسے امتحان لیے بغیر اس کے حالات کا صحیح علم نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ کو ہر ایک کا علم ہے۔

جواب: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ممتحن جیسا معاملہ فرماتا ہے تاکہ ان کے اعمال کے مطابق انہیں جزا و سزا دے۔
لِنَنْظُرَ تاکہ ہم دیکھیں۔ النظر بمعنے آنکھوں کو دیکھی ہوئی شے کو دیکھنے کے لیے پھیرنا۔ لیکن یہ معنیٰ اللہ تعالےٰ کے لیے محال ہے اسی لیے مجازاً یہاں پر بمعنے وہ علم جو محقق ہو کہ جس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہ ہو۔ اس دیکھنے والے سے تشبیہ دی گئی ہے جو اپنی آنکھوں سے شے کے عین کو معاینہ و مشاہدہ کے طور پر دیکھتا ہے ایسے علم پر نظر و رویت کا اطلاق استعارہ تصریحیہ کے طور پر ہوتا ہے پھر اس کے فعل پر ایسا استعارہ تبعاً مستعمل ہے۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ:

"تا بہ بینیم درصورت شہادت بعد از انکہ دانستیم درغیب شما کہ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ چہ گونہ عمل خواہید کرد از خیر و شر تا شما بمقتضائے اعمال شما معاملہ کنیم ان خیرا فخیرا و ان شرا فشر۔ یعنی تاکہ میں تمہیں عالم شہادت میں جانوں بعد ازاں کہ میں نے تمہیں عالم غیب میں جان لیا تھا کہ تم کیسے عمل کرو گے۔ یاد رکھو کہ میں تمہیں تمہارے اعمال کے مطابق جزا و سزا دوں گا اگر نیکی کرو گے تو نیک جزا پاؤ گے اگر برائی کرو گے تو سزا پاؤ گے۔"

ے

چرا آئینہ فعلست گوئی
کہ در وے ہر چہ کردی مینماید
اگر کردی نکوئی نیک بینی
وگر بد کردہ بد پیشت آید

ترجمہ: شیشہ تیرا اپنا عمل ہے جو کچھ کرے گا وہی تجھے نظر آئے گا اگر نیکی کرے گا تو تجھے نیکی نظر آئے گی اگر برائی کرے گا تو تجھے برائی پیش آئے گی۔

ف: کیف تعملون کا معمول ہے اور ماقبل استفہام کے معنے پر عمل نہیں کر سکتا اور اس سے فائدہ یہ ہے کہ استفہام بتاتا ہے کہ جزا میں افعال کے جہات و کیفیات مطلوب ہیں وہ ذاتی حیثیت سے کچھ نہیں اسی لیے اس کے بعد کبھی فعل کا

ہونا مستحسن ہوتا ہے اور کبھی قبیح۔

حدیث شریف میں ہے ؛

ان الدنیا حلوۃ خضرۃ تعجب الناظر۔ بے شک دُنیا میٹھی اور خوش منظر والی ہے۔ دیکھنے والے کو اچھی لگتی ہے۔

شرح الحدیث دُنیا سے اس کی صورت اور اس کا سازو سامان مراد ہے اور اسے خضرۃ سے اسی لیے کہا گیا ہے کہ اہلِ عرب بہترین اور اچھی شئے کو خضراء کہتے ہیں اور اسے سبزیوں سے مشابہت ہے کہ جس طرح سبزیاں سریع الزوال ہیں۔ ایسے ہی دنیا جلد فنا ہونے والی ہے اس میں اشارہ ہے کہ دُنیا ایسی فریب کار ہے کہ اس سے انسان دھوکہ کھا جاتا ہے۔

حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؛ ؎

خوش عروسیت جہان از رہ صورت لیکن
ہر کہ پیوست بدو عمر خودش کابین داد

ترجمہ دنیا دُلہن کی طرح بہتر منظر والی ہے جو اس سے تعلق جوڑتا ہے اسے اپنی زندگی حق مہر میں دینی پڑتی ہے۔

ف : فتح القریب میں ہے کہ دنیا کا حسن اور اس کی رونق اور لذت طبائع کو میٹھے اور تازہ میووں کی طرح محسوس ہوتی ہے اسی لیے نفس اسے حریصانہ طور پر حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اگرچہ ظاہری طور تو خوش منظر اور خوش ذائقہ اور اعلیٰ ترین محسوس ہوتی ہے لیکن اس کا نتیجہ نہایت گندا اور بُرا بلکہ کڑوا ہے یُوں سمجھو کہ ابتداءً شیرِ مادر کی طرح ہے لیکن انجام بکار ایسا ہوتا ہے جیسے ماں دُودھ چھڑانے پر بچے کو دُکھ اور تکلیف محسوس ہوتی ہے۔

بقایا الحدیث و ان اللہ مستخلفکم فیھا اور تمہیں اللہ تعالےٰ نے دنیا میں ان کا خلیفہ بنایا ہے ، یہ اموال در حقیقت اللہ تعالیٰ کے ہیں اس نے تصرف کرنے کے لیے تمہیں اپنا وکیل فرمایا ہے۔

فناظر کیف تعملون۔ پس تمہیں دیکھتا ہے کہ تم کس طرح عمل کرتے ہو۔

یعنی دیکھتا ہے کہ تم اس میں جائز تصرف کرتے ہو یا ناجائز۔ یا یہ معنےٰ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے پہلے لوگوں کے اموال کا نائب بنایا ہے کہ جو کچھ ان کے ہاں تھا وہ سب تمہیں دے دیا۔ پھر دیکھتا ہے کہ تم ان کے احوال سے تدبّر و تفکر کرکے عبرت کرتے ہو یا نہ ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وعظ و نصیحت حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کا حکم مبنی بر حقیقت ہے

کر اس نے اس دنیا کا ہمیں خلیفہ بنا کر ہمارا امتحان لینا چاہا ہے کہ کیسے عمل کرتے ہیں۔ ہم سب کو چاہیے کہ شب و روز اور ظاہراً و باطناً ایسے عمل کریں جن سے وہ خوش ہو۔

مسئلہ: آیت میں اہلِ مکہ کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب پر وعید سنائی گئی تاکہ وہ انکارِ نبوت اور عذاب کی طلب کی عجلت سے باز آجائیں اس خطرہ سے کہ ان پر ایسا عذاب نازل ہو کر ان کی جڑ کٹ جائے جیسے پہلے مکذبین برباد اور تباہ ہوئے۔

مسئلہ: یہ صرف اہلِ مکہ کے لیے وعید و تہدید نہیں بلکہ قیامت آنے والے سب لوگوں کو ہے کہ ہر آنے والا جانے والے کا جانشین ہوتا ہے۔

سبق: ہر سمجھدار پر لازم ہے کہ وہ گزشتہ لوگوں کے حالات سے عبرت پکڑے اور نزولِ قضا سے پہلے ہی اپنے احوال کو سنوار لے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت اس خلافت حقیقیہ کی حقدار ہے جو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے لیے انی جاعلٌ فی الارض خلیفۃ کے ارشاد کے مطابق مختص فرمائی، یہی راز ہے کہ گزشتہ اُمتوں میں جتنا اللہ تعالیٰ کے نائبین گزرے ہیں ان کی ظاہری باطنی خلافت حضور علیہ السلام کی امت کے سپرد فرمائی ہے۔

ف: خلافتِ الٰہیہ کی ایک ظاہری صورت ہے اور ایک باطنی۔

اس کی ظاہری صورت تو یہی ہے کہ قانونِ شرع کے مطابق رعیت ظاہری پر عدل و انصاف کا اجراء کیا جائے اور طبع نفسانی اور امر شہوانی سے اجتناب کیا جائے۔

اسی طرح خلافتِ باطنی کا بھی یہی مطلب ہے کہ رعیت باطنی پر قانونِ معنوی کا اجراء ہو اور رعیت باطنی سے جوارح، اعضا، قلب، رُوح، سر، نفس اور اس کے صفات و اخلاق اور حواسِ خمسہ اور قوائے نفسانیہ مراد ہیں یہ طریقہ انبیاءٔ اور خواص اولیاء کو نصیب ہوتا ہے کہ وہ طلب حق اور باطل سے اجتناب اور ترکِ ماسوی اللہ و وصول الی اللہ میں زندگی بسر کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اور جب مشرکین مکہ پر پڑھی جاتی ہیں اٰيَاتُنَا ہمارے قرآن پاک کی آیتیں جو توحید کی حقیقت اور کفر و شرک کے بطلان پر دلالت کرتی ہیں بَيِّنٰتٍ درانحالیکہ وہ توحید کی حقیقت اور شرک کے ابطال پر واضح طور دلالت کرتی ہیں۔ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا تو کہتے ہیں وہ لوگ جو ہمارے ملنے کی اُمید نہیں رکھتے یعنی انھیں ہمارے دیدار اور ہمارے ہاں حاضر ہونے کی اُمید نہیں اس سے وُہ لوگ مراد ہیں جو حشر و نشر کے قائل نہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے وصال کا شوق نہیں۔ اس لیے کہ وصالِ الٰہی کا شوق زندہ دل کو ہوتا ہے اور ان کے قلوب تو مُردہ ہو چکے ہیں اگرچہ ظاہری طور وُہ زندہ ہیں اور قرآن کی باتیں زندہ دل کو محبوب اور مُردہ دل کو کڑوی لگتی ہیں اس لیے یہ لوگ قرآن پاک کی آیات کی تکذیب کرتے ہیں۔ ائۡتِ بِقُرۡاٰنٍ غَیۡرِ هٰذَاۤ جو قرآن پاک آپ پر اُترا ہے اس کے سوا کوئی اور قرآن لاؤ جس کی ترتیب اور الفاظ اس سے جُدا ہوں[1]۔ اور کہتے ہیں کہ وُہ نیا قرآن وہ ہو جس میں بعث و نشر اور جزا و سزا کا ذکر نہ ہو اور نہ ہی اس میں ہمارے خداؤں کی تحقیر اور تردید ہو۔ اَوۡ بَدِّلۡهُ ؕ یا اسے تبدیل کر دیجئے یعنی اگرچہ اس کی ترتیب اور الفاظ یہی ہوں لیکن وُہ آیات نکال دیجئے جو ہمارے طریقے کے خلاف ہیں اور وہ آیات داخل کر لیجئے جو ہمارے موافق ہوں اسی طرح وُہ آیات بھی نہ ہوں جن میں ہمارے معبودوں کی مذمت ہے جیسے یہودیوں اور نصرانیوں کے علماء نے کیا کہ توراۃ وانجیل کو بدل ڈالا اور اس کی وُہ باتیں از خود بنا ڈالیں جو ان کی خواہشات کے موافق ہیں۔

ف: انہوں نے یہ اس ارادہ پر کہا کہ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی مراد پُوری فرمائیں گے تو ہم کہیں گے:

اے نبی علیہ السلام! تم اپنے دعوٰی میں جھوٹے ہو جبکہ تم کہتے ہو کہ یہ کلام اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا ہے۔ اور وہ ایک فرشتہ لاتا ہے اس لیے کہ اگر تمہاری بات سچی ہوتی تو اب تم نے اپنی طرف سے ہمارے کہنے پر کیوں عمل کیا[2]۔ یہ تم اللہ تعالیٰ پر افترا کرتے ہو۔ اسی لیے فرمایا:

قُلۡ مَا یَكُوۡنُ لِیۡۤ فرمائیے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! میرے لیے جائز نہیں اور نہ ہی مجھے کوئی قدرت ہے، اَنۡ اُبَدِّلَهٗ مِنۡ تِلۡقَآیِٔ نَفۡسِیۡ ۚ کہ میں اسے اپنی طرف سے تبدیل کروں۔

مسئلہ: اس میں اشارہ ہے کہ حضور علیہ السلام سے دوسرا قرآن لانا ممتنع ہے (کذا فی البیضاوی) کشاف کے مضمون سے قاضی بیضاوی کا مضمون بہتر ہے۔

نکتہ: قرآن کو تبدیل کرنا تو انسان کے امکان میں ہے لیکن اس جیسا دُوسرا قرآن لانا اس کی قدرت میں نہیں، اس لیے اس تبدیل کا مطلب یہ ہے کہ قرآن جیسی سورۃ بنائی جائے یا اس قدر بعینہٖ قرآن جیسا مضمون لایا جائے۔ یہ قرآن کے اعجاز کے خلاف ہے فلہذا اس کی نظیر ناممکن بلکہ ممتنع ہے۔ کما لا یخفی علی العاقل یعنی یہ بیّن اور واضح ہے۔

---

[1] شیعہ کی بات مشرکینِ مکہ سے ملتی ہے کہ جیسے وہ اس کا انکار کرتے یہ بھی اس قرآن کا انکار کر کے منتظر امام کے قرآن کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

[2] یہی بات ہم وہابیہ کو کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام سے جب کسی فعل کی نفی ہوتی یا علم کے منافی کوئی بات ہوتی تو اس سے عدم اختیار یا علم کی نفی کا ثبوت نہیں ملتا بلکہ اس میں حکمت ہوتی ہے۔

ہر سمجھدار کو اس کا اقرار ہے (سوائے شیعہ شنیعہ اور منکرین اسلام کے) [1]

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ میں نہیں تابعداری کرتا مگر اس وحی کی جو میری طرف آتی ہے یہ ماقبل کی علت ہے یعنی جو کسی دُوسرے حکم کا تبع ہے وہ اس کی اجازت کے بغیر اپنی طرف سے کسی قسم کا تصرف نہیں کرتا یعنی میں صرف وہی کرتا ہُوں جو میری طرف اللہ تعالیٰ سے آتا ہے اس میں تغیر وتبدل کا سوال کیسا۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر حال وحی پر مبنی تھا[2]۔ اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ وحی آپ کے حال پر مبنی تھی جیسا کہ ظاہر کلام سے واضح ہے۔

خلاصہ یہ کہ میں وہی کرتا ہُوں جو میرے رب کریم کا حکم ہوتا ہے۔ اس آیت کی تحقیق سورۂ انعام میں بیان ہو چکی ہے

اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ اگر قرآن کو تبدیل کر کے اپنے رب کی نافرمانی کروں تو ڈرتا ہُوں عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ۝ بڑے دن یعنی قیامت کے عذاب سے۔

مسئلہ: آیت سے معلوم ہُوا کہ جس طرح آیات قرآنیہ کی تبدیلی حرام ہے اسی طرح اس کی تبدیلی کی طلب بھی حرام ہے اس لیے کہ منطقی قاعدہ ہے کہ نتیجہ کا مدار مقدمہ پر ہوتا ہے جس امر کا مقدمہ حرام ہے اس کا نتیجہ بھی لازماً حرام ہوگا۔

قاعدہ: جو چیز حرام یا مکروہ کا سبب ہو وہ شے بھی حرام اور مکروہ ہوتی ہے۔

مسئلہ: ہمارے دَور میں بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ روزہ رکھنا کتنا سخت کام ہے یا اسی طرح دُوسرے امور شرعی شاقہ کے لیے کہہ دیتے ہیں کہ وہ بہت سخت ہیں تو وُہ بھی حرام کے مرتکب ہوتے ہیں اور ایمان دار کو لائق نہیں کہ وُہ ایسی باتیں کہے ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں اپنی مہربانی سے ایسے امور میں واقع ہونے سے بچائے جو ہلاکت کا موجب بنتے ہیں

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰہُ فرمایئے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! اگر اللہ تعالیٰ چاہے کہ میں تم پر آیاتِ قرآنی نہ پڑھوں تو مَا تَلَوْتُهٗ عَلَیْكُمْ میں تمہارے لیے ہرگز نہ پڑھتا اس لیے کہ میں اُمی ہُوں اور اُمی کے لائق نہیں کہ وہ ایسی مشکل عبارات پڑھ سکے جیسا میرا ابتدائی معاملہ تم دیکھ چکے اور وُہ بھی سُن چکے کہ جبریل علیہ السلام میں ابتداءً آ کر مجھے کہتا: پڑھو۔ تو میں کہتا کہ میں پڑھنا نہیں جانتا[3]۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا۔ اس کے بعد کہا:

اقراء باسم ربك الذی خلق۔ پڑھیے اپنے رب تعالیٰ کے نام سے جس نے تمھیں پیدا کیا۔

اس کے بعد میں نے اس وقت پڑھا جب مجھے میرے رب تعالیٰ نے پڑھنے والا بنایا اگر وُہ مجھے پڑھنے کی قدرت نہ دیتا تو

---

[2] اسی وجہ سے ہم حضور علیہ السلام کو معصوم اور مختار کل مانتے ہیں۔

[3] اس کی تفصیل ہم نے "تفسیر اویسی" میں درج کی ہے۔

یں تمہارے ہاں کچھ بھی نہ پڑھ سکتا۔

حکایت ایک اُمّی ولی اللہ کو آپ کے ایک مخالف نے کہا کہ حضرت وعظ سنائیے اسے معلوم تھا کہ وہ ان پڑھ اور عجمی آدمی ہیں عربی نہیں جانتے اور نہ ہی آپ کو بولنا آتا ہے اگر انکار کریں گے تو بھی رُسوا ہوں گے اگر وعظ کریں گے تو بھی عوام میں اپنی کمزوری پر شرمسار ہوں گے۔ اس ولی اللہ کو منکر کے اس طعن سے سخت پریشانی ہُوئی تو رات کو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں زیارت کرائی اور فرمایا:

وعظ کرو، میری طرف سے اجازت ہے۔

چنانچہ صبح کو مجلسِ وعظ منعقد ہوئی آپ منبر پر تشریف لائے اور ایسا بہترین وعظ و تقریر فرمائی کہ تمام لوگ عش عش کر اٹھے آپ نے فرمایا:

واقعی میں ایک عجمی انسان ہُوں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے عربی زبان پر قدرت بخشی اور وعظ و تقریر کا ملکہ عطا فرمایا اور وہ بہت بڑا قادر ہے۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا:

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید
دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا میکرد

ترجمہ: رُوح القدس کا فیض اگر کسی کی مدد فرمائے تو وہ وہی کر سکتا ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کیا کرتے تھے۔

وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ اور نہ میں تمہیں اس کی خبر دیتا ادری دریت الشئی و دریت بہ کی ماضی ہے بمعنے علمتہٗ۔ و ادرانیہ غیری یعنی مجھے فلاں نے بتایا۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اگر اللہ تعالےٰ تمہیں میری زبان اقدس سے نہ جتلاتا اور نہ ہی اس کی تمہیں کچھ سمجھ دیتا فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ پس میں تم میں گزار چکا ہُوں اور تمہارے ہاں ٹھہرا ہُوں عُمُرًا عرصہ دراز تک۔ عمر بضمتین بمعنے زندگی۔ اس کی جمع اعمار آتی ہے۔ (کذا فی القاموس)

ف: ابوالبقاءؒ نے فرمایا کہ اس کا منصوب ہونا علی الظرفیہ ہے یعنی زندگی کی ایک مدت۔

ف: ابن الشیخ نے فرمایا:

عمر بمعنے لمبی عمر۔ اور اس سے وہی چالیس سال مراد ہیں جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل اظہارِ نبوت بسر فرمائے۔

مِنْ قَبْلِهٖ قرآن کے نزول سے پہلے ہیں تمہارے سامنے نہ کچھ پڑھتا تھا اور نہ کچھ اور اس قسم کی باتیں بتاتا۔

نبی علیہ السلام کی مختصر سوانح عمری حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اظہارِ نبوت سے پہلے مکہ میں قیام پذیر رہے۔ اس کے بعد آپ پر وحی کا نزول ہُوا۔ نزولِ وحی کے بعد

آپ مکہ معظمہ میں تیرہ سال رہے۔ اس کے بعد آپ مدینہ طیبہ ہجرت فرما گئے۔ مدینہ طیبہ میں آپ نے دس سال گزارے۔ آپ کی کل عمر مبارک تریسٹھ سال تھی۔ ظاہر ہے کہ آپ نے مکہ والوں کے ہاں چالیس سال بسر فرمائے۔ اس اثنا میں نہ آپ نے کسی سے کچھ سیکھا اور نہ ہی کسی عالم کی صحبت میں بیٹھے نہ ہی آپ نے کوئی تقریر سیکھی۔ پھر انہیں ایک فصیح و بلیغ کتاب پڑھ کر سنائی کہ جس کے سامنے ہر فصیح و بلیغ سر جھکانے پر مجبور ہو گیا۔ نہ ہی کوئی نثر مقابلہ کر سکی نہ نظم۔ طرفہ یہ کہ وہ جمیع اصول و فروع کے قواعد کو حاوی تھے اوّلین کے جمیع حالات اور آنے والے تمام بیانات واضح طور پر بیان فرمائے تو مجبوراً ماننا پڑا کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ نے پڑھایا سکھایا ہے اور جو کچھ آپ پڑھتے ہیں وہ خارق للعادہ کے لحاظ سے معجزہ ہے۔

امی دانا کہ بعلم فنزدن
راند رقم بر ورق کاف و نون
بے خط و قرطاس ز علم ازل
مشکل لوح و قلمش گشت حل

ترجمہ: وہ اُمّی عالم کہ جس کے علم کا کنارہ کہاں، کُن کے ورق سے جس نے اپنے علمی جوہر بکھیرے نہ اسے کاغذ کی ضرورت نہ خط کی وہ تو علمِ ازل کے حافظ ہیں لوح و قلم کے علوم انہی سے حل ہوتے ہیں۔

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ کیا پس تم سمجھتے نہیں۔ یعنی تم اپنے تدبر و تفکر کو عمل میں لاؤ تاکہ تمہیں معلوم ہو کہ یہ کلام میرا نہیں بلکہ میرے رب تعالیٰ کا ہے فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا پس کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو اللہ تعالیٰ پر افتراء کرتا ہے۔

اس آیت میں احتراز ہے ان کے اس قول سے جو انہوں نے حضور علیہ السلام کی طرف منسوب کیا وہ یہ کہ کفار کہا کرتے تھے کہ یہ قرآن نبی علیہ السلام نے خود بنایا ہے اور اسے اللہ تعالےٰ کا کلام کہہ کر اللہ تعالیٰ پر افترا کرتے ہیں چنانچہ ائت بقرآن غیر ھذا او بدلہ اسی طرف اشارہ کرتا ہے جب فمن اظلم ممن افترٰی علی اللہ کذبا کہہ کر حضور علیہ السلام نے کفار کو سمجھایا کہ میں قرآن مجید خود بنا کر اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کرتا۔ اگر مجھ سے بفرضِ محال یہ بات ثابت ہو جائے تو مجھ جیسا ظالم اور کون ہو گا۔ یہ کام مجھ سے ہرگز نہیں ہوا بلکہ یہ یقیناً کلامِ ربّانی اور وحیِ الٰہی ہے فلہذا تم مجھے نبی برحق مانو اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ یا وہ اللہ تعالیٰ کے آیات کی تکذیب کر کے کفر کرتا ہے اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ بیشک مجرم عذابِ الٰہی سے نہیں بچ سکیں گے اور نہ ہی کسی مقصد کو حاصل کر سکیں گے۔

تفسیر صُوفیانہ انہ لا یفلح المجرمون کا مطلب یہ ہے کہ کاذب و مکذب لوگ قیدِ کفر اور خواہشات کے حجابات اور دُوری و بُعد کے عذاب اور نفس کی آگ سے چھٹکارا نہیں پا سکیں گے اس لیے کہ طریقت صدق و اخلاص سے نصیب ہوتی ہے کذب و ریا سے طریقت کو کسی قسم کا تعلق اور واسطہ نہیں جس نے سچائی اختیار کی وہ کامیاب ہوگا یعنی وصالِ حق سے بہرہ ور ہوگا اور جو جھُوٹ بولتا ہے وُہ نقصان پائے گا بلکہ تباہ و برباد ہوگا۔

نجات کا نسخۂ رُوحانی تمام علماء کا اتفاق ہے کہ تین ایسی خصلتیں ہیں کہ اگر وُہ صحیح ہوں تو نجات یقیناً نصیب ہوگی اور وُہ تینوں ایک دُوسری کے بغیر پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتیں:

۱۔ اسلام جس میں ظلم کی ملاوٹ نہ ہو۔

۲۔ طیب اور حلال غذا۔

۳۔ اعمال میں صدق و اخلاص۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین اعمال چوٹی کے افتراء سمجھے جاتے ہیں:

۱۔ اپنی آنکھوں پر افتراء ——— وہ یہ کہ کسی شے کو دیکھا نہ ہو لیکن کہے کہ میں نے اسے دیکھا یعنی جھُوٹا خواب بیان کرنا۔

۲۔ اپنے والدین پر افتراء ——— یعنی اپنے آپ کو کسی دوسرے کی اولاد بتائے۔

۳۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھُوٹی حدیث منسوب کرے۔ مثلاً کہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے حالاں کہ وہ حدیث آپ سے نہیں سُنی۔ (کذا قال ابوالقاسم الفقیہہ رحمہ اللہ تعالیٰ)

تنبیہ از صاحبِ رُوح البیان حضرت اسماعیل حقی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جب ایک عام آدمی پر بہتان تراشی گناہِ کبیرہ ہے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام پر افتراء کا کیا حال ہوگا اس لیے کہ وُہ اللہ تعالیٰ کے امین ہوتے ہیں ان کی طرف اللہ تعالیٰ کے پیغامات پہنچتے ہیں جس نے کسی نبی علیہ السلام کی طرف نسبت کی تو گویا اس نے اللہ تعالیٰ کی طرف منسُوب کیا اور اس کی سزا قرآن میں سخت تر بتائی گئی ہے۔

ف: ایسے ہی اللہ تعالیٰ کے کسی ولی کی طرف کسی بات کا منسوب کرنا بھی گناہِ کبیرہ ہے اس لیے کہ انھیں منجانب اللہ بذریعہ الہام انکشافات ہوتے ہیں ان کی طرف کسی شے کی نسبت گویا اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا ہے۔

وہابیہ کے ایک وہم کا ازالہ بعض لوگ دھوکہ دیتے ہیں کہ ان پڑھ ولی اللہ نہیں ہوسکتا یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ یہ دراصل شانِ ولایت کے بجائے شانِ نبوت پر حملہ ہے اس لیے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب امام الانبیاء ہوکر نبی اُمّی ہوسکتے ہیں تو ان کا اُمتی اُمّی (ان پڑھ) بھی ولی ہوسکتا ہے۔

سوال از وہابی : امام سخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک حدیث نقل کی ہے وُہ یہ ہے :

مااتخذ اللّٰہ من ولی جاھل ولو اتخذہ لعلمہ۔

اللہ تعالیٰ کسی جاہل کو اپنا ولی نہیں بناتا اگر اللہ تعالیٰ کا اسے ولی بنانا ہوتا تو اسے عالم بناتا۔

جوابِ۱ از سُنّی : صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ تعالےٰ نے یہی حدیث نقل کر کے انہی امام سخاوی رحمہ اللہ تعالےٰ کا قول نقل کرتے ہیں کہ :

لیس بثابت [۱]

یہ حدیث صحیح نہیں اور نہ ہی اس کا کہیں ثبوت ملتا ہے۔

جوابِ۲ : وہابی نے اس کا معنےٰ غلط کیا ہے اگرچہ یہ حدیث صحیح نہیں لیکن اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی ان پڑھ بندے کو اپنا ولی بنانا چاہتا ہے تو اسے پہلے علم ظاہری عطا فرماتا ہے پھر اسے ولی بنا لیتا ہے۔ چنانچہ صاحبِ روح البیان کی عبارت یہ ہے کہ :

لو اراد اتخاذہ ولیا یعلمہ ثم اتخذہ ولیا۔

جوابِ۳ : وہابی کے سوال کا جواب امام غزالی قدس سرہٗ کی مندرجہ ذیل عبارت سے بھی ہوتا ہے جو انھوں نے اسماءِ الٰہی کی شرح کرتے ہُوئے لفظ حکیم پر لکھا ہے کہ :

من عرف اللّٰہ فھو حکیم وان کان ضعیف المنۃ فی سائر العلوم الرسمیۃ کلیل اللسان قاصر البیان فیھا۔ [۲]

جسے ذاتِ حق کا عرفان نصیب ہو وہ حکیم ہے اگرچہ اسے علوم و فنون مروّجہ بظاہر حاصل نہ ہوں بلکہ ان کے بیان میں اسے کمی اور سخت کمی بلکہ برعکس باتیں کرتا ہو۔

ف : اس سے ثابت ہوا کہ ان پڑھ بھی ولی اللہ ہو سکتا ہے [۳]

جوابِ۴ : (از صاحبِ روح البیان) حضرت اسماعیل حقی رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا :

واضح ہو کہ علم الحال یعنی علوم رسمیہ کا ہونا ولی اللہ کی ولایت کے لیے شرط نہیں ہے اس لیے کہ جب اللہ تعالےٰ کسی بندے کے لیے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے دین کی سمجھ بخشتا اور اسے اپنی طرف سے علمِ یقین سے نوازتا ہے۔

---

[۱] روح البیان ج ۴ ص ۲۵

[۲] ۔ ج ۴ ص ۲۵ ترجمہ ہم نے اوپر لکھ دیا ہے۔ [۳] ایضاً

فصاحتِ مصطفٰے کا ایک نکتہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پُوچھا، کیا وجہ ہے کہ آپ ہم سب سے زیادہ فصیح اور بلیغ تر ہیں؟

آپ نے فرمایا کہ میرے ہاں حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہُوئے اور اسماعیل علیہ السلام کی لغت مجھے بتا گئے، علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے میری بہترین تربیت فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ میں آپ کے اخلاق بلند کروں کما قال:

خذ العفو وامر بالمعروف (الآیہ)

آپ معافی کو اپنا طریقۂ کار بنا لیجیے اور نیکی کا حکم دیجئے۔

اللہ تعالیٰ رسالت کے جوہر خوب جانتا ہے جسے چاہتا ہے اپنی خصوصی نوازشوں سے نوازتا ہے۔

تنبیہ وہابی کو حضرت یونس جیسے دُوسرے اور ان پڑھ ولیوں کی ولایت کا انکار کرنا گمراہی ہے[1] اس لیے کہ ان کے اندر بہت سے امور ہوتے ہیں جو ان کی ولایت کے شاہد عادل ہوتے ہیں۔ ان کی کسی ظاہری خطا پر طعن و تشنیع کرنا گناہِ عظیم ہے۔ جیسے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا سین دُوسروں کے شین سے محبوب ترین تھا۔ چنانچہ مثنوی مولانا روم قدس سرہٗ میں ہے: ؎

گر حدیثت کژ بود معینت راست
آں کژی لفظ مقبول خدا ست

ترجمہ: اگر لفظوں کی غلطی ہے تو کیا حرج ہے جب اس کا معنیٰ صحیح ہے۔ خلوص ہو تو وہی ظاہری غلطی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول و محبوب ہے۔

ایک مشہور عربی مقولہ ہے:

خطاء الاخیار اولٰی من صواب الاغیار۔

دوستوں کی غلطی غیروں کی اچھائی سے بہتر ہے۔

حدیثِ ابدال: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ان للہ عباداً یقال لھم الابدال لم یبلغوا ما بلغوا بکثرۃ الصوم والصلٰوۃ و	اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ہوتے ہیں جنہیں ابدال کہا جاتا ہے وہ اس مرتبہ پر کثرتِ صوم و صلٰوۃ یا دنیا داری

---

[1] اگر واقعی وہ ولی اللہ ہو جیسا کہ صاحبِ رُوح البیان نے فرمایا ہے ورنہ ہمارے دَور کے مدعیانِ ولایت کا کیا کہنا کہ جہالت کے استاذ ہو کر احکامِ الٰہیہ سے کوسوں دُور رہتے ہیں بلکہ اُلٹا احکامِ الٰہی اور علومِ نبوی کی تضحیک کرتے ہیں۔

التمتع وحسن الحلیة وانما بلغوا بصدق الورع وحسن النیۃ وسلامۃ الصدور والرحمۃ لجمیع المسلمین اصطفاھم اللہ بعلمہ واستخلصھم لنفسہ وھم اربعون رجلا علی مثل قلب ابراھیم علیہ السلام لا یموت الرجل منھم حتی یکون اللہ قد انشاء من یخلفہ۔

اور بہترین پوشاک وغیرہ کی وجہ سے نہیں پہنچے بلکہ انہوں نے اس بلند مرتبہ کو پرہیزگاری، نیک نیتی، سینہ کی صفائی اور مسلمانوں پر رحم دلی کی وجہ سے پایا۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے خود چُنا ہے اور صرف اپنے لیے۔ وہ چالیس مرد ہوتے ہیں جن کا قلب ابراہیم علیہ السلام کے مطابق ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں اور مقرر فرما دیتا ہے۔

علامتِ ابدال وہ بزرگ نہ کسی کو گالی دیتے ہیں اور نہ ہی کسی پر لعنت کرتے ہیں اور نہ اپنے سے کمزوروں کو ایذا دیتے ہیں اور نہ ہی انہیں حقیر سمجھتے ہیں۔ اور اپنے سے اُونچے مرتبہ والوں پر حسد نہیں کرتے باتوں میں شیریں، طبیعت کے نہایت نرم اور دل کے سخی ہوتے ہیں۔ نہ ہی ان پر متکبرین کی فرعونیت چل سکتی ہے اور نہ ہی تند و تیز ہوائیں انہیں مٹا سکتی ہیں۔ وہ بلا واسطہ اللہ تعالیٰ سے متعلق ہوتے ہیں ان کے دل آخرت کی طرف لگے ہوتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ہر نیکی میں سبقت کرتے ہیں۔ یہی اللہ تعالیٰ کا گروہ ہے اور یہی لوگ کامیاب ہیں (کذا فی روض الریاحین)

اولیاء کرام کی تعریف میں مثنوی شریف میں فرمایا: ؎

مردہ است از خود شدہ زندہ برب

زاں بود اسرار حقش در دو لب

تفسیر عالمانہ وَيَعْبُدُونَ اور کافر عبادت کرتے ہیں مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ یہ یعبدون کے فاعل کا حال ہے بمعنے متجاوزین اللہ یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت بالکل ترک نہیں کر دی تھی بلکہ انہوں نے اللہ تعالےٰ کی عبادت پر اکتفا نہ کرتے ہوئے غیروں کی پرستش کر دی اور بُتوں کی عبادت کو اللہ تعالےٰ کی عبادت کے برابر سمجھا مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ یعنی کفار ان کی عبادت کرتے ہیں جو نفع دے سکتے ہیں اور نہ نقصان۔ اس سے ان کے بُت مراد ہیں کہ انہیں کسی قسم کی قدرت نہیں کہ اگر کوئی ان کی پرستش چھوڑ دے تو وہ انہیں نقصان پہنچا دیں یا اُن کی کوئی عبادت کرے تو وہ انہیں کوئی فائدہ دیں کیونکہ وہ محض چند پتھروں کے ڈھیلے ہیں ان کو کسی نفع و نقصان دینے کا کیا کام حالانکہ معبود تو ایسا ہو کہ وہ نیکی پر اجر و ثواب سے نوازے اور برائی پر سزا دے تاکہ اس کی عبادت میں حصولِ نفع و دفعِ ضرر کی امید ہو وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَاۤءِ اور کہتے ہیں کہ یہ ہمارے بُت شُفَعَآؤُنَا

عِنْدَ اللّٰہِ اللہ تعالےٰ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔ ہماری تمام دنیوی مشکلات اللہ سے سفارش کر کے حل کرادینگے۔
سوال : تم نے صرف دنیوی مشکلات پر انحصار کیوں کیا حالانکہ وہ بتوں کے لیے اُخروی سفارش کے قائل بھی تو تھے۔
جواب : انہیں آخرت پر ایمان کب تھا ہاں اس میں آخرت کا مفہوم فرض کر سکتے ہیں بایں معنیٰ کہ وُہ یوں کہتے ہوں اگر بفرضِ محال مرنے کے بعد اُٹھنا ہُوا تو قیامت میں ہمارے یہ بُت ہمیں عذابِ الٰہی سے بچالیں گے۔ چنانچہ کاشفی نے لکھا کہ کافر کہتے تھے کہ اگر قیامت ہُوئی جیسا کہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے تو ہمارے یہ بُت اللہ تعالےٰ سے درخواست کر کے ہمیں عذاب سے چھڑالیں گے۔[۱]

بُت پرستی کی ابتداء

بُت پرستی کی ابتداء حضرت نوح علیہ السلام کی قوم سے شروع ہُوئی۔ واقعہ یوُں ہے کہ آدم علیہ السلام کے پانچ صاحبزادے بڑے نیک بخت تھے جن کے اسماء یہ ہیں :

۱۔ وُدّ
۲۔ سواع
۳۔ یغوث
۴۔ یعوق
۵۔ نسر

جب ان میں وُدّ فوت ہُوا تو لوگ بہت مغموم ہُوئے اور اس کی قبر پر بیٹھ گئے اُٹھنے کا نام تک نہ لیتے تھے۔ وُدّ کی قبر "بابل" کے علاقہ میں ہے۔ جب ابلیس ملعون نے ان کی یہ عقیدت مندی دیکھی تو انسانی بھیس بدل کر ان کے ہاں حاضر ہوا اور کہا کہ میں تمہیں ایک فوٹو تیار کر دیتا ہوں جس سے وُدّ کی شکل وصورت کی یاد تازہ ہوگی۔ اس پر وہ بہت خوش ہُوئے چنانچہ شیطان نے انہیں وُدّ کی تصویر بنا دی۔ اسی طرح جو بھی ان میں فوت ہوجاتا اس کی تصویر اتار لی جاتی اور انہی[۲] بزرگوں کے نام پر ان تصاویر کے نام رکھے جاتے۔ کئی پشتوں تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ لیکن جونہی عرصۂ دراز

---

[۱] یہی آیت ہم دیوبندی ٹولہ کو ان کی الزام تراشی کے جواب میں پیش کرتے ہیں۔ ان کی الزام تراشی یہ ہے کہ مشرکینِ عرب بھی بتوں کو سفارشی مان کر مشکل کشا مانتے تھے اسی طرح تم اہلسنت بھی۔ ہم کہتے ہیں کہ وہ بُتوں کی عبادت کر کے اللہ تعالیٰ کا شریک سمجھ کر بحیثیت شریک ہونے سفارشی مانتے اور ہم اولیأ اللہ کی عبادت نہیں اللہ تعالی کی دی ہوئی تعظیم سے معظم سمجھ کر بحیثیت اللہ تعالےٰ کے محبوب ہونے کے بحکم الٰہی سفارش مانتے ہیں۔ اتنا بڑا فرق ہونے کے باوجود بھی وہابی ٹولہ نہیں سمجھتا تو پھر ان سے خدا سمجھے۔ اویسی غفرلہ •

[۲] دیوبندی اس واقعہ سے بھی عوام کو دھوکہ دیتے ہیں کہ بزرگوں کی عقیدت مندی حرام ہے حالانکہ (باقی برصفحہ ۲۳۰)

گزرا۔ آنے والی نسلوں سے شیطان نے کہا کہ تمہارے اسلاف انہی تصویروں کی پرستش کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ان تصاویر کی پرستش شروع کر دی۔ اس گمراہ قوم کی ہدایت کے لیے نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بنا کر بھیجا۔ آپ نے انہیں بُت پرستی سے روکا لیکن وہ نہ مانے۔

ف: حضرت آدم و نوح علیہ السلام کے درمیان دس قرن گزرے وہ تمام لوگ دین حق پر تھے۔ طوفان کے دوران ان تصویروں کو نوح علیہ السلام نے جدہ کے ساحل پر دفن کرا دیا لیکن شیطان نے وُہ تصاویر عرب والوں کے لیے نکال لیں۔

عرب میں پہلا بُت کا پُجاری

عرب میں پہلا بُت کا پُجاری عمرو بن لحی ہے جو خزاعہ قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ واقعہ یُوں ہُوا کہ وہ اپنے مختلف کاروبار کے لیے عرب سے شام کو جاتا تھا، بلقاء کے علاقہ میں عمالقہ کو بُت پرستی کرتے دیکھا۔

ف: عمالقہ عملاق بن لاود بن سام ابن نوح علیہ السلام کی اولاد تھی۔

عمرو بن لحی نے ان سے پُوچھا: یہ کیا کرتے ہو؟

انہوں نے جواب دیا: یہ ہمارے معبود ہیں، ہم ان کی پرستش کرتے ہیں۔ انہی کے وسیلہ سے ہم بارش طلب کرتے ہیں تو بارش ہو جاتی ہے اور انہی کو اپنے امور میں اپنا حامی مانتے ہیں اور یہ ہماری اعانت بھی فرماتے ہیں۔

عمرو نے کہا: اگر ایسا معاملہ ہے تو ایک بُت مجھے بھی دے دو، جسے میں عرب لیجاؤں۔

چنانچہ انہوں نے ایک بُت اُسے دے دیا جس کا نام ہُبل تھا اور وہ عقیق کا بنا ہوا بشکل انسانی تھا۔ جب وہ اسے مکہ لایا تو کعبہ معظمہ کے درمیانی حصہ میں رکھ دیا اور لوگوں سے اس کی پرستش اور تعظیم و تکریم کے لیے کہا۔ اہلِ عرب کی عادت بن گئی تھی کہ سفر سے واپسی پر گھر جانے سے پیشتر کعبہ شریف کا طواف کر کے اسی بُت کی پرستش کرتے اور یہیں پر سر منڈاتے۔ (کذا فی انسان العیون)

ف: اہلِ طائف لات کی اور اہلِ مکہ عُزّٰی، منات، ہُبل و اساف کی عبادت کرتے تھے۔

قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ فرمائیے کیا تم اللہ تعالیٰ کو خبر دیتے ہو بِمَا لَا یَعْلَمُ ایسی بات کی جسے وہ نہیں جانتا جو کچھ بھی ہے فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ آسمانوں میں اور نہیں جانتا جو کچھ زمینوں میں ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) واقعہ کی تفصیل سے ظاہر ہے کہ بتوں کے نام سے ایک خارجی غلطی میں قوم گمراہ ہوئی۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ خارجی غلطی سے بزرگوں کی عقیدت بھی حرام ہے اور اس غلطی سے بزرگوں کی مذمت یا ان سے علیحدگی اختیار کی جائے۔ اگر کوئی شخص (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کا مجسمہ یا جعلی تصویر بنا کر اس کی پُوجا شروع کر دے تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کا نام لینا بھی چھوڑ دیا جائے۔ فافہم ولا تکن من الوھابیین۔ (اویسی غفرلہٗ)

بِمَا میں ما سے اللہ تعالیٰ کا شریک مراد ہے اور ظرف ضمیر محذوف سے حال ہے اور استفہام انکاری ہے اس سے کفار و مشرکین کو متنبہ کرنا مطلوب ہے اور ان سے تہکم کیا گیا ہے اور انہیں بمنزلہ اس انسان کے بنایا گیا ہے جو علام الغیب کو خبر دے کیونکہ انہوں نے ایک محال امر کا دعویٰ کر رکھا تھا وہ یہ کہ یہی بُت اللہ تعالیٰ کے شریک اور اس کے حضور میں ان کے سفارشی ہیں۔

ف: اسم ظرف سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے معبود سماوی تھے جیسے ملائکہ ونجوم (ستارے) یا ارضی جیسے ان کے وُہ بُت جو انہوں نے درختوں اور پتھروں کے بنا رکھے تھے۔

ف: ظاہر ہے کہ موجودات کی ہر شے معدوم ولاشئے ہے اور اسی کی پیدا کردہ اور حادث اور اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے اور جس کی یہ شان ہو وہ عبادت کے لائق نہیں۔ اور نہ ہی اسے اللہ تعالیٰ سبحانہٗ کا شریک بنایا جائے۔

ف: کاشفی نے کہا کہ یہاں پر علم[1] کی نفی سے معلوم کی نفی مراد ہے یعنی اے کافرو! تم کہتے ہو اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک ہے اسی معبود باطل کی شفاعت ثابت کرتے ہو اور تمہیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ جمیع موجودات کو جانتا ہے اور اس کے علم میں نہیں کہ اس کا کوئی شریک ہے یعنی اس کا کوئی شریک موجودات میں ہے اور نہ ہی وہ اسے جانتا ہے جب اس کا کوئی شریک نہیں ہے تو پھر جو تم اس کے لیے سفارشی ہونے کا عقیدہ رکھتے ہو وُہ یقیناً باطل ہوگیا۔

ف: ابن الشیخ نے بھی یہی فرمایا موجودات میں جو کچھ ہے اسے شئے کہا جائے گا اور ہر شئے سے اللہ تعالیٰ کے علم کا تعلق ہے اور معبودانِ باطلہ ہیں ہی نہیں اسی لیے ان سے اللہ تعالیٰ کے علم کا تعلق نہیں۔

عقیدہ: جو شے اللہ تعالیٰ کے علم میں نہیں اس کا وجود محال یعنی ممتنع ہے۔

سُبْحٰنَهٗ وہ اللہ تعالیٰ پاک ہے وَتَعٰلٰی اور بلند تر ہے عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ اس سے جو اس کا شریک ٹھہراتے ہیں اس لیے کہ ایسی ذات جلی کی تنزیہ ضروری ہے یعنی وُہ ذات شرک کی نجاستوں سے منزہ ہے فلہٰذا اس کا کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ ؎

واحد اندر ملک او را یار نے
بندگانش را جز او سالار نے

وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً اور نہیں تھے لوگ مگر ایک اُمّت یعنی آدم علیہ السلام سے قابیل و

---

[1] ایسے ہی نوح علیہ السلام کے واقعہ میں "فلا تسئلن ما لیس لك به علم" میں بھی علم کی نہیں معلوم کی نفی ہے اور معلوم کی نفی سے علم کی نفی نہیں ہو سکتی جیسے آیت ہذا میں ہے۔ تفصیل نوح علیہ السلام کے واقعہ میں آئے گی۔ انشاءاللہ تعالیٰ
اویسی غفرلہٗ

ہابیل کے واقعہ تک یا نوح علیہ السلام کے زمانۂ طوفان کے بعد ایک ملت پر تھے اسی لیے کہ طوفان میں تمام اہل کفر مٹ گئے تو اس کے بعد تمام لوگ دینِ حق پر متفق رہے فَاخۡتَلَفُوۡا ؕ پھر مختلف ہو کر کوئی کافر ہوئے، کچھ حسبِ دستور مسلمان رہے وَلَوۡلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتۡ مِنۡ رَّبِّكَ اور اگر تیرے رب تعالیٰ کا کلمہ سبقت نہ کرتا۔ اس سے اللہ تعالیٰ کا وہ حکم ازلی مراد ہے کہ جس میں لکھا گیا تھا کہ انھیں قیامت تک عذاب نہیں ہوگا پھر جب قیامت قائم ہوگی اس وقت ان پر عذاب ہوگا اس لیے کہ وہی سزا وجزا اور فیصلے کا دن ہے لَقُضِيَ بَيۡنَهُمۡ تو جلد تران کے مابین فیصلہ ہو جاتا فِيۡمَا فِيۡهِ يَخۡتَلِفُوۡنَ ○ جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں یعنی حکمِ الٰہی نہ ہوتا تو اہلِ باطل کو مٹا دیا جاتا اور اہلِ حق کو باقی رکھا جاتا۔

ف: کاشفی نے اس کا مطلب لکھا ہے کہ اگر حکم ازلی نہ ہوتا تو ان کے اختلاف کا یوں فیصلہ ہو جاتا کہ عذاب کے گھیرے میں اہلِ باطل مٹ جاتے اور اہلِ حق باقی رہتے۔

تفسیر صوفیانہ اس آیت کا یہ معنیٰ بھی ہو سکتا ہے کہ ابتدائے آفرینش میں انسان فطرتی طور پر ایک تھے پھر والدین کی تربیت سے مختلف ہوئے۔

چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

کل مولود یولد علی الفطرة فابواه یهودانه وینصرانه ویمجسانه۔	ہر بچہ ایک فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر ماں باپ اسے یہودی بنائیں یا نصرانی یا مجوسی۔

یعنی بعد بلوغ بوجہ معاملاتِ طبعیہ و شرعیہ لوگ مختلف ہو جاتے ہیں۔

ف: یاد رہے کہ سابقہ اُمتوں کی طرح اُمتِ محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لوگ بھی مختلف ہیں کہ بعض مومن ہیں اور بعض کافر اور بعض بدعتی۔

نکتہ صوفیانہ لوگوں کے مختلف ہونے میں بہت بڑے فائدے اور لاتعداد عظیم حکمتیں ہیں۔ ان میں ایک یہ ہے کہ کمالِ الٰہی مظاہرِ جمال وجلال میں یونہی ظاہر ہوتا ہے لیکن لوگوں پر لازم ہے کہ وہ آپس میں محبت پیدا کریں اور توافق و تطابق سے زندگی بسر کریں۔ آپس میں تباغض و تنافر پیدا نہ ہونے دیں اس لیے کہ قدرتِ حق کا ہاتھ جماعت پر ہوتا ہے۔ بھیڑیا اس بکری کو اچک کے لیجاتا ہے جو ریوڑ سے علیحدہ ہو۔

حکایت ایک دانا شخص کثیر الاولاد تھا اس نے بوقتِ نزع سب کو بلایا اور فرمایا کہ میرا ڈنڈا لاؤ۔ اس نے اُسے اکٹھا کر کے سب کو فرمایا کہ اسے توڑ ڈالو۔ بہت زور لگانے کے باوجود وہ اسے توڑ نہ سکے۔ پھر اس نے اسے علیحدہ کر دیا اور فرمایا اب توڑو۔ چنانچہ الگ الگ ٹکڑے لے کر سب نے اسے ریزہ ریزہ کر دیا۔

اس کے بعد سب سے فرمایا کہ یہی تمہاری کیفیت ہے کہ اگر تم آپس میں متفق رہے تو تمہارا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکے گا ورنہ پھر تمہارا یہی حال ہوگا کہ ہر طرف سے دشمن کے گھیرے میں آجاؤ گے اور بے اتفاقی سے مار کھاؤ گے۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

حدیث شریف میں تمہیں تقوٰے اور سمع و طاعت کی وصیت فرماتا ہوں اگر تمہارا امیر کسی غلام کو بنایا جائے تو بھی تم اس کے سامنے سر جھکاؤ۔ میرے وصال کے بعد جو زندہ رہے گا وُہ بہت بڑے اختلاف دیکھے گا۔ اے میرے اُمتیو ! میری سنّت کو لازم پکڑو اور میرے خلفائے راشدین کے طریقے کو ہرگز نہ چھوڑنا ۔

ف : الراشدون ' راشد کی جمع ہے بصیغہ اسم فاعل ہر وُہ شخص جو ہدایت لائے اور ہدایت کے جملہ اوصاف کا حامل ہو غیّ اسی کی ضد ہے اس سے ثابت ہُوا کہ راشد ' غاوی کا نقیض ہے اور غاوی ہر وُہ جو عمداً حق کے خلاف عمل کرے

ف : حدیث مذکور میں النواجذ کا لفظ واقع ہُوا ہے ۔ نواجذ آخری دانتوں کو کہتے ہیں اس سے حضور علیہ السلام کی مراد یہی ہے کہ آپ کی اور آپ کے خلفائے راشدین کی سنّت پر مواظبت کی جائے اور اسے ایسا مضبوط پکڑا جائے جیسے آخری دانتوں یعنی ڈاڑھ سے شئے کو ایسا مضبوط کرتا ہے کہ اسے کہیں جانے نہیں دیتا اور اس حرص میں ہوتا ہے کہ اگر معمولی سی غفلت ہُوئی تو شئے مُنہ سے نکل جائے گی ۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسے فرمایا ویسے ہی ہُوا کہ آپ کے وصال کے بعد بہت بڑے

علمِ غیب نبوی اختلافات اور فتنے برپا ہُوئے ۔ اور حضرت امام مہدی اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی تشریف آوری تک جاری رہیں گے ۔

حضرت حافظ شیرازی رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا : ؎

تو عمر خواہ و صبوری کہ چرخ شعبدہ باز
ہزار بازی ازیں طرفہ تر برانگیزد

اور فرمایا : ؎

روزے اگر غمی رسدت تنگ دل مباش
رو شکر کن مباد کہ بد بتر شود

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے علماء کرام کا خاصہ ہے کہ ان کے ساتھ

علمائے اسلام کو مبارکباد دین سے بے بہرہ اور مختلف گروہ بغض و عداوت رکھتے ہیں ورنہ سابقہ اُمم کے لوگ اپنے علماء سے بہت بڑی محبت کرتے اور کبھی اس محبت میں غلو بھی کر جاتے ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا :

اتخذوا احبارھم و رھبانھم اربابا من دُون اللہ ۔	انھوں نے اپنے پادریوں اور عالموں کو اللہ تعالیٰ کے سوا اپنا رب بنا لیا ۔

نجدیہ، وہابیہ، دیوبندیہ اور دشمنانِ اولیاءِ کرام جب عام فقہاء وعلماء کے لیے عوام کا دشمن ہونا لازمی امر ہے تو پھر اولیاءِ کرام کا دشمن ہونا تو نہایت ضروری ہے۔

دشمنانِ علماء و اولیاء کی علامات اور نشانیاں جب یہ لوگ کسی بندۂ خدا کو علوم ظاہرہ وباطنہ اور اپنی خداداد قابلیت میں اسے ممتاز اور اسے دُوسروں سے کامیاب دیکھتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ وُہ زندیق ہے بعض کہتے ہیں وُہ بدعتی ہے بہت تھوڑے ہوتے ہیں جو اس کے متعلق کہتے ہوں گے کہ وُہ صدیق (ولی کامل) ہے۔

تنبیہ غور کیجئے اللہ تعالٰے نے اپنی غیرت سے اپنے پیارے کو غیروں میں کیسے مخفی رکھا ہے اور اس کے بھید واسرار بدبختوں کے درمیان میں کسی حکمت سے چھپائے۔

حضرت حافظ نے فرمایا: ؎

معشوق عیان میگزرد برتو ولیکن
اغیار ہمی بیند ازاں بستہ نقابست

نکتہ صُوفیانہ حضرت رویم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ صوفیاء اس وقت تک بھلائی میں رہیں گے جب تک کہ وہ ایک دوسرے سے بُعد رکھیں گے جب جمعیت قائم کریں گے تو سمجھو ان کے لیے ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ ایک دُوسرے سے محبت کر کے ایک دُوسرے کی جانب راجح ہوں گے تو اس لحاظ سے وہ غیر اللہ کی طرف رجوع کرنے والے متصوّر ہوں گے۔ اور صوفیاء کرام کے نزدیک یہ بھی ایک قسم کی بُت پرستی ہے یعنی جسے عوام بُت پرستی سے تعبیر کرتے ہیں وہ صوفیاءؒ کے نزدیک یہی ہے کہ وہ غیر اللہ سے تعلق استوار کریں اور ان کے نزدیک شرک کا بھی معنٰے ہے کہ وہ غیر اللہ سے قطعی طور پر تعلق منقطع کریں اور ان کی یہ بیزاری یہود و نصارٰی کی طرح نہیں کیوں کہ ان کی آپس کی بیزاری باطل کے لیے تھی اور حضرات صوفیاءِ کرام کی ایک دُوسرے سے بیزاری حق کی خاطر ہے۔

مسئلہ: اختلاف دُو قسم کا ہے:

۱۔ مذموم
۲۔ محمود

—— عقاید و اصول دین میں اختلاف مذموم ہے۔

—— اور اعمال و فروع دین کا اختلاف محمود ہے۔

چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

اختلاف الامت رحمۃ۔ اُمت کا اختلاف رحمت ہے۔

حکایت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور یہودی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک یہودی نے کہا کہ اسے مسلمانو! تم نے اپنے نبی علیہ السلام کو دفن سے پہلے ہی اختلاف شروع کر دیا۔ آپ نے یہودی کو جواب دیا کہ ہم نے اپنے نبی علیہ السلام کے لیے اختلاف کیا نہ کہ اُن کی ذات میں۔ لیکن اسے یہودیو! تم نے تو اپنے نبی علیہ السلام کی ذات اقدس سے اختلاف کیا کہ ابھی دریا کے پانی سے تمہارے پاؤں خشک بھی نہ ہوئے تھے کہ اپنے نبی علیہ السلام سے کہنے لگ گئے تھے ؛

اجعل لنا الٰہا کما لھم الٰہۃ۔ ہمارے لیے بھی ایک ایسا خدا بنائیے۔

اسے کہتے ہیں دنداں شکن جواب۔ لیکن ،

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

وَيَقُولُونَ اور کفار مکہ کہتے ہیں لَوْلَآ یہ ھلاّ کی طرح حرف تحضیض ہے یعنی کیوں نہیں اُنْزِلَ عَلَيْهِ اس پر یعنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی جاتی اٰيَةٌ آیت یعنی معجزہ مِّنْ رَّبِّهٖ اس کے رب تعالیٰ کی طرف سے۔ چونکہ کفار کا عقیدہ تھا کہ قرآن کا عارضہ ممکن ہے یعنی اس جیسا قرآن اور تیار کر لینا آسان ہے۔ چنانچہ لونشاء لقلنا مثل ھذا اگر ہم چاہیں تو اس جیسا قرآن کہہ سکتے ہیں، دلالت کرتا ہے اسی لیے وُہ اس کے برعکس قرآن کے ماسوا اور معجزات جیسے ہاتھوں کا نورانی ہونا اور عصاء کا سانپ بن جانا اور نہروں کا جاری ہونا وغیرہ وغیرہ کا مطالبہ کرتے۔

س

گفت اگر آسان نماید این بتو
این چنین یک سواہ گوانے سخت رو

فَقُلْ تو آپ انھیں فرمایئے اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ بے شک غیب اللہ تعالیٰ کے لیے ہے یہ لام اختصاص تکوینی نہیں بلکہ علمی ہے اس لیے کہ غیب و شہادت اس اختصاص میں اللہ تعالیٰ کے ہاں برابر ہیں۔ اب آیت کا معنیٰ یُوں ہُوا کہ اے کافرو! جو تمہارا مطالبہ ہے اور تمہارا گمان ہے وہی مطالبہ نبوت کے لوازم سے ہے اسی لیے تم اپنے ایمان کو غیب سے متعلق کرتے ہو حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ غیب خاصۂ خدا ہے اور اللہ تعالیٰ کے خصوصیات سے مجھے کوئی تعلق نہیں جب تک وہ اپنے فضل و کرم سے مجھے عنایت نہ فرمائے اگر وُہ چاہے تو ان آیات سے زاید نازل فرمائے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ غیب سے عالم ملکوت مراد ہے کہ جس سے آیات کا نزول اور معجزات کا ظہور ہوتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے نازل و ظاہر فرماتا ہے اسی لیے کہ انزال آیات و اظہار معجزات اللہ تعالیٰ سے خاص اور اسی کے حکم کے ماتحت ہے وُہ اپنی آیات جتنا اور جن پر چاہے

نازل فرمائے فَانْتَظِرُوْا پس تم اپنے مطالبات کے نزول کا انتظار کرو اِنِّیْ مَعَکُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ۝ بیشک میں تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں سے ہوں تاکہ ظاہر ہو کہ اللہ تعالٰے تمہارے آیات سے انکار اور ناجائز مطالبات پر تمہارے ساتھ کیا کرتا ہے اب مہلت اس لیے دے رکھی ہے کہ تمہارے میں سے ظالم کی مکمل طور گرفت فرمائے۔ اگر چاہے تو کسی ظالم کو فوراً بھی پکڑ سکتا ہے۔

حکایت ایک سپہ سالار بہت ظالم تھا اپنے لشکر سمیت ایک بزرگ کامل کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بزرگ نے فرمایا کہ میرا بھی ایک منشور ہے میں تجھے اپنے گھر میں حاضری کی اجازت نہیں دیتا۔ اس ظالم سپہ سالار نے کہا، مجھے اپنا منشور دکھائیے۔ بزرگ نے گھر سے قرآن مجید اٹھایا اور یہ آیت پڑھ کر سنائی:

یٰاَیھاالذین لا تد خلوا بیوتاً غیر بیوتکم حتی تستانسوا وتسلموا علیٰ اھلھا۔	اے ایمان والو اجازت کے بغیر کسی کے گھر میں نہ جاؤ

اس ظالم سپہ سالار نے کہا، میں نے سمجھا کہ تیرے پاس بادشاہ کا کوئی حکمنامہ (منشور) ہے اور قرآنی حکم کو اس نے کچھ نہ سمجھا اور جبراً اس بزرگ کے گھر میں داخل ہوگیا۔ اس کی نحوست پڑی کہ اسی شب قولنج کی بیماری میں مرگیا۔

سبق: اس سے واضح ہوا کہ قرآن پاک بلند مقام کا مالک ہے دوسری کتابوں کی طرح اسے نہ سمجھنا چاہیے جو اسے حقیر سمجھ کر رد کرتا ہے تو اللہ تعالٰے اس کی سخت گرفت کرتا ہے جیسے جو کوئی اس کی بدل وجان عزت واحترام کرتا ہے تو منجانب اللہ بہت بڑا اجر وثواب پاتا ہے۔

ف: قرآن پاک کی ظاہری عزت واحترام یہ ہے کہ اُسے اُٹھائے تو ادب کے ساتھ اور باوضو ہو کر ہاتھ لگائے اور معنوی عزت واحترام یہ ہے کہ اس کے احکام کی پابندی کرے اور اسی کے ارشادات پر زندگی بسر کرے پھر اللہ تعالیٰ سے جو مرتبہ چاہے پالے۔

حکایت سلاطین عثمانیہ کا جدِ اعلیٰ اور مورثِ اوّل نے مرتبہ بلند پایا تو اسی قرآن مجید کی عزت و تکریم سے۔ چنانچہ واقعاتِ محمودیہ میں ہے کہ سلطان معظم حضرت عثمان رحمۃ اللہ تعالیٰ ابتداءً بہت سخی تھا اور اس کا لنگر ہر آنے والے مسافر کے لیے ہمہ وقت جاری تھا دُور دُور تک اُس کی سخاوت کا شُہرہ تھا بہت بڑی مخلوق اُس کے لنگر خانہ میں ہر وقت موجود رہتی تھی۔ اس سے اس کے ہمسائیگان تنگ ہوئے جس کی وجہ سے اسے بہت ستاتے اس کی شکایت الحاج بکتاش یا کسی اور حاکم وقت کو سنانے کے لیے گھر سے روانہ ہوئے۔ ایک اجنبی کے گھر شب باش ہوئے۔ اس کے گھر میں قرآن مجید لٹکا ہوا دیکھ کر صاحب خانہ سے فرمایا کہ قرآن مجید کے آداب کے خلاف ہے اس کے۔ لیے ضروری ہے اسے نہایت ادب کے ساتھ اٹھایا جائے۔ چنانچہ وہ خود اُٹھ کر قرآن مجید کو سر پر اُٹھا لیا اور صبح تک نہایت ادب سے اٹھائے رکھا۔ جب صبح ہوئی تو وہ اپنے مقصد کے لیے روانہ ہوئے تو راستہ میں انھیں ایک حسین وجمیل انسان ملا اور فرمایا کہ میں تیرا مطلب ہوں

اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں اور تمہاری اولاد کو بہت بڑا اعزاز سلطنت کا بخشا، وہ صرف اسی لیے کہ تو نے قرآن مجید کی تعظیم و تکریم کی ہے۔ پھر اسی مطلب نے فرمایا کہ ایک بڑی لکڑی پر جھنڈا بنا لیں اور اسے کھڑا کر دیں اور یہی تمہارا شاہی جھنڈا ہے۔ اس کے بعد بہت سے لوگ جمع ہو گئے اور پہلی جنگ لاجک میں ہوئی۔ اسے اللہ تعالیٰ نے فتح و نصرت سے نوازا۔ اس پر سلطان علاؤالدین نے بھی اپنی ایک سلطنت (ریاست) قایم کرنے کی اجازت دے دی۔ سلطان علاؤالدین کے فوت ہونے پر مستقل طور پر بادشاہ ہوا، پھر اورخان اس کا جانشین ہو کر اس نے بروسہ محروسہ کو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے فتح کیا اور اسی وقت سے تاحال سلطنتِ عثمانیہ کامیابی پر ہے۔ وہ صرف اسی لیے کہ آلِ عثمان کے جدِ اعلیٰ نے قرآن مجید کی عزت و تکریم کی۔

سبق: دانا کے لیے لازم ہے کہ قرآن مجید کی زیادہ سے زیادہ تعظیم و تکریم کرے تاکہ اسی کی برکت سے اعزاز و اکرام نصیب ہو اور اس کی بے حرمتی اور بے ادبی سے بچے تاکہ اس کی نحوست سے مارا نہ جائے جیسے سلطنت عثمانیہ کا سلطان محمد رابع کا حشر ہوا کہ اس نے جب سے قرآن مجید کے احکام کی خلاف ورزی کی اور ظلم و ستم کو اپنا طریقۂ کار بنایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی نحوست سے ان پر اور دیگر لوگوں پر قحط مسلط فرمایا اور ان پر خوف و ہراس پھیل گیا اور اس بدقسمتی سے اس سے روم کے علاقوں کے کئی قلعے اس کے قبضے سے نکل گئے اور کفار کا اس پر غلبہ ہو گیا یہاں تک کہ کفار قسطنطنیہ (جو ان کا دارالخلافہ ہے) چھیننے پر آمادہ ہیں اور اس کی تمام سلطنت میں اتنی بے قراری چھا گئی ہے کہ لوگ کہتے ہیں: "این المفر" بھاگ کر کہاں جائیں۔ یاد رہے کہ بادشاہ کے ساتھ یہ جو کچھ ہو رہا ہے برے مشیروں کی وجہ سے ہو رہا ہے کیونکہ یہی نالائق اسے ظلم و ستم پر اکساتے اور مشورہ دیتے ہیں:

اے فغاں زیار ناجنس اے فغاں
ہمنشین نیک جوئید اے مہمان
اے بسا مہتر بچہ ز شور و شر
شد زفعل زشت خود ننگِ پدر

ترجمہ: ناجنس سے ہماری پناہ اے دوستو نیک ساتھی تلاش کرو۔ بہت سے بڑوں کی اولاد برائی کی وجہ سے بڑوں کے ننگ اور عار کا سبب ہوتی ہے۔

وَإِذَآ أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ إِذَا لَهُم مَّكْرٌ فِىٓ ءَايَاتِنَا ۚ قُلِ اللَّهُ أَسْرَعُ
مَكْرًا ۚ إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ ۝ هُوَ الَّذِى يُسَيِّرُكُمْ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۖ حَتَّىٰٓ إِذَا كُنتُمْ
فِى الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِم بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا بِهَا جَآءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ وَجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِن
كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوٓا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ لَئِنْ أَنجَيْتَنَا مِنْ هَٰذِهِۦ
لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّٰكِرِينَ ۝ فَلَمَّآ أَنجَىٰهُمْ إِذَا هُمْ يَبْغُونَ فِى الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ يَٰٓأَيُّهَا النَّاسُ
إِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلَىٰٓ أَنفُسِكُم ۖ مَّتَٰعَ الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا ۖ ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝
إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ أَنزَلْنَٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهِۦ نَبَاتُ الْأَرْضِ مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ
وَالْأَنْعَٰمُ حَتَّىٰٓ إِذَآ أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ أَهْلُهَآ أَنَّهُمْ قَٰدِرُونَ عَلَيْهَآ ۙ
أَتَىٰهَآ أَمْرُنَا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنَٰهَا حَصِيدًا كَأَن لَّمْ تَغْنَ بِالْأَمْسِ ۚ كَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْءَايَٰتِ لِقَوْمٍ
يَتَفَكَّرُونَ ۝ وَاللَّهُ يَدْعُوٓا إِلَىٰ دَارِ السَّلَٰمِ وَيَهْدِى مَن يَشَآءُ إِلَىٰ صِرَٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ لِّلَّذِينَ
أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ ۖ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوهَهُمْ قَتَرٌ وَلَا ذِلَّةٌ ۚ أُولَٰٓئِكَ أَصْحَٰبُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ
فِيهَا خَٰلِدُونَ ۝ وَالَّذِينَ كَسَبُوا السَّيِّـَٔاتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍۭ بِمِثْلِهَا ۙ وَلَا تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۖ مَّا لَهُم
مِّنَ اللَّهِ مِنْ عَاصِمٍ ۖ كَأَنَّمَآ أُغْشِيَتْ وُجُوهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ۚ أُولَٰٓئِكَ أَصْحَٰبُ
النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَٰلِدُونَ ۝ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنتُمْ
وَشُرَكَآؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ شُرَكَآؤُهُم مَّا كُنتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُونَ ۝ فَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا
بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِن كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغَٰفِلِينَ ۝ هُنَالِكَ تَبْلُوا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ أَسْلَفَتْ وَرُدُّوٓا
إِلَى اللَّهِ مَوْلَىٰهُمُ الْحَقِّ ۖ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝

ترجمہ: اور جب ہم لوگوں کو رحمت کا مزہ چکھاتے بعد تکلیف کے جو انہیں پہنچی تھی تو فوراً وہ ہماری
آیات میں دھوکہ کرتے ہیں فرما دیجئے اللہ کی خفیہ تدبیر بہت جلد ہوتی ہے بیشک ہمارے فرشتے تمہاری
دھوکہ سازیوں کو لکھ رہے ہیں وہی وہ ہے جو تمہیں دریاؤں اور جنگلوں میں چلاتا ہے یہاں تک کہ جب تم کشتیوں
میں ہوتے ہو اور وہ انھیں خوش ہوا سے لے کر چلتی ہیں وہ اس سے خوش ہوتے ہیں ان پر آندھی کا جھونکا آیا
اور انھیں ہر طرف سے موجوں نے آلیا اور وہ سمجھے کہ وہ گھر گئے اس وقت وہ اللہ کو مخلص ہو کر پکارتے ہیں کہ اگر تو
ہمیں اس سے نجات دے تو بالضرور ہم تیرے شکرگزار بندے ہو جائیں گے پھر جب اللہ انھیں نجات بخشتا ہے
تو فوراً ہی وہ زمین میں ناحق بغاوت کرنے لگ جاتے ہیں اے لوگو! تمہاری بغاوت تمہاری اپنی جانوں کا

وبال ہے حیاتِ دُنیا کا فائدہ حاصل کر لو پھر ہماری طرف تمہارا لوٹنا ہے اس وقت ہم تمہیں تمہارے کردار کی خبر دیں گے بیشک حیاتِ دُنیا کی مثال اُس پانی کی ہے جسے ہم نے آسمان سے اتارا تو اس سے زمین سے اُگنے والی تمام چیزیں گھنی ہو کر نکلیں جنھیں کچھ آدمی اور چوپائے کھاتے ہیں یہاں تک کہ جب زمین اپنا سنگار لے چکی اور خوب آراستہ و پیراستہ ہو گئی اور اس کے مالکوں نے سمجھا کہ وہ اس کے پُورے قابض ہو گئے اس پر ہمارا حکم آیا رات میں یا دن میں تو ہم نے اسے کاٹی ہُوئی بنا دیا گویا وہ یہاں کل موجود ہی نہ تھے ہم ایسے ہی آیات کو مفصّل طور پر بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بُلاتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے اسے سیدھی راہ چلاتا ہے نیکی والوں کے لیے بھلائی ہے اور ان کے منہ پر نہ سیاہی چڑھے گی اور نہ خواری۔ وہی بہشت والے ہیں وہی اس میں ہمیشہ رہیں گے اور جنھوں نے بُرے عمل کیے اُن کا بدلہ اُن کی برائیوں جیسا ہو گا گویا ان کے چہروں پر اندھیری رات کے ٹکڑے چڑھا دیے گئے ہیں وہی دوزخی ہیں وہی اس میں ہمیشہ رہیں گے اور جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے پھر ہم مشرکوں سے فرمائیں گے کہ تم اور تمہارے شریک اپنی جگہ پر ٹھہرو ہم ان کے اور مسلمانوں کے درمیان جُدائی ڈالیں گے اور ان کے شریک انھیں کہیں گے کہ تم ہماری پُوجا نہیں کرتے تھے سو ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ کافی ہے کہ ہمیں تمہاری پرستش کی کوئی خبر نہ تھی یہاں ہر نفس اسے جانچ لے گا جو اس نے آگے بھیجا تھا اور اللہ کی طرف پھیرے جائیں گے جو ان کا مولیٰ سچّا ہے اور ان کی ساری بناوٹیں ان سے گم ہو جائیں گی۔

تفسیر عالمانہ

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ اور یاد کرو جب ہم نے لوگوں یعنی اہلِ مکہ کو چکھایا رَحْمَةً رحمة یعنی صحت و وسعت مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ ضر یعنی قحط و مرض کے بعد مَسَّتْهُمْ جو انہیں پہنچا جسے انہوں نے اپنے اندر محسوس کیا۔

سوال: رحمت کو ضمیر متکلم یعنی ذاتِ حق کی طرف منسوب کرنے اور دُکھ درد وغیرہ پہنچنے کو ضرّاء کی طرف منسوب کرنے میں کیا حکمت ہے؟

جواب: یہ قرآن کے اسلوب میں عام ہے اور اسے اہلِ فن "التفات" سے تعبیر کرتے ہیں اور وہ فصاحت و بلاغت کا بہترین طریقہ ہے۔ چنانچہ ایک مقام پر فرمایا:

واذا مرضت فهو يشفين الخ

اسی طرح متعدد آیاتِ قرآن پاک میں ہے۔ و اذا شرطیہ ہے اس کا جواب اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا ہے اذا مفاجاتیہ ہے یعنی انہوں نے اچانک ہماری آیات میں بوقت اذاقۂ رحمت اچانک مکر و فریب شروع کر دیا

مثلاً آیات پر طعن و تشنیع اور ان کے دفعیہ میں حیلہ سازی وغیرہ اور اس میں اتنی جلدی کی کہ ابھی ضراء کی غبار ان کے سروں میں موجود تھی۔

ف : مروی ہے کہ اہلِ مکہ مسلسل سات سال قحط میں مبتلا رہے یہاں تک کہ تباہ و برباد ہونے والے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ان پر رحم فرما کر بارش فرمائی جس سے ان کی آبادیاں شاداب ہوئیں اس سے ان میں سرکشی پیدا ہوئی تو اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرنے لگے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں طرح طرح کے حیلے اور مکر و فریب کیے۔

ف : جب بارش ہوتی اور اُن کی کھیتیاں سرسبز ہوتیں تو بجائے اس کے کہ وہ کہیں یہ اللہ تعالیٰ کا رزق ہے، کہتے کہ یہ فلاں ستارے کی تاثیر سے ہُوا ہے۔ اور اہلِ عرب کا عام شیوہ تھا کہ بارش، ہوا، گرمی، سردی وغیرہ کی نسبت ستاروں کی طرف کرتے یعنی ان کا عقیدہ تھا کہ انہی ستاروں کی تاثیر سے سب کچھ ہُوا ہے۔

ف : انواء نوء کی جمع ہے۔ یہ کل اٹھائیس منازل ہیں جنہیں چاند ہر رات طے کرتا ہے۔ تیرہ راتوں کی آخری رات میں طلوع صبح کے وقت ان میں سے ایک ستارہ مغرب کی طرف سے ختم ہو کر دُوسرا اسی طلوع فجر کے بعد فوراً اسی ختم شدہ ستارہ کے مقابلے میں مشرق سے طلوع ہوتا ہے لیکن اس پہلے ستارے کی جہت سے اس کی جہت غیر ہوتی ہے۔ اسی بنا پر اس ستارے کی چودہ جہتیں ہوتی ہیں اسی طرح سال کے تین سو چونسٹھ دن انہی ستاروں کے مطابق ختم ہوتے ہیں اس لیے کہ تیرہ کو اٹھائیس سے ضرب دینے سے مذکورہ گنتی[1] حاصل ہوتی ہے۔

ف : ستارے کو نوء سے اس لیے تعبیر کرتے ہیں کہ جب ایک ستارہ مغرب کی طرف سے ختم ہوتا ہے تو اس کے بالمقابل مشرق سے دُوسرا ستارہ طلوع ہوتا ہے جسے بوقتِ تعبیر کہا جائے گا : الطالع بالمشرق ینوء ای یذهب ویطلع۔ یعنی نوء بمعنے جانا یا طلوع کرنا وغیرہ۔

فائدہ تفسیریہ جب کافروں نے بارش سے کھیتیاں سرسبز دیکھیں تو انہوں نے اسے ستارے کی طرف منسوب کر دیا حالانکہ انھیں ایسی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنی تھی۔ ان کے اس طریقہ سے ان کی ناشکری اور بے ایمانی و کافری ظاہر ہوئی اور یہی ان کے فرمانبرداروں کے لیے موجب التباس بنا جسے قرآن نے مکر سے تعبیر فرمایا۔

عقیدہ : جو شخص بارش وغیرہ کی تاثیر صرف اور صرف ستاروں سے مانتا ہے تو وہ کافر (مشرک) ہے۔

عقیدہ : اگر اس کا یہ عقیدہ ہو کہ چونکہ یہ تاثیر اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے اور یہ ستارے صرف وسائط اور اسباب ہیں

---

[1] یعنی تین سو چونسٹھ اوپر کے ساعات یا ایک دن کسرات کی وجہ سے شمار ہوا۔

جنہیں اللہ تعالےٰ نے ایسے ہی بنایا ہے۔ چنانچہ 'الروضہ' میں ہے کہ ا

المؤثر ھو اللہ والکواکب اسباب عادیۃ[1] — مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ ہے یہ ستارے محض عادی اسباب ہیں۔

حضرت حافظ رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا : ؎

گر رنج پیشت آید وگر راحت اے حکیم
نسبت مکن بغیر کہ اینہا خدا کند

ترجمہ : اگر رنج پہنچے یا راحت اس کی نسبت غیر کی طرف نہ کرنا بلکہ اللہ تعالےٰ کی طرف سمجھنا اس لیے کہ جملہ امور وہی کرتا ہے۔

قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ؕ فرمائیے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالےٰ تمہارے عذاب کی جلد تر خفیہ تدبیر کرنے والا ہے یعنے تمہیں اس کا عذاب جلد تر پہنچے گا بوجہ اس کے کہ تم حق کو اپنے سے ہٹا رہے ہو۔

سوال : یہاں پر عذاب کو مکر سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے ؟

جواب ۱ : چونکہ اُنھوں نے مکر و حیلے سے کام لیا ان کے اسی مکر کے جواب کی مناسبت سے لفظ مکر لایا گیا۔ یہ تسمیۃ الشئ باسم سببہ (یعنی شئے کے سبب والا نام رکھنا) کے قبیل سے ہے۔

جواب ۲ : چونکہ کفار کے معاملہ میں لفظ مکر واقع ہُوا ہے اسی مناسبت سے یہاں بھی لفظ مکر لایا گیا ہے۔ اس معنے پر باب المشاکلۃ سے ہوگا۔

فائدہ تفسیریہ حضرت مقاتل سے مروی ہے کہ کفار کو اللہ تعالےٰ نے بدر میں تباہ و برباد کیا۔ یہ انہیں آیات سے انکار کی سزا تھی۔ اس کے بعد جب بھی انہیں کہیں سزا ملی تو گویا ان کے اسی مکر یعنی انکار آیات کی وجہ سے اسی معنے پر اللہ تعالےٰ ان کے مکر کی سزا دینے میں عجلت کرنے والا ہو۔

ف : ان کا مکر یہ تھا کہ وُہ اللہ تعالیٰ کے پیارے نبی علیہ السلام کو تباہ و ہلاک کریں اللہ تعالیٰ کے مکر کا معنیٰ یہ ہے کہ کفار کو مذکورہ بالا طریقوں سے تباہ و برباد کر دینا چونکہ کفار تو حضور علیہ السلام کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے انھیں بدر کے علاوہ متعدد غزوات میں شکستیں دیں اس معنے پر اسرع مکراً کا مفہوم صحیح ہُوا۔

ف : مکر الٰہی بمعنے خفیہ تدبیر یعنی اللہ تعالےٰ نے اپنا ارادہ ان سے مخفی رکھ کر انھیں تباہ و برباد کیا لیکن کفار نے اپنے

---

[1] روح البیان ج ۴ ص ۲۹۔ یہی ہم اہلسنت عقیدہ رکھتے ہیں انبیاء عظام و اولیاء کرام اللہ تعالیٰ کی درگاہ کے وسائل و اسباب ہیں ہمارے امور اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ہوتے ہیں ان حضرات کی دعاؤں، زبانوں و دیگر برکات کی وجہ سے سببی طور سے ہوتے ہیں۔

ارادے عام کر رکھے تھے۔ ٥

توکل علی الرحمٰن واحتمل الردی
ولا تخش مما قد یکید بك العدی

ترجمہ: اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرکے تکالیف برداشت کرنا چاہئیں۔ اس کے بعد دشمن کتنا ہی دُکھ درد پہنچانے کی تدابیر بناتے رہیں تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

اِنَّ رُسُلَنَا بے شک ہمارے رسل، اس سے محافظ فرشتے یعنی کراماً کاتبین مراد ہیں۔

ف: اس میں غیب سے تکلم کی طرف التفات ہے کہ پہلے فرمایا قل اللہ۔ اب اسی کے مطابق ان رسلہ کہنا چاہئے لیکن فصاحت وبلاغت کے ان رسلنا کہا گیا ہے۔

یَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ○ تمہارے مکر کو لکھ لیتے ہیں اس میں انہیں انتقامی کارروائی کی تحقیق سے خبردار کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ تم جتنی ہی پوشیدہ تدبیریں بناؤ ان سب کو محافظ فرشتے یعنی کراماً کاتبین جانتے ہیں جب تمہاری تدبیریں فرشتوں سے چھپ نہیں سکتیں پھر اللہ تعالیٰ سے کب پوشیدہ رہ سکتی ہیں۔

مسئلہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار کے لیے بھی کراماً کاتبین ہوتے ہیں۔

سوال: کفار کی دائیں جانب کا فرشتہ کیا لکھتا ہوگا ان کے لیے تو نیکیاں ہوتی ہی نہیں۔

جواب: بائیں جانب کا فرشتہ دائیں جانب کے فرشتے کی اجازت سے لکھتا ہے کفار کی برائیاں لکھنے والا فرشتہ دائیں جانب والے فرشتے کی اجازت سے لکھے گا تو وہ فرشتہ بمنزلہ شاہد ہوگا اور اس کا شہادت کے لیے ہونا بھی کافی ہے۔ (کذا فی البستان)

ف: کراماً کاتبین کی تعداد میں اختلاف ہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: وہ پانچ ہیں۔ دو صبح دو شام کو اور ایک ہر وقت ساتھ رہتا ہے کسی وقت بھی انسان سے جُدا نہیں ہوتا۔

مسئلہ: مومن ہوں یا کافر ہر ایک کے اعمال لکھے جاتے ہیں اور انہیں محفوظ رکھ لیا جاتا ہے تاکہ قیامت کے دن صاحبِ عمل کو بطور حجت دکھائے جا سکیں۔

ف: تقدیر نے دُکھ اور تکلیف لکھا تو انسان اس سے تدبیر اور مختلف حیلوں سے نہیں بچ سکتا بلکہ بزرگوں نے فرمایا کہ جب انسان پر تقدیر کا ورود ہوتا ہے تو خود اس کی اپنی تدبیر اس کے لیے ہلاکت کا سبب بن جاتی ہے۔

ف: جو شخص گمان کرتا ہو کہ تقدیر سے تدبیر بچا لیتی ہے تو اس کی مثال لومڑی کی ہے کہ جب اس پر حملہ ہوتا ہے تو دُم ہلانے کو اپنی نجات کا ایک سبب سمجھتی ہے۔

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں تقدیر مومن کامل کے اعمال صالح کی برکت سے ٹل جاتی ہے جبکہ ان اعمال صالح کا وقوع تقدیر کے ورود سے پہلے ہو۔ اس لیے کہ ؎

علاج واقعہ پیش از وقوع باید کرد

واقعہ کا علاج اس کے وقوع سے پہلے کرنا چاہیے۔

ف: زیاد نے کہا کہ مرد عاقل وہ ہے جو مصیبت میں پھنسنے سے پہلے بچنے کی تدبیر کرے ورنہ اس سے بڑا بیوقوف اور کون ہوگا جو وقوع مصیبت کے بعد چارہ جوئی کرے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

تو پیش از عقوبت در عفو کوب
سودے ندارد فغاں زیر چوب
کنوں کرد باید عمل را حساب
نہ روزے کہ منشور گردد کتاب

تفسیر صوفیانہ واذا اذقنا الناس الخ میں رحمت سے ذوق توبہ یا انابۃ یا صدق طلب یا بعض مقامات کی طرف پہنچنا یا ذوق کشف وشہود مراد ہے من بعد ضراء مستھم میں ضراء سے فسق وفجور اور اخلاق ذمیمہ اور اوصاف بشریہ وصفات کے حجابات مراد ہیں اذا لھم مکر فی ایاتنا، مکر فی الآیات سے بعض سالکین کے اسرار و رموز کسی نااہل کو بتا دینا مراد ہے وہ بھی اس غرض پر کہ اس طرح ان کو لوگوں کے ہاں شرف ملے گا اور سمجھتے ہیں کہ ایسا کرنے سے عوام انھیں مقبولان خدا سمجھیں گے اور بہت جاہ وجلال والے مانے جائیں گے اور لوگ ان کے ہاتھ پاؤں چومیں گے اور لوگ نوکروں کی طرح ان کے تابع فرمان ہو جائیں گے۔ علاوہ ازیں دیگر بہت بڑے منافع ان کے زیر غور ہوتے ہیں قل اللہ اسرع مکراً فرمائیے اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ان کی غلط روی پر انھیں بھی جلد تر سزا دیتا ہے کہ ان سے انہی مقامات کے مطابق ان سے بطور استدراج کرامات کا ظہور رہتا ہے لیکن انھیں اس سے حد درجے کی دوری اور بُعد اور مشاہدات حق سے حجابات نصیب ہوتے ہیں جس کا انھیں علم نہیں ہوتا ان رسلنا یکتبون ما تمکرون یعنی ان کی یہ بے راہ رویاں مخفی نہیں اس لیے ان کی غلطیوں پر ہم انھیں سزا دیتے ہیں۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

غلط کار سالکین بہت سے سالکین کے لیے کبھی یوں ہوتا ہے کہ وہ پانی پر چلتے اور ہوا میں اڑتے نظر آتے ہیں۔ اور ان کی زمین کی مسافتیں لپیٹ لی جاتی ہیں کہ وہ تھوڑے سے عرصہ

میں دور دراز سفر کر لیتے ہیں لیکن ان کی حالت ایک مجرم گنہگار سے کم نہیں ہوتی اس لیے کہ بطور استدراج اس طرح سے پانی پر چلنا اور ہوا میں اڑنا ہوتا ہے لیکن اللہ تعالے کے ہاں اس کی مکھی کے پر کے برابر بھی وقعت نہیں ہوتی اور نہ ہی ان کے لیے یہ مقامات و مراتب محمود ہوتے ہیں بلکہ شومیِ قسمت سے یہ مراتب ان کے لیے نہایت مذموم ہوتے ہیں۔ اللہ تعالے نے سزا کے طور پر ان کے لیے ظاہر فرمائے ہیں جو ان سے بطور خرقِ عادت ظاہر ہو کر الٹا ان کے لیے وبالِ جان بنتے ہیں جنہیں وہ اپنے لیے بلندیٔ مراتب سمجھتے ہیں حالانکہ وہی امور ان کے لیے شرعاً معصیت لکھی جا رہی ہوتی ہے اگر انہیں یہ حجاب مانع نہ ہوتا تو وہ بالضرور حقیقت کے سمجھنے کی کوشش کرتے لیکن وہ بیچارے اس حقیقت سے بے خبر ہو کر اپنے آپ کو شریعت مطہرہ کے راہ پر گامزن نہ کر سکے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگتے ہیں کہ ہمیں ان لوگوں سے نہ بنائے جو اپنے بُرے اعمال کو اچھا سمجھتے رہتے ہیں جن سے وہ آخرت میں ذلت و خواری کا نشانہ بنیں گے۔ (کذا فی مواقع النجوم)

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا:

زاہدا ایمن مشو از بازیِ غیرت زنہار
کہ از صومعہ تا دیر مغاں این ہمہ نیست

سبق: مذکورہ بالا غلطیوں سے بہت تھوڑے سالک بچ سکتے ہیں۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ واصل باللہ بہت کم ہوتے ہیں اور اللہ تعالے سے دُور رہنے والے سالک بہت زیادہ۔ اسی لیے سلوک میں، اس مرحلہ کو طے کرنے کے لیے مرشدِ کامل کی ضرورت پڑتی ہے بلکہ امر ضروری۔

مثنوی شریف میں ہے:

در پناہ شیر کم ناید کباب
روبہا تو سوئے جیفہ کم شتاب
چوں گرفتی پیر ہن تسلیم شو
ہمچو موسےٰ زیر حکم خضر شو

تفسیر عالمانہ هُوَ اللہ تعالیٰ وُہ ہے اَلَّذِیْ یُسَیِّرُکُمْ تسییر سے مشتق ہے۔ باب تفعیل تعدیہ کے لیے ہے مثلاً کہتے ہیں:

سار الرجل۔ مرد چلا۔

وسیرتہ انا۔ اور میں نے اسے چلایا۔

اب آیت کے جملے کا معنیٰ یُوں ہوا کہ اللہ تعالیٰ وُہ ہے جو تمہیں چلاتا ہے یعنی مسافت طے کرنے کی تمہیں قدرت دیتا ہے

فِی الْبَرِّ جنگلوں کی مسافت طے کرنے کے لیے قدم یا سواریوں (گھوڑے، خچر، گدھے اور اونٹ وغیرہ) وَالْبَحْرِ اور دریاؤں کو عبور کرنے کے لیے چھوٹی بڑی کشتیوں کے ذریعے تمہارا سفر طے کراتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ درحقیقت ہر شے کو چلانے والا اللہ تعالیٰ ہے نہ کہ ہوائیں، اس لیے کہ ہوائیں خود بخود نہیں چلتیں بلکہ انھیں کوئی چلانے والا چلاتا ہے پھر اس کا بھی کوئی چلانے والا ہے یہاں تک کہ یہ سلسلہ اللہ تعالیٰ تک پہنچے گا کہ وہی سب کا محرک ہے اور وہ بھی انہی حرکات معروفہ سے منزہ ہے بلکہ ایسی تشبیہات سے پاک و مطہر اور ارفع و اعلیٰ ہے۔ جو صوفی یہی عقیدہ رکھ کر ہواؤں پر نہیں بلکہ صرف خدائے بزرگ و برتر پر بھروسہ کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ یہ کشتیاں ہواؤں سے نہیں بلکہ اللہ جل وعلا کے کرم سے چلتی ہیں اس عقیدہ سے اسے توحید افعال کے حقائق نصیب ہوں گے ورنہ شرک خفی میں مبتلا رہے گا

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

قضا کشتی آنجا کہ خواہد برد
وگر ناخدا جامہ بر تن درد

ترجمہ: تقدیر ربانی جہاں چاہتی ہے کشتی کو لے جاتی ہے اگرچہ ملاح آہ وفغاں کرکے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

من از بیگانگاں دیگر ننالم
کہ با من ہر چہ کرد آں آشنا کرد

ترجمہ: مجھے غیروں سے کوئی شکایت نہیں، میرے ساتھ جو کچھ کیا ہے میرے یار نے کیا ہے۔

تفسیر عالمانہ حَتّٰٓی اِذَا كُنْتُمْ فِی الْفُلْكِ یہاں تک کہ تم کشتیوں میں ہوتے ہو۔
ف: یہ حتی یسیرکم فی البحر کی غایت کے لیے ہے۔

سوال: شَے کی غایت شَے کے بعد ہوتی ہے اور یہاں پہلے کیوں؟ اس لیے کہ سیر کشتی میں سوار ہونے کے بعد ہوتی ہے؟

جواب: غایت صرف کشتی میں ہونا نہیں بلکہ اس کا معطوف بھی اسی غایت میں شامل ہے اور یہ معطوف سیر کے بعد ہے اور کنتم فی الفلك کا معطوف وَجَرَیْنَ بِہِمْ الخ ہے اور وہ کشتیاں ان لوگوں کو لیجاتی ہیں۔

سوال: جرین جمع مونث کا صیغہ کیوں؟

جواب: الفلك جمع مکسر ہے بمعنے السفن (یعنی سفینہ بمعنے کشتی کی جمع) ہے۔

سوال : فلک کیسی جمع ہے جبکہ اس کا واحد بھی تو الفلک ہے حالانکہ جمع کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ اس کا واحد کا صیغہ اپنی پہلی حالت پہ نہ رہے ۔

جواب : الفلک اگرچہ لفظاً مکسر نہیں لیکن تقدیراً ضرور ہے اسی لیے کہ جمع کا ضمہ اُسُدٌ (جوکہ اَسَدٌ بمعنے شیر کی جمع ہے) جیسا ہے اور اس کے مفرد کا ضمہ قُفل بمعنی "تالا" کے ضمہ جیسا ہے ۔

ف : جرین بھم میں التفات مبالغہ کے طور پہ ہے تاکہ ان کی قباحت کا پورے طور اظہار ہو اور ان سے اتنی بے التفاتی ہے کہ گویا ان سے بات کرنا بھی منظور نہیں اور یوں سمجھا جا رہا ہے کہ گویا ان کا حال دوسروں کو سنا کر انہیں تعجب میں ڈالنا مطلوب ہے کہ اے کافرو! تم اتنے ذلیل و خوار انسان ہو کہ اب تم اس لائق نہیں کہ تمہارا ذکر کیا جائے ۔

بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ پاکیزہ ہواؤں کے ذریعے کہ نرم نرم اور ان کے مقاصد کے مطابق چلتی ہیں وَّفَرِحُوا بِهَا اور ان سے خوش ہوتے ہیں کہ کیسی پاکیزہ ہوائیں ہیں اور کیسے ہی ہمارے حالی اور مقصد کے مطابق چل رہی ہیں جَآءَتْهَا آتی ہیں ان کے ہاں یعنی جب جانب مخالف سے پاکیزہ ہوائیں پہنچتی اور ان پر غلبہ پاتی ہیں ۔

سوال : جاءتہا کی بجائے ھبّتہا کیوں نہ کہا گیا اس لیے ہوا کے لیے ھبوب کا استعمال ہوتا ہے ۔

جواب : جب ہوا موافق چل رہی ہو تو اس وقت ھبوب استعمال ہوتا ہے لیکن جب اس کے مخالف ہوا چلے تو اس وقت مجیٔ (آنا) استعمال ہوتا ہے بلکہ اُس کا استعمال اس ہوا کے لیے ہوتا ہے جو اپنی مخالف ہوا پر اشتداد رکھتی ہو۔

رِيحٌ عَاصِفٌ سخت آندھی ۔ اہلِ عرب کہتے ہیں عصفت الریح یہ اس وقت بولتے ہیں جب سخت آندھی چلے یعنی وہ ہوا جو بہت بڑی سختی سے چلے ۔

سوال : ریح مونث ہے اس کے لیے عاصف کے بجائے عاصفة ہونا چاہیے ۔

جواب : جب کوئی فعل کسی شئے کے ساتھ مخصوص ہو کہ سوائے اس کے کسی دوسری شے کے لیے نہ آسکے تو اس پر صیغے مذکر مستعمل ہیں چونکہ یہ صفت ہوا سے مخصوص ہے اسی لیے عاصف لایا گیا ہے ۔

وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ اور ان کے دریا کی موج آئے ۔ موج ہر اس پانی کو کہتے ہیں جو اپنی سطح سے اوپر کو بلند ہو مِنْ كُلِّ مَكَانٍ ہر جگہ سے یعنی ہر وہ جگہ جہاں سے پانی کی موج کا تصور ہو سکتا ہے اور کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ پانی میں جب طغیانی ہوتی ہے تو ہر طرف سے پانی کی موج واقع ہوتی ہے یہ ضروری نہیں کہ جہاں سے ہوا مخالف ہو اسی طرف سے موج ہو اور دوسری طرف سے نہ ہو بلکہ موج کو جہاں سے موقعہ ملتا ہے وہیں سے ظاہر ہوتی ہے ۔ کاشفی نے بھی یہی معنیٰ لیا ہے کما قال :

از چپ و راست و پیش و پس ۔

یعنی دائیں بائیں آگے پیچھے ہر طرف سے موج آتی ہے ۔

وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ اور انہیں گمان ہوتا ہے کہ وہ گھیرے میں آ گئے یعنی ہلاک ہونے والے ہیں ۔
احیط بہم ہلاکت کے لیے مستعمل ہے دراصل یہ دشمن کی تباہ و بربادی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے ۔ دَعَوُا اللّٰهَ یہ ظنوا
سے بدل الاشتمال ہے اس لیے کہ ان کا پکارنا ان کے گمان کے ساتھ ملابس تھا یعنی انہیں گمان ہوا کہ اب ہلاکت و
تباہی ان کے لیے لازم ہوگئی تو اللہ تعالیٰ کو پکارنے لگے مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ درانحالیکہ اللہ تعالیٰ کے لیے
دین خالص کا اظہار کر رہے تھے اس وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے بتوں میں سے کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے تھے ۔

سوال : آیت میں بتوں کا نام نہیں تھا تم نے یہ معنیٰ کہاں سے لیا ؟

جواب : اخلاص للدین کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہ کیا جائے ۔

مسئلہ : ان کا یہ ایمان اضطراری تھا اسی لیے اسے حقیقی ایمان نہ کہا جائے گا ۔

ف : اس دعا سے اھیا شر اھیا کے الفاظ مراد ہیں بمعنے یا حی یا قیوم ۔ اور یہ دونوں اسماء بحری اسفار کے لیے
پڑھے جاتے ہیں جیسا کہ آیت الکرسی کی تفسیر میں گزرا ہے ۔

لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا یہ لام توطیۃ للقسم ہے بارادۂ قول دراصل عبارت یوں تھی :
دعوا حال کونهم قائلین واللہ لئن انجیتنا ۔

انہوں نے اللہ تعالیٰ کو پکارا درانحالیکہ وہ قسم کھا کر کہتے تھے : اے اللہ تعالیٰ ! اگر تو نے ہمیں نجات بخشی ۔
مِنْ هٰذِهٖ اسی طغیانی سے لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ شکر گزاروں سے یعنی ہمیشہ تیری نعمتوں کا شکر کرتے
رہیں گے منجملہ ان نعمتوں کے ایک یہی ہے جسے اب ہم طلب کر رہے ہیں یعنی نجات اور شکر گزاری کا معنیٰ یہی ہے کہ ہم تیرے
اوامر کی اتباع اور نواہی سے اجتناب کریں گے ۔ اور ناشکری کا معنیٰ یہ ہے کہ ہم تیرے ساتھ کسی کو شریک نہیں
ٹھہرائیں گے ۔ فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ پس جب انہیں اللہ تعالیٰ نے نجات بخشی کہ ان کی دعا کے مطابق انہیں دریا کی
طغیانی سے بچایا ۔

ف : فاء دلالت کرتی ہے کہ ان کی دعا فوراً قبول ہوگئی ۔

اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ اس وقت وہ زمین میں فساد ڈالتے تھے یعنی زمین پہ فساد ڈالنے لگے اور جلدی
سے پہلی حالت تکذیب و شرک اور جرأت علی اللہ کرنے لگے ۔ زمین پر بغاوت سے واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے دور دور
تک فساد پھیلایا بِغَيْرِ الْحَقِّ ط درانحالیکہ وہ غیر الحق کے ساتھ ملتبس تھے ۔ چنانچہ کاشفی نے لکھا کہ ان کے غلط عقیدہ
کی تاکید کے لیے بغیر الحق کہا گیا ہے تاکہ واضح ہو کہ وہ اپنے گندے عقیدے سے باخبر ہیں اور جانتے ہیں کہ وہ جو عمل
کر رہے ہیں وہ مبطل ہے ۔ یہ یقتلون النبیین بغیر الحق کی طرح ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گزرا ہے يٰٓاَيُّهَا
النَّاسُ اے باغی لوگو ! اِنَّمَا بَغْيُكُمْ بیشک تمہاری بغاوت جس کا تم ارتکاب کر رہے ہو ۔ یہ مبتدا ہے

اور اس کی خبر عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تمہارے نفسوں پر ہے یعنی تمہاری بغاوت کا وبال تمہاری طرف لوٹے گا اور اس کی سزا صرف تمہیں ملے گی نہ انہیں جن پر تم بغاوت پھیلا رہے ہو اگرچہ تم یہی سمجھتے ہو کہ تمہاری اس بغاوت سے انہیں نقصان ہے اور تمہیں فائدہ اور تمہارا یہ گمان سراسر غلط ہے مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا اس کا منصوب ہونا بوجہ مفعول مطلق ہونے کے ہے اور فعل مقدر کی تاکید کرتا ہے اور وہ جملہ مستانفہ ہے دراصل عبارت یوں ہے،

تتمتعون متاع الحيٰوة الدنيا۔

اور حیاۃ دنیا کے مال و متاع سے چند روز نفع اٹھاؤ گے اور تمہیں معلوم ہے کہ دنیا اور اس کی تمام لذات فانی اور چند روزہ ہیں اور اس کی سزائیں مجرموں کے لیے دائمی اور باقی ہیں۔ ع

ہر کہ او بد می کند بے شبہ با خود می کند

جو کوئی برائی کرتا ہے وہ یقیناً اپنے ساتھ کرتا ہے۔

ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ پھر تمہارا ہماری طرف لوٹنا ہے یعنی قیامت میں تم ہمارے ہاں حاضر ہو گے نہ کسی دوسرے کی طرف فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ پس ہم تمہیں تمہارے اعمال کی خبر دیں گے یعنی دنیا میں تم جن اعمال کا ارتکاب کرتے تھے ان کی تمہیں سزا دیں گے یہ اس محاورہ سے ہے جو اہلِ عرب اپنے مخالف کو ڈراتے ہوئے کہتے ہیں:

ساخبرك بما فعلت۔

یعنی میں تمہیں تمہارے کیے کی خبر دوں گا یعنی سخت سزا دوں گا۔

اور سزا کو اظہار کے بجائے تنبئۃ سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ ہر دو علم کا سبب ہیں۔

مسائلِ فقہیہ مسئلہ: کشتی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے اس لیے کہ دریا کو عبور کرنے کے لیے اس کی عام ضرورت ہوتی ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ھو الذی یسیرکم الخ فرما کر اپنے بندوں کو احسان جتلایا ہے۔

مسئلہ: مشارق الانوار میں ہے کہ دریا کا عبور بذریعہ کشتی وغیرہ ہر مرد و عورت کے لیے جائز ہے۔ یہی جمہور کا مذہب ہے لیکن عورتوں کو مکروہ ہے اس لیے کہ غالباً ایسے سفر میں عورتوں سے پردہ کی احتیاط نہیں ہو سکتی اور کشتی بان عموماً عورتوں کو دیکھنے سے نہیں بچ سکیں گے۔ بالخصوص چھوٹی کشتیوں میں عورتوں سے پردہ نہیں ہو سکتا عموماً ان کے جسم کھل جاتے ہیں اور وہ قضائے حاجات مردوں کے سامنے نہیں کر سکتیں حالاں کہ وہ ضروری امور ہیں۔

حدیث شریف حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دریائی سفر صرف حج یا عمرہ کرنے والا یا جنگ پہ جانے والا کرے اس لیے کہ دریا کے نیچے آگ ہے اور آگ کے نیچے اور دریا ہے۔

شرح الحدیث دریا کے نیچے حقیقی طور پر آگ نہیں بلکہ اس سے یہ مراد ہے کہ جیسے آگ میں پڑکر انسان کو ہلاکت و تباہی کا سامنا کرنا پڑتا ہے ایسے ہی دریا کو عبور کرنے والے کو سامنا کرنا پڑے گا! در حدیث شریف کا یہ فرمان کہ آگ کے نیچے دریا ہے اس میں دریا کے سفر کی ہولناکیوں کا اظہار ہے اور اسی طرح "ڈرایا گیا ہے جیسے آگ سے انسان کو خطرات محسوس ہوتے ہیں ایسے ہی دریائی سفر سے خطرات کا اندیشہ ہے اس لیے دریا کا سفر دنیا کی معمولی منفعت اور تھوڑے سے فائدہ کے لیے ہلاکت و تباہی میں پڑنا سفاہت و حماقت ہے اس لیے کہ عمداً نفس کو ہلاکت کے گڑھے میں ڈالنا بیوقوفی اور جہالت و حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔ نتیجہ نکلا کہ دریائی سفر صرف اسی لیے کیا جائے جو طاعتِ الٰہی کا موجب ہو۔

مسئلہ: حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ اگر حج وعمرہ اور جہاد وغیرہ دریا کے سفر کے بغیر ادا نہیں ہوسکتے تو دریا کا سفر واجب ہے۔

مسئلہ: جیسے حج وعمرہ وجہاد وغیرہ کی ادائیگی کے لیے دریا کے سفر میں مشقت و تکلیف مثلاً سر چکرانا اور متلی کا ہونا ہو تو اسے شہید کا ثواب نصیب ہوگا۔

مسئلہ: اسی طرح دوسرے ایسے امور جن میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت مطلوب ہو مثلاً جہاد و حج اور طلبِ علم اور قریبی رشتہ داروں کی ملاقات کے لیے دریائی سفر کر کے جانے میں مشقت اور تکلیف کا وہی اجر و ثواب ہے بشرطیکہ وہ سفر دریا کو عبور کیے بغیر نہ ہوسکتا ہو۔

مسئلہ: تجارت کے لیے بھی دریا عبور کر کے سفر کرنا جائز ہے اور وہی ثواب ہے جو مذکور ہوا لیکن وہ بھی اسی طرح کہ وہ اس کے بغیر عبور نہیں ہوسکتا۔ لیکن اس سے وہ تجارت مراد ہے جو حصولِ رزق کے لیے ہو اگر ذخیرہ اندوزی کی تجارت ہو تو اسے ثواب مذکور نہیں ملے گا۔

مسئلہ: دریا میں ڈوب کر مرنے والے کو دو شہیدوں کا ثواب نصیب ہوگا:

۱۔ اسی اطاعت کا جس کے لیے دریا عبور کر رہا تھا۔

۲۔ دریا میں ڈوب کر مرنے کا۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس پر حج فرض ہو وہ اسے ادا کرے تو اسے دس غزوات سے بھی زیادہ ثواب ملے گا اور جس نے حج فرض کرلیا ہے لیکن اب نفلی حج پڑھتا ہے تو اس کے ایسے دس حجوں سے ایک دفعہ جنگ کی حاضری سے زیادہ ثواب نصیب ہوگا اور عام دس جنگوں سے دریائی سفر کی ایک جنگ افضل ہے جس سے میرے ساتھ ایک دفعہ جنگ نہ ہوسکی تو اسے دریائی سفر کی جنگ کرنی لازم ہے۔

مسئلہ : صاحبِ رُوح البیان فرماتے ہیں : روزے کا مسئلہ اس کے برعکس ہے اس کی حقیقت تو اللہ تعالیٰ جانتا ہے لیکن بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ دریائی سفر میں روزہ رکھنا آسان ہے۔ عموماً کشتی وغیرہ میں سر چکرانے اور متلی وغیرہ کی وجہ سے طعام وغیرہ کی خواہش بہت کم ہوتی ہے اور دُوسرے سفروں میں بھوک و پیاس بہت ستاتی ہے اور شرعی قاعدہ ہے کہ اجر بقدرِ دُکھ اور تکلیف کے نصیب ہوتا ہے۔ یہی کیفیت جنگی معاملات کی ہے کہ غیر دریائی سفر جنگوں میں عموماً آسان ہوتے ہیں اس لیے کہ یہ سفر آزادی سے ہوتا ہے اور دشمن سے تحفظ کے اسباب مہیا ہو سکتے ہیں اور قوتِ مزاج بھی اپنے قابو میں ہوتی ہے جبکہ دریائی سفر میں یہ باتیں نہیں ہوتیں۔

لطیفہ : کسی سے پُوچھا گیا کہ دریائی سفر میں تم نے کون سا عجیب ترامر دیکھا؟

اس نے جواب دیا : سلامتی منہ

یعنی میرا دریا سے صحیح سالم زندہ بچ کر نکلنے سے عجیب تر اور کوئی امر نہیں۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

بدریا در منافع بیشمار ست
اگر خواہی سلامت در کنار است

یعنی دریا میں منافع بہت زیادہ ہے لیکن سلامتی اس کے کنارے میں ہے۔

نیز فرمایا : ؎

سود دریا نیک بودے گر نبودے بیم موج
صحبت گل خوش بدے گر نیستی تشویش خار

ترجمہ : دریا کے منافع خوب ہیں اگر طغیانی کا خوف نہ ہوتا گل کی صحبت بھی اچھی اگر کانٹے کا خطرہ نہ ہوتا۔

حکایتِ مثنوی اور لطیفہ نحوی[1] عالم کشتی پر سوار ہُوا تو کشتی بان سے پُوچھا : بھائی! تجھے کچھ نحو کے قواعد بھی معلوم ہیں؟

کشتی بان نے کہا : نہیں۔

نحوی نے کہا : تو پھر آدھی زندگی ضایع گئی۔

جب کشتی دریا کی موجوں کے گرداب میں آئی اور ہوا بھی مخالف سمت چل پڑی تو کشتی بان نے نحوی سے

---

[1] علمِ نحو کا جاننے والا۔

پوچھا، آپ تیرنا جانتے ہیں!
نحوی نے کہا، نہیں۔
کشتی بان نے کہا: اب تمہاری ساری زندگی برباد جاتی ہے۔

مثنوی شریف میں ہے؛ ؎

محو مے باید نہ نحو اینجا بداں
گر تو محو می بے خطر در آب راں

آب دریا مردہ را بر سر نہد
در بود زندہ ز دریا کے رہد

چوں بمردی تو ز اوصاف بشر
بحر اسرارت نہد بر فرق سر

اے کہ خلقاں را تو خر می خواندہٗ
ایں چوں خر بریں یخ ماندہ

ترجمہ: انسان کو محویت سیکھنی چاہیے نہ کہ نحو۔ اس لیے محویت نصیب ہو تو دریا کی طغیانی اور اس کی موجیں کچھ نہیں کر سکتیں۔ دریا کا پانی مُردے کو اٹھا کر لے جاتا ہے اس لیے کہ اگر یہ انسان زندہ ہوتا تو دریائے کس طرح بچ کر نکلتا۔ اسی طرح سالک کی حالت ہے کہ جب وہ اوصافِ بشریہ سے پاک ہو جاتا ہے تو اسے بحرِ اسرار سر پہ اٹھا لیتے ہیں جب تم ہر ایک کو گدھا کا خطاب دیتے ہو تو پھر حالت بھی یہی ہے کہ یخ بستہ میں بندھے پڑے رہو۔

نسخہٗ روحانی بغاوت، فساد، تعصب، عناد اللہ تعالےٰ کی نعمت کی ناشکری رب تعالیٰ کے ساتھ الست کے وعدہ کے نسیان کی وجہ سے ہیں اور ایسا نسیان گناہوں کی طرف لے جاتا ہے جس سے قیامت میں انتقامی طور پر سخت مواخذہ ہوگا۔

حدیث شریف: دو شخصوں کو اللہ تعالےٰ دنیا میں بہت جلد سزا دیتا ہے:
۱۔ ماں باپ کے نافرمان کو
۲۔ زمین پر بغاوت پھیلانے والے کو

حدیث شریف: مکر و فریب نہ کرو اور نہ ہی مکار کو سہارا دو۔ بغاوت نہ کرو اور نہ ہی باغی کی مدد کرو۔ عہد شکنی نہ کرو اور نہ ہی عہد شکن کی معاونت کرو۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہوا حاکم وقت باغی و ظالم ہو تو دنیوی سیاسی امور میں اس کی امانت حرام ہے[1]۔ ہاں شرعی امور میں ان کی امداد ضروری اور لازمی ہے۔

حدیث شریف : جو ظالم کی مدد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسی ظالم کو مدد کرنے والے پر مسلط کر دیتا ہے۔

حدیث شریف : جسے اللہ تعالیٰ کسی علاقہ کی حکومت و سلطنت بخشتا ہے اگر وہ اپنی رعیت کے درپے آزار ہوتا ہے اور ان کے امور میں کوتاہی کر کے ان کے ساتھ عدل و انصاف نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ اس پر بہشت حرام فرما دیتا ہے۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

رعیت چو بیخند سلطان درخت
درخت اے پسر باشد از بیخ سخت

مکن تا توانی دل خلق ریش
وگر میکنی میکنی بیخ خویش

گر انصاف پرسی بد اختر کست
کہ در راحتش رنج دیگر است

نماند ستمگار بد روزگار
بماند برو لعنت پائدار

ترجمہ : رعیت جڑیں اور بادشاہ درخت ہے اور کوئی درخت جڑوں کے بغیر مضبوط نہیں ہوتا جہاں تک تم سے ہو سکتا ہے خلقِ خدا کو دُکھ اور رنج نہ پہنچاؤ ورنہ یقین کیجئے کہ تم اپنی جڑ اپنے ہاتھ سے خود اکھاڑ رہے ہو۔ انصاف یہ ہے کہ وہ بہت کمینہ و رذیل انسان ہے جو اپنی راحت کی خاطر دوسروں کو پہنچاتا ہے اور یہ بھی ہے کہ ظالم کا ظلم ہمیشہ نہیں رہتا بلکہ اس پر ہمیشہ کے لیے لعنت برستی ہے۔

ف : ہر عمل کی ایک شکل و صورت ہے اگر نیک عمل ہے تو قیامت میں اس کے لیے نیک صورت ظاہر ہے اگر بُرا عمل ہے تو بُری صورت پیش ہوگی لیکن دنیا میں اس کا معاملہ برعکس ہے کہ اچھے عمل بُرے لگتے ہیں اور بُرے اچھے۔ یہی وجہ ہے کہ گناہ کرنے والوں کو گناہ بھلے محسوس ہوتے ہیں اس لیے ان کے ارتکاب میں انھیں لذت محسوس ہوتی ہے اگرچہ درحقیقت وہ زہرِ قاتل سے بھی زیادہ ضرر رساں ہیں اور نیکیاں انھیں اچھی نہیں لگتیں بلکہ نیکیاں انھیں کڑوے

---

[1] یہی نقطۂ نگاہ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا تھا کہ آپ ظالم خونخوار یزید کے ساتھ برسرِ پیکار ہوئے لیکن بعض بدبخت حضرت امام حسین علیہ السلام کی اس کارروائی کو بغاوت سے تعبیر کرتے ہیں۔ ۱۲

گھونٹ محسوس ہوتے ہیں اگرچہ درحقیقت وہ شہد سے بھی زیادہ میٹھی اور لذیذ ہیں اسی وجہ سے باغیوں کا دنیا میں بغاوت محبوب مشغلہ ہے اس لیے کہ انھیں لوٹ مار کا مال و اسباب میسر آتا ہے دشمنوں پر حملہ کر کے دل کو ٹھنڈا کرتے ہیں وغیرہ۔ وسینبئہم اللہ باعمالھم اللہ تعالٰے انہیں قیامت میں ان کے اعمال کی بری صورتیں دکھائے گا۔ ان صورتوں کو دیکھ کر افسوس کرتے ہوئے کہیں گے: ع

غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

یعنی ہم نے سمجھا کچھ تھا اور ہوا کچھ۔

تفسیر عالمانہ اِنَّمَا مَثَلُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا بیشک حیات دنیا کی مثال یعنی دنیا کا حال عجیب سا ہے۔ دنیا اس کہاوت کے مشابہ ہے جو عجیب و غریب ہونے کی وجہ سے بطور مثال بر محل بیان کی جائے۔ کَمَآءٍ اَنْزَلْنٰہُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِہٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ اس پانی کی طرح جسے ہم نے آسمانوں سے اتارا تو وہ زمین کی انگوریوں سے مل جائے یعنی اس پانی کی وجہ سے انگوریاں ایک دوسری سے ایسے مل جائیں گویا وہ آپس میں پنجہ ملائے ہوئے کھل کر زمین سے باہر آجائیں مِمَّا یَاْکُلُ النَّاسُ یہ نبات سے حال ہے یعنی ان انگوریوں کا یہ حال ہے کہ انھیں لوگ کھاتے ہیں جیسے اناج اور سبزیاں وَالْاَنْعَامُ اور جانور گھاس چرتے ہیں حَتّٰٓی یہ اختلاط کی غایت ہے باعتبار جزا کے، کہ جب امر الٰہی ہوتا ہے اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَہَا جب زمین اپنی زیب و زینت اور نقش و نگار یعنی ہے وَازَّیَّنَتْ اور دلہن کی طرح کھیتوں کی مختلف شکلوں اور پھلوں سے آراستہ و پیراستہ ہو جاتی ہے یعنی جیسے دلہن رنگا رنگ لباس سے ملبوس اور مختلف النوع زینتوں سے سنگاری جاتی ہے ایسے ہی زمین کھیتوں اور پھلوں سے مزین ہو جاتی ہے یہ استعارہ بالکنایہ ہے اس لیے اسے دلہن سے تشبیہ دے کر اس کے لیے دلہن کے مناسب اشیاء ثابت کی گئی ہیں یعنی سنگار کی اشیاء۔ یہی استعارہ بالکنایہ کا قرینہ ہے اور ازیّنت ترشیح ہے یہ در اصل تزینت تھا، تاء کا زاء میں ادغام کیا گیا ہے پھر ابتداء بالسکون محال ہونے کی وجہ سے ہمزہ وصلی لایا گیا ہے۔ وَظَنَّ اَہْلُہَآ اور اس زمین میں کے گمان کرتے ہیں اَنَّہُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَیْہَآ بیشک وہ اس پر قدرت رکھتے ہیں یعنی ان کا خیال ہے کہ جو کچھ انہوں نے بویا یا جو کھیتی پک گئی اسے اٹھانے پر اپنے قابو میں رکھنے والے ہیں اَتٰہَآ اَمْرُنَا یہ اِذَا کا جواب ہے کاشفی نے اس کا ترجمہ کیا ہے کہ اچانک اسی زمین پر ہمارا عذاب یعنی ہمارا فرمان آتا ہے کہ اس زمین میں خرابی پہنچتی ہے لَیْلًا اَوْ نَہَارًا فَجَعَلْنٰہَا رات کو یا دن کو تو ہم اس زمین کی کھیتیوں کو (اسی طرح جو کچھ ان میں ہوتا ہے) کر دیتے ہیں یہاں مضاف محذوف ہے اسے مبالغہ کے طور حذف کر دیا گیا ہے حَصِیْدًا اکٹی ہوئی اس شے سے اسے تشبیہ دی گئی ہے جسے جڑ سے اکھاڑا جائے کَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ گویا وہ کھیتی پیدا ابھی نہ ہوئی تھی بالامس اسی وقت، یہ زمانہ قریب کے لیے کہاوت کے

طور استعمال کیا جاتا ہے یہاں پر امس سے معروف معنے مراد نہیں بلکہ حاضر وقت مراد ہے اب معنیٰ یوں ہوا کہ گویا وہ کھیتی اس وقت تھی ہی نہیں۔ جب کوئی شے فنا ہو جائے تو اہلِ عرب کہتے ہیں:

لم یغن بالامس۔

یعنی وہ شے تھی ہی نہیں۔

غنی از بابِ علم مثلاً کہا جاتا ہے:

غنی بالمکان۔

یہ اس وقت بستے ہیں جب کوئی اس میں ٹھہرے۔ اور یہ جملہ جعلنٰھا کے مفعول سے حال ہے کَذٰلِکَ یہ کاف صفت کے لیے اور اس کا موصوف مصدر محذوف ہے دراصل عبارت مثل ذالك التفصيل البديع تھی یعنی اس عجیب وغریب کی تفصیل کی طرح نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ ہم آیاتِ قرآنیہ وضاحت سے بیان کرتے ہیں منجملہ یہی آیات ہیں جو حیاتِ دنیا کے احوال پر تنبیہ کرتی ہیں نفصّل بمعنے توضح و نبین ہے لِقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ○ تفکر و تدبر کرنے والوں کے لیے یعنی وہ لوگ جو ان آیات کی تفصیل اور ان کے معانی سے واقفیت رکھتے ہیں تفصیل آیات اگرچہ ہر ایک کے لیے ہے لیکن چونکہ یہی لوگ ان سے منتفع ہوتے ہیں اسی لیے انہی کی تخصیص کی گئی ہے۔

ف: آیت میں جو تشبیہ واقع ہوئی یہ تشبیہ مرکب ہے اگرچہ کاف تشبیہ لفظ الماء مفرد پر داخل ہے اس لیے کہ اجتماع حیٰوۃ اور اس کی رونق پھر لوگوں کے دل لبھا کر جلد تر اس کے ختم ہونے ہیئتِ اجتماعیہ کو زمین کی سبزی کے اجتماع اور اس کی رونق پھر آفتِ سماویہ و مشیتِ ایزدی سے اس کے مٹ جانے کی ہیئت منتزعہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ ؎

بنگر بآنکہ روئے زمین فصلِ نوبہار
مانند نقش خامۂ مانے مزینست
وقت خزاں برگ ریاحین چوں، بنگری
منصف شوی کہ لائق برباد دادنست

ترجمہ: زمین کو دیکھئے کہ موسم بہار میں ہمارے قلم کے سنے کی طرح منقش اور رنگین نظر آتی ہے لیکن موسمِ سرما سرما میں پھل پھول دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ یہ اشیاء بھی برباد ہونے کے لائق تھیں۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا:

حیٰوۃ دنیا کو پانی سے اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح پانی کافی دیر ایک جگہ پر ٹھہرنے سے بدبودار ہو جاتا ہے ایسے ہی مال کو جب خرچ نہ کیا بلکہ وہ مال مذموم ہوتا ہے اور روکنے سے بندہ بخل کی لعنت کا مستحق ہوتا ہے۔

۵

مال چوں آبست تا باشد رواں
فیضہا یابند ازو اہل جہاں
چند روزے چوں کند یکجا درنگ
گندہ و بیجا صلست و تیرہ رنگ

ترجمہ: مال پانی کی طرح ہے لیکن جب وُہ پانی چلتا رہتا ہے تو اس سے سارا جہان فیضیاب ہوتا اگر اسے چند روز کہیں ٹھہرایا جائے تو وُہ پانی بدبودار اور بے کار اور رنگ بدل لیتا ہے ایسے ہی مال کی کیفیت ہے۔

مسئلہ: صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ بھی بخل میں شامل ہے کہ کسی کو دینی کتاب مطالعہ کے لیے نہ دی جائے بالخصوص وُہ کتاب جس کے گنتی کے چند نسخے ہوں جس کے پڑھنے کے لیے لوگوں کو سخت ضرورت ہو، ایسا شخص اس وعید میں داخل ہے جس کے لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے علم کو چھپایا باوجودیکہ اسے خوب جانتا اور دُوسروں کو بتانے کی قدرت رکھتا ہے لیکن بتاتا نہیں، تو قیامت میں اس کے منہ میں جہنم کی لگام چڑھائی جائے گی۔

کتابوں کے بخلاء بہت سے بڑے بدبختوں کو دیکھا گیا ہے کہ وُہ خود تو جاہل ہیں اور ان کی اولاد میں بھی لاشعوری اور ان کے ہاں آباؤ اجداد کا دینی کتب کا بہترین ذخیرہ یا معمولی چند کتب موجود ہوتی ہیں تو پڑھنے والوں کو بڑی ضرورت کے باوجود دیکھنے نہیں دیتے پھر وُہ چند روز کے بعد خراب ہو جاتی ہیں یا دیمک کا شکار ہو جاتی ہیں[1]۔ ان بیوقوفوں کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کپڑا خرید کے صندوق میں بند کر کے رکھ دیتا ہے نہ اسے بیچتا ہے نہ خود پہنتا ہے نہ کسی کو ہبہ کرتا ہے بالآخر وُہ پھٹ کر ضائع ہو جاتا ہے۔ اگر ان احمقوں کو کہا جائے کہ علمی ذخیرہ ضائع ہو جائے گا کسی کو پڑھنے کے لیے دے دیں خواہ قیمتاً۔ تو جواب دیتے ہیں کہ یہ تو ہمارے بزرگوں کا ورثہ ہے ہم تو اسے تبرک کے طور گھر سے باہر نہیں نکالیں گے۔ اس کی حماقت کا کیا علاج کہ بالآخر وہ علمی خزینہ ضائع ہو جاتا ہے[2]۔

---

[1] یہ وعید ہمارے ان جاہلوں کے لیے فِٹ آتی ہے جن کے باپ دادا علمائے دین تھے اور انھوں نے کتابیں گھر میں چھپا رکھی ہیں صرف اس غلط نظریہ پر کہ یہ ہمارے اسلاف کی یادگار ہیں۔ ان بندگانِ خدا کو کون سمجھائے کہ اسلاف کی ارواح تمہیں بددعائیں دیں گی کیونکہ ان کے ذخیرۂ علمی کو تم نے گھر میں رکھ کر ضایع کر دیا۔

[2] ہم نے آنکھوں سے کئی ایسے خزینے برباد ہوتے دیکھے ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

ف : بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ حیٰوۃ دنیا کو بارش سے تشبیہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ اگر بارش بقدر ضرورت ہو تو نفع بخش، اور اگر حدِ اعتدال سے متجاوز ہو تو نقصان دہ ہوتی ہے ایسے ہی دنیوی مال و اسباب اگر ضرورت پورا کرنے تک محدود ہو تو مفید ہوتا ہے، اس سے دینی و دُنیوی منافع مطلوب ہو تو وہ مال نافع ہے اگر زاید از ضرورت ہو تو وہ گناہوں کے ارتکاب کا موجب بنتا ہے بلکہ جب کمینہ آدمی دنیادار ہو تو اپنے سے نچلے طبقے کو حقارت سے دیکھتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

ان الانسان لیطغیٰ ان راٰہ استغنیٰ۔

بیشک انسان سرکشی کرتا ہے اس پر کہ اسے اللہ نے غنی کر دیا۔

ے

توانگری کشدت سوئے عجب و نخوت و ناز

خوشست فقر کہ دارد ہزار سوز و نیاز

ترجمہ : دولت مندی عُجب و نخوت اور تکبر کی طرف لے جاتی ہے۔ فقر و تنگ دستی بہت اچھی ہے کہ اس میں ہزاروں سوز و نیاز ہیں۔

لطیفہ : بارش باغ کی لطافت و طراوت بڑھاتی ہے لیکن وہی بارش کانٹے کی تیزی و سختی میں اضافہ کا موجب بنتی ہے ایسے ہی اگر مال نیک بخت کے ہاں ہو تو اس کی نیک بختی میں اضافہ ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے :

نعم المال الصالح للرجل الصالح۔

نیک بخت کو مال صالح اچھا ہے۔

اگر بدبخت کو مال حاصل ہو تو اس کی بدبختی بڑھتی ہے اس کی سرکشی اور عناد میں اضافہ ہوتا ہے۔

ف : علمِ نافع انسان سے خواہشِ نفسانی مٹاتا ہے اور علمِ غیر نافع انسان کو راہِ حق سے ہٹاتا ہے۔ علمِ نافع اعلیٰ دولت اور علمِ غیر نافع انسان کے لیے وبال ہے۔

ف : بعض بزرگ فرماتے ہیں جیسے بارش کا پانی ایک جگہ قرار نہیں پکڑتا ایسے ہی مال بھی ایک جگہ نہیں ٹھہرتا بلکہ ہر نئے مالک کے پاس پہنچتا ہے وہ کسی سے وفا نہیں کرتا اور نہ ہی اس کی وفا کو بقا ہے۔

ے

گنج امان نیست دریں خاک داں

مغز وفا نیست دریں استخواں

کہنہ سرائیست بصد باگرد
کہنہ و اندر گرو نو بنو

ترجمہ: اس عالمِ خاکداں میں کہیں عافیت نہیں اس ہڈی میں مغز کی اُمید نہیں رکھنی چاہیے یہ پرانی سرائے ہے اس کے باوجود سینکڑوں جگہ پر رہن ہے پھر کہنہ سرائے سے دل لگانا کیسا جبکہ وہ ہر لحظہ نئی جگہ رہن کے طور رکھی ہو۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دُنیا کی حقیقت کا سوال ہوا تو آپ نے فرمایا: دنیا اس شئے کو کہتے ہیں جو اللہ تعالٰی کی مشغولیت سے باز رکھے۔

صاحبِ رُوح البیان کا نکتہ صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ دُنیا ماں کی طرح پرورش کرتی ہے۔ جو بچّہ ماں کی پرورش پہ خوش رہ کر کسی استاذ سے تعلیم نہ پائے وُہ جاہل رہتا ہے۔ ایسے ہی طالب دُنیا جو صرف اسی کی محبت میں گرفتار رہ کر کسی مرشد کا دامن نہ پکڑے تو وہ اس دنیا کی محبت میں نہ صرف گرفتار ہو گا بلکہ اسے اپنا معبود بنالے گا اور ہمیشہ کے لیے اس کی پرستش میں لگا رہے گا اگر وہ دُنیا کی محبت کے بجائے کسی مرشد کامل کا دامن پکڑ لے تو عارف باللہ ہو کر دنیا کی تمام علائق سے محفوظ بھی ہو گا اور وصول الی اللہ کا مرتبہ بھی اسے نصیب ہو گا۔

سبق: دنیا فی نفسہٖ اچھی ہے صرف مذموم اس لیے ہے کہ اس سے بندہ کو شغلِ باللہ سے محرومی ہوتی ہے۔

عالمِ دنیا کا حدود اربعہ بعض کا خیال ہے کہ کوہ قاف سے کوہ قاف تک کا نام دُنیا ہے لیکن محققین فرماتے ہیں کہ کُرسی سے تحت الثّریٰ تک دُنیا ہے اسی سے کون و فساد کو تعلق ہے اسی معنے پر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں اور ما فیہا دنیا میں داخل ہیں اس لیے کہ یہ کون وفساد کے عالم سے ہیں۔

عالمِ آخرت کا حدود اربعہ عرش و کرسی اور اعمال صالح اور ارواحِ طیبہ اور جنّت و ما فیہا عالمِ آخرت سے ہیں۔ اللہ تعالٰی ہم سب کو تعلق بالغیر سے بچا کر تجردِ تام عن عالم الامکان نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین

وَاللّٰهُ لفظ اللہ ذاتِ حق کا نام ہے اور یہی لفظ جامع جمیع الاسماء والصفات ہے اسی لیے بعض صوفیاء کرام اسی اسم کو عالمِ حقیقت کے داخلے کے لیے وسیلہ سمجھتے ہیں۔

حکایت حضرت شبلی قدس سرّہٗ سے کسی نے پُوچھا: آپ اسم اللّٰہ کا عام ورد رکھتے ہیں لا الٰہَ الّا اللّٰہ کا ورد کیوں نہیں فرماتے؟ فرمایا کہ لا الٰہ الّا اللّٰہ میں نفی ہے مجھے اس نفی سے وحشت آتی ہے۔ یعنی اسم اللّٰہ ہی دخولِ حقیقت کے لیے

کافی ہے۔

یَدْعُوْا اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے وارثین اولیائے کاملین جو ان کے قول و فعل اور حال میں مکمل طور پر متبع ہیں، کے ذریعے سے دعوت دیتا ہے اِلٰی دَارِالسَّلٰمِ اس دار کی طرف جو ہر مکروہ و آفت سے سلامتی والی ہے یعنی بہشت کہ جس کا اوّل عطا، اوسط رضا اور اس کا آخر (انجام) لقاء (دیدار الٰہی) ہے۔

حکایت ایک بادشاہ نے نہایت عالی شان محل تعمیر کرایا اور اس پر زر کثیر خرچ کیا، سجاوٹ میں کسی قسم کی کسر نہ چھوڑی۔ اپنی رعایا کو محل دکھانے کے لیے دعوت دی۔ جب ایک گروہ کھانے سے فارغ ہو کر لوٹتا تو ان سے پُوچھا جاتا کہ تم نے اس محل میں کوئی عیب پایا ہو تو بتاؤ۔ سب اس محل کی تعریف کرتے۔ آخر میں ایک گروہ تشریف لایا، جن کے کپڑے پھٹے پُرانے تھے۔ فراغت کے بعد ان سے بھی محل کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: محل میں دو عیب ہیں۔

انہیں روک لیا گیا اور بادشاہ کو اطلاع ہُوئی بادشاہ نے حکم دیا کہ انھیں میرے ہاں لاؤ۔ جب وہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، بادشاہ نے پُوچھا: اب بتائیے محل میں وُہ دو عیب کون سے ہیں؟

انہوں نے فرمایا،

ایک یہ کہ ایک دن اس محل کو فنا ہے۔

دوسرا یہ کہ اس کے مالک کو موت آئے گی اور وُہ اسے چھوڑ کر چلا جائے گا۔

بادشاہ نے ان سے سوال کیا:

کوئی ایسا محل ہے جسے فنا نہ ہو اور کوئی ایسا طریقہ ہے کہ اس کے مالک پر موت بھی نہ آئے؟

انہوں نے کہا: ہاں وہ بہشت ہے جسے فنا نہیں۔

انہوں نے بادشاہ کو بہشت کی نعمتوں کی تفصیل بتائی اور اس کے لیے بڑا شوق دلایا۔ پھر دوزخ کے متعلق اسے سمجھایا اور اس کے عذاب سے بھی آگاہ کیا اور اسے اس سے بہت ہراساں کیا اور اللہ تعالٰی کی دعوت دی۔ ان کی باتوں سے بادشاہ بہت متاثر ہوا۔ اُسی وقت تائب ہُوا اور سلطنت کو ترک کر کے فقیرانہ و درویشانہ زندگی بسر کرنے پر راضی ہوا اور تلاشِ حق میں نکل پڑا۔ ؎

واللہ یدعوا آمدہ آزادیِ زندانیاں
زندانیاں غمگین شدہ کوئی بزندان میکشی
شاہان سیفہانرا ہمہ در بند زندان میکشند
تو از چہ از زندان شان سُوے گلستان میکشند

ترجمہ : واللہ یدعوا قیدیوں کی رہائی کے لیے وارد ہوا ہے لیکن قیدی غمگین ہوکر اُلٹا قیدخانہ کی طرف بھاگتے ہیں بیوقوفوں کے سردار تمام قیدخانہ کے شوق میں رہتے ہیں پھر تم اسے نصیحت کرنے والو ! ایسے بدبختوں کو کس طرح قیدخانہ سے باغ کی طرف کھینچ کر لاسکتے ہو۔

حدیث شریف : ہر روز طلوعِ شمس کے ساتھ دو فرشتے منادی کرتے ہیں جسے انس وجن کے سوا ہر شئے سنتی ہے کہ اسے لوگو ! اپنے رب تعالیٰ کی طرف آؤ، وہی تمہیں دارالسلام کی دعوت دیتا ہے۔

سبق : عمل صالح سے مقصود بہشت کا داخلہ ہے اور بس۔ اسی لیے بعض مشایخ نے فرمایا کہ : ہمارے اوپر اللہ تعالیٰ نے ظاہری طور اطاعت واجب فرمائی ہے اور وہ صرف اس لیے کہ اس کے بندے بہشت میں داخل ہوں اس لیے کہ طاعات کا انجام بخیر بہشت سے ہوتا ہے اگرچہ اسباب عدمی شے ہیں اور اصلی مقصود بہشت ہے اور یہ بھی عوام کیلئے ہے کہ انھیں دعوت واجابت کی ضرورت ہے کہ وہ اسباب عادیہ کے عادی ہیں بخلاف اہلِ حق کے کہ وہ اپنی محبت و وفا کے تحت اسبابِ عادیہ کے محتاج نہیں انھیں دعوت واجابت نہ بھی ہوتی تب بھی حق عبودیت کی ادائیگی میں جد و جہد کرتے اور وہ اپنے معبود کے مشاہدہ کے لیے حقوق کی پابندی کرتے ہیں۔

ف : بعض مفسرین نے دارالسّلام کا معنیٰ دار اللہ کیا ہے اس لیے کہ السّلام اللہ تعالےٰ کا نام ہے۔ اس معنے پر اس میں بیت اللہ کی طرح اضافت تشریفی ہے اور وہ سلام اس معنےٰ پر ہے کہ اس کی ذات صفات تمام عیوب و نقائص سے منزّہ ہے اور بندے کو بھی سلام کہا جاتا ہے وہ اس معنے پر کہ اس کا دل حسد، کینہ، ہر غل و غش اور ارادۂ شر سے اور اس کے اعضا جرائم ومعاصی سے پاک ہوتے ہیں لیکن یاد رہے کہ لفظ سلام اور اسلام ہر اس انسان کے لیے موزوں ہیں جس کی زبان اور ہاتھ سے ہر مسلمان محفوظ ہو۔

ف : بعض مفسرین نے فرمایا کہ دار السّلام سے وہ دار مراد ہے جہاں بندگانِ خدا مقیم ہوں گے تو ان پر اللہ تعالےٰ اور ملائکہ کرام السلام علیکم کہیں گے یا اس لیے کہ وہاں اہلِ بہشت ایک دوسرے کو السلام علیکم کہیں گے۔

فائدہ صوفیانہ صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دار السلام سے دار القلب السلیم کی طرف اشارہ ہے کہ وہ دل ما سوی اللہ کے تعلق سے بالکل پاک ہوتی ہے پھر جسے ایسا دل نصیب ہوتا ہے وہ تمام ظاہری مکروہات کے ہر تکدر (خرابی) سے محفوظ ہو جاتا ہے بلکہ اس پر نار بھی نور ہوتی ہے۔ (ایضاً)

بعض مشایخ نے فرمایا کہ دار السّلام سے جنت معجلہ اور جنت مؤجلہ مراد ہے۔ جنّۃ معجّلہ سے معارف و علوم اور جنّۃ مؤجّلہ سے دار قرار (میں جتنا انوار وتجلیات نصیب ہوں گے) مراد ہے یاد رہے کہ مطلقاً جنت سے دار السلامۃ مراد ہے جو صرف اولیاء اللہ کو نصیب ہوگی۔

وَيَهْدِي مَنْ يَّشَآءُ اور جس کے لیے چاہتا ہے رہبری فرماتا ہے اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۝ اس سیدھے راستہ کی طرف، جو اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والا ہے اس سے اسلام اور تقویٰ کی پونجی مراد ہے۔

سوال: دعوت عام اور ہدایت خاص لوگوں کو کیوں؟

جواب ۱: تاکہ معلوم ہو کہ وہ مستغنی بالذات ہے اسے مخلوق میں کسی کی حاجت نہیں۔

جواب ۲: چونکہ بندے طبائع کے لحاظ سے مختلف ہیں، ایک وہ ہیں جو سنتے ہیں لیکن قبول نہیں کرتے۔ دوسرے وہ ہیں جو سن کر سرِ تسلیم خم کرتے ہیں اسی لیے دعوت تو سب کو عمومی طور ہوئی لیکن سرِ تسلیم خم کرنا خواص کو نصیب ہوا۔ دعوت کی مثال ایک خوشبو کی سی ہے کہ وہ اپنی مہک سب پر یکساں پھیلاتی ہے لیکن جس کی ناک زکام سے بند ہو وہ خوشبو کی لذت سے محروم ہے اگرچہ خوشبو کی ظاہری صورت کو وہ دیکھ رہا ہے لیکن اس کے استفادہ سے محروم۔ اسی طرح بہت سے بہت سے بندگانِ خدا کلامِ الٰہی سنتے ہیں لیکن اسے قبول نہیں کرتا۔

ف: اللہ تعالیٰ جس بندے کے لیے ہدایت کا ارادہ فرماتا ہے اس کے لیے ہدایت کے قبول کرنے کے اسباب آسان اور راہ حق کا دانستہ کھل کر سامنے آجاتا ہے بلکہ ایسے بندے کو جادۂ حق پر چلنے سے ہی قرار نصیب ہوتا ہے۔

ف: داعی حقیقی تو اللہ تعالیٰ خود ہے اس کی نیابت میں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام و علماء عظام داعی مجازی ہیں اور مدعو تمام انسان اور مدعو لہ بہشت ہے۔ اسی طرح ہادی حقیقی اللہ تعالیٰ ہے اور مہدی بالہدایۃ خاصہ خواص لوگ اور مہدی الیہ صراطِ مستقیم ہے۔

عقیدہ: مشیّت و ارادۂ الٰہی علم و قدرت وغیرہ کی طرح اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفات اور قدیم بالذات ہیں۔ مشیّت و ارادہ کا متعلق مراد ہے جسے عنایت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ف: جو اپنی استعداد سے مظہرِ جلال کا مصداق ہے تو وہ دعوتِ حق کی قبولیت سے محروم رہتا ہے اور جو مظہرِ جمال کا مصداق ہے وہ دعوت کو فوراً قبول کر لیتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ کی مشیّت بھی اسی استعداد کے مطابق متعلق ہوتی ہے۔ لیکن استعداد کے سوال و اجابت کا مطابق ہونا ضروری ہے۔

حضرت حافظ شیرازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ؎

دریں چمن نکنم سرزنش بخود روئے

چنانکہ پرورشم می دہند مے رویم

ترجمہ: میں چمن کو کوئی ملامت نہیں کرتا اس لیے جتنی اس کی پرورش ہوتی ہے اتنا ہی بڑھتا، پھولتا پھلتا ہے۔

دعوتِ الٰہی قبول کرنے کی علامت دعوتِ الٰہی کی قبولیت کی علامت یہ ہے کہ بندہ دُنیا اور اس کے جمیع تعلقات سے فارغ ہو کر جنت الفردوس کی راہ پر گامزن ہو اور از ہمہ سُو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ تعالیٰ ایک دفعہ شکار کو نکلے تو آپ کے سامنے لُومڑی یا ہرنی آئی آپ نے اسے شکار کرنے کے لیے اس کے پیچھے گھوڑا دوڑایا تو ہاتف نے آواز دی:

الھٰذا خلقت۔

کیا تم اسی لیے پیدا ہُوئے تھے۔

ام بھٰذا اُمرت۔

کیا تمہیں شکار کے لیے مامور فرمایا گیا۔

آپ نے اس طرف توجہ نہ دی پھر وہی آواز دوبارہ سُنی تو گھوڑے سے اُتر پڑے ایک چرواہے سے اُون کا لباس لے کر پہن لیا اور شاہی گھوڑا و دیگر سامان اسی چرواہے کے سپرد کر کے جنگل کی راہ لی پھر وہ مرتبہ پایا جس پر اولیاءِ کرام رشک کرتے ہیں۔ ؎

در راہِ عشق وسوسۂ اہرمن بسیست
ہش دار و گوشِ دل بہ پیامِ سروش کن

ترجمہ: عشق کے راہ میں شیطانی وسوسے بہت ہوتے ہیں ہوش کر کے دل کے کان فرشتۂ غیبی کی طرف متوجہ کرے۔

ف: نیند کی غفلت سے جاگ اُٹھنا قلبی غفلت کی علامت ہے جیسے انسان نیند سے بیدار ہو کر غفلت دُور کرتا ہے ایسے جب قلب سے غفلت دُور ہوتی ہے تو عالمِ مشاہدات کا مشاہدہ ہوتا ہے جو لوگ اپنی طبائع کے شکنجوں میں بند ہیں وُہ اسی نیند کرنے والے کی طرح ہے کہ جیسے اسے نیند میں عالمِ دنیا سے بے خبری ہے ایسے ہی اسی پابند نفسانیت کو عالمِ مشاہدات سے اسی طرف اشارہ ہے۔

فیمسك التی قضٰی علیھا الموت۔ پس اس کی رُوح روک لی جاتی ہے جس پر موت واقع ہوتی ہے۔

اور سالکانِ راہِ حق کی غفلت کی نیند سے ہمیشہ بیدار رہتے ہیں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

و یرسل الاخری الیٰ اجل مسمی۔ دُوسری ارواح وُہ ہیں جنہیں اللہ تعالےٰ چھوڑ دیتا ہے۔

اہل حق کے سامنے یہ بات واضح ولائح ہے، واللہ اعلم بحقیقۃ الحال

تفسیر صوفیانہ

واللہ یدعوا الی دار السلٰم۔ دار السلٰم سے عدم صورت ظاہراً اور علم الٰہی اور اس کی صفت حقیقۃ ومعنیً مراد ہے۔ عدم اور علم کو دار السلٰم سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ عدم میں معدوم دوئی اور شرکت مع اللہ فی الوجود کی آفت سے سلامتی میں تھا در اصل عدم دار وحدانیت کا دوسرا نام ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ سلام اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور علم اس کی صفت ہے جو اس کی ذات سے قایم ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ازلاً اپنے بندوں کو عدم سے وجود اور علم یعنی صفت سے فعل یعنے خلق کی طرف ابداً وجود سے عدم اور فعل سے علم کی طرف اور علم سے وجود کی طرف نفخہ کے واسطہ سے دعوت دیتا ہے کما قال:

ونفخت فیہ من روحی۔

اور میں نے اپنی رُوح اس میں پھونکی۔

اور وجود سے عدم وعلم کی طرف جذبہ کے ذریعہ دعوت دیتا ہے کما قال تعالیٰ:

ارجعی الی ربک۔ اپنے رب تعالیٰ کی طرف لوٹ۔

علم غیب کلی اور ردّ وہابیہ دیوبندیہ

جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم علم ازلی ابدی کی طرف جذبۂ الٰہی سے دعوت دی گئی تو آپ نے دعویٰ فرمایا:

قدعلمت ما کان وما یکون۔ میں نے جو کچھ ہوا اور ہوگا تمام کو جان لیا۔

اس میں نکتہ یہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم باللہ (عطائی) تھا نہ ذاتی[1] اسی وجہ سے آپ کو علم کلی کا ہونا ایک حقیقت ثابتہ ہوئی۔

وعلمك ما لم تكن تعلم۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے وہ علوم عنایت فرمائے جو آپ نہ جانتے تھے۔

میں یہی راز مضمر ہے (جس راز سے تا حال وہابی دیوبندی بے خبر ہیں)

اور یہ علم کلی بھی آپ کو اس وقت نصیب ہوا جب آپ نے کہا: لا الٰہ الا اللہ۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرمایا: فاعلم انہ لا الٰہ الا اللہ۔

تو اس وقت سے آپ کو علم کلی حاصل ہوگیا۔ (اجمالاً تفصیلاً بعد کو ہوتا رہا)[2]

---

[1] لیکن افسوس کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وہابی، دیوبندی علم عطائی کا انکار کرتے ہیں اور علم غیب کلی ماننے کو شرک وکفر سے تعبیر کرتے ہیں۔

[2] علم کلی اجمال وتفصیل کی بحث فقیر کی تفسیر اویسی میں دیکھئے۔

فاعلم اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ! آپ علمِ الٰہی کے واسطہ سے معلوم کیجئے یعنی وہ علمِ الٰہی جس کی آپ کو جذبۂ حق کے ساتھ دعوت دی گئی ہے ان لا الٰہ کہ عالمِ وجود میں کوئی موجود نہیں الا اللہ سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ اللہ تعالیٰ کا علم عالمِ وجود کے ذرہ ذرہ کو محیط ہے۔ کما قال :

قد احاط بکل شیٔ علما۔ علم سے اللہ تعالیٰ ہر شے کو محیط ہے۔

اور :

فانت بعلمہ محیط بالوجود کلہ۔ تم بھی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے دیئے ہوئے علم سے عالمِ وجود کی ہر شے کو محیط ہو۔

فلہذا حقیقۃً صرف آپ کو معلوم ہے کہ عالمِ وجود میں کوئی نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے۔

ف : صاحبِ رُوح البیان فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ قدس سرہٗ سے سُنا کہ انتباہ صوری سے قلبی بیداری مراد ہے

صُوفی کی صُوفیانہ نماز اور وضُو

وضو میں توبہ و رجوع الی اللہ کی طرف اشارہ ہے ۔ تکبیرِ اُولیٰ (تحریمہ) میں توجہ الٰہی کی طرف اشارہ ہے۔ اس کیفیت سے متنبہ ہونے میں عالمِ ملکوت کو عبور کرنے کی طرف اشارہ ہے اور عالمِ ملک کا دُوسرا نام عالمِ ناسُوت ہے یہاں سے عارف کو عالمِ ملکوت میں داخل ہونا نصیب ہوتا ہے۔ قیام کے بعد رکوع میں جانے سے اشارہ ہے کہ عارف عالمِ ملکوت کو طے کر کے عالمِ جبروت میں پہنچ گیا ہے پھر سجدہ میں جانے سے اشارہ ہے کہ اب عارف عالمِ جبروت و وصول کو عبور کر کے عالمِ لاہوت میں پہنچ چکا ہے۔ فنائے کلی کا یہی مقام ہے یہاں سے انسان کامل کو اپنے وطنِ اصلی علوی کی طرف جانا ہوتا ہے۔ نماز میں بظاہر انسان ہر رکن کی ادائیگی میں تنزّل کی طرف رجوع کرتا ہے لیکن درحقیقت اسی تنزل میں اسے عالمِ علویات کی طرف عروج نصیب ہو رہا ہوتا ہے۔ ان مقامات کو طے کر کے رکعتِ ثانیہ کے قیام کی طرف جانے میں فنا سے بقا کی طرف رجوع ہُوا ۔ یہ رجعتِ قہقری ہے کہ بظاہر تو نمازی قیام کر کے بلند ہو رہا ہے لیکن درحقیقت وہ تنزل کی طرف جا رہا ہے ۔ رکعت ثانیہ کے رکوع میں نمازی کو قابَ قوسین کا مقام حاصل ہوتا ہے اسے مقامِ صفات کہتے ہیں جس کا دُوسرا نام ذاتِ واحدیہ ہے اب کی بار سجدے سے مقامِ اَوْ اَدنیٰ تک پہنچنا نصیب ہوتا ہے یہی مقام ذاتِ احدیہ کہلاتا ہے۔ یہی تفصیل تاویلات نجمیہ کے حوالے سے ہم نے ابھی اجمالی طور بیان کی ہے وہ یہ کہ کبھی بندے کو علم سے وجود کی اور کبھی وجود سے علم کی دعوت دی جاتی ہے ۔

سبق : جو سالک یہی عقبات عروج و نزول طے نہیں کر سکا وہ ابھی ناقص ہے اور وہ سالک مقامِ برزخ میں ہے جو بعض طے کر چکا ہے اور ابھی کچھ اس نے طے کرنے ہیں۔ یاد رہے کہ یہ اجسام و ارواح اور علم و عین کے تعینات ہیں جیسا کہ ہم نے مراتب بیان کیے ہیں۔

نکتہ : اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

لایمسہ الا المطھرون ۔

اس آیت میں ذاتِ ہویت کی طرف اشارہ ہے کہ اسے وہ حاصل کر سکتا ہے جو ہر تعین روحانی ہو یا جسمانی کے تعلقات کی گرد و غبار پاک ہے ۔ (واللہ معین)

تاویلات نجمیہ میں ہے :

ویھدی من یشاء الیٰ صراط مستقیم ۔

جب اللہ تعالیٰ نے علم سے فعل کی اور وجود سے علم کی اپنی مخلوق کو عام دعوت دی تو مشیت سے اپنے خواص کو علم یعنی صراطِ مستقیم کی رہبری فرماتا ہے یعنی انھیں جذبۂ کاملہ سے اپنی خصوصی مشیتِ ازلی سے علم قدیم کی ہدایت فرماتا ہے حضرات صوفیا کے نزدیک اس مقام کا نام سیر فی اللہ باللہ ہے ۔

تفسیر عالمانہ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا ان لوگوں کے لیے جنھوں نے نیک عمل کیے یعنی اعمال صالح اسی طرح بجالائے جیسے ان کے لائق تھا اعمال کے حسن وصفی حسن ذاتی کو مستلزم ہے ایسے اعمال کی تفسیر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بیان فرمائی :

ان تعبد اللہ کانك تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراك ۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی یوں عبادت کرو کہ گویا اسے تم دیکھ رہے ہو اگر ایسا نہیں ہو سکتا تو کم از کم اتنا تصور ہو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے ۔

فائدہ صوفیانہ صاحب رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسی عبادت کہ جس میں شہود وحضور قلبی نصیب ہو اس وقت تک نصیب نہیں ہو سکتی جب تک بندہ قلب کو غیر اللہ کے تصور سے فارغ نہ کرے بلکہ غیریت کا دھیان دل سے بالکل مٹا دے ۔ اب للذین احسنوا کا معنی یوں ہوا کہ ان لوگوں کے لیے جنھوں نے اپنے اعمال ریا سے اور دل کو غیر اللہ کے تصور سے پاک کیا ۔

اَلْحُسْنٰی احسن کی تانیث ہے اہل عرب خصلتِ مرغوبہ کو الحسنیٰ کہتے ہیں وَ زِیَادَۃٌ ط اور مزید بر آں یعنی اعمال صالح کا بدلہ ثواب بھی ملے گا اور اپنے فضل وکرم سے مزید بر آں اور بھی بہت کچھ عنایت فرمائے گا ۔ چنانچہ دوسرے مقام پہ فرمایا :

ویزیدھم من فضلہ ۔ اور انھیں اپنے فضل وکرم سے بڑھاتا ہے ۔

یعنی المثوبہ وہ اجر وثواب جو اعمال صالح کے عوض ملے اور زیادۃ وہ لطف وکرم جو اعمال کے بغیر عنایت ہو ۔ لیکن ہم اہلسنت کہتے ہیں کہ دونوں اس کے لطف وکرم ہیں اعمال صالح کا ثواب واجر اسباب محض ہیں ۔ بعض حضرات

فرماتے ہیں کہ الحسنیٰ عام نیکی جو انسان کو عمل پر نصیب ہوتی ہے اور زیادۃ وُہ نیکیاں جو دس سے سات سوگنا زاید عنایات ہوتی ہیں۔ اکثر جمہور محققین فرماتے ہیں کہ الحسنیٰ سے بہشت اور زیادۃ سے دیدار اور نظر الی وجہ اللہ مراد ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بہشتی بہشت میں داخل ہوں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں فرمائے گا: اور کیا چاہتے ہو؟ عرض کرینگے اے ربِ کریم! تیرا بڑا فضل و کرم ہے کہ تُو نے ہمارے چہرے نورانی سفید بنائے اور ہمیں اپنی بہشت عطا فرمائی اور دوزخ سے نجات بخشی۔ اس سے مزید ہمیں اور کیا چاہیے۔ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے حجابات اٹھا دے گا بہشت کی نعمتوں میں دیدارِ الٰہی کے سوا اور کوئی نعمت محبوب ترین نہیں ہوگی۔ (رواہ مسلم والترمذی والنسائی)

سوال: اللہ تعالیٰ نے بہشت کو الحسنیٰ اور اپنے دیدار کو زیادۃ سے کیوں تعبیر فرمایا ہے حالانکہ دیدارِ الٰہی کہاں اور بہشت کہاں۔ علاوہ ازیں دنیا کا قانون ہے کہ بیع میں منافع راس المال سے ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس قانون کے مطابق بہشت کو راس المال اور دیدارِ الٰہی کو ثانوی حیثیت دینا نہایت نامناسب ہے۔

جواب: زیادۃ سے مراد وُہ شے ہے جس کا بندوں کو وعدہ دیا گیا ہے بہشت اور اس کے درجات اور نعمتیں اس معنے پر مزید مزید علیہ کی جنس سے نہ ہوگا یعنی بہشت اور بہشت کے درجات اور نعمتیں بہشت کی جنس سے نہیں۔ اس معنے پر راس المال وغیرہ کا قاعدہ جاری نہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی ہر عطا زاید از حد وعد ہے کیونکہ ہر شے اعظم و اکبر ہے چنانچہ خود فرمایا کہ:

رضوان من اللہ اکبر۔

یعنی اس کی تھوڑی سی رضامندی بھی اکبر و اعظم ہے۔

حدیث شریف میں ہے بہشتی جب اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوں گے تو بہشت کی تمام نعمتوں کو بھول جائیں گے۔

مسئلہ: آخرت میں دیدارِ الٰہی سر کی آنکھوں سے ہوگا اور دُنیا میں دل کی آنکھوں سے، اس لیے کہ دنیا میں سر کی آنکھوں سے دیدارِ الٰہی صرف ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ہُوا، اور یہ انہی کا خاصہ ہے آپ کے سوا اور کسی کو نہ ہُوا ہوگا۔ اسکی مزید تحقیق ہم نے لا تدرکہ الابصار (الآیہ) میں بیان کی ہے۔

ف: دُنیا میں دیدارِ الٰہی بھی اسے نصیب ہوتا ہے جو تعینات جسمانیہ و روحانیہ کو درمیان سے ہٹا دیتا ہے۔

حضرت حافظ رحمہ اللہ نے فرمایا: ؎

جمالِ یار ندارد نقاب و پردہ ولے   غبار رہ بنشاں تا نظر توانی کرد

ترجمہ: جمالِ یار کے آگے کوئی پردہ نہیں ۔غبارِ راہ کو دُور کر دیجیے دیدار کے مزے لُوٹو ۔

شرح بیت مذکور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ محجوب نہیں اگر اسے محجوب مانا جائے تو پہلے اس کے لیے جہت و مکان متعین کیے جائیں کیونکہ پردہ وحجاب کے لیے جہت و مکان لازم ہیں پھر اگر اللہ تعالیٰ اس دنیا میں اس حجاب کو دُور فرما دے تو ہم کون کے وہم اور اس کے جمیع متعلقات کو بھلا بیٹھیں گے جیسے اہل جنت کے لیے جب حجاب اُٹھے گا تو وہ تجلی حق کی وجہ سے بہشت کی تمام نعمتیں بھول جائیں گے ۔ اور اس دنیا میں حجابات کا اُٹھنا اس لیے محال ہے کہ تعبد شرعی کا مقصد فوت ہو جائے گا اس لیے دنیا میں مشاہدۂ حق سر کی آنکھوں سے نہیں ہو سکتا کہ یہ دنیا مقامِ تکلیف ہے ۔

وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ اور ان بہشتیوں کے چہروں کو نہیں چھپائے گی قَتَرٌ غبار ۔ قتر ہر اُس غبار کو کہتے ہیں جس میں سخت سیاہی ہو یہ غبار سے بہت زیادہ تاریکی رکھتی ہے وَّلَا ذِلَّةٌ اور نہ ہی ذلت و خواری ۔ ان دونوں کی نفی سے خوف و ہراس کے اسباب کی نفی مطلوب ہے یعنی قیامت میں وہ ہر خوف و خطر سے محفوظ ہوں گے تاکہ معلوم ہو کہ بہشتیوں کو جتنی نعمتیں بہشت میں عطا ہوں گی ان میں کسی قسم کی پریشانی اور تکلیف نہ ہو گی اور جب سے انھیں بہشت کی نعمتوں سے نوازا جائے گا کبھی بھی ان کے چہروں سے غم اور حزن کے آثار محسوس نہیں ہوں گے بلکہ اُن کے چہرے ہمیشہ راحت اور سرور سے چمکتے دمکتے نظر آئیں گے ۔

ف : یہ جملہ مستانفہ ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ وُہ مطالب و مقاصد سے کامیاب ہونے کے بعد ہر پریشانی اور تکلیف سے محفوظ ہو جائیں گے ۔

سوال : مطالب و مقاصد میں کامیاب ہونے والے کو پریشانی اور تکلیف سے محفوظ ہو جانا مستلزم ہے پھر اسے علیحدہ کرنے کی کیا ضرورت ۔

جواب : تاکہ بندوں کو تنبیہ ہو کہ جتنی نعمتیں تمہیں نصیب ہُوئی ہیں یہ محض اس کا فضل و کرم ہے ۔

سوال : جملہ میں مفعول کی تقدیم کیوں ۔

جواب : اس کے مہتم بالشان ہونے کی وجہ سے ، تاکہ معلوم ہو کہ چہرہ تمام اعضا سے اشرف و اعلیٰ ہے کہ جب اسے ہر ذلت و خواری سے حفاظت ہوئی تو گویا تمام اعضا محفوظ و مامون ہُوئے ۔

اُولٰٓئِكَ وہی لوگ جو مذکور ہُوئے اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ بہشتی ہیں هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ وُہ اس میں ہمیشہ رہیں گے کہ ان کو بہشت سے نہ نکالا جائے گا اور نہ ہی ان سے دی ہُوئی نعمتیں چھینی جائیں گی اور نہ ہی انھیں کسی دُوسری جگہ منتقل کیا جائے گا ہمیشہ بہشت میں نعمتوں سے سرشار رہیں گے ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے للذین احسنوا الحسنٰی وزیادۃ یعنی جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ پر اس کے ساتھ معاملہ کیا اس لیے کہ احسان یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ایسے کی جانے گویا اسے دیکھا جا رہا ہے الحسنٰی سے مشاہدۂ حق اور النظر الیہ مراد ہے۔ زیادۃ سے وُہ زاید انعام مراد ہے جو نظر الی اللہ کے علاوہ عارف کو ناسوتیہ سے فنا کر کے لاہوتیت میں داخل کرنے کے ذریعے انانیت سے نکال کر ہویت میں علم ازلی کا واصل بنایا جاتا ہے وَ لا یرھق وجوھھم قتر۔ اور انہیں حجاب کی غبار نہیں پہنچتی ولا ذلۃ اور نہ وجود کی ذلت، اس لیے کہ وجود دُوئی کو چاہتا ہے اور ایسے حضرات دُوئی (غیریت) سے پاک ہوتے ہیں اولٰئِك اصحٰب الجنۃ یہی حضرات سیر فی اللہ کی جنت والے ہیں ھم فیھا خٰلدون۔ اور وہ جذبات عنایت الٰہی کی وجہ سے اس جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔

تفسیر عالمانہ وَالَّذِیْنَ کَسَبُوا السَّیِّاٰتِ اور وہ لوگ سیئات یعنی شرک و معاصی کے مرتکب ہُوئے۔ یہ مبتداء ہے اس سے قبل اس کا مضاف محذوف ہے اور اس کی خبر جَزَاءُ سَیِّئَۃٍ بِمِثْلِھَا ہے۔ الجزاءُ مصدر مبنی للمفعول یعنی مصدر مجہول ہے اور بمثلھا کی باء اسی جزاء کے متعلق ہے۔ دراصل عبارت یُوں تھی:

وجزاء الذین کسبوا السیئات الخ یعنی جن لوگوں نے سیئات کا ارتکاب کیا ان کی سزا یہ ہے کہ ایک بُرائی کے بدلے اسی کی طرح ان کو بُرائی نصیب ہوگی اس پر کسی قسم کا اضافہ نہ ہوگا جیسے نیکیوں میں دس سے سات سو گنا اضافہ ہوتا تھا۔

مسئلہ: کشاف میں ہے کہ اس سے ثابت ہُوا کہ نیکیوں میں جو زاید ثواب نصیب ہوتا ہے وہ اللہ تعالےٰ کا فضل محض ہے اس لیے کہ اس آیت میں لفظ زیادۃ نہ لانا اسی دعوٰی کی دلیل ہے اور سابق آیت میں زیادۃ بتاتا ہے کہ ثواب پر زاید انعامات اس کے فضل و کرم پر مبنی ہیں۔

صاحبِ روح البیان کا فیصلہ صاحبِ رُوح البیان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کشاف کے اس قول کی جمہور مفسرین نے تائید کی ہے اور آیت کی تفسیر میں کشاف کا اتباع کیا ہے لیکن آیت کی بہتر تفسیر وہی ہے جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی جسے ہم نے پہلے عرض کیا اور تمام تفسیروں سے احق بلکہ اکمل و افضل ہے۔

یعنی زیادۃ سے زاید ثواب مراد بھی ہے اور آخرت میں اللہ تعالےٰ کا دیدار بھی۔ اس لیے کہ آخرت میں دیدارِ الٰہی افضل الکرامات والانعامات کا ہے جسے یہ نصیب ہوگا تو اسے اس سے کم درجہ کی کرامات لازم ہیں لہٰذا اس سے صاحبِ رُوح البیان کشاف کا گویا رد کرنا چاہتے ہیں اس لیے کہ اس نے زیادۃ کو صرف بہشت کے انعامات تک منحصر کر دیا اور دیدارِ الٰہی کا ذکر نہ کرنا اس کے مذہب اعتزال کا کنایۃً اثبات ہونا تھا اسی لیے صاحبِ روح البیان نے

تصریح فرمائی تاکہ اہلسنت کا مذہب ثابت ہوا اور معتزلہ کا رد۔
مسئلہ: معتزلہ اور شیعہ آخرت میں دیدارِ الٰہی کے منکر ہیں۔

وَتَرْهَقُهُمْ جب جہنم کا معاینہ کریں گے تو انھیں ڈھانپ لے گی ذِلَّةٌ ذلت وخواری۔ اس وقت ذلت و خواری کے آثار ان پر نمایاں ہوں گے جنہیں ہر شخص ملاحظہ کرے گا۔
سوال: اہلِ بہشت کی طرح یہاں وجوھھم کیوں نہیں فرمایا۔
جواب: تاکہ معلوم ہو کہ ذلت وخواری ان کے اجسام کے تمام حصص کو گھیرے گی۔

مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب سے اس وقت انھیں کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ گویا ڈھانپے گئے ہیں وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ ان کے چہرے رات کے ایک حصے سے یعنی اندھیری رات کی طرح ان کے چہرے کالے سیاہ ہوجائیں گے مُظْلِمًا یہ اللّیل سے حال ہے اور اس کا عامل فعل کا معنےٰ ہے۔ اصل عبارت یوں ہوگی:

قطعا کائنۃ من الّیل فی حال کونہ مظلما۔
یعنی غم واندوہ سے ان کے چہرے کالی رات کی طرح سیاہ ہوں گے۔

ف: قطعا بفتح الطاء قطعۃ کی جمع اور اُغشیت کا مفعول ثانی ہے۔ بعض قرّاء نے اسے بسکون الطاء پڑھا ہے۔ اس وقت مفرد ہے۔ مقطوع شے کو کہتے ہیں اس معنے پر مظلما کو قطعا کی صفت بنایا جاسکتا ہے اس لیے کہ یہ دونوں مفرد بھی ہیں اور مذکر بھی۔

اُولٰٓئِكَ وہی لوگ جنہوں نے سیئات کا ارتکاب کیا یعنی مشرکین اور منافقین اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ○ دوزخ والے، اور وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔

کمیونسٹ (دہریہ) کے وہم کا ازالہ

بہشت کا داخلہ محض فضل ربانی ہے اس کے درجات اعمال کے مطابق نصیب ہوں گے اور اس میں ہمیشہ رہنا نیت کی وجہ سے ہے یہ تین مقام ہوئے۔ اسی طرح دوزخیوں کا دوزخ میں جانا اللہ تعالیٰ کا عدل ہے اور عذاب کے طبقات اعمال کے مطابق ہوں گے اور اس میں کافر کا ہمیشہ رہنا اس کی نیت کی وجہ سے ہے لیکن چونکہ مومن کی نیت دُنیا میں یہی تھی کہ زندگی عبادتِ الٰہی میں بسر کروں گا۔ اسی طرح کافر کی نیت تھی کہ زندگی بھر غیر اللہ کی پرستش کرے گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہر ایک کو اپنی نیت[1] کا صلہ ملے گا۔

---

[1] اس سے کمیونسٹ ماڈرن دماغ انسان کا رد ہوگیا۔ وہ کہتے ہیں کہ کافر کو (زندگی کے چند لمحات کی) ہمیشہ دوزخ میں رہنے کی سزا کیوں۔

نکتہ: کافر کو دراصل سزا اس لیے ہے کہ وہ اپنے مالک کے حکم کی مخالفت پر ڈٹ گیا جیسے مومن کو نیک جزا اسی لیے ہے کہ وہ اپنے آقا کے سامنے سرِ تسلیم خم کر گیا۔ یہی نکتہ ہے مومن مجرم کو دوزخ کی سزا دینے میں کہ نہ وہ حکمِ الٰہی کے خلاف کرتا نہ اسے جہنم میں جانا پڑتا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اعمال صالح کی توفیق چاہتے ہیں۔ اور دعا کرتے ہیں کہ وُہ کریم ہمیں اپنی ذات سے حیاء کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ف: حضرت ابو العباس اقلیشی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مجھے کوئی صحیح روایت نہیں ملی جس میں تصریح ہو کہ مومن گنہگار کو کتنی مدت تک جہنم میں رکھا جائے گا۔ ہاں امام غزالی قدس سرہٗ نے احیاء العلوم شریف میں لکھا ہے کہ گنہگار مومن کی جہنم کی ادنیٰ سزا ایک لمحہ ہے اور زیادہ سے زیادہ سات ہزار سال۔ آخر میں فرمایا:

لما ورد به الاخبار۔ یعنی اسی طرح احادیث میں وارد ہے۔ واللہ اعلم

نکتہ: آخری حد سزا کے لیے سات ہزار سال اسی لیے ہے کہ نوعِ انسانی کی کل عمر سات ہزار سال ہے اسی لیے اس کی سزا بوجہ تربیت سات ہزار سال رکھی گئی۔

ف: لیکن یہ سال عالمِ دنیا کے نہیں بلکہ آخرت کے سال مراد ہیں وہاں آخرت میں کفار کے لیے ایک دن ہزار سال کا ہوگا لیکن اہلِ ایمان پر خصوصی فضل ہوگا کہ ان کے لیے تخفیف ہوگی۔ واللہ اعلم

تفسیر صوفیانہ ہر مجرم کی سزا کی کمیت و کیفیت گناہوں کے حجابات کی کمیت و کیفیت کے مطابق ہوگی۔ چنانچہ کانما اغشیت وجوههم قطعا من الیل مظلما سے معلوم ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں حجاب والوں کی توجہات سفلیات کی طرف تھیں۔ سفلیات سے حیوانیہ، سبعیہ اور شیطانیہ صفات مراد ہیں۔ جس قدر ان طبائع میں کمی بیشی ہوگی اسی قدر بندے کو حجاب از دیدارِ حق رہے گا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں اپنے فضل و کرم سے ان لوگوں سے بنائے جو مذکورہ بالا خسیس طبائع اور رعونت بشریت سے نکل کر عالمِ اعلیٰ و بالا سے جا ملتے ہیں۔ یاد رکھیے کہ جن لوگوں کے جواہر صاف و شفاف اور باطن پاک صاف ہوتے ہیں انہیں ہی عالمِ بالا تک پہنچنا نصیب ہوتا ہے لیکن جن بدبختوں کے جواہر ردی اور باطن خراب ہو گئے وہ اس مرتبہ کو نہیں پا سکتے۔

عالمِ بالا تک پہنچنے کا صوفیانہ علاج نفس کو مجاہدہ کی آگ میں ڈال کر اس سے خوب ریاضت کرائی جائے اس لیے کہ اولیاء کاملین و عارفین نے اس جلیل القدر مرتبے کو نفس پروری اور جسم کی آراستگی سے نہیں حاصل کیا بلکہ انھیں یہ مرتبہ تب نصیب ہوا جب انہوں نے نفس کی خواہشات کو مار مٹایا۔

خلاصہ یہ کہ نفس کی تمام رعونت اور سرکشی دب جاتی ہے تب عالمِ بالا تک پہنچنا نصیب ہوتا ہے۔

حکایت حضرت سہیل تستری قدس سرہ سے پوچھا گیا آپ کی غذا کیا ہے؟
آپ نے فرمایا، حی وقیوم الذی لا یموت کا ذکر۔
سائل نے عرض کیا، یہ تو روحانی غذا ہے، میں نے جسمانی غذا کا سوال کیا ہے۔
آپ نے فرمایا: دع الدار الی بانیھا گھر جانے بنانے والا جانے ہمیں اس کی فکر کا ہے کی۔ ان شاء عمرھا وان شاء خربھا۔ چاہے اسے آباد کرے چاہے اسے ویران کرے ہمیں اس سے کیا غرض۔ یعنی ہم تو ذکر وفکر میں لگے رہتے ہیں جسمانیت کا باقی رکھنا نہ رکھنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔

سبق: بہت بڑا بدبخت ہے وہ انسان جو اپنے جوہر کو صاف وشفاف نہیں رکھتا بلکہ گناہوں کی میل کچیل سے اسے خراب کر دیتا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے ایسی محرومی سے پناہ مانگتے ہیں۔
مثنوی شریف میں ہے: ؎

این ریاضتہائے درویشاں چراست
کان بلا برتن بقائے جانہاست
مردن تن در ریاضت زندگیست
رنج این تن روح را پایندگی است
پس ریاضت را بجان شو مشتری
چون سپردی تن بخدمت جان بری

ترجمہ: بزرگوں کی یہ ریاضتیں اور نفس پر مصائب ڈھانا صرف روح کی بقا کے لیے ہے ریاضت سے جسم کا نڈھال ہوجانا زندگی ہے اس لیے کہ اس جسم کے دکھ اور رنج سے روح کو پائیداری نصیب ہوتی ہے اسی لیے اسے سالک! تجھے بھی ریاضت کا خریدار بننا چاہیے یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب تم اپنے جسم کو جان آفرین کے سپرد کر دو۔

تفسیر عالمانہ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ اور ہم انھیں اٹھائیں گے یوم مفعولیت کی وجہ سے منصوب ہے اور اس کا ناصب فعل محذوف ہے در اصل انذرھم یا ذکرھم تھا اور نحشرھم کی ھم ضمیر ہر دو گروہ یعنی الذین عملوا الصالحات والذین کسبوا السیئات کی طرف راجع ہے جیسا کہ "جمیعاً" سے معلوم ہوتا ہے اور جمیعاً اسی ضمیر ھُم سے حال ہے یعنی یاد کیجئے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! قیامت کے دن کو کہ ہم ان ہر دو گروہوں یعنی کفار اور اہلِ اسلام تمام کو جمع کریں گے کہ کوئی ایک بھی وہاں کی حاضری سے نہیں بچ سکے گا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا پھر ہم مشرکوں سے کہیں گے یعنی اس بہت بڑے اجتماع میں ہم صرف مشرکین سے

کہیں گے مَکَانَکُمْ یہ مفعول فیہ ہے اس فعل کا جس کا یہی ظرف نائب ہے اور اسم فعل نہیں جیسا کہ بعض کا خیال ہے اور اس کی حرکت یعنی فتحہ بنائی یعنی بوجہ مبنی ہونے کے ہے یہی امام فارسی نحوی کی رائے ہے دراصل الزموا مکانکم تھا یعنی اے مشرکو! یہیں ٹھہرے رہو پھر دیکھو تمہارے ساتھ کیا ہوتا ہے۔ اَنْتُمْ یہ اس ضمیر کی تاکید ہے جو مکانکم کو الزموا کی نیابت میں ملی ہے وَشُرَکَاؤُکُمْ اور تمہارے اپنے طور بنائے ہوئے خدا تعالیٰ کے شریک، اس کا انتم پر عطف ہے فَزَیَّلْنَا ہم نے جدائی ڈال دی، یہ زلت الشیئ عن مکانہ وازیلہ ای ازلتہ یعنی میں نے اسے اپنی جگہ سے ہٹایا اور کیا اس کا تفعیل یہ ہونا محض تکثیر اور مبالغہ کے لیے ہے تعدیہ کے لیے نہیں اس لیے کہ اس باب کا ثلاثی مجرد خود متعدی ہے۔

سوال: بتوں اور ان کے پجاریوں کو تو قیامت میں ایک دوسرے سے جدا کیا جائے گا لیکن اسے ماضی سے تعبیر کیا گیا یہ کیوں؟

جواب: علم معانی کا قاعدہ ہے کہ جس فعل کے وقوع کا تحقق یقینی ہو اسے فعل مضارع کے بجائے ماضی سے تعبیر کیا جاتا ہے یہاں بھی وہی قاعدہ جاری کیا گیا ہے۔ چونکہ حکم باری تعالیٰ یقیناً ہوگا بنا بریں اسے فعل ماضی سے تعبیر کیا گیا ہے نیز نحشر و نقول سابقاً مضارع کے صیغے اسی قاعدہ کا قرینہ موجود ہے اور زیّلنا بمعنے فرقنا ہے۔

بَیْنَهُمْ ان مشرکوں اور ان کے ان معبودان باطلہ کے درمیان کہ جن کی دنیا میں پرستش کرتے تھے یعنی ہم ان کے اور ان کے معبودانِ باطلہ کے وہ تعلقات و پیار مٹا دیں گے جو دنیا میں ان کے مابین قائم تھا اس سے ان کے دنیا میں کیے ہوئے تمام اعمال اکارت جائیں گے اور ان کی جملہ تمنائیں خاک میں مل جائیں گی اور اب کلی طور مایوس و ناامید ہو جائیں گے بتوں سے دنیا میں جتنی امیدیں وابستہ رکھتے تھے وہ یکسر منقطع ہو جائیں گی۔

سوال: یہی ناامیدی وغیرہ تو انھیں موت کے وقت معلوم ہو چکی تھی لیکن یاس وغیرہ کا بیان اب قیامت میں بعید از مناسبت ہے۔

جواب: چونکہ اب مشاہدہ و معائنہ کر کے درجۂ یقین کو پہنچ چکے ہوں گے موت کے وقت انھیں معاینہ و مشاہدہ نہیں ہوا تھا صرف قرائن و شواہد سے محسوس کرتے رہے بنا بریں اسے یہاں بیان کیا گیا۔

وَقَالَ شُرَکَاؤُهُمْ اور ان کے خود ساختہ خدا کے شریک کہیں گے۔ ان سے حضرت عیسٰی و حضرت عزیر اور ملائکہ کرام علیٰ نبیّنا وعلیہم السلام مراد ہیں۔ اس لیے کہ مقولہ ذوالعقول سے سرزد ہو سکتا ہے یا ان سے ان کے معبودانِ باطلہ مراد ہیں کہ اس وقت اللہ تعالیٰ انھیں بولنے کی قدرت عطا فرمائے گا جب وہ ہر شے میں بولنے کی قدرت رکھتا ہے تو یہ بھی اسی کی قدرت ہے کہ قیامت میں بت بول اٹھیں گے مَا کُنْتُمْ اِیَّانَا تَعْبُدُوْنَ[1] تم ہماری

[1] بڑا ہی بد بخت ہو متعصب کاکہ وہابی، دیوبندی، مودودی، نجدی بالخصوص غلام خانی اور نیچری فرقے ان آیات کو انبیاء بالخصوص اولیاء کرام پر چسپاں کرتے ہیں۔

پرستش نہیں کرتے تھے۔ بُتوں کی برأت کا اظہار ہے کہ قیامت میں وُہ اپنے پجاریوں سے کہیں گے کہ ہم نے تمہیں عبادت کا نہیں کہا تھا تم نے اپنی خواہشات کے حکم اور شیطان کے بہکانے سے ہماری پرستش کی تھی۔

ف: ماکنتم ایانا تعبدون اظہار برأت سے مجاز ہے یعنی جملہ مذکورہ اپنے اصلی معنے پر نہیں بلکہ مجازی معنے میں ہے یعنی اظہار برأت کے لیے۔

ف: کفار و مشرکین نے درحقیقت اپنی خواہشات کی پرستش کی جبکہ خواہش نفسانی نے انھیں بتوں کی عبادت پر اُبھارا ادھر شیطان کو بھی بہکانے کا موقعہ مل گیا۔ اس معنے پر بتوں کا جواب اپنے حقیقی معنے پر ہوگا اس لیے کہ مشرکین نے اگرچہ بظاہر بُتوں کی لیکن درحقیقت وُہ اپنی خواہشات فاسدہ کے پجاری تھے فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاۢ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ پس ہمارے اور تمہارے مابین اللہ شاہد کافی ہے اس لیے کہ حقیقتِ حال کُنہہ کو وہی جانتا ہے اِنْ مخففہ من المثقلہ ہے اور لغافلین کی لام فرق بتانے کے لیے ہے کہ یہ اِن مخففہ ہے کہ شرطیہ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ ہم تمہاری پرستش سے لَغٰفِلِيْنَ۝ البتہ غافل تھے یعنی ہم تمہاری پرستش سے راضی نہیں تھے۔

سوال: تم نے غفلت کا معنیٰ عدم رضا کہاں سے نکالا؟

جواب: چونکہ مشرکین ملائکہ کی پرستش بھی کرتے تھے اور فرشتوں کو اُن کی عبادت کا علم تو تھا لیکن ان کی اس عبادت سے راضی نہیں تھے اسی لیے مجازاً غفلت بمعنے عدم رضا کیا گیا ہے۔

ازالۂ توہم بعض لوگوں نے یہاں پر شرکاء سے شیاطین مراد لیے ہیں ان کی یہ مراد یقیناً غلط اور سراسر غلط ہے اس لیے کہ شیاطین بُت کے پجاریوں کی اس پرستش پر تو بہت خوش تھے بلکہ اس پر اُبھارنے والے وہی شیاطین تھے اگرچہ انھیں اس پر مجبور نہیں کرتے تھے۔ (کذا فی الارشاد)

ف: مذکورہ بالا مجازی معنےٰ اس وقت ہوگا جب شرکاء سے ملائکہ وغیرہ مراد ہوں اس لیے کہ وہ ذوی العقول ہیں اور ذوالعقول سے لاشعوری کیسی۔ ہاں اگر شرکاء سے ان کے پتھروں وغیرہ کے بُت مراد ہوں تو غفلت اپنے معنے پر درست ہوگا اس لیے کہ وہ جماد محض تھے اور انھیں لاشعوری لازم۔

هُنَالِكَ یہ ظرف مکان ہے یعنی اس مدہوش کن مقام پر یا ظرف زمان ہے یعنی اس گھبراہٹ کے وقت۔

سوال: لغت میں ھنالك کا لفظ ظرف مکان کے لیے ہے تم نے ظرف زمان کا احتمال کس قاعدے سے بیان کیا۔

جواب: بطور استعارہ ظرف مکان کو ظرف زمان میں استعمال کیا جاتا ہے۔

تَبْلُوْا بلوی و اختبار بمعنے آزمائش سے مشتق ہے یعنی اس وقت آزمائش میں ہوگا اور مزہ چکھے گا كُلُّ نَفْسٍ ہر نفس مومن ہو یا کافر، سعید ہو یا شقی مَّآ اَسْلَفَتْ ان اعمال کا جن کا دُنیا میں اُنہوں نے ارتکاب کیا اس وقت اپنے

اعمال کے نفع ونقصان کا معاینہ کریں گے۔
سوال: ہر عمل کی سزا وجزا کا نتیجہ موت اور برزخ (قبر) میں معلوم ہوجاتا ہے چنانچہ اہلسنّت کا مذہب ہے کہ قبر میں عذاب ثواب ملتا ہے۔
جواب: موت اور قبر میں جزا وسزا اجمالی طور رہوں گے ان کی تفصیل قیامت میں درپیش ہوگی اسی لیے یہاں تفصیلی حالات کو پیشِ نظر فرمایا گیا ہے وَرُدُّوْٓا اس کی ضمیر ھم للذین اشرکوا کی طرف راجع ہے اس کا عطف نریلنا اور اس کے معطوف پر ہے۔

ھنالك تبلوا الخ جملہ معترضہ ہے جو اپنے مضمون کے درمیان واقع ہُوا ہے۔
اِلَى اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی طرف یعنی جزا وسزا کے لیے لوٹائے جائیں گے۔ ہم نے جزا وسزا کا معنیٰ اس لیے کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے کا معنیٰ ناممکن ہے اس لیے کہ لوٹنے کے لیے مکان وجہت ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ جہت ومکان سے پاک اور منزہ ہے مَوْلٰىهُمُ ان کا مولیٰ یعنی رب تعالیٰ الْحَقِّ حق ہے یعنی اس کی ربوبیت متحقق صادق ہے نہ اُن کے معبودانِ باطلہ جنہیں انہوں نے اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں بنا رکھا ہے۔
سوال: اس آیت میں کفار کے لیے مولیٰ کا اثبات ہے حالانکہ دُوسرے مقام پہ فرمایا:

ان الکافرین لا مولیٰ لھم۔
بیشک کافروں کا کوئی مولیٰ نہیں۔

جواب[1]: شیخ نے فرمایا کہ اوّل آیت میں مولیٰ بمعنے مالک ہے یعنی وُہ ذات جو اُن کے جملہ امور کا مالک حقیقی اور ان کی تمام مشکلات کا وہی مشکلکشا ہے اگرچہ وُہ اقرار نہیں کرتے تو اُن کی اپنی بدقسمتی ہے اور دوسری آیت میں مولیٰ بمعنے ناصر و حامی اور مددگار ہے وَضَلَّ عَنْهُمْ اور ان سے ضائع ہوجائے گا یعنی ان کا ضائع ہونا ظاہر ہوجائے گا اور ان کی گمراہی واضح اور کھل کر سامنے آجائیگی اس سے معلوم ہُوا کہ یہاں وہ معنیٰ نہیں جو ظاہر آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس سے پہلے گمراہ نہیں تھے اب گمراہ ہُوئے یا ضل عنھم کا معنےٰ یہ ہے کہ ان کے پختہ عقیدہ میں مل گیا مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ۝ وہ جو اپنی طرف سے من گھڑت عقیدے ظاہر کرتے تھے کہ ان کے معبودانِ باطلہ قیامت میں ان کی سفارش کریں گے یا جن کی وہ پرستش کرتے ہیں وُہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں۔

---

[1] اس سے شیعہ کے اس سوال کا جواب بھی دیا جاسکتا ہے من کنت مولاہ فعلی مولاہ جیسے ان دو آیتوں میں مولیٰ مختلف معنوں میں آیا ہے حدیث مذکور میں مولیٰ بمعنے صرف آقا نہیں بلکہ اس کے اور معانی بھی ہیں یہاں بمعنے محبوب ہے تفصیل فقیر کی کتاب "آئینہ شیعہ مذہب" میں دیکھئے۔

سبق : قیامت میں جب ہر شئے کی حقیقت کھلے گی تو اہلِ ایمان کے اکثر اعمال بیکار اور قابلِ قبول نہ ہونے کی وجہ سے لاشئ ہوں گے۔ جب اہلِ ایمان کا یہ حال ہے تو پھر مشرکین اور گنہگاروں کے کردار کا کیا حال ہوگا۔

حکایت حضرت جنید قدس سرہٗ کو کسی نے بعد از وصال خواب میں دیکھ کر عرض کی کہ آپ سے کیا معاملہ ہوا! آپ نے جواب دیا: ہمارے تمام کردار کافور اور تمام اذکار بیکار، تمام عبادات رائیگاں اور تمام علوم و فنون غیر معتمد بنائے گئے۔ صرف وہ چند رکعتیں کام آئیں جو بوقتِ سحر اُٹھ کر پڑھی گئیں۔ ؎

ہر گنج سعادت کہ خدا داد حافظ

از یمن دعائے شب و ورد سحری بود

مسئلہ صوفیانہ : نفس صرف خواہش کا پجاری ہے اور اس کی توجہ کا کعبہ قبلہ ماسوی اللہ ہے۔

لطیفہ : بعض بزرگوں کا فرمان ہے کہ پہاڑ کا ناخن سے کریدنا آسان ہے لیکن خواہشِ نفسانی کو تابع کرنا سخت تر ہے جبکہ وہ غلبہ پا جاتے اور کسی شیخ کامل کی صحبت اور نگاہِ کرم نہ ہو۔

لطیفہ : جیسے اللہ تعالیٰ عمل کی شرکت غیرے نفس ہو یا کوئی اور، پسند نہیں کرتا تو قلب کی محبت میں شرکت غیرے کو کیسے گوارا فرما سکتا ہے خواہ وہ محبت شہوت سے متعلق ہو یا کسی اور شئے سے۔

حکایت حضرت محمد بن حسان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں جبل لبنان پر جا رہا تھا کہ اچانک میری نگاہ ایسے نوجوان پر پڑی جس کے جسم کو گرم ہوائیں اور دھوپ کی گرمی جلا چکی تھی اس نے مجھے دیکھ کر روپوش ہونے کی کوشش کی میں نے اس سے کہا مجھے کوئی نصیحت فرمایئے۔ اس نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا، وہ بہت بڑا غیور ہے اپنے بندے کے دل میں اپنی محبت کے ساتھ کسی دوسری شئے کی محبت کو گوارا نہیں کرتا۔

سبق : اللہ تعالےٰ کے ہاں بہت تھوڑے بندے پذیرائی پا سکتے ہیں اس لیے کہ اکثر عمل ریاء کی وجہ سے بیکار جاتے ہیں اور احوال میں صرف کھوکھلے دعوے ہوتے ہیں اور بس۔ پھر جب ریاء کے اعمال اور احوال کا ازالہ ہوتا ہے تو ایسے لوگ سخت شرمسار ہوتے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

چوں بباطن بنگری دعویٰ کجا است

او و دعویٰ پیش آں سلطان فنا ست

ترجمہ : اندر جھانک کے دیکھ یہ دعوے کیسے۔ عاشق اور اس کا دعویٰ بادشہ حقیقی کے سامنے فانی ہیں۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

مدیث مدعیان و خیال ہمکاراں

ہماں حکایت زردوز و بوریا بافست

سبق : سالک پر لازم ہے کہ اپنے جمیع اوصاف سے پاک صاف ہو اور اپنے سے تمام میل کچیل دھوڈالے بلکہ ہر چھوٹی بڑی شئے کے تعلقات منقطع کر دے اس لیے کہ ہر مدد اللہ تعالیٰ قادر قوی جل جلالہٗ سے پہنچتی ہے۔ کسی نے خوب فرمایا ہے کہ :

استعانة المخلوق بالمخلوق کاستغاثة المسجون بالمسجون -

مخلوق کا مخلوق سے مدد مانگنا ایسے ہے جیسے ایک قیدی دوسرے قیدی کو اپنی جان رہائی کے لیے استغاثہ کرے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے :

ویوم نحشرھم جمیعا -

یعنی ارواحِ انسانی اور جن اشیاء کی پرستش ہوتی ہے یعنی دُنیا و خواہش نفسانی ان سب کے حقائق کو ہم جمع کرکے ثم نقول للذین اشرکوا مکانکم صرف اہلِ شرک کو کہتے ہیں کہ اے مشرکو! ٹھہرے رہو اسی جگہ پر جسے تم نے اپنے جہل سے اختیار کیا ہے باوجودیکہ قبل ازیں تم بلند و بالا مکان کے مکین تھے انتم وشرکاؤکم تم اور تمہارے شرکاء اسی مکان میں ٹھہرے رہو جو تمہارے شرکاء کے لائق ہے اور وہ مکان نہایت نچلے درجے پر ہے اور تمہیں اسی میں ٹھہرنا پڑے گا اس لیے کہ یہی تمہارے شرکاء کا مکان ہے اور تم ان سے وابستہ ہو فلہذا تمہاری وابستگی پر تمہیں بھی اسی نچلی درجہ کے مکان میں اپنے شرکاء کے ساتھ ٹھہرنا لازمی امر ہے فزیلنا بینھم یعنی ہم مشرکین اور ان کے شرکاء کو مختلف عذاب میں مبتلا کریں گے۔ مشرکین کو عذاب اور درگاہِ حق سے دھتکار اور مفارقت اور جُدائی کے درد اور وصل و وصال کی استعداد کے ابطال وغیرہ میں مبتلا کریں گے اور ان کے شرکاء چونکہ کمال قرب کی قبولیت کی سرے سے استعداد ہی نہیں رکھتے۔ انھیں مذکورہ بالا عذاب اور سزا کا تصور بھی نہیں ہوسکتا فلہذا ان کی سزا یہی ہے کہ انھیں کسی قطار میں بھی نہیں شمار کیا گیا۔ وقال شرکائھم ماکنتم ایانا تعبدون اور ان کے شرکاء کہیں گے کہ تم نے ہماری عبادت کی ہی نہیں بلکہ تم تو صرف اپنی خواہش نفسانی کے پجاری ہو اور حقیقت یہ ہے کہ عالم دُنیا کے تمام معبودان باطلہ میں سے اللہ تعالےٰ کے نزدیک مبغوض ترین یہی خواہش نفسانی ہے۔ اسی لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

ماعبد فی الارض اللہ ابغض علی اللہ من الھویٰ۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک عالم دنیا کے معبودان باطلہ میں سے مبغوض ترین خواہش نفسانی ہے۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ
الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ
فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۖۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ○ كَذٰلِكَ حَقَّتْ
كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا
الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ○ قُلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ
مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ
اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۟ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ○ وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا
ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ○ وَمَا كَانَ هٰذَا
الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ
الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ
وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا
بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الظّٰلِمِيْنَ ○ وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ○

ترجمہ: فرمایئے تمہیں زمین و آسمان سے کون روزی دیتا ہے یا کانوں اور آنکھوں کا کون مالک ہے اور زندہ کو مُردے سے کون نکالتا ہے اور نکالتا ہے مُردے کو زندہ سے اور تمام امور کی تدبیر کون کرتا ہے تو کہیں گے اللہ سو آپ فرما دیں تو پھر تم اللہ سے کیوں نہیں ڈرتے تو یہ اللہ ہے تمہارا رب سچا ہے پھر حق کے بعد نہیں مگر گمراہی پھر کہاں پھرے جا رہے ہو اسی طرح تیرے رب کی بات فاسقوں پر ثابت ہو چکی ہے کہ وہ یقیناً ایمان نہیں لائیں گے فرمایئے کیا تمہارے شریکوں میں کوئی ہے جو پہلے پیدائش کرے پھر فنا کے بعد دوبارہ پیدا کرے آپ فرمایئے اللہ پہلے پیدائش کرتا ہے پھر فنا کے بعد دوبارہ پیدا فرمائے گا تو کہاں اوندھے جاتے ہو آپ فرمایئے کہ کیا تمہارے شریکوں میں کوئی ہے جو حق کا راستہ دکھائے آپ فرمایئے اللہ حق کا راستہ دکھاتا ہے تو کیا جو حق کا راستہ دکھائے وہی اس لائق ہے کہ اس کی اتباع کی جائے یا وہ خود ہی کوئی راہ نہ پائے۔ جب تک اسے راہ نہ دکھایا جائے تو تمہیں کیا ہو گیا ہے کیسے فیصلے کر رہے ہو اور ان کے اکثر صرف گمان کی ہی اتباع کرتے ہیں بیشک گمان حق کو کوئی فائدہ نہیں دیتا بیشک اللہ ان کے تمام کردار کو جانتا ہے اور قرآن کی یہ شان نہیں کہ اسے اللہ کے اتارے بغیر اپنی طرف سے گھڑ لیا جاتے ہاں یہ ان کتابوں کی تصدیق

کرنے والا ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئیں اور جو کچھ لوح (محفوظ) میں لکھا ہے یہ اس کی تفصیل کرنے والا ہے
اس میں ذرّہ برابر بھی شک نہیں۔ یہ پروردگارِ عالم کی طرف سے اُترا ہے کیا کافر کہتے ہیں کہ اسے نبی علیہ السلام نے
خود بنایا ہے آپ فرماتیے کہ تم اس جیسی صرف ایک سورت لاؤ اور اللہ کے سوا جسے تم بلا سکتے ہو بُلا لو اگر تم سچے ہو
بلکہ انہوں نے اس کی تکذیب کی جس کے علم پر انھیں احاطہ نہیں اور ابھی ان کے اس کا انجام نہیں آیا۔ اسی
طرح ان سے پہلے کافروں نے بھی تکذیب کی سو دیکھیے ظالموں کا کیسا بُرا انجام ہوا اور اُن کے بعض ایسے ہیں
جو اس پر ایمان لاتے ہیں اور ان کے بعض ایسے ہیں جو اس پر ایمان نہیں لاتے اور آپ کا رب مفسدوں کو
خُوب جانتا ہے۔

(بقیہ تفسیر صفحہ ۲۷۵)

اللہ تعالیٰ نے اس کی یُوں مذمت فرمائی ہے؛

افرأیت من اتخذ الٰہہ ھواہ۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ جس نے اپنی نفسانی خواہش کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔

فکفٰی باللہ شہیداً بیننا و بینکم تمہارے اور ہمارے مابین صرف اللہ گواہ ہے ان کنا عن عبادتکم لغٰفلین۔
بیشک ہم تمہارے ذوقِ عبادت سے بےخبر تھے اس لیے کہ ایسے حظ اور ذوق صرف خواہش نفسانی سے متعلق ہیں اور
لذات وشہوات وتمتعات دنیوی واخروی ہماری عبادت میں پُورے کرتے پر ہمیں لاشعوری ہے ہاں عبادتِ الٰہی
تمہارے لیے مفید ہو سکتی ہے جبکہ اس میں تم اسے نیک نیتی سے صرف رضائے الٰہی کے تحت کرو تاکہ اس سے
مدد و توفیق اور اجر و ثواب نصیب ہو۔ ھنالك تبلوا کل نفس ما اسلفت اسی حال میں ہر نفس کی ان تعلقات سے آزمائش
ہوگی جن سے وہ وابستہ ہو چکا وردوا الی اللہ حکم اور قرب و بُعد اور لذت و الم سب اللہ تعالیٰ کے ہیں مولٰہم الحق،
ان امور میں ان کا مولیٰ اور متولی وہی ہے کہ کسی کو ذوق لذت سے نوازے اور کسی کو بعد و فراق کے درد میں رکھے صرف
وہی مالک ہے شرکاء کو ان امور سے کسی قسم کا تعلق نہیں وضل عنہم ما کانوا یفترون تم جس خیال میں تھے کہ تمہارے
معبودانِ باطلہ تمہاری سفارش کریں گے اس وقت یہ تمام خیالات کافور ہو جائیں گے۔

(آغاز تفسیر آیات صفحہ ۲۷۶)

تفسیر عالمانہ قُلْ اے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم! مشرکین کو حقیقتِ توحید و بطلان شرک پر حجت قائم
کرکے فرماتیے کہ مَنْ یَّرْزُقُکُمْ تمہیں رزق کون دیتا ہے مِّنَ السَّمَآءِ آسمان سے

بارش نازل کرکے وَالْاَرْضِ اور زمین سے کھیتیاں اُگا کر۔ اَمَّنْ منقطعہ ہے اس لیے کہ اس سے قبل نہ تو ہمزہ استفہام واقع ہوا ہے نہ ہی ہمزہ تسویہ کا، اور یہاں پر صرف لفظ بَلْ محذوف ہوگا نہ ہمزہ اسی طرح آنے والے دوسرے مقام پر بھی ہمزہ محذوف نہیں ہوگا بلکہ بَلْ محذوف ہوگا اس لیے کہ مَنْ استفہامیہ صراحۃً واقع ہوا ہے اسی لیے اب ہمزہ استفہامیہ کو مقدر ماننے کی ضرورت نہیں اور بل اضرابیہ ہے یعنی ایک استفہام سے دوسرے استفہام کی طرف منتقل ہونے کے لیے ہے یہ اضراب ابطالیہ نہیں اس لیے کہ قرآن مجید میں بل ابطالیہ کہیں نہیں ہے کیا ہے کوئی۔ یَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ جو کانوں اور آنکھوں کی ملکیت رکھتا ہو یعنی کسی کو ان کی تخلیق اور انھیں فطرۃ عجیبہ کے مطابق جوڑنے کی طاقت نہیں یا یہ معنٰی ہے کہ ان کی آفات سے کوئی حفاظت کرسکتا ہے باوجود آفات کثیر الوقوع ہیں اور ان میں معمولی سی تکلیف پہنچے تو فوراً خراب ہوجاتی ہیں لیکن بایں ہمہ ہر آفت و بلا سے محفوظ و مامون ہیں۔

ف: سیدنا علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ بکثرت فرمایا کرتے:

سبحان من ابصر بشحم و اسمع بعظم و انطق بلحم۔

پاک ہے وہ ذات جس نے چربی میں دیکھنے کی اور ہڈیوں میں سننے کی اور گوشت میں بولنے کی طاقت پیدا فرمائی۔

نکتہ: چونکہ انسان کو دیکھنے اور سننے کی زیادہ اور بولنے کی کم ضرورت پڑتی ہے اس لیے کان اور آنکھ دو دو اور زبان ایک پیدا فرمائی۔

وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ اور کون ہے جو زندے کو مُردے سے اور مُردے کو زندے سے پیدا فرماتا ہے یعنی حیوان کو نطفے سے اور نطفے کو حیوان سے، اسی طرح پرندے کو انڈے سے اور انڈے کو پرندے سے پیدا فرماتا ہے۔ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ اور تمہارے جملہ امور عالم علوی ہوں یا سفلی روحانی ہوں یا جسمانی کی کون تدبیر بناتا ہے فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ تو بلا تاخیر کہیں گے جملہ امور مذکورہ بالا کا خالق و فاعل صرف اللہ تعالٰے ہے اور کوئی نہیں جبکہ نہایت واضح امر ہے کہ ہر شے کا خالق و صانع اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور نہ ہے نہ ہوسکتا ہے فَقُلْ پس اب انھیں واضح طور پر فرمایئے اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ تم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کیوں نہیں ڈرتے کہ اس کے ساتھ بتوں کو شریک بنا رہے ہو فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ پس یہی اللہ تعالیٰ ہے کہ جس کی ربوبیت ثابت ہے نہ کہ تمہارے معبودوں کی۔

ترکیب: ذٰلکم مبتداء اور لفظ اللہ اس کی صفت اور رَبُّكُمُ الْحَقُّ اس کی خبر ہے یہ بھی جائز ہے کہ ذٰلکم مبتدا اور لفظ اللہ اس کی خبر اور ربکم الحق لفظ اللہ سے بدل ہے۔

سوال: ذٰلکم کا اشارہ محسوس و مشاہد کے لیے ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالٰے کے لیے محال ہے تو پھر اسم اشارہ

کیوں ؟

جواب : مجازاً معبود فی الذہن کو محسوس مشاہد قرار دے کر اشارہ کیا گیا ہے۔

فَمَاذَا ممکن ہے کہ یہ دونوں ایک اسم ہوں اسم اشارہ پر استفہام کا معنٰے غلبہ پایا گیا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ذا اسم موصول بمعنی الذی ہو، یعنی کیا ہے بَعْدَ الْحَقِّ حق کے سوا، استعارۃً بعد بمعنے غیر ہے یعنی توحید و عبادتِ الٰہی کے سوا اور کوئی شے حق نہیں اِلَّا الضَّلٰلُ گمراہی کے سوا اور اسے کوئی بھی نہیں چاہتا اور وہ بتوں کی پرستش ہے۔

سوال : بُت پرستی کو ضلال سے کیوں تعبیر کیا گیا جبکہ بت پرستی اعمال جوارح سے ہے اور ضلال کو اعمالِ جوارح سے کیا تعلق ؟

جواب : بُت پرستی اعمال جوارح سے ہے لیکن ان کا اصل منشا گندہ عقیدہ ہے اسی اصل منشاء کی وجہ سے بُت پرستی کو ضلال سے تعبیر کیا گیا ہے۔

فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝ یہ استفہام انکاری ہے اور اس سے وقوع کا انکار و استبعاد اور تعجب مطلوب ہے یعنی اے کافرو! تم توحید اور عبادتِ حق کو چھوڑ کر شرک اور عبادتِ اصنام میں مبتلا کیوں ہوتے ہو حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ شرک اور عبادت اصنام سراسر گمراہی اور جادۂ حق سے کوسوں دُور ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی
لیکن رہ تو میروی بترکستان است

ترجمہ : اے اعرابی مجھے خطرہ ہے کہ تم کعبہ معظمہ تک نہیں پہنچ سکو گے اس لیے کہ جس راہ پر تم چل رہے ہو یہ بجائے کعبہ معظمہ کے ترکستان کو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کی گمراہی کا اظہار اپنے محبوب نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ اقدس سے فرمایا ہے :

حقیقی حق و صواب دکھانے والا اور اہلِ تصدیق اور شک والوں کا فرق بتانے والا وہی ہے۔

حضرت صائب نے فرمایا : ؎

واقف نمی شوند کہ گم کردہ اندر راہ را
تا رہروان برھنمائی نمی رسند

ترجمہ : جو لوگ گم کردہ راہ ہیں وہ کبھی رہروانِ حقیقت تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے۔

کَذٰلِکَ کاف محلاً منصوب ہے ما بکم الحق کے حق مصدر محذوف کی صفت ہے۔ دراصل عبارت یوں ہے:
کما حقت الربوبیۃ للہ تعالیٰ۔ جیسے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت متحقق ہے۔
اسی طرح حَقَّتْ کَلِمَتُ رَبِّکَ تمہارے رب تعالیٰ کا کلمہ یعنی حکم اور قضا حق ہے۔ عذاب الٰہی ثابت اور متحقق ہوچکا ہے
عَلَی الَّذِیْنَ فَسَقُوْٓا ان لوگوں پر جو فاسق ہیں یعنی جو کفر پر ڈٹے ہوئے ہیں کہ اب ان کی اصلاح ناممکن ہوگئی ہے۔
اَنَّھُمْ دراصل لانھم تھا اس لیے کہ یہاں کلمہ کی حقیقت بیان کرنا مطلوب ہے یعنی ان کے لیے عذاب الٰہی اس لیے
متحقق ہوگیا کہ وہ لَا یُؤْمِنُوْنَ ○ ایمان لانے والے نہیں۔ نتیجہ نکلا کہ انہیں عذاب الٰہی کی طرف کھینچ کے لے جانے والا
ان کا اپنا کفر ہے اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ نتیجے کا دارومدار مقدمات اور اسباب پر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو سے گندم
اور کیکر سے میوہ نہیں اُگتا۔ قُلْ ھَلْ مِنْ شُرَکَآئِکُمْ مَّنْ یَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ۔ البداء بمعنے ابتداء
کرنا یعنی اللہ تعالیٰ مخلوق کی ابتداءً تخلیق کرنا ہے پھر مرنے کے بعد انہیں اٹھائے گا کفار چونکہ تخلیق کے تو قائل تھے
لیکن موت کے بعد اُٹھنے کے قائل نہیں تھے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا کہ
کفار سے فرمایئے تمہارے معبودوں میں کوئی ہے جو مخلوق کی ابتدائی تخلیق کرکے پھر انہیں مرنے کے بعد اٹھائے، پھر
فرمایا کہ انہیں کھلے الفاظ میں فرما دیں کہ قُلِ اللّٰہُ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ اللہ تعالیٰ مخلوق کی ابتداءً تخلیق کرتا ہے
پھر وہی انہیں مرنے کے بعد اٹھائے گا۔ خلاصہ یہ کہ یہ دونوں کام سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں کرسکتا فَاَنّٰی
تُؤْفَکُوْنَ ○ یہ استفہام انکاری ہے یعنی یہ بات واضح اور متحقق ہے کہ مذکورہ بالا دونوں کام صرف اللہ تعالیٰ کرسکتا ہے
تو پھر بتاؤ اے کافرو! تم کس راہ پر چل رہے ہو کہ سیدھے راستہ کو چھوڑ کر گمراہی پہ گامزن ہورہے ہو قُلْ ھَلْ مِنْ
شُرَکَآئِکُمْ مَّنْ یَّھْدِیْٓ اِلَی الْحَقِّ ط اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! کافروں سے فرمایئے کہ تمہارے معبودوں
میں کوئی ہے جو غیر کو حق کی رہبری کرے۔ اگرچہ معمولی سی رہبری بھی اس لیے کہ عبودیت کے مراتب میں ادنیٰ مرتبہ
یہی ہے کہ معبود اپنے بندوں کو ایسے امر کی رہبری فرمائے جس سے ان کی عاقبت سنور جائے۔

قواعد لفظ ھُدٰی ھدی جب لفظ الیٰ سے مستعمل ہو تو اس وقت معنیٰ یہ ہوتا ہے کہ الیٰ کا ماقبل اس کے مابعد تک ختم ہوگیا اگر لام تعلیلیہ سے مستعمل ہو تو معنیٰ یہ ہوتا ہے کہ ہدایت لام کے مدخول پر
اس لیے متوجہ ہوئی ہے کہ ہدایت اس کے مدخول کو پہنچے اور مدخول کا ہدایت پر ترتب ہو جیسے علت و معلول کی شان ہے۔
ف: اس آیت میں ہدایت کے تعدی کے دونوں الفاظ یعنی الیٰ اور لام کو استعمال کیا گیا ہے۔
قُلِ اللّٰہُ یَھْدِیْ لِلْحَقِّ ط فرمایئے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے
راہِ حق دکھاتا ہے اس کے غیر میں اس کا کوئی اختیار نہیں (ہاں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام اور قرآن
وغیرہم اسباب و وسائل ہیں وہ بھی اسی کے اختیار میں ہیں۔)

اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے اسباب

۱۔ دلائل واضح کھڑے کرنا۔
۲۔ رسل کرام کو بھیجنا۔
۳۔ کتب نازل فرمانا۔
۴۔ نظر صحیح کی توفیق بخشنا۔
۵۔ تدبر صائب عطا فرمانا

لیکن چونکہ عقول مضطرب اور افکار مختلف ہوتے ہیں اسی لیے حق کی تعیین ہر ایک کا کام نہیں یہ بہت مشکل امر ہے اس سے بہت سے لوگ غلطی کا شکار ہو جاتے ہیں[1] معدودے چند ایسے ہوتے ہیں جنہیں راہِ حق نصیب ہوا اور وہ بھی صرف وہی جن کی عنایت الٰہی اور ارشادِ ایزدی دستگیری فرمائے۔

اَفَمَنْ یَّهْدِیْٓ اِلَى الْحَقِّ بتاؤ اے کافرو! کیا وہ جو حق کی راہ دکھائے اَحَقُّ اَنْ یُّتَّبَعَ اللہ تعالیٰ زیادہ مستحق ہے کہ اسی کی فرماں برداری کی جائے۔ یہاں پر مفضل علیہ یعنی جس پر فضیلت دینا مطلوب ہے محذوف ہے اور من لا یھدی ہے اَمَّنْ لَّا یَهِدِّیْٓ یا وہ جو ہدایت نہیں دیتا لا یھدی بکسر الہا، وتشدید الدال[2] دراصل لا یہتدی تھا۔ تاء کو دال میں مدغم کرکے ہا، کو التقائے ساکنین کی وجہ سے مکسور پڑھا گیا ہے یعنی وہ کسی حال میں بھی کسی کو ہدایت نہیں کرسکتا اِلَّآ اَنْ یُّهْدٰیؕ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انھیں ہدایت نصیب ہو تو پھر وہ اس لائق ہوسکتے ہیں کہ ان کے لیے کہا جاسکتا ہے کہ وہ ہدایت والے ہیں۔

سوال: کفار کے بت تو جماد محض تھے ان سے قبولیت ہدایت کا کیا معنیٰ۔ علاوہ ازیں من ذوالعقول کے لیے ہوتا ہے اور بت غیر ذوی العقول ہیں پھر ان پر لفظ من کیوں؟

جواب: یہ کفار کے ان معبودوں کے لیے ہے جنہیں بزعمِ خویش معبود بنا رکھا تھا جیسے حضرت عیسٰے وعزیر اور ملائکہ کرام علیہم السلام، وہ اس لیے کہ پہلے بت کے پجاریوں کی تردید فرمائی۔ کما قال:

امن یبدؤا الخلق الخ

اس کے بعد اب ان کا رد فرمایا جو مذکورہ بالا حضرات کو معبود سمجھتے تھے۔ علاوہ ازیں اشراف کی تردید میں رذیل ضمناً مذکور

---

[1] اسی لیے ہم اہلسنت مسائل شرعیہ میں ائمہ کی تقلید اور راہِ سلوک کے لیے سلاسل اربعہ کے مشایخ کا دامن پکڑتے ہیں تاکہ بیڑا پار ہو۔

دریں ورطہ کشتی فرو شد ہزار
کہ پیدا نشد تختہ بر کنار (اویسی غفرلہ)

[2] عام قراتوں میں تشدید الدال نہیں۔

ہو جاتے ہیں۔

ف : تبیان میں ہے کہ بُت نہ نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان بلکہ ہر قسم کی قدرت نہیں رکھتے الا ان یھدی کا معنیٰ تبیان میں بیان کیا مگر یہ کہ ان میں دخول و خروج اور نقلِ مکانی اور ان پر تصرف وغیرہ مثلاً توڑنا جوڑنا وغیرہ ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ معبود برحق کے لیے مذکورہ امور ممتنع ہیں فلہٰذا ثابت ہُوا کہ تمہارے معبود پرستش کے لائق نہیں اگر عبادت کا مستحق ہے تو صرف وہی مطلق برحق۔

سوال : تمہاری مذکورہ بالا تقریر سے ہماری تشفی نہیں ہوئی اس لیے آیت میں مطلق ہے کہ ان معبودوں کو ہدایت دی جائے تو وہ ہدایت کے قابل ہیں اور یہ مشاہدہ کے خلاف ہے۔

جواب : چُونکہ کفار اپنے معبُودوں کے لیے عقل وفہم سمع وبصر و دیگر ان کے جملہ امور ذوی العقول کی طرح مانتے تھے۔ بناء بریں اللہ تعالیٰ نے ان کے عقیدہ کے مطابق ان کا ردّ فرمایا جیسا کہ علم مناظرہ کا قاعدہ ہے کہ خصم کو اس کے مسلّمات سے منوایا جائے۔

فَمَا لَكُمْ پس تمہیں اسے کافرو! کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں جعلی معبود تیار کر کے ان کی پرستش کرتے ہو كَيْفَ تَحْكُمُونَ ○ کیسے عجیب وغریب فیصلے کرتے ہو کہ جس کے بطلان پر عقل کو سوچنے کی ضرورت ہی نہیں اس سے انکے باطل اور غلط فیصلے کرتے ہو کہ جس کے بطلان پر عقل کو سوچنے کی ضرورت ہی نہیں اس سے ان کے باطل اور غلط فیصلے کا انکار کیا گیا ہے کہ انہوں نے محتاج یعنی معبودان باطلہ اور محتاج الیہ یعنی ذاتِ حق کو ایک جیسا سمجھ رکھا تھا ورنہ کہاں قادر اور کہاں عاجز۔ ؎

عجز و قدرت کہ ہمہ دو ضد انند
عقل گویدت کہ یکسانند
عجز بر خلق مے دراند پوست
قادرے بر کمال حضرت اوست

ترجمہ : عجز وقدرت ہر دو ایک دُوسرے کی ضد ہیں اگرچہ کسی دیوانے کی عقل فتویٰ دے کہ وہ برابر ہیں۔
مخلوق اپنی عاجزی سے کبھی چمڑا اتروالیتی ہے اور اللہ تعالیٰ وُہ قادر ہے کہ ہر کمال اسی پر ختم ہے۔

وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ اور جس عقیدے پر وُہ ہیں یعنے ان کا عقیدہ رکھنا کہ بُت معبود ہیں اس میں ان کی اکثر فرمانبرداری نہیں کرتے إِلَّا ظَنًّا ط مگر گمان کی یعنے انھیں کسی قسم کی تحقیق نہیں صرف آباؤ اجداد کی تقلید سے شرک میں مبتلا ہیں اس سے معلوم ہُوا کہ ان کے بعض کو علم تھا کہ واقعی بُت پرستی بری ہے لیکن صرف ضد اور ہٹ دھرمی سے توحید و رسالت کا اقرار نہیں کرتے تھے إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي بیشک گمان کسی کو بے نیاز نہیں کرتا مِنَ الْحَقِّ حق یعنی علم و اعتقاد صحیح سے یعنی گمان و تخمین حق اور اعتقاد و یقین کا بالمقابل نہیں ہوسکتا شَيْئًا ط یہ مفعول مطلق یا مفعول بہ یا من الحق شیئًا سے حال ہے یہاں پر لا یغنی بمعنے لا یتوب ہے۔

ف: بعض نے کہا کہ ان کا یہ خیال کرنا کہ یہ بُت ان کے سفارشی ہیں، عذابِ الٰہی سے نہیں بچا سکتے۔ نتیجہ نکلا کہ معبودانِ باطلہ کو بارگاہِ حق کا سفارشی ماننا باطل محض مبنی برخیال فاسد اور ان کا یہ گمان غلط اور سراسر غلط ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَفْعَلُوْنَ ○ جو کچھ وہ کرتے ہیں اُنھیں اللہ تعالیٰ جانتا ہے ان کے اتباع ظن اور بُرہان سے اعراض پر انھیں فرمایا گیا ہے۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہُوا کہ عقاید واصول کا جاننا واجب ہے۔ عقاید میں کسی دُوسرے کی تقلید پر اکتفا نہ کیا جائے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

وہم افتد در خطاء و در غلط
عقل باشد در اصابتہا فقط
کشتی بے لنگر آید مرد شر
کہ ز باد کژ نیابد او حذر
لنگر عقلست عاقل را اماں
لنگرے دریوزہ کن از عاقلاں

ترجمہ: وہم خطاء وغلطی میں پڑجاتا ہے لیکن عقل ہمیشہ صوابدید سے کام کرتا ہے لنگر کے بغیر کشتی شریر لوگ چلاتے ہیں انھیں مخالف ہوا کا خیال تک نہیں ہوتا عقل کا لنگر عاقل کے لیے امان ہے عقلمندوں سے عقل کا سوال ضروری ہے۔

ف: فما لکم کیف تحکمون میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ کفار حد درجہ کے محروم القسمۃ ہیں اس لیے کہ جسے عقل کامل حاصل ہے وہ باطل وجہل کی ہرگز اتباع نہیں کرتا بلکہ اسے حق وعلم کی اتباع سے چین آتا ہے ان کا آباء کی تقلید میں شرک کا مرتکب ہونا بھی کوئی حجت اور قوی دلیل نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو عقل اس لیے بخشی ہے کہ رہِ حق وباطل کا امتیاز کریں اسی لیے لازم ہے کہ اتباع صرف ہدایت حق کی ہو اور بس۔ مشرکین اسی لیے جادۂ حق اور طریقۂ شریعت سے بہکے کہ وہ آباء کی تقلید میں پھنس گئے عقل سلیم سے کام نہ لیا اسی طرح سالکان خام کار بھی جب غفلت میں گرفتار ہوں تو راہِ حقیقت سے بھٹک جاتے ہیں۔

ناصح کی نصیحت

بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ انھوں نے اپنے کسی عزیز سے فرمایا کہ میں ایک نصیحت کرتا ہوں اسے وُہ عمل میں لائے گا جسے دولتِ عقل نصیب ہوگی ہاں غافل اور محروم القسمۃ اس پر عمل نہ کرسکے گا وہ یہ کہ علم دینی نہ متکبر سے پڑھو اور نہ بدعتی سے اور نہ ہی (عقاید میں دوسرے کے) مقلد سے، اس لیے کہ تکبر متکبر کو آیات وغیرہ سمجھنے سے روکتا ہے اور بدعتی کو بدعتِ سیئہ بہت بڑی رُوحانی بلاؤں میں پھنساتی ہے اور

تقلید بھی بہت بڑے مقاصد سے مانع ہوتی ہے۔ علم کو نورِ عقل و بُرہان سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

ف : یاد رہے کہ علم کسب بالعقل بمنزلہ ظن و تخمین کے ہے اور حق و یقین کی کوئی حد اور انتہا نہیں۔ یہ اربابِ حقیقت کا مذہب ہے۔

ف : جو شے عقل اور قلب کے ظاہر سے حاصل کی جائے اس کا نام ایمان ہے اور جو قلب کے باطن سے حاصل ہو اسے ایقان کہتے ہیں۔

ف : بعض مشایخ فرماتے ہیں :

جب ایمان کو ظاہر قلب تک تعلق ہو وہ بندہ دنیا اور آخرت دونوں سے محبت کرتا ہے ایسا انسان کبھی اللہ سے واصل کبھی اپنے میں شاغل ہوتا ہے اور جب ایمان قلب کی اندرونی منزل میں جاگزین ہو تو وہ دنیا سے بغض کرتا ہے اور خواہشات نفسانی کو یک لخت چھوڑ دیتا ہے لیکن یہ مرتبہ صرف جذبۂ الٰہی اور مرشد کامل کی صحبت سے نصیب ہوتا ہے۔

؎

منزل بسر منزل عنقا نہ بخود بردم راہ

قطع ایں مرحلہ با مرغِ سلیمان کردم

ترجمہ : میں عنقا کے گھر خود بخود نہیں پہنچا بلکہ مُرغِ سلیمان کی صحبت اختیار کی تو مجھے وہاں کی رسائی نصیب ہوئی۔

صُحبت طالح ترا طالح کند اس منزل کو عبور کرتے وقت ناجنس کی صحبت سے کنارہ کشی لازم ہے اس لیے کہ بہت سے سالکین راہ نے بڑی صحبتوں کی نحوست سے اپنا راہ گم کیا ، اسی طرح خواہشاتِ نفسانی کو بھی ترک کرنا ضروری ہے ورنہ ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ ہماری تقریر مذکور سے حق اور حقیقتِ حال واضح ہو گئی اس کے بعد کوئی نہیں سمجھتا تو اسے گمراہی و ضلالت کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں تا دمِ واپسیں اس راہ کی جدوجہد کی توفیق بخشے۔

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اور نہیں یہ قرآن جو دلائل اعجاز سے بھرپور اور حسن نظم میں بے نظیر معانی دقیقہ و حقائق جامعہ رکھتا ہے۔ اَنْ يُّفْتَرٰى محلاً منصوب کان کی خبر ہے بمعنے افتراءً یعنی یہ قرآن وُہ کلام نہیں کہ اپنی طرف سے بنا کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جائے یعنی افتراء مصدر بمعنے مفعول ہے۔ مبالغہ کے طور مصدر لایا گیا ہے۔

حل لغات : افتراء افتعال فریت الادیم سے لیا گیا ہے لیکن اس کا عام استعمال کذب کے لیے ہے۔

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ یہ کان کی دُوسری خبر ہے اور صادرا" کے متعلق ہے یعنی یہ وُہ کلام ہے کہ اسے اللہ تعالےٰ کے سوا اور کوئی بنا سکتا ہی نہیں وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ لیکن یہ تصدیق ہے اس کی جو اس سے پہلے گزرا ہے یعنی یہ کتب الٰہیہ متقدمہ کی تصدیق کرتا ہے بایں معنیٰ کہ اس کے مضامین کتب الٰہیہ سابقہ کے مطابق ہیں کہ

ان کے اصول دین اور قصص اوّلین صحیح اور سچ ہیں اور پھر ایسی شخصیت کے ذریعے بھیجا گیا ہے جنہوں نے ظاہری علوم میں سے ایک نقطہ بھی کسی سے نہ پڑھا اور نہ کتب الٰہیہ سابقہ کے علماء کی صحبت میں کبھی نشست و برخاست کی۔ جب یہ صورت ہے کہ کلام بھی معجز نظام ہے اور لانے والے بھی اُمّی ہیں تو پھر افتراء کیسا، بلکہ اہلِ فہم کو یقین ہونا چاہیے کہ یہ کلام منجانب اللہ نازل ہوا ہے وَتَفْصِيلَ الْكِتٰبِ کتب بمعنے فرض و قدر و حکم سے ماخوذ ہے یعنی کتب الٰہیہ سابقہ کے حقائق و شرائع قرآن مجید تفصیل سے بیان کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

"تاویلات نجمیہ میں ہے کہ:
تفصیل الکتٰب یعنی قرآن مجید اس جملہ کی تشریح ہے جو اللہ تعالیٰ کی کتاب کا ایک حصہ ہے اور وُہ ایسی کتاب ہے کہ جس میں محو و اثبات نہیں ہوسکتا اس لیے کہ وہ ازلی ابدی کتاب ہے کما قال؛

یمحوا اللہ مایشاء و یثبت۔

یعنی لوحِ محفوظ محو و اثبات کے متعلق جیسے چاہتا ہے کرتا ہے۔

اس لیے کہ لوحِ محفوظ مخلوق اور قابلِ تغیّر و تبدّل ہے۔ وعندہٗ ام الکتاب اور اللہ تعالےٰ کے ہاں وُہ کتاب کہ تغیّر و تبدّل کے قابل نہیں کیونکہ وہ علمِ الٰہی ہے اور علم قایم بذاتہٖ اور قدیم ہونے کی وجہ سے قابل تغیر و تبدل نہیں۔

لَا رَيْبَ فِيْهِ یہ کان کی تیسری خبر ہے اور استدراک کے حکم میں یہ بھی داخل ہے یعنی یہ وُہ کتاب ہے کہ اس میں شک و شبہ ہوسکتا ہی نہیں اس لیے کہ اس کے اندر ایسے واضح اور کھلے دلائل ہیں کہ معمولی سا غور و فکر کرنے سے یقین ہوجاتا ہے کہ یہ انسان کے حیطۂ امکان سے باہر ہے فلہذا اس میں شک اور شُبہ نہیں مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ یہ کان کی آخری خبر ہے اور رکانیا کے متعلق ہے یعنی یہ کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالےٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ام منقطعہ ہے اس میں بل اور ہمزہ مقدر ہے یعنی بلکہ یُوں کہو کہ کیا کفارِ مکہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن خود تیار کر کے اللہ تعالیٰ پر افترا کیا ہے۔ ہمزہ واقعہ کے انکار و استبعاد کے لیے ہے۔ زمخشری نے کہا ممکن ہے کہ کفار پر الزام حجت کے طور، ہمزہ تقریر کے لیے ہو قُلْ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! کفارِ مکہ سے فرمائیے اگر واقعی اسی طرح ہے جیسے تم کہتے ہو فَاْتُوْا تو تم بھی ایسا قرآن بنا کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے لاؤ۔ یہ امر تعجیزی ہے بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ ایک ایسی سورۃ جو فصاحت و بلاغت اور حسن نظم و قوت المعنی میں قرآن کی کسی سورت جیسی ہو اس لیے کہ تم بھی عربیت و فصاحت میں کچھ کم نہیں ہو وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ جتنی تم طاقت رکھتے ہو انہیں بلاؤ تاکہ وہ تمہاری معاونت کرتے ہوئے قرآن جیسی سورۃ بنالیں اس لیے کہ بسا اوقات کوئی کام اکیلے سے نہیں ہوسکتا تو دوسروں کو شامل کرنے سے کام بن جاتا ہے، فلہذا تم بھی اس کام کو سر کرنے کے لیے بلاؤ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ تعالےٰ کے ماسوا کو۔ یہ ادعوا کے متعلق ہے اور لفظ دُون حرف استثنا کے قائم مقام ہے یعنی اے کافرو!

اللہ تعالیٰ کے سوا باقی تمام مخلوق میں سے جنھیں چاہو اپنے ساتھ ملاکر قرآن کی کسی سورۃ کے مثل کوئی سورت بناؤ۔ لیکن اس میدان میں آنے میں کسی کو طاقت کہاں اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ O اگر تم سچے ہو اس دعویٰ میں کہ (معاذاللہ) میں نے اس قرآن کو خود تیار کر کے اللہ تعالیٰ پر افترا کیا ہے تو وہ کام تم کر کے دکھاؤ اس لیے کہ جو کام کوئی بندہ کر لیتا ہے تو دوسرے بندے اس سے کئی گنا بہتر کر لیتے ہیں اس لیے کہ فوق كل ذى علم عليم، ہر ذی علم پر صاحبِ علم فوقیت رکھتا ہے پس اسے کافرو! جب تمہیں اپنے عجز کا اعتراف ہے کہ نہ ایسا قرآن فرداً فرداً تیار کر سکتے ہو نہ مجتمعاً، تو ثابت ہُوا کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ہے۔

ف: قرآن پاک کے معجز ہونے کا یہ معنیٰ ہے کہ یہ فصاحت و بلاغت کے انتہائی منازل کو پہنچ چکا ہے کہ اب اس کے معاوضہ پر کسی کو ہمت نہیں ہو سکتی اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس جیسا قرآن بنانا تو ممکن ہے لیکن اس جیسا کلام بنانے پر بندوں کی قدرت سلب کر لی گئی ہے اگر ان کی قوت مسلوب نہ ہوتی تو ضرور اس جیسا کلام بنا لیتے۔ یہ مطلب غلط اور سراسر غلط ہے۔ یہ کسی کج فہم کا خیال ہوگا۔ (کذا فی تفسیر الفاتحہ للمولی الفناولی)

بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ بلکہ اُنھوں نے جھٹلایا ایسے امر کو جس پر وہ احاطہ نہ کر سکے یعنے سمجھنے سے پہلے قرآن مجید کی تکذیب میں عجلت کی۔ یہ قاعدہ عام ہے کہ جو کسی شے کو پُورے طور نہیں سمجھ سکتا تو بجائے اس کے کہ وہ اپنی کم فہمی کا اعتراف کرے بلکہ الٹا اس کی تکذیب میں جلد بازی کرتا ہے۔

ف: یہاں پر لفظ بل سے ان کی غلط کاری (کفر میں آباؤ اجداد کی تقلید اور قرآن پاک میں تدبر و فکر نہ کرنے کی) مذمت کی گئی ہے گویا یُوں کہا گیا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان کے ساتھ تحدی و الزام حجت یعنی مناظرہ بازی وغیرہ کو چھوڑیئے اس لیے کہ وہ دائرۂ اہلیت وصلاحیت سے کوسوں دُور ہیں اپنے آباؤ و اجداد کے اندھے مقلد ہیں اور ان کی رسوم کے سختی سے پابند ہیں۔ عقل و دانش کی باتوں کو عمل میں لانے تک گوارا نہیں کرتے ورنہ اگر انھیں کچھ عقل و فہم ہوتا اور معمولی طور غور و فکر سے کام لیتے اور قرآن مجید کے شواہد اعجاز پر منصفانہ طور غور کرتے تو انھیں یقین ہو جاتا کہ واقعی یہ قرآن معجز نما کلام ہے اور اس کی نظیر صرف ناممکن ہی نہیں بلکہ ممتنع ہے اور مخلوق میں سے کسی کی طاقت ہی نہیں کہ اس جیسی کوئی ایک سورۃ بنا سکے۔

وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيْلُهٗ، اس کا عطف صلہ پر ہے یا موصول سے حال ہے یعنی ان کے ہاں اس امر کا انجام ابھی نہیں آیا۔

خلاصہ تفسیر قرآن پاک معجزہ ہے کہ اس جیسی عبارت کوئی بنا سکتا ہے نہ اس کے معانی جیسے کوئی معنے لا سکتا ہے۔ اخبار بالغیب میں بھی اپنی نظیر آپ ہے لیکن کفارِ مکہ نے سوچا نہ سمجھا اور قرآن کے دعویٰ کے مطابق آنے والے امور کا انتظار کرتے جن میں بعض کا وقوع دنیا میں اور

بعض کا آخرت میں ہوگا۔ قرآن کے دعویٰ کے مطابق جو امور وقوع پذیر ہونے کی نبوت کی صداقت پر یقین کرتے لیکن بدقسمت تھے کہ جلد بازی سے منکر ہوئے۔

ف : سوال : جب ان کے علم کے احاطہ کی نفی لم یحیطوا الخ سے ہوچکی پھر لما کو لانے کی ضرورت کیسی جبکہ لفظ لما توقع پر دلالت کرتا ہے۔

جواب : ان کی مذمت وشناعت میں تاکید شدید مطلوب ہے اس لیے کہ تکذیب الشیٔ قبل علم المتوقع ایتانه، تکذیب الشیٔ قبل علمه مطلقاً سے افحش ہے۔

خلاصہ المرام اینکہ ان پر لازم تھا کہ وقوع المتوقع تک توقف کرتے لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا۔

كَذٰلِكَ کفار مکہ کی تکذیب کی طرح، اسی طرح كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ تکذیب کی انبیاء علیہم السلام کی ان کافروں نے جو ان سے پہلے تھے فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ۝ دیکھو ظالموں کا انجام کار کیا ہوا۔ اس میں کفار مکہ کو وعید ہے کہ جس طرح تم کر رہے ہو ایسے ہی پہلے لوگوں نے کیا، تو جس طرح انھیں سزا ملی تو تمہیں بھی ویسے ہی سزا ملے گی۔

سوال : کافروں کو ظالمین سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے؟

جواب : ظلم بمعنی وضع الشیٔ علیٰ غیر محلہ ہے۔ چونکہ انہوں نے تصدیق کی بجائے تکذیب کا ارتکاب کیا اسی لیے ظالم ٹھہرے پھر وہ معتوب ہوئے اور تباہ وبرباد ہوئے۔ کتب سماویہ میں ان کے حالات تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔

وَمِنْهُمْ اور مکذبین میں بعض وہ ہیں مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ جو قرآن پر ایمان لانے ہیں لیکن عمداً عناد اور سرکشی کرتے ہیں۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ط اور ان میں بعض وہ ہیں جو ایمان نہیں لاتے یعنی عبادت اور قلت تدبر کی وجہ سے سرے سے قرآن مجید کی صداقت وحقانیت کو مانتے ہی نہیں۔ یا اس کا مطلب یہ ہے کہ ان میں بعض وہ ہیں کہ وہ عنقریب ایمان لائیں گے اور کفر سے توبہ کر لیں گے اس لیے کہ ان میں ایمان قبول کرنے کی استعداد موجود ہے اور بعض وہ ہیں جن کی موت کفر پر آئے گی یعنی مرتے دم تک قرآن مجید کو نہیں مانیں گے اس لیے کہ ان میں ایمان قبول کرنے کی استعداد نہیں وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ۝ اور تمہارا رب مفسدوں کو خوب جانتا ہے اور اسے معلوم ہے کہ ان میں سرکش اور کفر پہ ڈٹ جانے والے کون ہیں۔ انہیں مفسدین سے اس لیے موصوف فرمایا کہ انہوں نے اپنی فطرت سلیمہ کی استعداد کو اعمال فاسدہ سے ضایع کر دیا۔

وَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ لِّي عَمَلِي وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ أَنْتُمْ بَرِيئُونَ مِمَّا أَعْمَلُ وَأَنَا بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ
وَمِنْهُمْ مَّنْ يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ أَفَأَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوا لَا يَعْقِلُونَ ○ وَمِنْهُمْ مَّنْ
يَنْظُرُ إِلَيْكَ أَفَأَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوا لَا يُبْصِرُونَ ○ إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَّ
لَكِنَّ النَّاسَ أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ○ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَنْ لَّمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ
يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ○ وَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ
الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ ○ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ
رَّسُولٌ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ○ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا
الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ○ قُلْ لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ لِكُلِّ
أُمَّةٍ أَجَلٌ إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُونَ ○ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ
أَتَاكُمْ عَذَابُهُ بَيَاتًا أَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُونَ ○ أَثُمَّ إِذَا مَا وَقَعَ
آمَنْتُمْ بِهِ آلْآنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ ○ ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ
هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ ○ وَيَسْتَنْبِئُونَكَ أَحَقٌّ هُوَ قُلْ إِي وَرَبِّي إِنَّهُ لَحَقٌّ وَمَا
أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ○ وَلَوْ أَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْأَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهِ وَأَسَرُّوا النَّدَامَةَ
لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ○ أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ
أَلَا إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَّلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ○ هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ○ يَا أَيُّهَا
النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ
لِّلْمُؤْمِنِينَ ○ قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ○ قُلْ
أَرَأَيْتُمْ مَّا أَنْزَلَ اللَّهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلَالًا قُلْ آللَّهُ أَذِنَ لَكُمْ أَمْ
عَلَى اللَّهِ تَفْتَرُونَ ○ وَمَا ظَنُّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّ اللَّهَ
لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُونَ ○

ترجمہ: اگر آپ کو کافر جھٹلائیں تو آپ انھیں میرے لیے میرا عمل تمہارے لیے تمہارا عمل تم اس سے لاتعلق
ہو جو میں کرتا ہوں اور میں اس سے بیزار ہوں جو تم کرتے ہو اور بعض ان میں وہ ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے
ہیں تو کیا تم بہروں کو سنا دو گے اگرچہ وہ نہ سمجھتے ہوں اور ان میں بعض وہ ہیں جو آپ کی طرف دیکھتے ہیں کیا
آپ اندھوں کو راہ دکھاؤ گے اگرچہ وہ نہ دیکھ سکتے ہوں بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں پر کچھ ظلم نہیں کرتا ہاں وہ اپنی

پر ظلم کرتے ہیں اور جس دن انھیں اٹھائے گا گویا وہ دنیا میں اس کے دن کی صرف ایک گھڑی ٹھہرے تھے ، ایک دُوسرے کو پہچانیں گے بیشک خسارے میں رہے وُہ جنھوں نے اللہ کے ہاں حاضر ہونے کو جھٹلایا اور وُہ ہدایت پر نہ تھے اور اگر ہم آپ کو اس عذاب کا کچھ حصّہ دکھا دیں جس کا کفار کو ہم وعدہ دے رہے ہیں یا ہم آپ کو دُنیا سے اُٹھا لیں تو ہمارے ہاں اُنھیں آنا ہی ہے پھر اللہ ان کے جملہ اعمال سے باخبر ہے اور ہر اُمت میں ایک رسول ہے جب اُن کا رسول ان کے پاس تو ان پر انصاف کے ساتھ ان کا فیصلہ ہو جاتا اور ان پر ظلم نہ کیا جاتا اور کہتے ہیں کہ وہ وعدہ کب ہوگا اگر تم سچے ہو آپ فرمائیں کہ میں ذاتی طور پر اپنی جان کے نفع و نقصان کا مالک نہیں ہوں مگر وُہ جو اللہ چاہے ہر اُمت کے لیے ایک وقت ہے جب ان کا وعدہ آتا ہے تو پل بھر نہ پیچھے ہٹتے ہیں اور نہ آگے بڑھتے ہیں فرمایئے بھلا بتاؤ تو کہ اگر تم پر عذابِ الٰہی رات کو آئے یا دن کو تو کونسی چیز ہے کہ جس کے لیے مجرم لوگ جلدی چاہتے ہیں تو کیا جب (عذاب) واقع ہوگا تو پھر مانو گے کیا اب مانتے ہو اس سے پہلے تو تم اس کے لیے جلدی کا مطالبہ کر رہے تھے پھر ظالموں سے کہا جائے گا عذاب دائمی کا مزہ چکھو تمہیں اسی کا بدلہ ملے گا جو تم (دنیا میں) کیا کرتے تھے آپ سے دریافت کرتے ہیں کیا وہ حق ہے آپ فرمائیں ہاں مجھے خدا کی قسم یقیناً وہ ضرور حق ہے اور تم عاجز کرنے والے نہیں ہو اور اگر ہر ظالم کافر کے قبضہ میں ہو جو زمین میں ہے تو وہ اپنی جان چھڑانے کے لیے بدلہ کے طور دے دے اور دل میں ندامت کو چھپا جب عذابِ الٰہی کو دیکھا اور ان کا انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا گیا اور ان پر ظلم نہ ہوگا ، خبردار بیشک جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے وُہ اللہ کا ہے اور خبردار بے شک اللہ کا وعدہ حق ہے لیکن ان کے اکثر نہیں جانتے وہی جِلاتا ہے اور مارتا ہے اور تم سب اسی کی طرف پھیرے جاؤ گے اے لوگو! تمہارے ہاں تمہارے پروردگار کی طرف سے نصیحت آئی اور دلوں کے اندرونی روگ کی شفاءُ ہے اور اہلِ ایمان کے لیے ہدایت و رحمت ہے فرمایئے کہ اللہ کے فضل اور اسی کی رحمت پر ہی تو انھیں خوشی منانی چاہیے دُنیا میں جو وہ دھن دولت جمع کرتے ہیں اس سے وُہ بہتر ہے فرمایئے کہ یہ تو بتلاؤ کہ وہ جو اللہ تعالیٰ نے تم پر رزق اتارا پھر تم نے اپنی طرف سے اسے حرام و حلال ٹھہرا لیا آپ فرمائیں کہ کیا اس کی تمہیں اللہ تعالیٰ نے اجازت بخشی ہے یا اللہ پر بُہتان باندھتے ہو اور ان لوگوں کا قیامت میں کیا حال ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر بہتان تراشی کرتے رہے بیشک اللہ لوگوں پر فضل فرمانے والا ہے لیکن اکثر لوگ ناشکرے ہیں ۔

تفسیر عالمانہ وَاِنْ كَذَّبُوْكَ باوجود دلائل و براہین قایم کرنے کے پھر بھی اگر وُہ آپ کی تکذیب کرتے اور کفر پر مُصر ہیں فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ تو فرمایئے میرے لیے میرے عمل اور تمہارے لیے تمہارے عمل ، یعنی آپ ان سے اظہار برأت فرمایئے اس لیے کہ آپ نے ان کو بہت کچھ سمجھایا ہے لیکن وُہ نہیں مانتے

تو انہیں ان کی قسمت پہ چھوڑ دیتے جیسے دوسرے مقام پہ فرمایا کہ:

فان عصوك فقل انی بری۔

پس اگر وہ نافرمانی کرتے ہیں تو فرما دیجیے میرے اعمال کی جزا میرے لیے ہے اور تمہارے اعمال کی جزا و سزا تمہیں ملے گی۔

سوال: عملکم کے بجائے اعمالکم ہونا چاہیے تھا اس لیے کہ جمع کا لفظ جمع کی طرف مضاف ہوتا ہے۔

جواب: یہ باعتبار اتحاد نوعی کے ہے یا اس لیے کہ ان کے بالمقابل عملی واحد کا صیغہ مستعمل ہوا اس میں بھی واحد کا صیغہ لایا گیا تاکہ مناسبت قائم رہے۔

اَنۡتُمۡ بَرِیۡٓـــُٔوۡنَ مِمَّاۤ اَعۡمَلُ وَاَنَا بَرِیۡٓءٌ مِّمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ۝ تم اس سے بیزار ہو جو میں عمل کرتا ہوں اور میں اُن سے جن کا تم ارتکاب کرتے ہو۔

لی عملی ولکم عملکم یہ جملہ لام اختصاص کی تاکید کے لیے لایا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ ہر عامل کے عمل کی سزا و جزا اسی تک محدود رہے گی اس کی وجہ سے دوسرے کو سزا نہیں ملے گی یعنی میرے عمل کی وجہ سے تمہارا مواخذہ نہیں ہوگا اور نہ ہی تمہارے اعمال سے میرا مواخذہ ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے آپ کا استعداد فطری کو فیضِ ربوبیت کے قبول کرنے کے لیے استعمال عبودیت میں صرف کرنا مراد ہے اور اس کی جزا جنت اور وصالِ الٰہی ہے اور ان کے اعمال سے لذات و شہواتِ نفسانیہ کو پورا کرنے کے لیے استعداد فطری کو پورا کرنا اور فیض الٰہی کے قبول کرنے سے قلب کو ضائع اور برباد کرنا مراد ہے اور اس کی سزا نارِ جہنم اور ذاتِ حق سے ہجر و فراق ہے نیز حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے تصدیق و اقرار اور کفار کے عمل سے تکذیب و کفر مراد ہے اور دنیا میں ہر ایک دوسرے کے عمل سے ایسے بیزار ہے کہ ان کا اجتماع محال ہے جیسے گوہ اور مچھلی آپس میں اکٹھے رہ کر گزارہ نہیں کر سکتیں اس لیے کہ گوہ کی غذا ہوا اور مچھلی کی غذا پانی ہے نیز گوہ میں قبض و یبوست ہے کیونکہ وہ جنگلی جانور ہے نیز مٹی میں بھی یبوست ہے اور گوہ مٹی کی پیداوار ہے اور مچھلی میں بسط و رطوبت ہے اس لیے کہ وہ بحری جانور ہے اور پانی میں رطوبت ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

طوطیاں خاص را قندیست ژرف
طوطیاں عام ازیں خود بستہ طرف
کے چشد درویش صورت زاں نکات
معنے است آں نے فعولن فاعلات

از خرِ عیسیٰ دریغش نیست قند
لیک خر آمد بخلقت کے پسند

بال بازاں را سوئے سلطان برد
بال زاغاں را بگورستاں برد

ترجمہ: خاص طوطیوں کو کھانڈ خالص نصیب ہوتی ہے لیکن عام طوطیوں کے وہاں نہیں جانے دیا جاتا۔ ظاہری صورت رکھنے والے درویش ایسے نکتے کب چکھ سکتے ہیں اس لیے کہ وہ نکتے تو معانی ہیں نہ کہ صرف لفظی گردان (فعولن فعولات) وغیرہ۔ عیسیٰ کے خر سے تو قند روکی نہیں جائے گی لیکن لفظ خر مخلوق کو ناپسند ہے، بازوں کے بال سلطان کی طرف لے جائیں گے لیکن کوّوں کے بال گورستان میں لے جاتے ہیں۔

وَمِنْهُمْ اور ان مکذبین میں بعض مَّنْ وہ لوگ ہیں یَّسْتَمِعُوْنَ اِلَیْكَ جب آپ قرآن پاک کی تلاوت کرتے یا اس کے احکام کی تعلیم دیتے ہیں تو وہ لوگ صرف ظاہری طور آپ کی طرف کان لگاتے ہیں اور ان کے دل کے کان دُنیا کی محبت اور نفسانی خواہش سے معمور ہیں اور زیادہ تر ادھر مشغول ہیں اس لیے جسے جس کی محبت ہوتی ہے وہ دُوسرے امور کے دیکھنے سے اندھے اور ان کے سننے سے ان کے کان بہرے ہوتے ہیں اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ ہمزہ استفہام انکاری اور فاء کا فعل مقدر پر عطف ہے دراصل ایستمعون الیك فانت تسمعهم تھا، کیا وہ آپ سے سُنتے ہیں تو آپ انھیں سناتے ہیں یعنی کیا انھیں سنانے کی قدرت رکھتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بُرے اعمال کی وجہ سے ان کے دل اندھے کر دیے ہیں۔

والمنکر هو وقوع الاسماع لا الاستماع — آیت میں اسماع کی نفی ہے نہ استماع یعنی نہ سننے کی

فانه امر محقق[1] — اس لیے کہ وہ تو امر محقق ہے۔

وَلَوْ كَانُوْا لَا یَعْقِلُوْنَ ○ اگرچہ وُہ کچھ نہیں سمجھتے یعنی ان میں بہرہ پن پہلے سے ہے پھر عدم تعقل بھی ساتھ شامل کر لیا جائے تو کسی کام کے نہیں رہیں گے اس لیے صرف بہرہ پن ہو تو بات سمجھنے کی صلاحیت مفقود نہیں ہوجاتی بلکہ بسا اوقات کان میں کچھ معمولی سی آواز پہنچ جائے تو بہرہ بات کو سمجھ جاتا ہے لیکن جب سمع و تعقل دونوں مفقود ہوں تو بندہ ہر لحاظ سے بیکار سمجھا جاتا ہے وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّنْظُرُ اِلَیْكَ ط اور ان میں سے بعض اس ظاہری آنکھ سے آپ کو دیکھتے ہیں اور آپ کی نبوت کے واضح دلائل کا معائنہ بھی کرتے رہتے ہیں لیکن چونکہ وُہ بصیرت کے اندھے ہیں اسی لیے گویا وہ کچھ دیکھتے

---

[1] روح البیان ج ۴ ص ۴۸ اس سے وہابی دیوبندی مودودی غلام خانی غیر مقلدین اور نیچری نجدی ٹولہ کا رد ہے کہ وہ سماع موتی کے منکر ہیں۔

ہی نہیں اَفَاَنْتَ تَہْدِی الْعُمْیَ، العمی اعمٰی کی جمع ہے یعنی کیا آپ اندھوں کی رہبری کر سکتے ہیں یعنی با وجودیکہ آپ راہِ حق کی باتیں انھیں بتاتے ہیں وَلَوْ کَانُوْا لَا یُبْصِرُوْنَ۝ لیکن وُہ کچھ نہیں دیکھ سکتے یعنی وُہ نہ صرف بصارت کے اندھے ہیں بلکہ بصیرت سے بھی محروم ہیں۔

سوال: بصیرت کے اندھے تو تھے ہی، لیکن تم نے انہیں بصارت کے اندھے بھی کہہ دیا اور یہ واقعہ اور حقیقت کے بھی خلاف ہے۔

جواب: اس لیے کہ شئے کو دیکھنے سے عبرت کا حصول مقصود ہوتا ہے اور وُہ بصیرت سے ہوتا ہے۔ جب وہ بصیرت کھو بیٹھے تو گویا ان سے بصارت ضائع ہو گئی۔ یہی وجہ ہے بصیرت رکھنے والا نابینا بہت سے امور سے واقف ہوتا ہے بخلاف بصیرت کے اندھے کے وہ مقصودِ اعظم سے محروم رہتا ہے۔ کفار میں چونکہ بصیرت نہیں تھی اسی کے ساتھ حق باتوں کے نہ دیکھنے سے اندھے رہ کر ہدایت کی راہ سے محروم ہو گئے۔

ف: اللہ تعالےٰ نے کفارِ مکہ کو کاذب، اندھے اور بہرے سے اس لیے تشبیہ دی ہے کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بُغض و عداوت سے نہ آپ کے کلام کے محاسن کو سُن سکے اور نہ آپ کی نبوت کے دلائل دیکھ سکے جیسے اندھا اور بہرہ کسی کے کلام کے محاسن سُن سکتا ہے نہ کسی کی اچھی صورت کے خد و خال اور اس کے حُسن و جمال کو دیکھ سکتا ہے کفار کا یہی حال تھا۔

نکتہ: سمع کی نفی میں عدمِ تعقل اور بصر کی نفی میں عدمِ ادراک لانے میں اشارہ ہے کہ باطنی امور کو ظاہری امور پہ فضیلت ہے۔

ازالۂ وہم چونکہ کفار اپنے کرتوتوں سے عقلی کمزوریوں کے انتہا کو پہنچ کر فلاح و نجات کے قابل بھی نہ رہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان سے ہدایت قبول کرنے کا مادّہ ہی ختم کر دیا جیسے طبیب کسی بیمار کو لا علاج پاتا ہے تو اس کے علاج کی تمام کارروائیاں ختم کر دیتا ہے ایسے ہی کافروں کا حال ہے۔

(اس سے کمیونسٹ اور مغربیت زدہ لوگوں کا ردّ ہو گیا جبکہ کہتے ہیں کہ کفار سے ہدایت کی نا امیدی کیوں جبکہ اللہ تعالےٰ قادر ہے تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ یہ دنیا عالمِ اسباب ہے اس میں جس طرح کا سبب ہو گا ویسے ہی حکم) اضافہ اویسی غفرلہٗ

ف: جب وُہ ہدایت کے قابل نہیں تو ان سے وحشت ضروری ہے اور ہر متوحش سے دُوری و بیزاری لازمی اس لیے کہ کفار اپنے کفر پر اصرار و تکذیب پر ٹوٹ پڑنے سے اس قابل نہیں کہ ان سے اُنس یا دوستی کا دم بھرا جائے[1]

---

[1] یہی بات ہم بدمذہبوں کے متعلق کہتے ہیں کہ ان میں بدمذہبی راسخ ہو چکی اسی لیے ان سے بیزاری ضروری۔ فافہم لاتکن من الجاہلین۔

لطیفہ کسریٰ کے وزیر جناب یونان نے کہا :

پانچ چیزیں ضائع ہوجاتی ہیں :

- بارش شور والی زمین پر
- سورج کی روشنی میں دیا جلانا
- نابینا کی حسین وجمیل عورت
- لذید طعام بیمار کے لیے
- مرد عاقل ناقدر شناس لوگوں میں

تفسیر عالمانہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظۡلِمُ النَّاسَ شَیۡئًا بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا یعنی ان کے حواس وعقول نہیں چھینتا وَلٰکِنَّ النَّاسَ اَنۡفُسَهُمۡ یَظۡلِمُوۡنَ ○ لیکن وہ اپنی جانوں پر خود ظلم کرتے ہیں یعنی وہ اپنے حواس وعقول کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مناظر پر استعمال نہیں کرتے اسی وجہ سے وہ ان کے منافع وفوائد سے محروم ہیں ۔ ؎

چشم از برائے دیدن آیات قدرت است

گوش از پے شنیدن اخبار حضرت است

ہر کہ حق نہ بیند و حق نشنود کسے

کور و کر نست بلکہ از اں ہم بتر بسے

ترجمہ : آنکھ آیات قدرت کے دیکھنے کے لیے عنایت ہوئی اور کان حضرت کے اخبار سننے کے لیے دیے گئے جو حق کو نہ دیکھتا اور نہ سنتا ہے وہ اندھا اور بہرہ بلکہ اُن سے بھی بدتر ہے ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے :

ان اللہ لا یظلم الناس یعنی اللہ تعالیٰ ہدایت اور فیضِ ایمان کے قبول کرنے کی استعداد نہ دے کر ظلم نہیں کرتا خود ہی ان سے استعداد چھین لے اور پھر فرمائے کہ فیض ایمان اور ہدایت قبول کرو بلکہ انھیں فطرت الٰہی سے ہدایت اور فیض ایمان قبول کرنے کی استعداد عطا فرمائی ولکن الناس انفسھم یظلمون لیکن وہ اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں کہ اوامر ونواہی شرعیہ کی مخالفت کر کے اپنی استعداد خود بخود ضائع کر دی ہے ۔

مسئلہ : اس آیت سے ثابت ہوا کہ بندے کو اپنے کردار کے کسب کا اختیار ہوتا ہے وہ بالکل مسلوب الاختیار نہیں جیسا کہ جبریہ کا مذہب ہے پھر جو کسی شے میں مبتلا ہوتا ہے تو اسی کے مطابق عمل کرتا ہے ۔

حکایت مثنوی شریف

ے

عاشق بودہ است در ایام پیش
پاسبان عہد اندر عہد خویش

سالہا در بندہ وصل ماہ خود
شاہ مات و مات شہنشاہ خود

عاقبت جویندہ یابندہ بود
کہ فرج از صبر زایندہ بود

گفت روزے یار او کامشب بیا
کہ بہ پختم از پے تو لوبیا

در فلاں حجرہ نشیں تا نیم شب
تا بیایم نیمشب من بے طلب

مرد قربان کرد و زانہا بخش کرد
چوں پدید آمد مہیش زیر گرد

شب دراں حجرہ نشست آں کرم دار
بر امید وعدہ آں یار غار

بعد نصف اللیل آمد یار او
صادق الوعدانہ آں دلدار او

عاشق خود را فتادہ خفتہ دید
اندکے از آستین او درید

گردگانی چندش اندر جیب کرد
کہ تو طفلی گیر ایں می باز نرد

چوں سحر از خواب عاشق جہید
آستیں و گردگانہا را بدید

گفت شاہ ما ہمہ صدق و وفاست
آنچہ بر ما می رسد آں ہم زماست

گفت شاہ ما ہمہ صدق و وفاست
آنچہ بر ما می رسد آں ہم زماست

خواب را بگذار امشب اے پسر
یک شبے بر کوئے بے خواباں گزر

بنگر ایں ہا را کہ مجنوں گشتہ اند
ہمچو پروانہ بوصلت کشتہ اند

خلاصۂ حکایت مذکورہ ایک شخص ماہ رو پر عاشق ہوگیا تو معشوق کے وصال کی خاطر کئی سالوں تک شدائد ومصائب برداشت کیے بالآخر قسمت جاگ اُٹھی۔ ایک دفعہ محبوب سے ملاقات ہوگئی۔ محبوب نے فرمایا: فلاں مقام پر میرا انتظار کرنا میں تمہیں آدھی رات کے بعد ملوں گا۔ وہ انتظار میں بیٹھے بیٹھے سوگیا۔ معشوق اپنے وعدہ کے مطابق تشریف لایا لیکن عاشق سوچکا تھا۔ معشوق نے نشانی کے طور پر چند کوڑیاں اس کی جیب میں ڈالیں اور یہ کہہ کر چلا گیا کہ تم اس راہ میں ابھی بچے ہو اور بچوں کے کھیلنے کی ایسی چیزیں ہوتی ہیں جو میں تمہیں دے کر واپس جا رہا ہوں۔ صبح کو عاشق جب بیدار ہوا اور جیب میں وہ کوڑیاں دیکھیں اور محبوب کا خط بھی پڑھا اور کفِ افسوس ملتا ہوا کہنے لگا کہ میرا دوست تو وعدے کا سچا تھا لیکن میری بدقسمتی کہ میں اپنی غفلت کی وجہ سے زیارتِ محبوب سے محروم رہا۔
آخر میں مولانا علیہ الرحمۃ نے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ "نیند کو چھوڑ کر کبھی بے خواب لوگوں کے ہاں بھی چل کر دیکھو کہ وہ مجنوں بنے بیٹھے ہیں بلکہ پروانوں کی طرح جلے بھنے پڑے ہیں"۔ ایقظنا اللہ وایاکم ونور محیانا ومحیاکم ولا یجعلنا من الغافلین الضالین الظالمین۔ (آمین ثم آمین)

تفسیر عالمانہ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ يَوْمَ منصوب بفعل مقدر ہے هُمْ کی ضمیر کفارِ مکہ کے لیے ہے، یعنی اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! کفارِ مکہ کو یاد دلا کر ڈراؤ کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اٹھا کر ایک میدان میں جمع کرے گا كَاَنْ مخففہ ہے اس کا اسم محذوف ہے دراصل کانھم تھا گویا وہ لَّمْ يَلْبَثُوٓا وہ دُنیا یا قبور میں نہیں ٹھہرے اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ مگر دن کی ایک گھڑی۔
ف: یہ جملہ اوقات میں سے تھوڑے وقت کے لیے بطور کہاوت بولا جاتا ہے۔
سوال: نہار کی تخصیص کیوں؟
جواب: بہ نسبت رات کی گھڑیوں کے دن کی گھڑیاں اعرف ہیں بنا بریں نہار کی تخصیص کی گئی۔ کان لم یلبثوا یحشرھم کی ضمیر مفعول سے حال ہے اب عبارت یوں ہوں گی: یوم یحشرھم مشبھین بمن لم یلبث الخ۔

سوال : اتنی طویل مدت کو وہ قلیل کیسے سمجھیں گے ؟

جواب : انسان کو جب دُکھ درد پہنچتا ہے تو گزشتہ اوقات چاہے کتنے طویل اور آرام سے کیوں نہ گزارے ہوں لیکن دُکھ درد کے وقت سب بھول جاتے ہیں اور وُہ ایسے محسوس کرتا ہے گویا اس کے لیے ایامِ گزشتہ تھے ہی نہیں یا تھے تو چند گھڑیاں۔

استدلال اہلِ اعتزال تفسیر زاہدی میں ہے کہ معتزلہ اپنے دعوے کی دلیل اسی آیت کو بناتے ہیں، چونکہ وُہ عذاب و ثواب قبر کے منکر ہیں اسی لیے آیت ہذا سے استدلال کرتے ہُوئے کہتے ہیں کہ کفار کو اگر قبر کا عذاب ہوتا تو ان پر الا ساعۃ من النھار کیسے صادق آتا ہے اس لیے کہ لیل و نہار عالمِ دُنیا سے متعلق ہیں قبر میں لیل و نہار کیسے ؟

جوابِ۱ از اہلسنت : پہلے عرض کیا گیا ہے کہ یہاں پر یہ جملہ اپنے حقیقی معنے پر نہیں بلکہ کہاوت کے طور معمولی گھڑی پر استعمال ہوا ہے یہاں پر لیل و نہار سے اسے کوئی تعلق نہیں دنیا و برزخ دونوں کو ملا کر معمولی گھڑی سے تعبیر کیا گیا ہے وہ اس لیے کہ عذاب شدید کے سامنے خفیف تر نسیاً منسیا بلکہ بسا اوقات کالعدم ہوتا ہے پہلے تو یاد نہیں رہتا اگر کچھ یاد ہوتا ہے تو معمولی۔ چونکہ آخرت کا اتنا سخت عذاب ہوگا تو اس کے مقابلے میں دنیا اور برزخ کا عذاب انہیں اتنا ہی یاد ہوگا جتنا قرآن مجید نے بیان فرمایا ہے۔

جوابِ۲ از صاحب رُوح البیان : چونکہ کفار دنیا میں اکثر ناز و نعمت سے گزارتے رہے ویسے بھی عالمِ دنیا کی زندگی ہوا کی طرح گزرتی چلی گئی۔ پھر برزخ میں کسی کافر کو عذاب مُوا یا نعمت نصیب ہُوئی وہ معمولی محسوس ہوگی بہ نسبت آخرت کے عذاب و نعمت کے کہ عذاب ہوگا تو سخت سے سخت تر اور نعمتیں ہوں گی تو اعلیٰ سے اعلیٰ تر، پھر ظاہر ہے کہ ادنیٰ کب یاد رہتا ہے۔

تفسیرِ صُوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ سالک پر لازم ہے کہ وہ اس عالمِ دنیا کے تنگ و تاریک ماحول کو چھوڑ کر عالمِ آخرت کی طرف رجوع کرے اس لیے کہ عالمِ دنیا کون وفساد اور فنا کو چاہتا اور تنناہی ہے اور عالمِ آخرت وسیع تریں اور باقی اور لا تناہی ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ عالمِ دنیا بہ نسبت عالمِ آخرت کے لا شئے اور نہایت اقل قلیل ہے۔

ف : حشر کی دو اقسام ہیں :

- عام
- خاص

عام، یوم نشور میں اجسام کا قبور سے نکل کر قیامت کے میدان میں حاضر ہونا ،

خاص، ارواحِ اُخرویہ کا قبور اجسام دنیوی سے نکل کر سیر و سیاحت کے لیے عالمِ روحانیت کی طرف جانا۔
اس لیے کہ یہ لوگ صفاتِ نفسانیہ کو مٹا کر دنیوی موت سے پہلے ہی مر چکے ہوتے ہیں اسی لیے ان کے حشر کا معنیٰ وہی موزوں ہے جو مذکور ہوا۔

ف: حشر اخص قبور انانیت روحانیہ سے نکل کر ہویت ربانیہ میں داخل ہونا۔ کما قال:

یوم نحشر المتقین الی الرحمٰن وفدا۔

یعنی اس دن ہم ان کو رحمٰن کی طرف وفد بنا کر اٹھائیں گے۔

تفسیر عالمانہ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ط جیسے وہ دُنیا میں ایک دُوسرے کو پہچانتے تھے ایسے ہی قبروں سے اٹھ کر ایک دوسرے کو پہچانیں گے گویا وہ موت کی وجہ سے ایک دوسرے سے غیر متعارف نہیں ہوئے۔ موت کے بعد کی درمیانی جُدائی ان کے تعارف سے حائل نہیں ہوگی۔

ف: یہ قبور سے اُٹھنے کے بعد کی بات ہے ورنہ جب میدانِ محشر میں جمع ہوں گے اور عذاب کی ہولناکیوں کو دیکھیں گے تو پھر ایک دُوسرے کو پہچان نہیں سکیں گے بلکہ اکثر ایک دُوسرے سے بیزاری کا اظہار کریں گے (انبیاء واولیاء اس کلیہ سے مستثنیٰ ہیں)

ف: گویا یہ علیحدہ علیحدہ صُورتیں ہیں قبور سے اُٹھنے کی حالت علیحدہ ہے اس میں ایک دوسرے کا تعارف ہوگا پھر محشر میں تعارف منقطع ہوجائے گا۔ حساب وکتاب کے بعد دوزخی بہشتی اپنی منازل میں چلے جائیں گے تو اس کے بعد بدستور سابق ایک دُوسرے کو پہچانیں گے۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے ان کے گھاٹے کے سودے کو ظاہر فرمایا ہے کہ جو لوگ قیامت میں اللہ تعالےٰ کے ہاں حاضر ہونے کے منکر ہیں وہ سخت گھاٹے میں ہیں اس لیے کہ قیامت کے حساب وکتاب اور سزا و جزا کا انکار کر کے جہنم کے مستحق ہُوئے وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۞ اپنی تجارت میں صحیح راہ نہ پا سکے اس لیے کہ ایمان بیچ کر کفر اور تصدیق کے بدلے تکذیب کے خریدار بنے اس سودے سے انھیں نفع کے بجائے گھاٹا نصیب ہُوا۔ وقت بھی نکل گیا کہ پھر اب انھیں نفع کمانے کا موقعہ بھی نہیں ملے گا۔ ؎

چہ خوش گفت با کودک آموزگار
کہ کارے نکردیم و شد روزگار

ترجمہ: استاد نے شاگرد سے درست فرمایا کہ بیٹا! ہم کوئی کام نہ کر سکے اور وقت بھی گزر گیا۔

وَ اِمَّا نُرِيَنَّكَ دراصل ان نرك تھا ما زائد شرط کے معنیٰ کی تاکید کے لیے واقع ہُوا ہے یعنی اگر ہم آپ کو دکھائیں یا ظاہر کر دیں بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ عذاب کا کچھ حصہ جس سے ہم انہیں ڈراتے ہیں یعنی جیسے بدر میں ہم نے

کر دکھلایا اسی طرح اگر آپ کی زندگی میں ان پر عذاب کا کچھ حصہ نازل کر دیں تو ہم قادر ہیں اور وہ عذاب معجل آ سکتا ہے
ف : شرط کی جزا یہاں پر محذوف ہے ۔ ای فذالك هو المامول و انا الیهم مقتدرون ۔
سوال : جزا محذوف کیوں ہے ؟
جواب : چونکہ وہ اتنا واضح المعنی ہے کہ اسے ظاہر کر کے لانے کی ضرورت ہی نہیں ۔

اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ یا ان پر عذاب دکھلانے سے پہلے آپ کو ہم دُنیا سے اٹھالیں فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ تو ان کا ہماری طرف لوٹنا ہے لیکن مجبور محض ہو کر آئیں گے پھر ہم آپ کو ان کا عذاب میں مبتلا ہونا دکھلائیں گے اس لیے کہ ہم ان سے کفر کا بدلہ ضرور لیں گے اور اس کی صورت یہی ہے کہ وہ عذاب میں مبتلا ہوں دنیا میں یا آخرت میں ۔ فالینا مرجعهم ، نتوفینك کا جواب ہے اس لیے کہ ان کا اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا موت کے بعد ہو گا اس لیے فالینا مرجعهم شرط کا جواب نہیں بلکہ نتوفینك کا جواب ہے ہماری اس تقریر کی تائید آیت فاما نذهبن بك فانا منهم منتقمون او نرینك الذی وعدناهم فانا علیهم مقتدرون سے ہوتی ہے یہ آیت سورہ زخرف میں ہے یعنی اگر ہم آپ کو دنیا سے اٹھالیں تو بھی ہم ان سے بدلہ لیں گے یا آپ کو آپ کی دنیوی زندگی میں ان پر عذاب نازل ہونا دکھائیں تو بھی ہم قادر ہیں ۔ اصول التفسیر کا قاعدہ ہے کہ قرآن کی آیات ایک دُوسری کی تفسیر ہُوا کرتی ہیں ۔

صاحب رُوح البیان فرماتے ہیں کہ میری رائے یہی ہے اور یہی موید و موکد ہے ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ ○ پھر اللہ گواہی دے گا ان کے ان اعمال کی جن کا ارتکاب دُنیا میں کرتے تھے ۔

ف : یہاں شہادت سے اس کا نتیجہ اور مقتضیٰ مراد ہے یعنی جزا و سزا ، جیسا کہ اسے ثم الینا مرجعهم کے بعد لفظ ثم کے ساتھ لانے سے اسی معنے کی تائید ہوتی ہے اگر شہادت کو اپنے حقیقی معنے میں لیا جائے تو ترتیب مذکور غیر مناسب ہے کیونکہ ان کی تکذیب اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنا اور ان کے دیگر جملہ قبائح کو اللہ تعالیٰ جیسے رجوع کے وقت جانتا ہے انھیں پہلے بھی جانتا تھا پھر الینا مرجعهم لانے کا کیا فائدہ ۔ وہ اس وقت مفید ہوتا ہے جبکہ شہادت سے مجازاً بمعنے جزا و سزا وغیرہ مراد لی جائے ۔

ف : کواشی میں ہے ثم بمعنے واؤ یا ترتیب اخبار کے لیے آتا ہے جیسے زید قائم ثم هو کریم ۔
ف : ان سے عذاب کو مؤخر کرنا عجز کی دلیل نہیں بلکہ مبنی بر حکمت ہے ورنہ وہ تو عذاب بھیجنے پر ہر وقت بہت بڑی قدرت رکھتا ہے ۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ج گزشتہ اُمتوں میں ہر ایک اُمت کا رسول مبعوث ہوا جس نے انہیں شریعت کے وہی احکام بتائے جو ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے نازل ہوئے تاکہ احکام کے ذریعے انھیں وصالِ حق کی دعوت دی جا سکے فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ پس جب ان کے ہاں رسول علیہ السلام معجزات لے کر تشریف لاتے تو وہ لوگ اپنے

رسول علیہ السّلام کی تکذیب کرتے قُضِیَ بَیْنَهُمْ توان کے مابین یعنی رسول علیہ السلام اور اُن کی اُمت کے مابین فیصلہ ہوجاتا بِالْقِسْطِ انصاف کے ساتھ یعنی رسول علیہ السّلام اور ان پر ایمان لانے والوں کے لیے نجات اور تکذیب کرنے والوں کے لیے عذاب یعنی تباہی بربادی وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ○ اور ان پر اس فیصلے سے ظلم نہ تھا بلکہ عین عدل تھا اس لیے کہ اپنے بُرے اعمال کی وجہ سے وہ اسی عذاب کے مستحق تھے۔

سوال: آیت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ہر زمانہ میں ہر اُمت کے لیے رسول بھیجے گئے حالانکہ زمانۂ فترت میں نہ ان کے ہاں رسول آیا نہ وہ برباد ہوئے۔ حالانکہ غلط کاریوں میں وہ بھی سابقہ اُمتوں سے پیچھے نہیں تھے۔ قرآن پاک کی آیت لتنذر قوما ما انذر آباءُھم میں بھی اسی طرف اشارہ ملتا ہے۔

جواب: آیت کا معنٰی یہ ہے کہ ہر امّت کے لیے ہلاکت اور تباہی مقدر کی گئی ہے خواہ انھیں کسی رسول علیہ السلام کے ذریعے سے عذابِ خداوندی سے ڈرایا جاتے یا نہ اہلِ فترت کو عذاب میں اس لیے مبتلا نہ کیا گیا کہ عرب میں اسمٰعیل علیہ السلام کے بعد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی رسول مبعوث نہیں ہوا جب ہمارے نبی پاک شہ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم عرب میں مبعوث ہُوئے تو کفار نے آپ کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے انھیں بدر میں عذاب میں مبتلا کیا، چنانچہ وماکنا معذبین حتی نبعث رسولا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی رسالت کے احکام کا اجرا تو دوسرے انبیاء علیہم السلام کی نبوّت کی طرح اُن کے وصال کے بعد منقطع ہوگئے یہ صرف ہمارے نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا خاصہ ہے کہ آپ کی نبوت غیر منقطع ہے۔ (کذا فی انسان العیون)

ف: اس تقریر سے ابن الشیخ کے خیال کا رد ہوگیا وہ کہتے ہیں کہ ضروری نہیں کہ ہر اُمّت میں رسول موجود ہو اس لیے کہ پہلے رسول کے احکام دوسرے رسول کی تشریف آوری تک جاری رہتے ہیں جیسے ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں مبعوث ہُوئے ان کا وصال ہوگیا لیکن ان کے احکام تاابد جاری رہیں گے۔ اس قول کا رد اُوپر ہم نے بیان کر دیا کہ دوسرے رُسل کرام علیہم السلام کے احکامات ان کی زندگی کے بعد ختم ہوجاتے ہیں۔ یہ ہمارے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے کہ ان کے احکامات تاابد جاری رہیں گے۔

ف: اہلِ فترت کو عذاب ہوگا یا نہیں۔ اس کی تفصیل ہم نے سورۂ توبہ کے آخر میں عرض کر دی ہے۔

فائدہ صوفیانہ ہر رسول کی ایک وحی ظاہری ہوتی ہے، ایک باطنی، جسے الہامِ الٰہی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور قاعدہ ہے کہ جو کچھ انبیاء علیہم السلام کے لیے معجزہ واقع ہوسکتا ہے وہی اولیاءِ کرام علیہ الرحمۃ والغفران کے لیے بطور کرامات کے واقع ہوتا ہے ہر رسول علیہ السلام کی تشریف آوری ظاہری باطنی وحی سے ہوتی ہے۔ جو ان کی تصدیق کرتا ہے اسے تصدیق کے مطابق سعادت نصیب ہوتی ہے، جو ان کی تکذیب کرتا ہے اسے اس کے کذب کے مطابق شقاوت حاصل ہوتی ہے۔

ہر کسے از ہمت والاتے خویش
سود دارد و خور کالاتے خویش

ترجمہ: ہر شخص کو اپنی ہمت کے مطابق نفع نصیب ہوتا ہے۔

نصیحت از صاحب روح البیان انبیاء و اولیاء علیٰ نبیّنا علیہم السلام کو تہہ دل سے ماننا اور ان کے ہر ارشاد کی تصدیق اور اتباع کرنے سے انسان کو ہر طرح کی سعادت و کامرانی و کامیابی نصیب ہوتی ہے۔

اور ردّ وہابیہ و دیوبندیہ

وَيَقُوْلُوْنَ قیامِ قیامت کو ناممکن سمجھ کر یا استہزاء کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

شانِ نزول مروی ہے کہ جب آیت و اِمَّا نُرِيَنَّكَ (الآیہ) نازل ہوئی تو کفارِ مکہ نے کہا: اے نبی علیہ السلام (صلی اللہ علیہ وسلم)! جس عذاب سے تم ہمیں ڈراتے ہو وہ لا کر دکھاؤ۔

ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔

مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ وہ وعدہ کب پورا ہوگا یعنی جس عذاب کے متعلق کہتے ہو وہ جلد تر آئے گا ہمیں اس سے کسی قسم کا خطرہ نہیں اِنْ كُنْتُمْ اے نبی علیہ السلام اگر تم اور تمہارے متبعین صٰدِقِيْنَ ○ اس وعدے میں سچے ہو تو اپنے رب سے کہو کہ وہ لاتے وہ عذاب قُلْ لَّآ اَمْلِكُ فرمائیے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! میں ذاتی طور مالک نہیں یعنی میں ذاتی طور اس کی قدرت نہیں رکھتا۔

سوال: تم نے ملك کا معنیٰ قدرت کیوں بتایا؟

جواب: قدرت ملك کو لازم ہے اسی لزوم پر ہم نے ملك کا معنےٰ قدرت کیا ہے۔

لِنَفْسِيْ ضَرًّا اپنے نفس کے لیے نقصان کہ میں ذاتی طور اسے دفع کر سکوں وَّلَا نَفْعًا اور نہ ہی ذاتی قدرت رکھتا ہوں کہ میں کچھ اپنے لیے نفع حاصل کر سکوں۔ جب میں خود اپنے لیے ذاتی طور نفع و نقصان کی قدرت نہیں رکھتا تو پھر تمہارے لیے عذاب کیسے لا سکتا ہوں اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ط یہ استثنا منقطع ہے یعنی تمہارے اوپر عذاب اس وقت آئے گا جب اللہ تعالیٰ چاہے گا۔ چونکہ اس نے تمہارے لیے عذاب کی کوئی تاریخ معیّن نہیں کی اسی لیے اگر ابھی تمہیں عذاب نہ ہو تو اس کا معنیٰ یہ نہیں کہ اس نے وعدہ کا خلاف کیا۔ ہاں جب وہ چاہے گا تو تم پر عذاب واقع کرے گا تو پھر اسے کوئی نہیں روک سکے گا کما قال لِكُلِّ اُمَّةٍ ہر اس امت کے لیے کہ جس کے اور نبی علیہ السلام کے درمیان فیصلہ ہو چکا اَجَلٌ ط میعاد مقرر ہے کہ جس امت کا عذاب جس طرح متعین ہوا اسی کو پہنچے گا ان سے متجاوز ہو کر دوسری امت کو نہیں پہنچے گا۔

اور جس طرح کا عذاب مقرر ہوا ویسے ہی ملے گا بوجہ اپنے رسول علیہ السلام کی تکذیب کے إِذَا جَآءَ أَجَلُهُمْ جب ان کا خاص معین عذاب کا وقت آتا ہے فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً تو وہ اپنے مقررہ وقت سے پیچھے نہیں ہوں گے۔

ف: صیغہ استقبال میں اشارہ ہے کہ باوجودیکہ عذاب کا مطالبہ خود کریں گے لیکن نزولِ عذاب کے وقت انہیں طاقت نہیں ہوگی کہ اسے وقت مقرر سے مؤخر کرسکیں۔

وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ○ اور نہ وہ آگے ہوسکیں گے اسی لیے عذاب کی عجلت نہ کریں کیونکہ جب اس کا وقت آئیگا اور ہم اپنے وعدہ کے مطابق عذاب بھیجیں گے تو انہیں کسی قسم کی مہلت نہیں ملے گی۔ اس کا عطف ولا یستأخرون پر ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس میں تاخر کی طرح نفی نہیں کہ وہ فی نفسہٖ مقدم و مؤخر نہ ہوسکتے ہوں بلکہ اس میں مبالغہ مطلوب ہے کہ جب اللہ تعالیٰ عذاب مقدر کرے گا تو اس کا عدم وقوع عقلاً محال ہے۔ قُلْ أَرَءَيْتُمْ فرمائیے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے خبر دو۔

سوال: ارءیتم کا تم نے اخبرونی معنٰی کیوں کیا؟

جواب: رؤیت اخبار کا سبب ہے اسی لیے ہم نے مسبب کو لے کر اخبرونی سے معنٰی کیا ہے۔

إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُهُ اگر تمہارے اُوپر وہی عذاب آئے جسے تم جلد تر مانگتے ہو بَيَاتًا رات کو اور نیند کے غلبہ کے وقت أَوْ نَهَارًا یا دن کو جب کہ تم اپنی معاش کے حصول میں منہمک ہو مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُونَ ○ شرط کا جواب ہے اور جواب کی فا محذوف ہے اس لیے کہ نحوی قاعدہ مشہور ہے کہ جب شرط کا جواب استفہام واقع ہو تو جواب پر فاء کا ہونا واجب ہوتا ہے ہاں بوقتِ ضرورت اسے حذف کرنا جائز ہے۔ اب معنٰی یہ ہُوا کہ اے کافرو! کون سے عذاب کی تم عجلت کرتے ہو۔ عذاب تو مانگنے کی شے نہیں اس کی سختی اور کڑواہٹ کو سُن کر طبائع گھبراہٹ محسوس کرتی ہیں اور عذاب کا نام سُن کر دل بیقرار ہوجاتے ہیں، یا یہ معنٰی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تم کس چیز کی عجلت کرتے ہو، جب شے آتی ہے تو اس کی عجلت کا سوال بےسُود ہوجاتا ہے۔ اس میں مبالغہ ہے بایں معنٰی کفار کا عجلت کرنا کسی قطار میں نہیں جب عذاب کا نزول ہوگا تو ان کو عجلت کا تصور تک بھی نہ رہے گا اور عذاب اگرچہ ابھی نازل نہیں ہوا لیکن مبالغہ سے ظاہر کیا گیا ہے کہ گویا ان پر نازل ہو ہی گیا۔ المجرمون ضمیر کی بجائے ظاہر کرکے لایا گیا ہے انکار کے بیان کرنے کے لیے تاکہ ان کے حال کا تضاد واضح ہو کہ جونہی عذاب نازل ہوتا ہے مجرم کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ گھبراہٹ سے اپنے سابقہ تصوّرات بھول کر جزع فزع میں مشغول ہوجاتا ہے أَثُمَّ إِذَا مَا وَقَعَ آمَنتُم بِهِ حرفِ استفہام کو حرف ثم پر داخل کرنے میں اشارہ ہے کہ ان کے عذاب کو تاخیر نہیں یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! فرمائیے کہ جب تمہارے اُوپر عذاب واقع ہوا تو کیا تم اُسی وقت ایمان لاؤ گے لیکن یاد رکھو اس وقت تمہارا ایمان لانا تمہیں کام نہیں دے گا آلْآنَ ہمزہ ثانیہ کو الف سے تبدیل کرکے مد لائی گئی جس کا ایسے مقام پر آنا ضروری ہے

دراصل ءَاَلْاٰن تھا اس لیے کہ پہلا ہمزہ استفہامیہ ہے اور یہ آمنتم مقدر کی وجہ سے منصوب ہے۔ مذکورہ آمنتم سے اسے کوئی تعلق نہیں اس لیے کہ نہ استفہام کا ماقبل مابعد پر عمل کرسکتا ہے نہ مابعد ماقبل پر۔ یہ جملہ مستانفہ ہے لسے قبل مذکورسے کوئی تعلق نہیں گویا کفار نزولِ عذاب کے وقت ایمان لائیں گے تو انھیں کہا جائے گا آلْـٰٔنَ یعنی اب عذاب کے معائنہ پر ایمان قبول کر رہے ہو ایسا ایمان بارگاہِ حق میں قابلِ قبول نہیں وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ○ حالانکہ اس سے قبل تم تکذیب و استہزاء کرتے ہوئے اسی عذاب کی عجلت کا مطالبہ کرتے تھے ثُمَّ قِيْلَ اس کا عطف آلْـٰٔنَ سے پہلے کے فعل مقدر پر ہے لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا پھر انہیں کہا جائے گا جنھوں نے ظلم کیا یعنی تصدیق کے بجائے تکذیب کی اور ایمان کے بجائے کفر کیا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ج دائمی عذاب کا مزہ چکھو یعنی ایسا عذاب کہ اس میں تمہیں ہمیشہ مُبتلا رکھا جائے گا اس لیے کہ وہ پہلے عذابِ قبر میں مبتلا رہیں گے پھر انھیں آخرت کے عذاب کی طرف لایا جائے گا اور یہ عذاب ان سے منقطع نہیں ہوگا۔ ؎

نہ پنداری کہ بدگو رفت و جان برد
حسابش کرامٌ کاتبین است

ترجمہ: خیال مت کرو کہ بدبخت مر کر جان چھڑا گیا بلکہ کرامٌ کاتبین کا حساب اس کے ساتھ اب شروع ہوگا۔

هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ○ آج کے دن نہیں جزا دیے جاؤ گے مگر بسبب اس کفر و معاصی کے جن کا تم دنیا میں ارتکاب کرتے تھے۔ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابتداءً عذاب کو پیدا نہیں فرمایا اس لیے کہ بندوں کی تخلیق اس لیے تاکہ ان پر رحم فرمائے بلکہ عذاب ان کے اعمال کا نتیجہ ہے اس لیے ثابت ہوا کہ اعمالِ باطلہ ہلاکت کا موجب ہیں اور یہ ایسے ہے جیسے کوئی زہر کھا لے۔ ؎

چرا ز غیر شکایت کنم کہ ہمچو حباب ... ہمیشہ خانہ خراب ہوائے خویشتنم

وَيَسْتَنْۢبِئُوْنَكَ اور آپ سے کفار انکار و استہزاء کے طور سوال کرتے ہوئے کہتے ہیں اَحَقٌّ هُوَ ط کیا وہ حق ہے، ہمزہ استفہامیہ ہے حق خبر مقدم اور ھو مبتدا مؤخر ہے جملہ بن کر یستنبئونك کا محلاً منصوب مفعول ہے اس لیے کہ انباء بمعنیٰ اخبار متعدی بدو مفعول ہے یاد رکھو کہ نحویوں میں مشہور ترین یہ ہے کہ استنباء کے مفعول ثانی پر لفظ عن ہوتا ہے مثلاً: استنبئت زیداً عن عمرو۔

یعنی میں نے زید سے عمرو کے متعلق خبر طلب کی۔

قُلْ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! کفار سے فرمایئے آپ ان کے استہزاء و انکار کو نظر انداز کیجئے اس لیے کہ اس میں بہت بڑی حکمت ہے اِيْ وَرَبِّيْٓ ای بکسر الہمزہ و سکون الیاء نعم کی طرح حرفِ ایجاب ہے لیکن یہ حرف جملہ قسمیہ میں آتا ہے جیسے لفظ ھل صرف استفہام بمعنیٰ قد واقع ہوتا ہے اس معنے پر یہ واؤ قسمیہ ہے اب معنے یہ ہوا کہ ہاں ایسے ہی ہوگا مجھے اپنے رب تعالیٰ کی قسم اِنَّهٗ بے شک وہ عذاب موعود لَحَقٌّ ج البتہ حق اور ثابت ہے

وَمَآ اَنۡتُمۡ بِمُعۡجِزِیۡنَ ○ اور تم اپنے رب تعالےٰ کو عاجز نہیں کرسکتے جب وہ تمہارے عذاب دینے کا ارادہ فرمائے گا تو تم نہ اسے روک سکو گے نہ اس سے بھاگ سکو گے لامحالہ تمہارے اُوپر عذاب واقع ہو گا۔

تفسیر صُوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اہلِ غفلت پر چونکہ تعلقات کونیہ کی وجہ سے غفلت کے پردے لگے ہوئے ہیں اسی لیے امورِ اُخرویہ انھیں محسوس نہیں ہوتے اور اہلِ حقیقت یعنی عارفین کے قلب چونکہ بیدار اور اللہ تعالیٰ کے نور سے منور ہوتے ہیں اسی لیے بصیرت کی آنکھ سے امورِ آخرت کا مشاہدہ کرتے ہیں اور آخرت کی ہولناکیوں اور اس کے حالات کو ایسے دیکھتے ہیں جیسے دنیوی امور کا ظاہری آنکھ سے معاینہ کیا جاتا ہے ان کا چشم بصیرت کا مشاہدہ بھی محسوس کے طور ہوتا ہے چونکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم شبِ معراج جنۃ ونار سے گزرے اور انہیں اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرمایا اور آپ پر تمام اشیأ کی حقیقتیں منکشف ہوگئیں۔ بنا بریں آپ نے کفار کے موعودہ امور کے لیے قسم کھا کر فرمایا انہ لحق بے شک وہ حق اور ثابت ہے وَلَوۡ اَنَّ لِکُلِّ نَفۡسٍ ظَلَمَتۡ بیشک ہر وہ نفس جس نے ظلم یعنی کفر کیا اگر مَا فِی الۡاَرۡضِ وہ جو زمین ہے یعنی دنیا اور اس کے تمام خزینے اور مال اس کی ملک کر دیے جائیں —— لَافۡتَدَتۡ بِہٖ ط وہ انھیں فدیہ کے طور دے کر عذابِ الٰہی سے نجات پانے کی جدوجہد کرے یہ افتداء بمعنے فداہ ہے وَاَسَرُّوا اس کا فاعل ھم ضمیر راجع سوئے نفس ہے۔

سوال: نفوس پہلے مذکور نہیں تو ضمیر کیسے راجع ہو گی۔

جواب: کل نفس پہلے مذکور ہوا ہے اس کا معنےٰ نفوس ہے۔

سوال: نفس مونث ہے اور ضمیر ھم جمع مذکر کی، یہ کیسے؟

جواب: نفس مجازاً بمعنے شخص ہے۔

سوال: اس سے تو صرف کفار مردوں کے لیے حکم ثابت ہو گا حالانکہ کفر میں مرد و زن سب برابر ہیں۔

جواب: تغلیباً مردوں میں عورتیں بھی احکام میں شامل ہوتی ہیں۔

النَّدَامَةَ یعنی کفار اپنی غلطیوں یعنی کفر و شرک کی ندامت کو چھپائیں گے لَمَّا رَاَوُا الۡعَذَابَ ج جب عذاب کو دیکھیں گے، یعنی عذاب کو دیکھ کر اپنے کفر و شرک کو ظاہر نہیں کریں گے اس لیے کہ کمال حیرت سے بول ہی نہیں سکیں گے جیسے کسی کو سُولی پہ چڑھانے کے لیے لایا جائے تو حیرت سے مبہوت ہو کر بول نہیں سکتا ایسے ہی کافروں کی حالت ہو گی

ف: الکواشی میں ہے کہ اس دن اپنی ندامت ظاہر کریں گے یعنے دھاڑیں مار کر روئیں گے اس لیے کہ وہ دن ایسا ہے کہ دُکھ اور درد سے صبر کرنا ناممکن ہو جائے گا اور اسرار بمعنے اظہار ہے۔ چنانچہ "تبیان" میں ہے کہ اسرار لغات اضداد سے ہے (یعنی جس لفظ میں ہر دو ضدیں پائی جائیں اسے اضداد سے تعبیر کرتے ہیں جیسے بیع بمعنے خرید اور بیچنا وغیرہ وغیرہ)

وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ اور ان کے مابین فیصلہ کیا جائے گا۔ یعنی اللہ تعالےٰ ظالمین، مشرکین و دیگر اہل ظلم کا فیصلہ فرمائے گا، بایں طور کہ ان سے ان حقوق کا مطالبہ ہوگا جو انہوں نے دنیا میں حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کی حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد و ہر ایک ظالم سے اس کے لائق حساب ہوگا اور اس سے حقوق کی ادائیگی کرائی جائے گی بِالْقِسْطِ انصاف کے طور وَهُمْ اور ان ظالمین پر لَا يُظْلَمُوْنَ ○ ظلم نہیں ہوگا جتنی غلط کاریاں اُن سے دُنیا میں سرزد ہوئی ہوں گی اسی قدر انہیں سزا ملے گی اور یہ عذاب ان کے کیے پر انہیں لازمی طور پر ہوکر رہے گا اور ان کے ظلم کا تقاضا یہی ہے۔ (کذا فی الارشاد)

سوال: قضی بینھم ایک بار پہلے مذکور ہوا، اب دوبارہ کیوں لایا گیا ہے اس طرح سے تکرار لازم آگیا۔

جواب: پہلے قضی بینھم سے انبیاء علیہم السلام اور ان کے مکذبین کے مابین اور دوسرے سے مشرکین کو شرک کی سزا کا فیصلہ مراد ہے۔

اَلَآ امام صاحب نے فرمایا کہ یہ لفظ غافلین کو متنبہ کرنے کے لیے آتا ہے وہ اس لیے کہ اس عالم دنیا کے لوگ اسباب ظاہرہ میں مشغول ہیں اور اس کی ہر شے کو کسی کی طرف مجازی ملکیت منسوب کرتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں:

الدار لزید۔ زید کی حویلی

الغلام لعمرو۔ عمرو کا غلام

السلطنة للخليفة۔ خلیفہ کی بادشاہی

التصرف للوزیر۔ وزیر کا تصرف۔ وغیرہ وغیرہ

اور وہ اس مجاز کی غفلت وجہالت سے اتنا غرق ہیں کہ ان اضافات و منسوبات کو گویا مجاز کے بجائے حقیقت سمجھتے ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ایسے غافلین کو لفظ اَلَآ سے متنبہ فرمایا کہ خبردار اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بیشک جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے وہ اللہ تعالےٰ کا ہے اس لیے کہ یہ مسئلہ محقق ہے کہ اللہ تعالےٰ کے ماسوا تمام ممکن لذاتہ ہیں اور ہر ممکن لذاتہ واجب لذاتیہ کی طرف مستند ہے ابتداءً یا بالواسطہ نتیجہ نکلا کہ جمیع ماسوی اللہ تعالےٰ کی ملکیت ہیں ان میں (ایجاداً و اعداماً اثابةً و اعقاباً) وہ جس طرح چاہے تصرف کرے۔

سوال: ما غیر ذوا العقول کے لیے آتا ہے آیت سے معلوم ہوا کہ اس کی ملکیت میں صرف غیر ذوا العقول ہیں۔

جواب: تغلیباً ذوا العقول بھی شامل ہیں جیسا کہ تغلب کا قاعدہ ہے۔

اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ جو کچھ اللہ تعالےٰ نے ثواب وعتاب کا بندوں سے وعدہ کیا ہے وہ ثابت ہے وعد بمعنے موعود اور حق بمعنے ثابت واقع ہے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وعد اپنے مصدری معنے میں ہے اور حق بمعنے مطابق للواقع ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا وعدہ مذکورہ واقع کے مطابق ہے وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لیکن وہ اپنی عقل کے قصور اور غلبۂ غفلت اور صرف محسوس معتاد کو سمجھنے کی وجہ سے ان کے اکثر لَا يَعْلَمُوْنَ ○ اس حقیقت سے بے خبر ہیں اس لیے کہ وہ صرف دنیا کے

ظاہری حالات کو جانتے ہیں اس لیے وہی کہتے اور کرتے ہیں جو سب کو معلوم ہے۔ ؎

ماندہ در تنگنائے ایں مجلس
غیب و نیاندیدہ دیدۂ حس

چشم دل گو کہ پردہا بدرد
جانب ملک آخرت نگرد

مرغ او در قفس زبون باشد
چہ شناسد کہ باغ چوں باشد

ترجمہ: اس دنیا تنگ گلی کو دیکھنے کا عادی جو صرف ظاہری اور محسوس اشیاء کو دیکھتا ہے اسے کہو کہ وہ دل کی آنکھ کے پردے چاک کر کے آخرت کے ملک کو دیکھے ورنہ اس کا مرغِ دل بیکار پنجرے میں پھنسا رہے گا اسے کیا معلوم ہو گا کہ باغ کیا ہے۔

تفسیر عالمانہ هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ وہی دُنیا میں مارتا جلاتا ہے اس کے اس فعل میں کسی کو دخل نہیں وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ○ اور تم آخرت میں اسی کی طرف اٹھائے جاؤ گے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے: ھو یحی عدم سے ایجاد وہی بخشتا ہے ویمیت وجود سے عدم میں وہی لاتا ہے والیہ ترجعون عدم و وجود کے لحاظ سے تمہارا اسی کی طرف رجوع ہے۔

مسئلہ: انسان کو بالآخر موت آئے گی جب اُس کا وقت آتا ہے تو کسی کو کوئی علم اور ہُنر کام نہیں دیتا جیسے جب موت آئی تو آدم علیہ السلام کو علم اور ابراہیم علیہ السلام کو خُلت اور موسٰی علیہ السلام کو قربت اور داؤد علیہ السلام، سلیمان علیہ السلام اور ذوالقرنین کو ملک اور حضور امام الانبیاء شہِ ہر دوسرا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبت اور قارون کو مال اور نمرود کو لشکر اور یوسف علیہ السلام کو جمال کام نہ دے سکا۔

موت کی ہولناک داستان منقول ہے کہ بوقتِ موت ایک لاکھ چوبیس ہزار غم لاحق ہوتے ہیں اور اس قدر سخت کہ اگر ان میں سے صرف ایک غم اہلِ دنیا کو دے دیا جائے تو تمام اہلِ دنیا مٹ کر فنا ہو جائیں پھر مرنے کے بعد بندے کو ترلسیٹھ ہولناک امور گھیر لیتے ہیں اس کا ہر ہَول دنیا کے مذکورہ غموں کے برابر ہوتا ہے جسے ان ہولناکیوں پر یقین ہے اور اتنا مجاہدہ کرتا ہے کہ اس کے جہاد کا ہر الم موت کے تمام غموں کا بدلہ بن جاتا ہے پھر جب اسے موت آتی ہے تو اسے مذکورہ بالا غم و الم نہیں پہنچتے اس لیے کہ وہ اضطراری موت سے پہلے اختیاری موت سے مر چکا ہوتا ہے بلکہ وہ مذکورہ مجاہدات سے اپنے مولیٰ سے واصل ہو جاتا ہے اسی لیے تمام قیود

و اضافات سے فارغ ہوکر باقی باللہ کا مقام حاصل کرلیتا ہے۔ اسی لیے اہلِ تصوف فرماتے ہیں کہ نفس کی موت میں قلب کی زندگی ہے اللہ تعالےٰ ہم سب کو حیاتِ قلبی نصیب فرمائے۔

ف : اختیاری موت اولیاء اخیار رحمہم اللہ تعالیٰ کو نصیب ہوتی ہے اور اضطراری موت کمینے اور اغیار لوگوں کو ملتی ہے یُوں کہو کہ ولی اللہ کی موت وصالِ الٰہی کا دُوسرا نام ہے اور رذیل اور اغیار کی موت کو جُدائی اور ہجراں سے تعبیر کرتے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

اے برادر صبر کن بر دردِ نیش
تا رہی از نیش نفس گبر خویش
ہر کہ مرد اندر تن اُو نفس گبر
مر ورا فرمان برد خورشید و ابر
نے بگفتست آں سراج امتان
ایں جہان و آں جہان چوں ضرتان
پس وصال ایں فراق آں بود
صحت ایں تن سقام جاں بود
سخت مے آید فراق ایں مقر
پس فراق آں مقرداں سخت تر
چوں فراق آں نقش سخت آید ترا
تا چہ سخت آید ز نقاش جدا

ترجمہ : اے برادر! دردِ نیش پر صبر کر تاکہ تجھے نفس کافر کے دردِ نیش سے رہائی نصیب ہو۔ جس کے جسم میں نفس کافر مر جاتا ہے تو یقین کرو کہ سورج اور بادل اس کے اشاروں پر چلیں گے تمہیں معلوم نہیں امتوں کے سراج نے فرمایا ہے کہ دُنیا و آخرت آپس میں دو سوکنیں ہیں ایک کے وصال سے دُوسری کو طلاق لازمی ہے لیکن یاد رکھو کہ آخرت کو طلاق دو گے تو سخت تکلیف اٹھاؤ گے اگر تجھے دُنیا کے طلاق دینے میں تکلیف محسوس ہوتی ہے تو پھر سمجھ لیجئے کہ آخرت کی نار کی سختی سے دوچار ہونا پڑے گا اور وہ نہایت سخت ہے۔

تفسیر عالمانہ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اے لوگو! ۔ یہ خطاب کاشفی کے نزدیک عام ہے اور ارشاد میں خاص کفار مکہ کے لیے لکھا ہے قَدْ جَاءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ بے شک تمہارے ہاں نصیحت آچکی ہے یعنی تمہیں تمہاری عاقبت کی نصیحتیں سُنائی گئی ہیں زجر و ترہیب سے بھی اور نرمی اور ترغیب کے طور بھی یعنی کتاب مبین

ہیں تمہارے منافع ونقصانات کے امور واضح طور بتاتے گئے ہیں اور سمجھایا گیا ہے کہ نیک اعمال سے تمہاری زندگی سنور جائے گی بُرے اعمال سے تمہاری عاقبت خراب ہوگی۔

ف : موعظۃ سے قرآن مجید مراد ہے۔

مِّنۡ رَّبِّكُمۡ یہ جار متکم کے متعلق ہے یعنی وہ نصیحت تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے ہے وَشِفَآءٌ لِّمَا فِى الصُّدُوۡرِ ۙ اور وہ تمہارے صدور کی شفاء اور تمہارے قلوب کی دوا ہے کہ قلب کے جملہ امراض جیسے جہل و شک اور شرک ونفاق ودیگر جمیع عقاید فاسدہ کو اس سے شفا نصیب ہوگی وَهُدًى اور وہ طریق حق ویقین کی رہبری کرے گی اور آفاق والنفس کے دلائل اسی سے معلوم ہوں گے وَّرَحۡمَةٌ لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۞ اور وہ اہل ایمان کے لیے رحمت ہے اس لیے کہ وہی کفر وضلال کی ظلمات سے قرآن مجید کی برکت سے نجات پا سکے۔

ف : موعظۃ سے لے کر رحمۃ تک تمام مصادر ہیں ان سے قرآن مجید کو موصوف کرنے میں مبالغہ کیا گیا کہ گویا قرآن مجید امور مذکورہ کا عین ہے۔ ؎

زہے کلام تو محض ہدایت و حکمت
زہے پیام تو عین عنایت و رحمت
کشد کمند کلام تو اہل عرفان را
ز شورہ زار خساست بگلشن ہمت

ترجمہ : تیرا کلام ہدایت وحکمت اور تیرا پیام عین عنایت ورحمت ہے تیری بات عارفین کو کمند بن کر کھینچ لیتی ہے وہ خساست کے شور ویران سے نکل کر گلشن میں پہنچتے ہیں۔

ف : قرآن مجید نفوس کے لیے موعظۃ قلوب کے لیے شفا اور ارواح کے لیے ہدیٰ ہے۔

ف : قرآن مجید عوام کے لیے موعظت، خواص کے لیے شفا، اخص کے لیے ہدیٰ اور تمام عوام وخواص واخص کے لیے رحمت ہے اس لیے کہ اسی کی بدولت ہر ایک اپنے اپنے مراتب ومقامات پر پہنچا ہے۔

تفسیر عالمانہ

قُلۡ اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! لوگوں سے فرمائیے بِفَضۡلِ اللّٰهِ وَبِرَحۡمَتِهٖ فضل ورحمت ہر دو سے انزال قرآن مجید مراد ہے ان کی باء کا متعلق محذوف ہے۔ اصل عبارت یوں تھی، لیفرحوا بفضل اللہ وبرحمتہ۔ باء کو دوبارہ لانے میں اشارہ ہے کہ قرآن مجید میں ہر دو صفات مستقل حیثیت رکھتی ہیں۔ جار مجرور کو فعل پر مقدم کرنے سے قصر مطلوب ہے اس پر فاء سببیہ ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ اہل اسلام اللہ تعالیٰ کے فضل ورحمت یعنی قرآن کی وجہ سے خوشیاں منائیں اس کے بعد فرمایا فَبِذٰلِكَ فَلۡيَفۡرَحُوۡا ؕ یہ جملہ سابقہ کی تقریر وتاکید کے لیے ہے پہلے فعل کو اسی مذکور فعل کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے فبذٰلک کی فاء جزائیہ

اور فلیفرحوا کی فا سببیہ ہے اب مطلب یہ ہُوا کہ اگر کوئی خوشی منانا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ صرف فضل و رحمت الٰہی سے خوشی منائے فا سببیہ لاکر شرط کو حذف کیا گیا۔

سوال : بذٰلک میں اشارہ دوفعلوں کی طرف کیسے۔ اس لیے کہ یہ واحد کے لیے آتا ہے۔

جواب۱ : وہ دونوں فعل متحد بالذات ہیں اگرچہ لفظاً دو علیحدہ علیحدہ ہیں ذٰلک کا اشارہ اسی اتحاد ذاتی کی وجہ سے ہے۔

جواب۲ : کل واحد منھما سے تاویل کر کے واحد کا اشارہ کیا گیا اور یہ قاعدہ نحویہ عام ہے کہ دو یا اس سے زائد کے لیے کل واحد کی تاویل کر کے واحد سے اشارہ وغیرہ کیا جاتا ہے۔

هُوَ یعنی وہی فضل ورحمت الٰہی جو ابھی مذکور ہوئے۔ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ○ اس سے بہتر ہے جو وہ اموال فانیہ سے جمع کرتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

بعض مشایخ فرماتے ہیں کہ فضل اللہ سے اس کا احسان مراد ہے جو اُس نے بندوں کو عنایت فرمایا اور ورحمتہ سے اس کی وہ ہدایت مراد ہے کہ بندہ نابود تھا پھر اسے ہستی بخشی گویا اللہ تعالےٰ اپنے بندوں سے فرماتا ہے کہ اے میرے بندو! اپنی طاعت وخدمت پر بھروسہ مت کرو بلکہ تمہارا سہارا صرف میرا فضل ورحمت ہے اس لیے کہ تیری زندگی کا راس المال یہی ہے اس لیے کہ دوسروں کا سرمایہ دنیا و دولت ، لیکن مومن کا سرمایہ فضل الٰہی ہے اور دُوسروں کا خزانہ مال واسباب ہیں لیکن مومن کا خزانہ رحمت ایزدی ہے۔

ف

گر شاہ را خزانہ نہادن بوجہ ہوس
درویش را خزانہ ہمیں لطف دوست بس

ترجمہ: اگر بادشاہ کو دنیا و دولت جمع کرنے کی ہوس ہو تو اسے بتادو کہ درویش کا خزانہ دوست کا لطف وکرم ہے۔

نکتہ : اگر دُنیا و دولت جمع کرنے میں کچھ نفع ہوتا تو قارون کو بہت بڑے منافع جات نصیب ہوتے۔

حکایت حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں : میں ایک جماعت کے ساتھ کشتی میں بیٹھا ہُوا تھا کشتی کے مالک نے کہا : تم میں سے ایک کشتی سے اُٹھ جائے۔ مَیں اُٹھ کھڑا ہُوا۔ اس نے پُوچھا: آپ کیوں اُٹھے ؟ مَیں نے کہا : میرے ہاں سامان وغیرہ کچھ بھی نہیں اس لیے میں اکیلا نکل جاؤں گا اور دوسروں کے پاس سامان ہے وہ سامان اٹھانے میں دیر کریں گے اور انھیں تکلیف بھی ہوگی۔ اس نے کہا : جائیے۔ میں کشتی سے نکلتے وقت دل میں کہتا جارہا تھا کہ یہی معاملہ آخرت کا ہے کہ جس کے پاس سامان ہوگا وہ پریشان ہوگا۔

اسی لیے صوفیاءِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تعلقات دنیا قید، اور تجرد حضور قلبی اور راحت ہے۔

حضرت حافظ رحمہ اللہ نے فرمایا ؎

غلام ہمت آنم کہ زیر چرخ کبود
ہرچہ رنگ تعلق پذیرد آزاد ست

ترجمہ : آسمان کے نیچے جو بھی ہے وہ کسی تعلق سے ضرور گرفتار ہے لیکن صاحب ہمت اس سے آزاد ہے اسی لیے میں اس کا غلام ہوں۔

شرح بیت مذکور اس شعر میں ماسوی اللہ سے آزادی کی طرف اشارہ فرمایا ہے اس لیے کہ عالم جسمانی ہو یا روحانی، عینی ہو یا علمی، تعلق کو چاہتا ہے۔ لیکن حضرت حافظ رحمہ اللہ تعالےٰ نے عالم کے بجائے صرف آسمان کبود کا نام صرف اس لیے لیا کہ انسان صرف محسوس چیزوں سے مانوس ہوتا ہے۔

ف : قرآن مجید سے نصیحت حاصل کرنا انسان کو حظوظِ نفسانیہ سے نجات دلا کر سعادت باقیہ بخشتا ہے۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ تعالیٰ ایک دن اپنے شاہی انتظامات کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اسی شب کو نیند میں دیکھا کہ آپ کو کسی نے ایک مکتوب دیا جس میں لکھا تھا : دار فانی کو عالم باقی پر ترجیح نہ دیجئے اور نہ ہی اپنے ملک سے دھوکہ کھائیے جن نعمتوں میں آپ ہیں عظیم الشان ہیں اگر فنا نہ ہوتیں فلہذا اب تمہارے اوپر لازم ہے کہ تم اللہ تعالےٰ کی طرف جانے میں عجلت کرو۔ سارعوا الیٰ مغفرة من ربکم وجنة اپنے رب تعالیٰ کی مغفرت اور جنت کی طرف جلدی کرو۔ حضرت موصوف یہ پڑھ کر گھبرا اُٹھے اور سمجھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصیحت نصیب ہوئی ہے اس لیے شاہی چھوڑ دی خالص توبہ کرکے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو گئے۔

نکتہ : جاءتکم موعظة میں اشارہ ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالےٰ کا عظیم الشان تحفہ ہے جو اس کریم نے اپنے بندوں کو عطا فرمایا ہے اسے قبول کرنا ہمارا فرض ہے اور اس کے قبول کرنے کا یہ معنیٰ ہے کہ ہم اس کے اوامر و نواہی کی پابندی کریں۔

حکایت ایک قاری صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ اپنے شیخ کو قرآن پاک کی چند آیات سنائیں۔ چند دنوں کے بعد ارادہ ہوا کہ شیخ مذکور کو اور آیات سناؤں۔ انہوں نے فرمایا : بیٹے ! پہلی آیات جو تم نے سنائیں میرے لیے وہی کافی ہیں ان پر عمل کرکے جب پورا اُتروں گا پھر اور آیات سنوں گا کسی اور کو جا کر سناؤ اس لیے کہ قرآن مجید کی ہر آیت امر و نہی اور افہام و تفہیم اپنے قاری و سامع کو اپنا پروگرام بتاتی ہے۔ (کذا فی الاحیاء)

کسی نے کیا خوب فرمایا :

؎

نقد عمرش ز نکرت معوج
خرج شد در رعایت مخرج

صرف کردش ہمہ حیات سرہ
در قرآت سبع و عشرہ

ترجمہ: قاری نے اپنی عمر کے گراں مایہ لمحات رعایت مخارج ہیں گنوا دیے اور قیمتی گھڑیاں سبع اور عشرہ میں ضایع کر دیں۔

شرح شعر مذکور شعر کا مقصد یہ نہیں کہ قاری تصحیح و تجوید کو حاصل نہ کرے بلکہ تنبیہ فرمائی ہے کہ بقدر ضرورت قرآن پاک کے الفاظ کی تصحیح و تجوید پڑھ کر قرآن پاک کے اوامر و نواہی اور اس کے تمام احکام کی پابندی کرے تاکہ اسے معرفتِ الٰہی نصیب ہو اور معرفت الٰہی قلب کی صفائی سے نصیب ہوتی ہے اور تجوید کی مشق میں لگا رہنا اور تصفیۂ قلب کی طرف متوجہ نہ ہونا عمر ضائع کرنا ہے کیونکہ تجوید سے صرف زبان کی صفائی نصیب ہوگی اور ظاہر ہے کہ قلب کی صفائی زبان کی مشق سے افضل و اعلیٰ ہے۔

قیمتی رُحانی نسخہ اللہ تعالےٰ کے ذکر سے پھر فکر سے حقائق الاشیاء والقرآن منکشف ہوتے ہیں جیسے اللہ تعالےٰ نے اپنے محبوب علیہ السلام کو جبریل علیہ السلام کے ذریعے حقائق سے آگاہی بخشی ایسے ہی اپنے اولیاء کو قرآن کے ذریعے سے آگاہی بخشتا ہے۔

ف: علمِ شریعت فانی ہے البتہ اس کا ثواب باقی ہے جو آخرت کے دن کے لیے جمع ہو رہا ہے بشرطیکہ اس میں خلوص ہو اور علم حقیقت کا عین آخرت میں پہنچا یا جائے گا اس لیے کہ علم حقیقت کو فنا نہیں بلکہ وُہ باقی رہے گا کیونکہ وہ ازلی ابدی ہے اسے کسی مقام اور مرتبہ پر فنا نہیں۔ صاحبِ روح البیان نے فرمایا کہ یہ فائدہ میرے شیخ و مرشد قدس سرہٗ نے بیان فرمایا۔

تفسیر عالمانہ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! فرمائیے اسے مشرکو خبر دو مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وُہ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے رزق نازل فرمایا ہے ما استفہامیہ منصوب المحل اپنے صلہ انزل اللہ الخ سے مل کر ارء یتم کے دو مفعولوں کا قائم مقام ہے۔

سوال: رزق منزل من السماء کیوں؟ حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ رزق زمین سے ملتا ہے۔

جواب: ہر ایک کا رزق آسمان پر مقدر کیا گیا ہے کما قال تعالےٰ،

وفی السماء رزقکم۔

آسمانوں میں تمہارا رزق ہے۔

پھر زمین سے اس قدر حاصل ہوتا ہے جس قدر آسمان پر مقدر ہوتا ہے۔ اسی معنے پر فرمایا کہ تمہارے رزق آسمان میں ہیں۔

جواب۲ : ہمارے رزق اگرچہ زمین سے حاصل ہوتے ہیں لیکن ان کے اسباب آسمان سے متعلق ہیں۔ مثلاً بارش ہوتی ہے تو کھیتی اُگتی ہے، سُورج کی روشنی سے پھل، اناج وغیرہ پکتے ہیں، چاند کی چاندنی سے اناج اور پھل رنگ برنگ ہوتے ہیں۔

ف : لکم کی لام منفعت کے لیے ہے اس میں اشارہ ہے کہ رزق سے حلال رزق مراد ہے۔

فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ پس کر دیا تم نے اس کے بعض کو حَرَامًا حرام یعنی تم نے اس کے حرام ہونے کا حکم لگایا وَّحَلٰلًا اور ان میں سے بعض کو حلال کہا حالانکہ ہم نے تمام رزق کو حلال پیدا فرمایا۔

خلاصۃ التفسیر آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ ہم نے تو تمام رزق حلال نازل فرمایا لیکن تم نے اپنے طور اس کی تقسیم شروع کر دی۔ مثلاً :

هٰذه انعام وحرث حجر۔

اور کہا :

ما فی بطون هٰذه الانعام خالصة لذکورنا ومحرم علیٰ ازواجنا۔

ان جانوروں سے بحیرہ سائبہ، وصیلہ، حام مراد ہیں۔ اُن کی تقسیم اور جانوروں کے متعلق تفصیل آٹھویں پارہ تفسیر ہذا میں دیکھیے۔

ف : اس سے اللہ تعالےٰ نے ان کی تقسیم کو غلط قرار دے کر اس کا انکار فرمایا ہے۔

قُلْ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کافروں سے فرمایئے آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ کیا اس تقسیم کی تمہیں اللہ تعالےٰ نے اجازت بخشی ہے کہ اسی فرمان پر عمل کرتے ہوئے کہتے ہو کہ یہ حلال ہے اور وہ حرام اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ۝ یا اللہ تعالیٰ کی طرف اسے منسوب کر کے اس پر افتراء کرتے ہو۔

مسئلہ : یہ آیت زواجر میں سخت تر ہے ان مسائل میں کہ اللہ تعالےٰ کے احکام میں مصلحتوں کا سوال کرنا چاہیے اس میں ہم سب کو احتیاط ضروری ہے اگر کوئی احتیاط نہیں کرتا تو وہ بھی مفتریوں میں داخل ہے۔ (کذا فی الکواشی)

مسئلہ : حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا : جس نے علم کے بغیر فتویٰ دیا اس پر آسمان و زمین والوں کی لعنت۔

حکایت حضرت علی بلخی رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی نے اپنے باپ سے پُوچھا : کیا معمولی قے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟ انہوں نے فرمایا : ہاں۔ اسی شب کو انہیں حضور آقائے نامدار سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہُوئی تو آپ نے فرمایا : اے علی (رحمہ اللہ) ! معمولی قے سے وضو نہیں ٹوٹتا جب تک منہ بھر کر نہ نکلے۔ حضرت علی (رحمہ اللہ) فرماتے ہیں : اس سے مجھے یقین ہُوا کہ ہر فتویٰ حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش ہوتا ہے۔ اس روز سے میں نے قسم کھالی کہ آئندہ کوئی فتویٰ نہیں دُوں گا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ سالکین پر لازم ہے کہ خواہ مخواہ کتنے بھریں کہ رزق معنوی یعنی واردات الٰہیہ اور شواہد ربانیہ نفس پرستوں پر حرام اور اہل دل پر حلال ہیں اس لیے کہ ایسی سعادات اور بلند کرامات کا حصول ہمارے بس سے باہر ہے بلکہ یہ دولت صرف انبیاء عظام علیہم السلام اور اکابر اولیاء کرام علیہم الرحمۃ والغفران کو نصیب ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے انعامات کو مخصوص قوم کے لیے مانتا اور دوسروں کو ان سے محروم سمجھتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ پر افتراء کرتا ہے اس لیے خداوند تعالیٰ نے یہ مقامات اور منازل کسی خاص قوم کے لیے نہیں بلکہ ہر خاص و عام کے لیے عام بنائے، کما قال:

یدعوا الیٰ دار السلام۔

اور فرمایا:

یدعوکم لیغفر لکم۔

نیز اپنے آپ کو پست ہمت تصور کر کے ان انعامات و کرامات کے لائق نہ سمجھنا بھی خساست و رذالت بلکہ بیوقوفی اور حماقت ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کا دروازہ ہر کے لیے وا کیا ہوا ہے کسی کے لیے کسی وقت بند نہیں ہوتا، اس کی شان ہے کہ فیض اور انعام ہر خاص و عام کو مرحمت فرمائے۔

حضرت حافظ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ؎

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نکرد
اے خواجہ درد نیست ورنہ طبیب ہست

ترجمہ: وہ کون سا عاشق ہے کہ اپنے محبوب کی بارگاہ میں حاضر ہو اور وہ اس پر نگاہِ کرم نہ فرمائے سب کو کہہ دو کہ تجھے درد نہیں ورنہ ہر درد کا وہ طبیب ہے۔

اور فرمایا: ؎

طالب لعل و گہر نیست وگرنہ خورشید
ہمچناں در عمل معدن و کانست کہ بود

ترجمہ: لعل و گوہر کے طالب نہیں ملتے ورنہ سورج تو پہلے کی طرح معدن اور کان بنانے میں مصروف ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

گر گراں و گر شتا بندہ بود
عاقبت جویندہ یابندہ بود

ترجمہ: کوئی آہستہ چلے یا دوڑے لامحالہ جو کسی شے کو تلاش کرتا ہے اسے ضرور پاتا ہے۔

فائدہ صوفیانہ حکم وطائیہ اور اس کی شرح میں ہے کہ جو سمجھتا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ شہوات سے کیسے بچائے گا جبکہ وہ یقین رکھتا ہے کہ وہ شہوات کے سخت گھیرے میں ہے کہ کسی طریق سے بچنا ممکن نہیں تو ایسا شخص اللہ تعالیٰ کو عاجز قرار دیتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کو عاجز سمجھتا ہے وہ کافر ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہر شئے پر قادر ہے، کما قال،

وکان اللہ علیٰ کل شی مقتدرا۔

اس سے واضح ہوا کہ اللہ تعالےٰ ہر شئے پہ قدرت رکھتا ہے بلکہ انسان کو چاہیے کہ ہر معاملہ میں اللہ تعالےٰ سے مدد مانگے اور صرف اسی سے اپنے جملہ امور کی تکمیل کی اُمید رکھے اگرچہ کتنا ہی نفسانی وشہوانی امور میں گرفتار ہو تب بھی جب اس کا فضل وکرم شامل حال ہوگا تو بیڑا پار ہو جائے گا جیسا کہ ابراہیم بن ادھم، فضیل بن عیاض، عبداللہ بن مبارک، ذوالنون مصری، مالک بن دینار اور دیگر وہ اکابر اولیاء جن کی ابتدائی کیفیت ناگفتہ بہ تھی اس کے بعد اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا فضل وکرم ہوا تو بہت بڑے ولی کامل ہو گئے۔

تفسیر عالمانہ وَمَا ظَنُّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ۔ مَا استفہامیہ محلاً مرفوع مبتداء ہے اور ظن الذین الخ اس کی خبر ہے اور ظن کے دونوں مفعول محذوف ہیں۔

سوال: افتراء میں جب کذب کا معنےٰ موجود ہے تو پھر افتراٗ کے بعد الکذب کہنے کی کیا ضرورت ہے؟

جواب ۱: تاکہ ان کے افتراٗ کے کمال قبح کا اظہار ہو۔

جواب ۲: جیسے اقوال میں جھوٹے تھے ایسے ہی عقائد میں بھی۔

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط یہ لفظ ظن کا مفعول فیہ ہے یعنی قیامت میں ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جب اللہ تعالےٰ کے حضور میں تمام افعال واقوال پیش ہوں گے اور ان کے ذرہ ذرہ کا حساب لے کر جزا و سزا کا حکم صادر فرمائے گا اس میں قیامت اور اس کے متعلقات کی ہولناکیوں سے ڈرایا گیا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ بے شک اللہ تعالےٰ بہت بڑے فضل والا ہے عَلَى النَّاسِ تمام لوگوں پر کہ انھیں عقل جیسی نعمت عطا فرمائی ہے جس سے وُہ حق وباطل اور حسن وقبح کی تمیز کر سکتے ہیں اور ان پر لطف وکرم فرمایا کہ انھیں کتابوں سے نوازا اور اپنے رسل کرام بھیجے وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝ لیکن اکثر ان کے ناشکرے ہیں یعنی اللہ تعالےٰ کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر نہیں کرتے اور نہ ہی اپنے قوٰی ومشاعر کو ان امور میں لگاتے ہیں جن کے لیے وہُ پیدا کیے گئے ہیں اور جو ضروری امور ہیں ان کے سمجھنے کے لیے نہ عقل سے کام لیتے ہیں اور نہ ہی شرعی احکام پر گامزن ہوتے ہیں حالانکہ ان دونوں کے بغیر انسانیت پروان نہیں چڑھ سکتی۔

وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَّمَا تَتْلُوا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا
اِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ ؕ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَا
اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِي كِتٰبٍ مُّبِينٍ ○ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا
هُمْ يَحْزَنُونَ ○ اَلَّذِينَ اٰمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ○ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ وَفِي الْاٰخِرَةِ ؕ لَا
تَبْدِيلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ○ وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ
جَمِيعًا ؕ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ○ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ؕ وَمَا يَتَّبِعُ
الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُونَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُونَ ○ هُوَ
الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُونَ ○
قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِيُّ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ اِنْ عِنْدَكُمْ
مِّنْ سُلْطٰنٍ بِهٰذَا ؕ اَتَقُولُونَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ○ قُلْ اِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ
لَا يُفْلِحُونَ ○ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيدَ بِمَا
كَانُوا يَكْفُرُونَ ○

ترجمہ: اور آپ کسی حال میں ہوں اور جو کچھ اس کی طرف سے آپ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں اور تم جو
عمل بھی کرتے ہو اس سے ہم باخبر ہیں جب تم اسے شروع کرتے ہو اور آپ کے رب سے ذرہ برابر بھی کوئی شے پوشیدہ
نہیں رہتی نہ زمین میں نہ آسمان میں اور چھوٹی اور بڑی کوئی ایسی شے نہیں جو ایک روشن کتاب میں نہ ہو خبردار
بیشک اولیاء اللہ پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے جو ایمان لاتے اور پرہیز گاری کرتے ہیں ان کے لیے
دنیوی زندگی میں خوشخبری ہے اور آخرت میں بھی۔ اللہ کی باتوں میں کوئی تبدیلی نہیں یہی وہ بہت بڑی کامیابی ہے
اور آپ کو ان کی باتیں غم میں نہ ڈالیں بیشک تمام عزت اللہ کے لیے ہے وہی سمیع علیم ہے خبردار بیشک اللہ
ہی کی ملک ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور زمینوں میں ہیں اور وہ لوگ جو خدا کے سوا غیروں کو پکارتے ہیں وہ کس چیز
کا اتباع کر رہے ہیں اور نہیں اتباع کرتے مگر گمان کی اور وہ تو محض اٹکل پچو سے کام لے رہے ہیں وہی ہے
جس نے رات بنائی تاکہ تم اس میں سکون پاؤ اور دن بنایا تمہاری آنکھیں کھولنے والا، بیشک اس میں
حق سننے والے لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں کافروں نے کہا اللہ نے اولاد بنائی اس کی پاکی ہے وہ بے نیاز ہے
اسی کا ملک ہے جو آسمانوں میں اور جو زمینوں میں ہے تمہارے پاس اس کی کوئی بھی سند نہیں کیا اللہ پر وہ
بات بناتے ہو جس کے متعلق تم کچھ نہیں جانتے آپ فرمائیں کہ بے شک وہ لوگ اللہ پر بہتان باندھتے ہیں۔

وُہ فلاح نہیں پائیں گے حیات دنیا کا سامان عیش ہے پھر اُنھوں نے ہمارے پاس آنا ہے پھر ہم انھیں سخت عذاب چکھائیں گے ان کے کفر کے صلہ میں جو دنیا میں کرتے تھے۔

تفسیر عالمانہ وَمَا تَكُونُ یہ ما نافیہ ہے اور خطاب حضور علیہ السلام کو ہے فِي شَأْنٍ بمعنے امر، اس کی جمع شئون آتی ہے شان کا اصلی معنیٰ قصد ہے مثلاً اہل عرب کہتے ہیں :

شانت شانہ ، ای قصدت قصدہ مصدر بمعنے اسم مفعول ہے۔ اور کبھی شان بمعنے حال آتا ہے۔ مثلاً کہاجاتا ہے : ماشانہ ای ماحالہ۔

وَمَا تَتْلُوا مِنْهُ یہ ضمیر شان کی طرف راجع ہے اور ظرف مصدر محذوف کی صفت ہے اب عبارت یُوں ہو گی :

ای تلاوۃ کائنۃ من الشان۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ تلاوت قرآن مجید حضور علیہ السلام کی عظمت شان پر دلالت کرتی ہے۔

مِنْ قُرْآنٍ من زایدہ لاتتلوا کی نفی کی تاکید کے لیے ہے اور من قران، ماتتلوا کا مفعول بہ ہے وَلَا تَعْمَلُونَ یہ خطاب تمام آدمیوں کو ہے مِنْ عَمَلٍ ہر طرح کے اعمال مراد ہیں پہلے صرف حضور علیہ السلام کو خطاب کیا گیا اس لیے کہ آپ ساری اُمت کے سربراہ ہیں بعد کو آپ کی اُمت کو خطاب کیا گیا جتنے اہم امُور تھے ان میں خطاب صرف حضور علیہ السلام کو ہُوا، پھر اُمت کو خطاب کرکے ہر چھوٹے بڑے حقیر جلیل امور شامل کر دیے گئے۔

ف : ابن الشیخ نے فرمایا کہ پہلے خطابات میں اگرچہ بظاہر صرف حضور علیہ السلام مخاطب تھے لیکن جمیع اُمت اُن میں شامل تھی اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ جب قوم کے سربراہ کو خطاب ہو تو قوم خود بخود اس میں شامل ہوتی ہے کما قال تعالیٰ :

یاایھا النبی اذا طلقتم النساۗء۔

اس خطاب میں حضور علیہ السلام کے ساتھ جمیع اُمت بھی شامل ہے۔

اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا یہ استثنا مفرغ ہے مستثنیٰ منہ اعم احوال المخاطبین بالافعال الثلاثہ ہے یعنی تم جس حال میں اور جس وقت قرآن پاک کی تلاوت کرتے اور جس عمل کا ارتکاب کرتے ہو ہم ہر حال میں تمہارے نگران اور تمہارے ہر عمل پر مطلع اور تمہاری حفاظت کرنے والے ہیں اِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ اذ، شھودا کا ظرف ہے اور لفظ اذ مضارع کو ماضی کے معنے میں لاتا ہے اور الافاضۃ بمعنے الدخول فی العمل۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

افاض القوم فی العمل۔

یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کام میں لگ جائیں یعنی تمہارے ہر عمل پر ہم مطلع ہیں۔

وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ اور تیرے رب تعالیٰ کے علم سے غائب اور دُور نہیں بلکہ اس کا علم ہر شے کو شامل

اور محیط ہے مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ من زاید نفی کی تاکید کے لیے ہے یعنی اگرچہ ذرہ برابر کیوں نہ ہو یہاں تک کہ چیونٹی اور گرد و غبار بھی اللہ تعالیٰ کے علم کے احاطہ میں ہے فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ نہ زمین میں ہیں نہ آسمان میں یعنے دائرۂ وجود و امکان میں کہیں ہو سب کا اللہ تعالیٰ کو علم ہے وَلَآ یہ لا نفی جنس کا ہے اَصْغَرَ یہ لا کا اسم ہے مِنْ ذٰلِکَ اسی ذرہ سے وَلَآ اَکْبَرَ اِلَّا فِی کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ○ یہ لا کی خبر ہے اور کتٰب مبین سے لوحِ محفوظ مراد ہے یعنی ہر چھوٹی بڑی شے لوح محفوظ میں مندرج ہے تو پھر اللہ تعالیٰ سے کیسے مخفی ہو سکتی ہے۔ اس میں تنبیہ ہے کہ کوئی یہ گمان نہ کرے کہ اس کے افعال و اقوال کی اسے جزا و سزا نہیں ملے گی بلکہ ذرہ ذرہ کا حساب ہوگا اور اللہ تعالیٰ سے کسی کا کوئی قول و فعل پوشیدہ نہیں۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ انسان مراقبہ کو نہ چھوڑے اور تنبیہ کی گئی ہے کہ بندہ اپنے ہر عمل پر کڑی نگرانی رکھے اس لیے کہ جب سالک کو یقین ہوگا کہ میرے عمل کو اللہ تعالیٰ ہر وقت جانتا ہے اور اسی تصور کو مضبوط کرے تو گناہوں سے بچ جائے گا اور کبھی اپنے مالک کی نافرمانی نہیں کرے گا۔

حکایت حضرت عمر بنانی رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ میرا راہب پر گزر ہوا وہ گورستان میں بیٹھا تھا اس کے دائیں ہاتھ میں سفید اور بائیں میں سیاہ کنکریاں تھیں۔ میں نے اس سے پوچھا: آپ گورستان میں کیوں مقیم ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ جب میرے دل پر غفلت چھا جاتی ہے تو میں گورستان آجاتا ہوں اور نفس کو سمجھاتا ہوں کہ ایک دن تیرا یہی حال ہوگا۔ میں نے پوچھا، تو یہ کنکریاں کس لیے؟ جواب دیا کہ جب میں نیکی کرتا ہوں تو سیاہ کنکری سفید کنکریوں میں ڈال دیتا ہوں، جب گناہ کرتا ہوں تو سفید کنکری سیاہ کنکریوں میں۔ اگر سفید کنکریاں بڑھ جاتی ہیں تو اطمینان سے روزہ افطار کر کے اوراد و وظائف پڑھتا ہوں۔ اگر سیاہ کنکریاں زیادہ ہوتی ہیں تو اسی رات نفس پر سزا کے طور کچھ کھاتا پیتا نہیں ہوں بلکہ استغفار اور توبہ میں رات بسر کرتا ہوں۔ یہی میرا معمول ہے۔

نسخۂ روحانی مُردہ قلب کی علامت یہ ہے کہ احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی یا ان سے غفلت کرنے پر کسی قسم کا اسے احساس نہ ہو اور نہ ہی اپنی غلط کاریوں سے اسے کبھی ندامت اور شرمساری ہو اس لیے کہ یہ قلب اگر زندہ ہوتا تو اسے ضرور احساس ہوتا۔ احساس نہ ہونا دل کی مُردگی کی علامت ہے۔ ہر گناہ غفلت اور نسیان سے سرزد ہوتا ہے جو خدا تعالیٰ کو یاد رکھتا ہے تو دنیا و آخرت میں بامراد رہتا ہے۔

حکایت ایک ولی اللہ کو کسی حبیب اللہ کی زیارت کا شوق پیدا ہوا۔ اسے غائبانہ جواب ملا کہ فلاں قصبہ میں اللہ تعالیٰ کا ایک محبوب رہتا ہے۔ وہ ولی اللہ وہاں تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ وہ محبوب اللہ ذکرِ الٰہی میں مشغول ہیں اور ان کے ساتھ ایک شیر کھڑا ہے۔ جب لمحہ بھر ذکر سے غفلت کرتے ہیں تو شیر انہیں دبوچ لیتا ہے، یہاں تک کہ ان کے جسم سے کئی مقامات سے گوشت نوچ چکا تھا۔ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کے قریب ہو کر ماجرا پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے ذکرِ الٰہی میں غفلت ہوتی ہے تو اسی طرح یہ شیر مجھ پر مسلط کر دیا جاتا ہے اور میں

اس سے خوش ہُوں کہ دُنیا کی سزا میرے لیے آسان ہے تاکہ آخرت کی سخت سزا سے بچ جاؤں۔

سبق: صاحب رُوح البیان نے فرمایا اس حکایت سے کئی فواید حاصل ہوئے:

(۱) آخرت کی رُسوائی سے دُنیا کی رُسوائی آسان ہے۔

(۲) طریقِ حق کے لیے دُنیا میں دُکھ درد سر پر رکھ لینے سے آخرت کی سخت گیری سے نجات ملے گی۔

(۳) مردِ عاقل وُہ ہے جو طاعت وعبادت میں ہر وقت مشغول رہتا ہے اگرچہ اس میں سخت تکالیف و مصائب کا سامنا کرنا پڑے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

اندریں رہ می تراش و می خراش
تا دمِ آخر دمی فارغ مباش

ترجمہ: اس راہ میں دُکھ درد سر پر رکھ لو۔ مرتے دم تک فراغت کا نام نہ لو۔

(۴) نفس پر کڑی نگرانی لازم ہے اگر اس پر قابُو نہ پایا جا سکے تو خارجی اسباب سے مدد لے سکتا ہے اس لیے کہ نیند کرنے والے کو کروٹ بدلنے اور حرکت دینے کے لیے خارجی مدد دی جاتی ہے اس لیے کہ یہ نیند طویل اور نفس بڑا شست ہے۔ اسی لیے صوفیاءِ کرام رحمہم اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ:

کسی مرشدِ کامل کی صحبت ضروری ہے کہ مشائخ نفس کی خباثتوں کو خُوب جانتے ہیں اور اس کے علاج کے بھی ماہر ہوتے ہیں۔

بوستانِ سعدی قدس سرہٗ میں ہے: ؎

ز خود بہترے جوئے و فرصت شمار
کہ با چوں خودی گم کنی روزگار

ترجمہ: اپنے سے بہتر و برتر کی صحبت اختیار کر کہ نفس کی شرارت کو مٹانے کے لیے فرصت کو غنیمت سمجھ ورنہ اپنے جیسے کے ساتھ رہنے یا اپنے طور نفس کے علاج سے سخت نقصان اُٹھائے گا۔

(۵) اللہ تعالےٰ نے محبوب مذکور پر جو اسدِ غیبی مقرر فرمایا وہ در اصل اس کے نفس کی اصلاح کے لیے تھا تاکہ اس کے نفس کو دبوچ کر اس کی ہستی مٹا دے اس لیے کہ جس کا نفس اس دُنیا میں نہیں مٹتا تو قیامت میں اللہ تعالےٰ کے ہاں سخت سزا میں مبتلا ہوگا۔

تفسیر عالمانہ

اَلَآ خبردار اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور نفس کمینے کے دشمن حضرات۔

سوال: تم نے اولیاء کا معنیٰ اللہ کے محبوب اور دشمن کہاں سے لیا؟

جواب: اولیاء ، ولایۃ سے مشتق ہے بمعنے معرفۃ اللہ ومعرفۃ النفوس یعنی اللہ تعالیٰ کی معرفت اور نفس خبیث کی شرارتوں سے واقفیت رکھنا، اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اس وقت نصیب ہوسکتی ہے جو اس سے محبت اور نفس کی شرارت اس وقت معلوم ہوسکتی ہے جب نفس سے مکمل طور دشمنی ہو یا د رہے کہ نفس کی دشمنی اس کے احوال وصفات معلوم کرنے سے ہوسکتی ہے جب اس کی صفات اور احوال معلوم ہوجائیں اور اس کی معاندت اور دشمنی میں جان کی بازی لگائی جاتے اس لیے کہ جتنی نفس کی سرکشی مٹے گی اتنی ہی امن وسلامتی اور اطمینان وسکون نصیب ہوگا اور جس نے نفس پر رحمت وشفقت کرکے اسے پالا اور اُس کی ہر آرزو پوری کی تو سمجھو وہ مارا گیا۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

ف: مولانا ابو السعود رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اولیاء ، ولی کی جمع ہے بمعنے قریب۔ اس سے وہ حضرات مراد ہیں جو ایمان واسلام میں خالص ومخلص ہیں اور قرب سے قرب روحانی مراد ہے اور وُہ اللہ تعالیٰ کو قریب اس معنے پر ہوتے ہیں کہ وہ ہر وقت اُسی کی طاعت ومعرفت میں مستغرق رہتے ہیں ان کی ہر نگاہ قدرت کے مناظر کو دیکھتی ہے اور ان کے کانوں میں آیاتِ الٰہی کے سوا اور کوئی آواز نہیں پڑتی اور ان کی زبان پر ذکرِ الٰہی کے سوا اور کسی شے کا گزر نہیں ہوتا گویا ان کی ہر حرکت رضائے حق کے لیے ہوتی ہے ان کی ہر جدوجہد طاعت وعبادتِ خداوندی پر صرف ہوتی ہے۔

لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ دونوں جہانوں میں انھیں کسی قسم کا گزند نہیں پہنچے گا۔

ف: خوف اس خطرہ کو کہتے ہیں جو مستقبل میں درپیش ہو۔

وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۞ اور نہ وہ اپنے مقصد کی گمشدگی سے غمگین ہوں گے۔ الحزن زمانۂ ماضی میں انسان کو ہر اُس خطرہ کا لاحق ہوجانا جسے یہ نہیں چاہتا تھا یا جس کے حصول کا طالب تھا وہ اسے نصیب نہ ہوا۔

ف: آیت کا مطلب یہ ہے کہ خوف وحُزن ان محبوبانِ خدا کو لاحق بھی نہیں ہوں گے اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ انہیں خوف وحُزن لاحق تو ہوں گے لیکن ان سے خوف زدہ نہیں ہوں گے بلکہ یُوں ہوگا کہ سرے سے خوف وحزن ان کو ہوگا ہی نہیں اور وہ دائمی طور پر عیش وعشرت اور سرور وفرحت میں ہوں گے ورنہ اللہ تعالیٰ کے جلال اور اس کی ہیبت سے ہر وقت خوفزدہ ہونا اور اقامۃ حقوق عبودیت میں بہت زیادہ جدوجہد کے باوجود اپنے آپ کو قصوروار تصور کرنا اللہ تعالےٰ کے مخصوص اور مقرب بندوں کا خاصہ ہے۔ اسی لیے کواشی میں لکھا کہ:

لاخوفٌ علیھم ولا ھم یحزنون۔

اولیاء اللہ کو آخرت میں کوئی حُزن اور خوف نہ ہوگا ورنہ دنیا میں وُہ اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ خائف اور غمگین رہتے ہیں۔

نکتہ عالمانہ دنیا میں ان کے خوف وحُزن کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہر وقت طاعتِ الٰہی اور رضائے حق میں زندگی بسر کرتے ہیں یہ ان کی کرامت اور قُربِ خداوندی کی علامت ہے اور وُہ ان کو بموجب وعدۂ ربانی

حاصل ہوگا دُنیوی اُمور ان کے مقصد میں داخل نہیں اسی لیے حاصل ہوں تو پروا نہیں، حاصل نہ ہوں تب بھی انہیں کوئی فکر نہیں ہوتا اسی لیے نہ وُہ دنیوی ضرر سے ڈرتے ہیں اور نہ ہی اس کے منافع سے خوش ہوتے ہیں۔ (کذا فی الارشاد)

نکتہ صُوفیانہ صُوفیاکرام فرماتے ہیں کہ چونکہ اولیاء اللہ عین الھویۃ میں فانی ہوجاتے ہیں ان میں انانیت بالکل مفقود ہوجاتی ہے اسی لیے وہ اپنے مقامِ اعلیٰ میں مشغول رہ کر سُود و زیاں کے تصورات سے پاک اور منزّہ ہوتے ہیں پھر ایسے حضرات کو کسی قسم کا خوف و خطر کیسا۔ (کذا فی نفائس المجالس لحضرت الھداتی قدس سرّہٗ)

تفسیر عالمانہ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ ۝ مبنی برسوال یہ جملہ مستانفہ ہے اور الذین مرفوع اور خبر ہے، اس کا مبتداء محذوف ہے۔ گویا سوال پیدا ہُوا کہ اولیاء اللہ کون حضرات ہیں اور انہوں نے اتنا بڑا مقام کیسے پایا؟ جواب ملا: الذین الخ یعنی اولیاء اللہ وہ حضرات ہیں جو ایماندار اور پرہیزگار ہیں یعنی انھیں اتنا بڑا مقام ایمان و تقوٰی سے نصیب ہُوا، یعنی اللہ تعالےٰ کے جمیع احکام کو تہِ دل سے قبول کرکے ان پر عمل کرتے ہیں اور اس کی ہر بتائی ہُوئی بھلائی کو حاصل کرتے اور ہر بُرائی سے بچتے ہیں۔

تفسیر صُوفیانہ صاحبِ رُوح البیان قدس سرّہٗ نے فرمایا کہ میرے پیر و مرشد حضرت الشیخ قدس سرّہٗ نے فرمایا کہ اولیاء اللہ وہ حضرات ہیں کہ مرتبہ شریعت و طریقت میں برائے اعمال و اخلاق صدور سے اور مرتبۂ حقیقت و معرفت میں غفلات و تلوینات سے بچتے ہیں اس لیے کہ وُہ اپنی طبائع کی شریعت سے اور نفوس کی طریقت سے اور قلوب کی معرفت سے اور ارواح و اسرار کی معرفت سے اصلاح کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ وُہ ماسوی اللہ سے فارغ ہوتے ہیں۔

شرح بیان شیخ از صاحبِ رُوح البیان صاحبِ رُوح البیان قدس سرّہٗ نے فرمایا کہ شیخ رضی اللہ عنہ کا کلام اشارہ کرتا ہے کہ تقوٰے تمام مقامِ ثالث کا دُوسرا نام ہے۔ مقامِ ثالث یہ ہے کہ انسان ہر اُس شئے سے بچے جو اسے سرِ حق سے غافل کردے اور وُہ دُنیا سے اتنا فارغ ہو کہ سوائے ذاتِ حق کے اس کے تصور و خیال میں کچھ نہ ہو۔ یہ تقوٰی کے جمیع مراتب کا جامع ہے۔ تقوٰی کے مراتب یہ ہیں:

- ○ شرک سے بچنا اُس تقوٰی کا نام ایمان ہے۔
- ○ ہر گناہ صغیرہ و کبیرہ سے بچنا اور نیک عمل کو بجالانا۔

(ان دونوں کا جامع مقامِ ثالث وُہی ہے جو مذکور ہُوا)

شانِ رسالت انہی درجاتِ مذکورہ کی وجہ سے اولیاءِ کرام کے مراتب و مقامات مختلف ہوتے ہیں۔ ان کے تمام مراتب و مقامات کے منتہی ولی کامل ہمارے نبی شہِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ان کے

بعد دیگر انبیاء علیہم السلام کہ یہ حضرات نبوت و ولایت کے جامع ہوتے ہیں ان حضرات کو عالمِ ارواح کی طرف عروج میں عالمِ اشباح کا کوئی تعلق مانع نہیں ہوسکتا اور نہ ہی مخلوق کے مصالح و ضروریات کے تعلقات انھیں شئون حق کے استغراق سے روک سکتے ہیں اس لیے کہ ان کے نفوس زکیہ قوت قدسیہ سے مؤید ہوتے ہیں بنا بریں ان کی استعداد کامل و مکمل ہوتی ہے جسے کوئی شے نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

موازنہ شانِ محمدی بہ شانِ عیسوی اور ردِّ عیسائیت

تقریر مذکور سے واضح ہوگیا کہ ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عیسٰی علیہ السلام سے افضل ہیں اس لیے کہ عیسٰی علیہ السلام کو چوتھے فلک تک رسائی ہوتی اور ہمارے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عرش بلکہ عرش سے ماوراء تشریف لے گئے باوجودیکہ حضرت عیسٰی علیہ السلام اس دنیا سے صرف ماں کی وجہ سے تعلق تھا اور ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ماں اور باپ ہر دو کی وجہ سے، لیکن اس کے باوجود ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عروج کے لیے کوئی شے مانع نہ ہوئی اور آپ عنصریات وطبعیات کے عوالم کو عبور کرتے ہوئے ممکن وغیر ممکن کی جہات کو پیچھے چھوڑ کر دائمی طور انوار عالیہ سے جا ملے۔

اور آپ کی یہ حالت دائمی اور اختیاری تھی[1]۔

ردِّ وہابیہ دیوبندیہ چنانچہ فرمایا:

فیجعل ھذہ الحالۃ ملکۃ لہ فیصیر بدنہ کقمیص یلبسہ تارۃ ویجعلہ اخری الا تری ان من قدر علی النفقہ فھو متی جاع فبیدہ الشبع یاکل ماشاء فقس علیہ الرزق المعنوی والعروج الی مبداہ بل ھو اولی من ذالک لانہ مستغن آلۃ وسبب ولیس بین الطالب والمطلوب مسافۃ[2]۔	آپ کی یہ نورانی کیفیت بمنزلہ ملکہ کے ہوگئی اور بدن بمنزلہ قمیص کے کہ جاہیں تو اتار لیں جاہیں پہن لیں۔ کیا تمہیں اس انسان کو نہیں دیکھا جو کھانے پر قادر ہے تو وہ جب چاہے کھائے جب چاہے ہاتھ اٹھا لے ایسے ہی جسے رزق معنوی سے وافر حصہ نہیں ہوا ہے اور اسے اپنے مبدا کی طرف عروج کا موقع ملا ہے بلکہ وہ ظاہری رزق والے سے افضل واولیٰ ہے اس لئے کہ معنوی رزق والا کسی آلہ اور سبب کا محتاج نہیں ہوتا اور نہ ہی طالب ومطلوب کے درمیان کوئی مسافت ہے۔

---

[1] نہ عارضی اور غیر اختیاری جیسا کہ دہابیہ کا خیال ہے کہ وہ ہر کمال مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عارضی اور غیر اختیاری مانتے ہیں۔

[2] اس سے جہاں نبی علیہ السلام کے لیے اختیار دائمی ثابت ہوا وہاں یہ بات بھی اظہر من الشمس ہوگئی کہ آپ کی حقیقت نور ہے بشریت آپ کے لیے بمنزلہ لباس ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

ایں دراز و کوتہی مرجسم راست
چہ دراز و کوتہ آنجا کہ خدا است

چوں خدا مرجسم را تبدیل کرد
رفتنش بے فرسخ و بے میل کرد

ترجمہ : یہ کمی بیشی جسم کو ہے جہاں اللہ تعالیٰ ہے وہاں کمی بیشی کیسی۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے جسم کو روح سے تبدیل کر دیا ہے تو ایسے اولیاء کو سیر کرنے میں نہ فرسخ ہوتے ہیں نہ میل۔

خلاصہ یہ کہ اولیاء اللہ وہ ہیں جنہیں حقیقی تقویٰ نصیب ہے ان کی چند علامات ہیں

اولیاءِ کرام کی علامات اور نشانیاں اگرچہ وہ علیحدہ علیحدہ شمار نہیں ہوتیں صرف اولیاء کرام کے فرق مراتب کی وجہ سے بعض تمام اوصاف کے حامل ہوتے ہیں بعض میں چند ایک ہوتی ہیں بعض صرف ایک نشانی رکھتے ہیں یعنی بعض مبتدی ہوتے ہیں بعض منتہی بعض متوسط۔ اب حقیقی اولیاء کرام کی علامات سُنیئے :

سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا :

۱۔ اولیاءِ کرام کے چہرے بوجہ شب بیداری زرد
۲۔ گریہ و زاری سے آنکھیں سُرخ
۳۔ بھوک سے پیٹ ڈھیلے
۴۔ سجدوں سے پیشانیاں خشک

۵۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اولیاء اللہ کی نشانی پُوچھی گئی تو آپ نے فرمایا کہ :

ان کے دیکھنے سے خدا تعالےٰ یاد آجائے۔

یعنی ان کے چہرے سے اُن کی روحانیت اور طرزِ زندگی اور نشست و برخاست بتائے کہ یہ اللہ والے ہیں۔

قرآن مجید میں سیماھم فی وجوھھم اسی طرف اشارہ ہے۔

۶۔ بعض مشایخ فرماتے ہیں : ان کا ہر ارادہ اور کام اللہ تعالیٰ کی رضا پر اور ان کا ہر شغل اسی سے اور ان کا ہر معاملہ اسی کی طرف راجع ہو۔

خلاصہ یہ کہ وہ فنا فی اللہ اور باقی باللہ ہوتے ہیں اسی لیے ہر وقت ان پر انوارِ ولایت کی بارش ہوتی رہتی ہے یہی وجہ ہے کہ وہ خود اپنی ذات سے بے خبر ہوتے ہیں انھیں غیر اللہ سے کسی قسم کا واسطہ نہیں ہوتا اگر کسی سے محبت

کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے لیے، اگر کسی سے عداوت رکھتے ہیں تو بھی اللہ تعالیٰ کے لیے۔

حدیث شریف

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ایسے ہیں وہ نہ نبی ہیں اور نہ شہید، لیکن ان کے مراتب پر قیامت میں (علیٰ سبیل الشفقة) انبیاء و شہداء رشک کریں گے۔ آپ سے عرض کیا گیا، وُہ کون لوگ ہیں اور وہ کس عمل سے اس بلند مرتبہ کو پہنچے ہیں ہمیں وُہ حضرات محبوب لگ رہے ہیں آپ نے فرمایا: وہ حضرات ایک دوسرے سے صرف اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرتے ہیں۔ نہ ان کی آپس میں رشتہ داریاں ہیں نہ انھیں ایک دُوسرے سے مال و دولت کا واسطہ ہے بخدا ان کے چہرے نورانی ہوں گے اور نور کے منبروں پر رونق افروز ہوں گے وہی ہیں کہ جب لوگوں کو غم و حزن ہوگا اُنھیں غم ہوگا نہ حزن و ملال۔

ازالہ وہم کی تقاریر

۱ــــ انبیاء و شہداء کا رشک یہی عرفی نہیں ہوگا بلکہ ان کے حالات کو دیکھ کر خوشی کا اظہار کریں گے جیسے ایک عام آدمی اعلیٰ کے مراتب سے پہلے خوش ہوتا ہے پھر ان مراتب کی تمنا کرتا ہے ان حضرات کے رشک کی تمثیل و تشبیہ صرف مسرت میں ہے اور بس۔ اس سے عوام کا وہ وہم دفع ہوگیا جو اس حدیث کو سُن کر کرتے ہیں کہ انبیاء و شُہداء بہت بڑے عہدوں پر فائز المرام ہونے کے باوجود عام ولی اللہ پر رشک کیوں؟

۲ــــ کواشی میں لکھا ہے کہ یہ مبالغہ کے طور کہا گیا یعنی بفرضِ محال اگر ایسی قوم ہو بھی تو ان پر انبیاء علیہم السلام بھی رشک کرتے۔ یعنی نہ ایسے لوگ ہوں گے اور نہ انبیاء علیہم السلام ان پر رشک کریں گے اگر یہ معنٰی نہ کیا جائے تو غیر انبیاء کی انبیاء پر فضیلت لازم آتی ہے[1]۔ اور نہ ہی غیر نبی کسی نبی کے مرتبہ کو پہنچ سکتا ہے۔

۳ــــ تفسیر الفاتحہ للفناری میں ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی اُمتوں کی غلطیوں پر ان پر شفقت کرتے ہوئے اُمت کی وجہ سے گھبراہٹ میں ہوں گے اور ہر اُمت اپنی خطاؤں پر خوفزدہ ہوگی انبیاء علیہم السلام اُمت کی حالت زار پر پڑھتے ہوں گے: سلّم سلّم۔ اُمت کی وجہ سے اُنھیں سخت خوف ہوگا لیکن اللہ والے مطمئن اور ہر خوف و حُزن سے باامن و سلامت ہوں گے کہ نہ انھیں اپنا خطرہ ہوگا اور نہ دُوسروں کا خوف۔ انبیاء علیہم السلام ان اولیاء کرام کی اس فارغ البالی اور سکونِ خالی کو دیکھ کر رشک کریں گے کہ یہ حضرات کتنے خوش نصیب ہیں کہ انھیں کسی کی پروا نہیں اور ہم اُمتوں کی غلطیوں پر کتنی تکلیف میں ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کو رشک اسی وجہ سے ہوگا اور ان کا خوف و حزن بھی اُمتوں کے لیے ہوگا ورنہ ان سے امن و سلامتی میں بڑھ کر اور کون ہو سکتا ہے۔

۴ــــ صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اس تحریر سے فارغ ہوا تھا کہ میرے دل میں

---

[1] خلافاً للشیعة الشنیعة وھم یفضلون ائمتھم علی الانبیاء والتفصیل فی کتابی آئینہ شیعہ مذہب و شرح آئینہ شیعہ نما۔ اویسی غفرلہ

ایک معنیٰ وارد ہُوا جو حدیث مذکور کا بہترین جواب بن سکتا ہے وُہ یہ ہے کہ مقام محبت ایک مخصوص مقام ہے جو اللہ تعالےٰ نے صرف ہمارے نبی علیہ السلام کو عنایت فرمایا ہے اس مقام کو وراثت میں آپ کے وارثین اولیاء کرام کو عنایت فرمایا ہے اگر اس مقام کو دیکھ کر انبیاء علیہم السلام رشک کریں تو بجا ہے۔ دراصل یہ مقام و مرتبہ تابع کا نہیں بلکہ متبوع کا ہے اور انبیاء علیہم السلام ہمارے نبی علیہ السلام کے مراتب و مقامات کو دیکھ کر جتنا رشک کریں بجا ہے۔ اسی بناء پر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل۔

میری اُمت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام کی طرح ہیں۔

اس سے نہ تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ غیر انبیاء انبیاء علیہم السلام کے ہم مرتبہ ہو گئے اور نہ ہی مطلقاً امت مصطفوی کے بعض افراد مراتب و مقامات میں انبیاء علیہم السلام سے (معاذ اللہ) بڑھ گئے ہیں۔

۵ ــــــ کبھی ادنیٰ اعلیٰ پر کسی خاص وجہ سے فضیلت پا جاتا ہے اور یہ قاعدہ اپنے مقام پر مسلّم ہے۔ حضور علیہ السلام نے اسی لیے فرمایا:

انتم اعلم بامور دنیاکم[1]

لیکن معرفت کے مقامات غیر منتہی ہیں اللہ تعالےٰ جانے یا اس کے بندے۔

نکتہ: حضرت ابویزید قدس سرہٗ نے فرمایا:

اولیاء اللہ بمنزلہ دُلہن ہیں اور دُلہن کو وہی دیکھ سکتا ہے جو اس کا محرم ہوتا ہے لیکن غیروں سے محجوب ہوتی ہے اسی طرح اولیاءِ کرام حجاب انس میں محجوب ہیں انھیں نہ دنیا میں دیکھا جا سکتا ہے اور نہ ہی آخرت میں۔

ف: حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان کی ظاہری شکل کو ہر کس دیکھتا ہے لیکن ان کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں ہوتی کسی خوش بخت کو ان کی حقیقت معلوم ہوتی ہے ورنہ عوام کو ان کی حقیقت سے محروم رکھا جاتا ہے۔ اگر کسی قوم کو ان کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے تو وہ ان لوگوں کے لیے بمنزلہ حجت ہو جاتے ہیں کہ اگر انھوں نے ان کی قدر و منزلت کے مطابق تعظیم و تکریم کی تو کامیاب و کامران رہیں گے اگر ان سے ان کی مخالفت سرزد ہُوئی یا معمولی گستاخی و بے ادبی ہُوئی تو مارے جائیں گے اور خاتمہ خراب ہوگا۔

ف: شیخ ابو العباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

---

[1] لیکن صحیح مفہوم وُہ ہے جسے محدثین نے بیان فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے انھیں توکل سکھانے کے لیے فرمایا۔ اس کی تفصیل فقیر کی تفسیر اویسی میں دیکھئے۔

معرفة الولی اصعب من معرفة اللّٰہ فان اللّٰہ معروف بکمالہ وجمالہ و متی یعرف مخلوق مخلوقا مثلہ یاکل کما یاکل و یشرب کما یشرب وھم ظاھرھم مزین احکام الشرع و باطنھم مشتغل بانوار الفقر[1]

اللہ تعالیٰ کی معرفت آسان ہے لیکن ولی اللہ کی حقیقت کی معرفت مشکل ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کمال وجمال کی وجہ سے معروف ہے لیکن ولی اللہ ایک مخلوق ہے اس لیے مخلوق کو مخلوق کی معرفت مشکل ہے اس لیے وہ انہی کی طرح احکامِ شرع کی پابندی کرتا ہے لیکن اس کا باطن انوارِ فقر میں مشغول ہے اسی لیے اس کی معرفت مشکل ہو جاتی ہے۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

راہرو راہ طریقت ایں بود
کاو با حکام شریعت میرود

ترجمہ : سالک طریقت کے راہ پر چل رہا ہے لیکن احکامِ شریعت کو اپنا رہبر بنا کر۔

ف : کاشفی اولیاء اللہ کی تعریف میں لکھتے ہیں : ؎

رخش ز میدان ازل تاختہ
گوی بچوگان ابد باختہ
معتکفان حرم کبریا
شستہ دل از صورت کبر و ریا
راہ نورداں شکستہ قدم
راز کشایان فرو بستہ دم

ترجمہ : اس کا چہرہ میدان ازل سے چمکیلا ہوتا ہے جیسے گیند ڈنڈے کے ماتحت گھومتی ہے وہ بھی ہر وقت حرم کبریا میں بیٹھے ہوئے ان کا دل کبر و ریا سے صاف ہو جاتا ہے بظاہر ان کے قدم شکستہ، لیکن حقیقت میں راہِ سلوک میں تیزی سے دوڑ رہے ہوتے ہیں بظاہر انھیں خاموش پاؤ گے اور سلوک میں فاتح اسرارِ الٰہی ہوتے ہیں۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

---

[1] روح البیان ج ۳ ص ۶۰

اسیرش نخواہد رہائی ز بند
شکارش نجوید خلاص از کمند

دلارام در بر دلارا ستے جوے
لب از تشنگی خشک بر طرف جوے

ترجمہ : ان کا قیدی قید سے نجات پاتا ہے، ان کا شکار کمند سے نکلنا نہیں چاہتا باوجودیکہ محبوب ان کی بغل میں ہوتا ہے لیکن محبوب کی تلاش میں ہوتے ہیں دریا کے کنارے پر ہونے کے باوجود لب پیاس سے خشک۔

تفسیر عالمانہ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ط ان کے لیے خوشخبری ہے دُنیا و آخرت میں۔

ربط : اولیاء کرام کو دُنیا و آخرت کے شرور اوران کے مصائب اور مشکلات سے نجات دلانے کے بعداب بتایا جا رہا ہے کہ انھیں دارین میں کن انعامات وکرامات سے نوازا جائے گا۔

ف : یہ جملہ مستانفہ اورسوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ ان اولیاء کرام کو خوف و حزن نہ ہونے کے علاوہ اور بھی کچھ انعام و اکرام نصیب ہوگا یا نہ جواب ملا لهم البشرٰی الخ

نکتہ : دُنیا کو آخرت سے پہلے ذکر کرنے میں اسی طرف اشارہ ہے کہ پہلے تصفیہ (صفائی) ضروری ہے بعد کو تجلیہ یعنی پہلے شے کو صاف ستھرا کیا جاتا ہے اس کے بعد اسے سنگارا جاتا ہے انسان کو دُنیا میں ہر غل وغش سے پاک اور صاف ہوکر جانا ہوگا پھر آخرت کے انعام و اکرام کے زیور نصیب ہوں گے۔

حلِ لغات : البشرٰی مصدر ہے اس سے وہ بھلائیاں مراد ہیں جو انسان کو بعجلت جیسے نصر، فتح، غنیمت وغیرہ وغیرہ یا دیر سے نوازا جاتا ہے۔

ترکیب : فی الحیٰوۃ الدّنیا وفی الاٰخرۃ دونوں ظرفیں البشرٰی سے حال ہیں اور اس کا عامل مستقر محذوف ہے اور یہی خبر کا بھی عامل ہے دراصل عبارت یُوں تھی؛

لهم البشرٰی حال کونہا فی الحیٰوۃ الدنیا وحال کونہا فی الاٰخرۃ ای عاجلۃ وآجلۃ۔

یا یہ دونوں ھُم ضمیر سے حال ہیں ای حال کونہم فی الحیٰوۃ الخ

تفسیر البُشْرٰی البشرٰی کے متعلق مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔ مولانا ابوالسعود رحمہ اللہ تعالٰے نے فرمایا: چونکہ یہ لبشارۃ مقصود بالذات اور دنیا میں لازماً عطا ہوگی۔ فلھذا اس سے مندرجہ ذیل امور مراد ہیں؛

۱۔ ثنائے حسن

۲۔ ذکرِ جمیل

۳۔ محبۃ الناس

بعض مفسرین نے فرمایا کہ :

۴۔ البشریٰ مصدر ہے اور دونوں ظرف اسی کے متعلق ہیں۔ دنیا کی خوشخبریاں وہی ہیں جو اہلِ ایمان متقین کے لیے قرآن مجید میں متعدد مقامات پہ مذکور ہوئی ہیں۔

۵۔ حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

بشریٰ سے نیک خواب مراد ہے جسے مومن نیند میں دیکھتا ہے یا اسے دکھایا جاتا ہے۔

ف : دکھائے جانے کا مطلب یہ ہے کہ کسی دُوسرے کے متعلق کوئی نیک بات خواب میں دیکھتا ہے۔

نکتہ : خواب میں جو کچھ دیکھے گا وہ منجانب اللہ ہوگا لیکن چونکہ نبوت کا سلسلہ تو ختم ہے اس لیے اب جو کچھ دیکھے گا وہ اس کے لیے بھلائی ہوگی یا اسے کسی معاملہ پر متنبہ کیا جائے گا یا آیندہ کسی معاملہ کی اسے خوشخبری دی جائے گی۔ (کذا فی مشارق الانوار لابن الملک)

ف : ظاہر ہے کہ ایسی بشارت صرف اولیاءُ اللہ کو نصیب ہوگی اس لیے کہ ان کے ارواح وقلوب ذکرِ الٰہی اور معرفتِ حق میں ہمہ وقت مشغول رہتے ہیں۔ بناء بریں ان کا خواب میں دیکھنا بیداری میں دیکھنے کی طرح ہے اس لیے وُہ جو کچھ خواب میں دیکھیں گے وہ مبنی برحق ویقین ہوگا۔

ف : جو اس عالمِ دنیا میں گناہوں کی وجہ سے پراگندہ حال ہے گناہوں کی وجہ سے اس کے دل اور رُوح پر ظلمات کا ہجوم ہو تو اس کے خواب کا کیا اعتبار۔

ف : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ البشریٰ وہ مبشرات مراد ہیں جو بذریعہ نبوّت یا الہام وکشف ذریعہ بین المنام والیقظہ (یعنی وُہ حالت جو نیند اور بیداری کے درمیان ہوتی ہے) دیکھے جاتے ہیں۔ اس حالت میں انبیاء واولیاء پر منجانب اللہ مشاہدات وکمالات وارد ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

لم یبق من النبوۃ الا المبشرات۔

مبشرات نبوّت کا بقایا ہیں۔

ایک اور حدیث شریف میں ہے :

الرؤیا الصالحۃ من الرجل الصالح جزء من ستۃ واربعین جزءاً من النبوۃ۔	نیک آدمی کا نیک خواب نبوت کے چھیالیسویں حصے میں ایک حصہ ہے۔

شرح الحدیث مذکورہ اس حدیث شریف کا مقصد یہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اعلانِ نبوت کے بعد مکۂ معظمہ میں تیرہ سال اور مدینہ طیبہ میں دس سال مقیم رہے یہ کل تئیس (۲۳) سال ہوئے آپ پر بیداری میں ۲۳ سال اور خواب میں انہی تئیس سالوں میں چھ ماہ وحی کا نزول ہوا۔ اس معنے پر خواب کو نبوت کا چھیالیسواں حصہ کہا گیا ہے[1]

نکتہ : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتدائی وحی خواب میں اس لیے شروع کی گئی تاکہ بیداری میں وحی اور حامل وحی کے انوار کی برداشت سے بشریت کو مانوس کیا جا سکے اس لیے کہ بیداری میں اگر اچانک وحی آتی تو ممکن ہے بشریت تاب نہ لا سکتی اسی لیے آپ کی بشریت کو مانوس کرنے کی خاطر خواب میں اس کا آغاز کیا گیا تاکہ آئندہ بشریت کو وحی اور حامل وحی سے گھبراہٹ نہ ہو[2]

۵۔ بعض صوفیا نے کہا کہ آیت میں بشریٰ سے اس رحمت کی خوشخبری مراد ہے جو انسان کو موت کے وقت ملائکہ کرام سناتے ہیں اور آخرت میں اولیاء کو بشریٰ کے بھی چند وجوہ ہیں۔

آخرت میں اولیاء کرام کے ہاں ملائکہ حاضر ہو کر ہدیۂ سلام پیش کر کے جو کرامات و انعامات انھیں نصیب ہونگے ان کی کامیابی و کامرانی پر مبارکباد پیش کریں گے۔ آخرت کے انعامات و کرامات چند ایک یہ ہیں:

۱ــــ ان کے چہرے روشن و تاباں ہوں گے۔

۲ــــ انھیں اعمال نامے دائیں ہاتھ میں عنایت ہوں گے۔

۳ــــ اور ان اعمال ناموں کو پڑھتے ہوئے مسرور ہوں گے۔

۴ــــ آخرت میں تا دخولِ جنت کئی مراحل و منازل طے کرنے پڑیں گے۔ ہر مرحلہ اور منزل پر ملائکہ کرام اولیاءِ عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کو مبارکباد پیش کرتے جائیں گے یہی خوشخبریاں بھی ان کے لیے بشریٰ عاجلہ میں داخل ہوں گی، اگرچہ آخرت میں سہی لیکن چونکہ منزلِ مقصود پر پہنچنے سے پہلے دی جائیں گی اسی لیے انھیں بُشریٰ عاجلہ سے تعبیر کیا جائے یا ں دوسرے معنے پر انھیں آجلہ (یعنی ایک مدت کے بعد) بھی کہا جا سکتا ہے اس لیے کہ آخرت میں دی جائیں گی لیکن چونکہ مقصود بالذات نہیں البتہ انھیں مقصود بالذات کے اسباب سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

ف : جناب سلمی صاحب فرماتے ہیں کہ دنیا میں اولیاء اللہ کو بُشریٰ کا معنے یہ ہے کہ انھیں دیدارِ الٰہی کا مژدہ سنایا گیا،

---

[1] اس کا وہ معنی نہیں جو مرزائی کہتے ہیں کہ غلام احمد کو چونکہ نیک خواب (الہام) وغیرہ آتے ہیں فلہذا وہ نبی ہے۔ (معاذ اللہ)

[2] یہ توجیہہ بھی مناسب ہے لیکن انسب وہ ہے جو فقیر نے تفسیر اویسی میں عرض کیا ہے۔

آخرت میں بُشریٰ کا معنیٰ یہی ہے کہ انھیں دیدارِ الٰہی کا خصوصی شرف نصیب ہوگا۔

ف : شیخ الاسلام نے فرمایا، اولیاءِ کرام کو دو بشارتیں نصیب ہوتی ہیں:

۱۔۔۔۔ دنیا میں معرفۃ حق

۲۔۔۔۔ آخرت میں عجیب وغریب نوازشات

منجملہ ان کے دیدارِ حق سے نوازا جائے گا نیز اس دُنیا میں وہ مجاہدات کے سرور اور آخرت میں نور مشاہدہ سے منوّر ہوں گے نیز یہ بھی ہے کہ دُنیا میں صفا و وفا سے آخرت میں رضا و لقاء سے نوازے جائیں گے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آخرت میں اولیاء کرام سے حجابات ہٹا دیے جائیں گے جس سے انھیں نورِ قدیم کے جلوے نصیب ہوں گے اور ان سے حدوث کی ظلمات مٹ جائیں گی اور دیدارِ حق اللہ تعالٰے کی ایک خاص نعمت ہے جو صرف اولیاءِ کرام کو نصیب ہوگی۔ چنانچہ اللہ تعالٰے نے فرمایا:

یبشرھم ربھم برحمۃ منہ۔

اللہ تعالیٰ انھیں خصوصی رحمت سے نوازے گا۔

اور حدیث شریف میں ہے کہ:

آخرت میں ایک اعلیٰ مقام پر اولیاء کرام کو بٹھا کر خصوصی تجلّی سے نوازتے ہوئے فرمائے گا: اے میرے محبوبو! اور کچھ چاہتے ہو؟

عرض کریں گے: اے اللہ العٰلمین! تیری بڑی کرم نوازی ہے کہ تُو نے ہمیں نارِ جہنم سے بچا کر اپنی خاص دار جنۃ میں جگہ دی اور اپنے قُرب سے نوازا، بہترین خلعتیں بخشیں، اپنا دیدار کرایا اس سے زیادہ ہمیں اور کیا چاہیے۔

لیکن پھر بھی اللہ تعالٰے فرمائے گا: اے میرے محبوبو! تمہارے لیے ایک اور انعام باقی ہے۔

عرض کریں گے: وُہ کیا ہے؟

اللہ تعالٰے فرمائے گا: اب کے بعد مَیں تم پر راضی ہُوں تا ابد تم پر ناراض نہیں ہُوں گا۔

اس کلمہ کو سُن کر بہت مسرور ہوں گے۔ انھیں اس ارشاد سے اور کوئی بڑی نعمت محسوس نہیں ہوگی۔

ف : یہی وہ کلمہ ہے جو ہماری تخلیق کے آغاز میں فرمایا "کُن"، ہم سب نے اس پاک کلمہ کو سُنا۔ لیکن اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے اپنے کلام پر مُہر لگا دی اس کی لذت اہل اللہ "تا قیامت نہیں بُھولتے۔ پھر جب انھیں خصوصی تجلّیات سے نوازا جائے گا تو آخر میں پھر وہی لذیذ ترین کلام انھیں سُنائے گا جس سے انھیں سب سے بڑی نعمت یاد آئے گی آیت میں البشریٰ سے یہی لذیذ ترین کلام مراد ہے۔

تفسیر عالمانہ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ اللہ تعالٰے کے کلمات کو تبدّل و تغیّر نہیں۔ یعنی جتنے وعدے اللہ تعالٰے نے اپنے بندوں سے کیے ہیں ان کا ہرگز خلاف نہیں ہوگا۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ازل میں جو احکام مرتب ہُوئے ان میں کسی قسم کا تغیّر و تبدّل نہیں۔ مثلاً کسی بندے سے کہا:

کُن ولیا۔ ولی ہوجا۔

کسی کو کہا: کُن عدوا۔ دشمن ہوجا۔

اس میں اب تغیّر و تبدّل نہیں ہوسکتا۔ اس کی حکمت بالغہ کے تحت جسے ولی کہا وہ ولی رہے گا اور جسے دشمن کہا وہ دشمن رہے گا۔ نہ کلمۂ ولی میں تغیر ہوسکتا ہے اور نہ کلمۂ دشمن میں۔

تفسیر عالمانہ ذٰلِكَ وہ خوشخبری هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ بہت بڑی کامیابی ہے یہ ایسی کامیابی ہے کہ جس کی کُنہ تک عقول و افہام نہیں پہنچ سکتے کیوں نہ ہو جبکہ یہی کامیابی سعادت دارین ہی ہے۔

ولایت کی دو اقسام ہیں:

ولایت کی اقسام ۱۔۔۔ ولایتِ عامہ ۔۔۔ یہ بحمدہٖ تعالٰے ہر مسلم کلمہ گو کو نصیب ہے۔ کما قال تعالٰے:

اللہ ولی الذین اٰمنوا یخرجھم من الظلمٰت الی النور۔

اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کا ولی ہے کہ انھیں ظلمات سے نکال کر نُور کی طرف لے جاتا ہے۔

۲۔۔۔ ولایت خاصہ ۔۔۔ یہ اہلِ سلوک میں سے واصلین باللہ کو نصیب ہوتی ہے۔

ولایت کا معنیٰ ولایت بمعنے بندے کا فناء فی اللہ و بقاء باللہ ہونا۔

ولایت میں کرامات کونیہ کا صدور ضروری نہیں اس لیے کہ ایسی کرامات تو ملّتِ اسلامیہ کے

اجمالی ازالۂ وہم مخالفین میں بھی پائی جاتی ہیں البتہ کرامات قلبیہ کا ہونا ولایت میں شرط ہے۔ کرامات قلبیہ علوم الٰہیہ و معارفِ ربانیہ کو کہا جاتا ہے۔ کبھی یہ دونوں ایک انسان میں مجتمع ہوسکتی ہیں جیسے محبوب سُبحانی قطبِ ربانی شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالٰے عنہ ان ہر دو قسم کے کرامات کے جامع تھے۔ اسی طرح شیخ ابُو مدین مغربی قدس سرّہٗ بھی جامع الکرامات الکونیہ والقلبیہ تھے۔ جیسے مشرق میں شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر قسم کے کرامات میں لاثانی تھے، اسی طرح مغرب میں شیخ ابومدین مغربی قدس سرہٗ کرامات میں بے نظیر تھے۔

ف: کبھی ان دونوں کرامات میں سے صرف ایک قسم کے ولی ہوتے ہیں۔ بعض میں صرف کرامات قلبیہ ہوتی ہیں اکثر کاملین اہلِ فناء رحمہم اللہ تعالٰے اپنی کراماتِ قلبیہ کے حامل ہوتے ہیں۔

تفصیلی ازالۂ وہم کراماتِ کونیہ[1] جیسے پانی پر چلنا، ہوا میں اُڑنا، لمبی مسافتیں تھوڑے سے عرصہ میں طے کر لینا، کا صدور، جیسے اہلِ اسلام سے صادر ہوتی ہیں ایسے ہی یہودیوں، نصرانیوں کے راہبوں اور فلسفیوں سے بھی ظاہر ہوتی ہیں۔ بے دینوں سے ایسی کرامات کا صدور بطور استدراج ہوتا ہے۔ سورۂ بقرہ کی آیت "ثم قست قلوبکم من بعد ذٰلک فھی کالحجارۃ او اشد قسوۃ" میں ہم نے اس مسئلہ کو تفصیل سے عرض کر دیا ہے۔

حقیقی بادشاہی نبوت و رسالت دراصل ایک باطنی بادشاہی ہے اللہ تعالےٰ اپنے فضل و کرم سے جسے بخشتا ہے اسی سے مخصوص ہوتی ہے اس میں بندے کے کسب کو کسی قسم کا دخل[2] نہیں۔

وزارت ولایت بمنزلہ وزارت ہے اسے کسب سے حاصل کیا جا سکتا ہے اس کے حصول میں بندے کو دخل ہے جیسے وزارت کو بندہ اپنی حسنِ کارکردگی سے حاصل کر سکتا ہے ایسے ہی ولایت کو بھی اعمالِ حسنہ سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

ازالۂ وہم درحقیقت یہ بھی نبوت کی طرح عطائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیض و فضل سے نصیب ہوتی ہے لیکن چونکہ اس میں چند شرائط و اسباب ہوتے ہیں ان کے استعمال سے درمیانی حجابات اُٹھ جاتے ہیں۔ چونکہ وہ حجابات تدریجاً ہٹتے ہیں اس سے وہم ہوتا ہے کہ شاید ولایت بھی کسبی ہے۔

ولایت کی منزلیں ولایت کی منزل اول یہ ہے کہ مظاہر کے عشق اور اغیار کی محبت کو دُور کرنے اور قیود و استار سے چھٹکارا پانے کے بعد سالک کا سفر خلق سے شروع ہو کر حق کی طرف ختم ہو اس طرح کی منازل و مقامات طے کرتا ہُوا بہت بڑے مراتب و درجات کو پہنچے صرف علم یقینی کے حصول سے سالک اہل حق کے مقام کو نہیں پا لیتا جب تک کہ راہ و رسم اور اپنی نام و نمود کو مٹا نہ ڈالے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے تجلیات اس خوش بخت کو نصیب ہوتے ہیں جس نے ہستیٔ موہوم کو فنا کر دیا ہو۔

ف: چونکہ مراتب ولایت مختلف ہیں اسی لیے طریقت والوں کو تین اقسام پر منقسم کیا گیا ہے۔ یعنی ان میں بعض علم الیقین، بعض عین الیقین اور بعض حق الیقین کے حامل ہوتے ہیں۔

---

[1] عوام اہلسنت نے انہی کرامات پر ولایت کو منحصر کر لیا ہے ان کے اذہان میں یہ تصور ایسا راسخ ہوا ہے کہ جس سے کرامت کا صدور نہ ہو تو وہ اسے ولی سمجھتے ہی نہیں دراصل یہ ان کی غلطی نہیں بلکہ علماء اہلسنت اور مشایخ سلسلہ کی چشم پوشی ہے۔ اس دور میں اس مسئلہ کی وضاحت ضروری ہے۔

[2] مرزائیوں کی فریب کاری ہے کہ وہ نبوت بھی کسبی سمجھتے ہیں۔

ف ؛ امرالٰہی جیسا کہ ہے اس کے تصور کو علم الیقین ، اس کے مشاہدہ کو عین الیقین اور ہر حیثیت سے فنا فی الحق و بقا بالحق ہونے کو حق الیقین کہتے ہیں یعنی شہوداً و علماً و حالاً ہر لحاظ سے فانی ہونے پر یہ مرتبہ نصیب ہوتا ہے۔ بعض لوگ صرف علماً فانی ہونے کے بعد اس مرتبہ کے حصول کے قائل ہیں ان کا یہ خیال غلط ہے ۔

مسئلہ ؛ چونکہ ولایت کے مراتب غیر منتہیٰ ہیں اسی لیے مراتب اولیاء بھی غیر منتہیٰ ہوتے ہیں ۔

ولایت کے حصول کا طریقہ توحید پر ثابت قدم ہونا نفس کو اخلاق ذمیمہ سے پاک کرنا اور اسے اغراض دنیویہ و دینیہ سے صاف رکھنا جو طریقۂ حق میں جدّ و جہد کرتا ہے وہ درحقیقت اپنے آپ کو زمرۂ اولیاء میں داخل کر رہا ہے اور جو خواہش نفسانی کی اتباع میں لگا رہتا ہے وہ سمجھے کہ وہ اپنے آپ کو دشمنانِ خدا میں شامل کر رہا ہے۔

سلوک کسے کہتے ہیں اصطلاحِ تصوّف میں سلوک فنا فی اللہ کے راہ پر چلنے کا نام ہے وہ اس لیے کہ مرید اپنے ارادوں کو اپنے پیرومرشد کے ارادوں میں فنا کر دیتا ہے ۔

مُرید نہیں مَرید ہے جو مُرید اپنے شیخ پیرومرشد کے رائے کے خلاف کرتا ہے وہ مُرید نہیں مَرید[1] (سرکش) ہے ۔ مثنوی شریف میں ہے ؛ ؎

گسل از پیغمبر ایام خویش
تکیہ کم کن بر فن و برکام خویش

گرچہ شیری چوں روی راہ بے دلیل
ہمچوں روبہ در ضلال و ذلیل

ہیں مپر الّا کہ با پر ہائے شیخ
تا نہ بینی عون و لشکر ہائے شیخ

سبق ؛ مومن پر لازم ہے کہ اولیاء کی سیرتوں کو اپنائے ورنہ کم ازکم ان سے عقیدت و محبت پر التزام کرے[2]۔ اس لیے کہ ہر مرد قیامت میں اسی کے ساتھ ہو گا جس سے اسے محبت و عقیدت ہو گی اس لیے اگرچہ ایک جانب سہی اسے تو جامع طریق سے حاصل کرے۔

---

[1] جیسے دیوبندیوں کے اکابرین گنگوہی ، نانوتوی ، تھانوی وغیرہم نے اپنے پیرومرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہٗ کے خلاف کیا ۔ تفصیل کے لیے فقیر کی کتاب " دیوبندی نامہ " دیکھیے ۔

[2] بحمدہٖ تعالٰی یہ طریقہ ہم اہلسنت کو نصیب ہے دوسرے تمام بد مذاہب اس طریقۂ انیقہ سے محروم ہیں ۔

تفسیر عالمانہ وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ آپ کو ان کی باتیں غم میں نہ ڈالیں۔ اس سے حضور علیہ السلام کو کفار کی باتوں سے غمگین ہونے سے روکا گیا ہے۔ یہ جملہ در اصل انشائیہ ہے اصل عبارت یُوں تھی:

لا تحزن بقولھم ولا تبال بتکذیبھم الخ

اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان کی باتوں سے غم نہ کیجئے اور نہ ہی ان کی تکذیب کی پروا کیجئے۔ اور وہ جو آپ کے شہید کرنے اور آپ کے اسلام کے خلاف کارروائیاں کر رہے ہیں اور آپ کے حق میں طرح طرح کے بکواسات کرتے ہیں آپ فکر نہ کیجئے اس لیے کہ ان کی تمام کارگزاریوں میں ذرہ بھر بھی بھلائی نہیں۔

نکتہ: ان کی باتوں سے حزن کی نہی میں مبالغہ مقصود ہے اس لیے کہ تاثیر کی نہی سے در اصل تاثیر کی نہی مطلوب ہوتی ہے۔

ف: کواشی میں ہے: قولھم پر وقف کرنا چاہیے۔ آگے ان العزۃ الخ سے جملہ مستانفہ ہے۔ یہی مختار مذہب ہے یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ گویا حضور علیہ السلام نے عرض کی، اے الٰہ العالمین! میں ان کی باتوں سے کیوں نہ غم کھاؤں؟ اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے جواب دیا کہ:

إِنَّ الْعِزَّةَ بے شک عزت و قہر لِلَّهِ جَمِيعًا تمام اللہ تعالیٰ کے لیے ہے یعنی تمام امور اللہ تعالیٰ کی ملکیت اور اسی کی سلطنت میں ہیں اس کے سوا ان کا اور کوئی مالک نہیں۔ نہ کفار نہ کوئی اور ہے جو آپ کی معاونت کر سکے یا آپ کو مصائب و آلام سے بچائے هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ○ وہی سمیع و علیم ہے یعنی جو کچھ باتیں بنا رہے ہیں انہیں وہی سنتا ہے اور جو کچھ آپ کے بارے میں وُہ عزائم رکھتے ہیں انھیں وہی جانتا ہے انھیں ان کی کارروائیوں پر سرزنش کرے گا۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے: ان العزۃ للہ جمیعًا یعنی دنیا و آخرت کی عزت اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے کسی کو صرف دنیا میں عزت بخشتا ہے کسی کو صرف آخرت میں عزت سے نوازتا ہے کسی کو دنیا و آخرت دونوں میں معزز فرماتا ہے اسے نفس کی شرارتوں اور شیاطین کے وساوس اور نعمتوں سے محفوظ ہونا نہیں روکتا یعنی چاہے تو مجرم کو معزز بنا دے خواہ وہ دُنیوی نعمتوں سے معزز ہو کر کتنے ہی گھناؤنے جرائم کا ارتکاب کرے۔ اسی طرح کسی کو دنیوی نعمتوں سے نواز کر اسے آخرت کی نعمتوں سے بھی محروم نہیں کرتا، کما قال تعالیٰ:

قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہٖ والطیبات من الرزق۔

فرمائیے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی زینت کو حرام کر دے جو اس نے اپنے بندوں کے لیے بنائی ہے اسی طرح اس پاکیزہ رزق کو کون حرام کر سکتا ہے۔

اس سے ثابت ہُوا کہ اللہ تعالیٰ کے مخصوص بندے وُہ ہیں جنہیں دنیا میں بھی بھلائی سے نوازا گیا اور آخرت میں بھی کہ بہت سے بڑے خوش نصیب ایسے ہوتے ہیں جن کی دُنیوی نعمتیں آخرت کے امور کی معاون ثابت ہوتی ہیں۔

حدیث قدسی شریف میں ہے کہ :

میرے بہت سے بندے ہیں جن کے لیے دولت مندی ضروری ہے اگر انہیں تونگری نہ ہو تو ان کا دین ضایع ہو جاتا ہے۔

تفسیر عالمانہ اَلَآ اِنَّ اللّٰہَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ ؕ خبردار بیشک تمام آسمان اور زمین والے اللہ تعالےٰ کی ملک میں ہیں یعنی فرشتگان اور انس وجن چونکہ یہی اشرف المخلوقات ہیں اسی لیے ان کے نام لینے کے بعد دوسروں کو ضمناً بیان کیا گیا ہے یعنی جب یہ اشرف المخلوقات اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں تو اُن کے ماسوا باقی بطریق اولیٰ قبضۂ قدرت میں ہوں بنا بریں اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو کفار پر اللہ تعالیٰ نصرت وفتح یابی سے ہمکنار کرے گا بلکہ ان کے اموال واملاک آپ کے قبضہ میں دے گا وَمَا یَتَّبِعُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ شُرَکَآءَ ؕ مَا نافیہ ہے ' شرکاء ' یتّبع کا مفعول ہے اور یدعون کا مفعول محذوف ہے عبارت یوں ہوگی ؛

وما یتبعون الذین یدعون الہۃ من دون الخ

یعنی جو ماسوی اللہ کی پرستش کرتے ہیں وہ درحقیقت اپنے شرکاء کی تابعداری نہیں کرتے اگرچہ وہ اپنے خیال سے انہیں اپنا معبود سمجھتے ہیں لیکن درحقیقت شریک ہیں اس لیے کہ اللہ تعالےٰ کا شریک محال ہے۔

اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وہ صرف اپنے گمان کی اتباع کرتے ہیں اور ان کا گمان یہی ہے کہ بُت (معاذ اللہ) اللہ تعالےٰ کے شریک ہیں حالانکہ یہ غلط اور سراسر غلط ہے اور یہ صرف ان کا اپنا خیال ہے وَاِنْ ھُمْ اور وہ نہیں ہیں اِلَّا یَخْرُصُوْنَ ○ مگر اٹکل پچو بناتے ہیں یعنی اللہ تعالےٰ کی طرف غلط اور جھوٹی نسبت کرتے ہیں۔

حلِ لغات ؛ خرص یخرص خرصاً بمعنے کذب از باب نصر اور الخراص بمعنے الکذاب ۔

ربط : آنے والی آیات میں اپنی قدرتِ کاملہ اور نعمت عامہ کا بیان فرمایا تاکہ بندوں کو معلوم ہو کہ جو ذات ایسی شان کی مالک ہے تو عبادت کی بھی وہی مستحق ہے۔ کما قال ؛

ھُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الَّیْلَ اللہ وہ ہے جس نے رات کو تاریک بنایا لِتَسْکُنُوْا فِیْہِ تاکہ تم اس میں سکون پاؤ، معاش کی طلب میں دن کی تھکان رات کے آرام سے دُور کرو وَالنَّھَارَ اور دن کو راہ دکھانے والا بنایا تاکہ تم معاش کی طلب میں دن کو چل پھر سکو۔

سوال : الّیل میں مظلماً کو کیوں محذوف کیا گیا ؟

جواب ؛ مبصرا اس کے حذف کا قرینہ موجود تھا جیسے لتسکنوا کی وجہ سے لتتحرکوا کو مبصرا کے بعد حذف کیا گیا ہے۔

سوال ؛ راہ دکھانے والا تو اللہ ہے النھار کو مبصرا کیوں کہا گیا ؟

جواب : ابصار کا اسناد النہار کی طرف مجازی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ دن وُہ ہے کہ اس میں اشیاء کو دیکھا جاتا ہے عرب کی مشہور مثال :

نہارہ صائم ولیلہ قائم کا یہی معنٰی ہے کہ :

صام فی النہار و قام فی اللیل -

ف : اس سے ثابت ہوا کہ مجاہدات کی تھکان اور طاعات کی گھبراہٹ اتارنے کے لیے بعض اوقات آرام کے لیے بھی اوقات مقرر کرنے چاہئیں تاکہ نفوس کو ملال اور قلوب کو گھبراہٹ نہ ہو بلکہ کچھ آرام کرنے کے بعد مطلوب کی جانب شوق میں اضافہ ہو اسی لیے تدریس کرنے والے ہفتہ میں ایک دن چھٹی کرتے ہیں تاکہ پڑھنے پڑھانے کے لیے دُوسرے ہفتے میں سہولت ہو، جیسا کہ ابن خیام نے کہا : ؎

زمانے بحث و درس و قیل و قالے
کہ انسانرا بود کسب کمالے
زمانے شعر و شطرنج و حکایات
کہ خاطر را شود دفع ملالے

ترجمہ : کوئی وقت بحثِ درس و تدریس میں، کوئی وقت قیل و قال میں گزارنا چاہیے تاکہ انسان کو کسبِ کمال میں آسانی ہو کوئی وقت شعر و شاعری میں کوئی وقت شطرنج کھیلنے اور حکایات سننے سنانے میں بسر کرنا چاہیے تاکہ دل کو رنج اور ملال نہ ہو۔

ف : شطرنج وغیرہ محض مثال کے طور درمیان میں لایا گیا ہے -

ف : ایک طریق سے دوسرا طریقہ اختیار کرنا قدیم زمانہ سے چلا آرہا ہے جیسے اصحابِ کہف کے ساتھ ہوا کہ انہیں طویل مدت کے آرام میں ایک کروٹ سے دُوسری کروٹ پہ بدلا گیا۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

از قال و قیل مدرسہ حال دلم گرفت
یک چند نیز خدمت معشوق و مے کنم

ترجمہ : مدرسہ کی قیل و قال سے میرا جی بھر گیا تو تھوڑی سی دیر میں نے معشوق اور شراب سے دل بہلایا۔

اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ بے شک ان تمام رات اور دن کے جملہ امور میں لَاٰیٰتٍ البتہ بکثرت آیات عجیبہ ہیں لِّقَوۡمٍ یَّسۡمَعُوۡنَ ۝ ان لوگوں کے لیے جو تدبر سے سُنتے ہیں اور مواعظ قرآن سے عبرت حاصل کرتے ہیں چونکہ صرف یہی حضرات آیات سے

نفع پاتے ہیں اسی لیے ان کا نام لیا گیا ہے ورنہ آیات ہر ایک کے لیے عبرت ہیں۔ قَالُوا بنو مدلج نے کہا (کذا قال الکاشفی) اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا اللہ تعالےٰ نے بیٹا بنایا۔

تبیان میں ہے کہ یہود نے عزیر علیہ السلام کو اور نصارٰی نے عیسٰی علیہ السلام کو اللہ تعالےٰ کا بیٹا کہا۔ اور قریش نے کہا کہ ملائکہ اللہ تعالےٰ کی بیٹیاں ہیں۔

سُبْحٰنَهٗ ط اللہ تعالیٰ پاک اور مقدس ہے اس سے کہ اس کی طرف اولاد کی نسبت کی جائے ان کی حماقت پر تعجب کا کلمہ لایا گیا ہے کہ اللہ تعالےٰ پاک اور مقدس ذات پر ایسی تہمت لگائی گئی جسے معمولی عقل والا بھی قبول نہیں کرتا۔

ف : سبحانہ دراصل اسبحہ تسبیحا تھا یعنے انزھہ تنزیہا اسے مقام تعجب پر بھی استعمال کیا جاتا ہے، پہلا معنیٰ حقیقی، دُوسرا مجازی ہے، یہاں پر دونوں معنے مراد ہیں۔

سوال : حقیقی اور مجازی معنے بیک وقت جمع نہیں ہوسکتے، یہاں کیسے جمع ہو گئے۔

جواب : اس میں تعجب کا معنےٰ اصلی نہیں بلکہ ثانوی حیثیت سے استعمال ہوا ہے اس طرح سے حقیقت و مجاز کا اجتماع نہ ہُوا۔ (کذا فی حواشی سعدی چلپی)

ف : ہر اعجوبہ امر پر سبحان اللہ کا لفظ انسان کے منہ سے نکل جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان جب کسی ایسے عجیب امر کو دیکھتا ہے جو بظاہر خارج از امکان ہوتا ہے لیکن اس غیر ممکن امر کو نہ صرف ممکن بلکہ واقعۃً آنکھوں سے ملاحظہ کر رہا ہوتا ہے اس سے عقل کی کوتاہی نے گویا کہا کہ یہ تو بعید از قدرت تھا لیکن واقع ہو گیا لیکن معاً اپنی غلطی کا احساس کرتے ہُوئے فوراً کہتا ہے سبحان اللہ یعنی وہ مقدس ذات بہت بڑی قدرت والی ہے اس کی قدرت سے یہ کام بعید کہاں، بلکہ اس لفظ سے اپنی خطاء کو ظاہر کر کے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا برملا اظہار کرتا ہے (کذا فی حواشی ابن الشیخ فی سورۃ النصر)

هُوَ الْغَنِيُّ ط وہ اللہ تعالےٰ ہر شئے سے مستغنی ہے اللہ تعالیٰ سبحانہٗ کی تنزیہہ کی علت بتائی گئی ہے وہ اس طرح کہ اولاد ضروریات پُوری کرنے کا ایک ذریعہ ہے اور اس ذریعے کی اسے ضرورت ہوتی ہے جو عاجز و ضعیف ہوتا ہے تاکہ اولاد کے ذریعے کاروبار میں اسے تقویت پہنچے اور اللہ تعالےٰ کو عجز و ضعف کیسا، وہ تو قادر قدیر ہے اسی لیے وہ ہر شے سے مستغنی ہے لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط آسمان و زمین والے سب اسی کے ہیں وہ عقلاً یعنی انس و جن اور ملائکہ وغیرہ ہوں یا غیر عقلا حیوانات وغیرہ سب اسی کی ملک ہیں اس سے اللہ تعالےٰ کے غناء کا تحقق مطلوب ہے اور واضح کرنا ہے کہ کل کائنات اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطَانٍ بِهٰذَا ط ان نافیہ اور مِن زائدہ ہے نفی کی تاکید کے لیے لایا گیا ہے سلطان مبتداء اور ظرف خبر مقدم ہے بھٰذا، سلطان کے متعلق ہے یعنی اس گمان فاسد (جو کہ تم نے ظاہر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے) کے متعلق تمہارے ہاں کوئی حجت،

اور دلیل نہیں ہے اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ کیا تم اللہ تعالےٰ پر وہ باتیں بناتے ہو جن کا تمہیں علم بھی نہیں اس میں انہیں زجر و توبیخ کی گئی ہے اور ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ خود اپنے غلط عقاید میں آپس میں مختلف ہیں اور انہیں اپنے عقاید کے متعلق صحیح معلومات بھی نہیں ہیں[1]

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ جس مسئلہ پر کوئی دلیل نہ ہو وہ جہالت کا پلندہ ہے۔

مسئلہ: عقاید پر دلائل قطعیہ ضروری ہیں، ظنیات[2] اور اٹکل پچو بے کار۔

مسئلہ: عقاید میں تقلید نہیں مسائل میں تقلید ہوتی ہے (جیسے ہم اہلسنت حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی عقائد میں متفق ہیں مسائل میں ائمہ کے مقلد ہیں)

قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ فرمائیے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! بے شک جو لوگ اللہ کے لیے اولاد اور اس کے ساتھ شریک بنا کر اس پر افتراد کرتے ہیں۔

لَا يُفْلِحُوْنَ ○ کامیاب نہیں ہوں گے کسی بھی عذاب سے نہیں بچ سکیں گے اور نہ ہی مقصد پر کامیابی حاصل کر سکیں گے مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا یہ سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ گویا کسی نے عرض کیا کہ انہیں کیسے لا یفلحون کہا گیا حالانکہ دنیا میں وہ قسم قسم کی لذیذ اور عجیب و غریب نعمتوں سے مالا مال ہیں تو اس کے جواب میں فرمایا کہ یہ دُنیا کا مال و متاع چند روزہ ہے جو تھوڑے عرصہ کے بعد ان سے چھن جائے گا اور وہ خود بھی خاک ہو کر خاک میں مل جائیں گے۔ ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ پھر موت کے بعد ان کا ہمارے ہاں رجوع ہو گا ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ○ پھر ان کے کفر کی وجہ سے ہم اُنھیں سخت عذاب چکھائیں گے یعنی اپنے کفر کی وجہ سے دائمی بدبختی اور شقاوت میں رہیں گے پھر ان بدبختوں کو فلاح و نجات کہاں۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ دُنیا میں اُنھیں عذاب کا درد محسوس نہ ہوا اس لیے کہ دُنیا میں نیند میں تھے اور نیند والا زخموں کے دردوں کو محسوس نہیں کرتا۔ پھر جب مرتا ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے۔ ؎

مردمان غافلند از عقبی
ہمہ گوئی بخفتگاں مانند

---

[1] یہی آجکل کے بد مذاہب کا طریقہ ہے کہ اُنھیں اپنے عقاید کے متعلق مکمل تحقیق نہیں ہوتی۔

[2] بد مذاہب بالخصوص شیعہ، مرزائی، وہابی عقاید والے اپنے عقاید پر کوئی قطعی دلیل نہیں لا سکتے۔

ضرر غفلتی کہ سے ورزند
چوں بمیرند آنگہے دانند

ترجمہ: لوگ آخرت سے غفلت میں ہیں سب کی مثال نیند والوں کی ہے آج جتنی غفلت کر رہے ہیں مرنے کے بعد اس کا ضرر معلوم کریں گے۔

مسئلہ: آیات میں شرک و معصیت سے نہی کی گئی ہے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میں تمہیں وہ نصیحت سناؤں جو حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے صاحبزادے کو فرمائی، نوح علیہ السلام نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا: بیٹا! میں تجھے دو کاموں کا حکم فرماتا ہوں اور دو کاموں سے روکتا ہوں۔ پہلا حکم تو یہ ہے کہ اقرار کر و لا الٰہ الا اللہ الخ اللہ تعالےٰ کے سوا اور کوئی عبادت کے لائق نہیں اور اس کا کوئی شریک نہیں وہ واحد ہے، یہ کلمہ وہ ہے کہ اگر آسمان و زمین کے تمام طبقات ایک پلڑے میں اور لا الٰہ الا اللہ کو دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو لا الٰہ الا اللہ کا پلڑا بھاری ہو جائے گا۔

دوسرا حکم یہ ہے کہ کہو سبحان اللہ و بحمدہٖ۔ یہ کلمہ ملائکہ کی نماز اور جملہ مخلوق کی دعا اور اسی کی برکت سے تمام مخلوق کو رزق نصیب ہوتا ہے۔

اور وہ امر کہ جن سے میں تمہیں روکتا ہوں ان میں سے پہلا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا۔ اس لئے کہ جو بھی اللہ تعالےٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے اس پر بہشت حرام ہے۔

دوسرا یہ کہ تم تکبر نہ کرنا اس لیے کہ جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا اسے بہشت میں ہرگز داخل نہیں ہونے دیا جائے گا اگر ایسے شخص کو کسی اور عمل سے بہشت میں داخلہ نصیب ہوگا تو اس کے دل سے پہلے تکبر کو نکالا جائے گا پھر بہشت نصیب ہوگی یا یہ کہ اسے بہشت میں داخل نہیں ہونے دیں گے اگرچہ وہ متقی بھی ہو۔ گویا تکبر کی سزا ضرور پائے گا خواہ کسی طریقہ سہی۔

صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تکبر پر سخت زجر و توبیخ فرمائی گئی ہے اور کسی کو یہ

ازالہ وہم وہم نہ ہو کہ اس تکبر سے کفر مراد ہوگا یہ وہم غلط ہے اس لیے کہ تکبر سے مراد کفر ہوتا تو اس کے بالمقابل کفر کا ذکر نہ ہوتا یعنی چونکہ کفر کا ذکر ہو چکا ہے فلہذا اس سے یہی تکبر مراد ہے جو گناہ کبیرہ میں شامل ہے۔

تکبر کسے کہتے ہیں اپنے آپ کو اونچا اور دوسروں کو کچھ نہ سمجھنا۔ ایسا تکبر درجۂ کفر پر پہنچاتا ہے یعنی اس کی سزا کفر کے قریب تر ہے جیسے نماز کے تارک کی سزا کفر کے قریب ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

من ترك الصلوٰۃ متعمداً فقد کفر ۔ جو عمداً نماز کا تارک ہے وہ کافر ہے۔

دوسری حدیث شریف میں ہے :

برالوالدین یزید فی العمر والکذب ینقص الرزق والدعاء یرد القضاء ۔ (رواہ الاصبہانی)

ماں باپ کی فرمانبرداری سے عمر بڑھتی ہے، جھوٹ سے رزق گھٹتا ہے اور دُعا تقدیر بدل دیتی ہے۔

بدل جاتی ہیں تقدیریں تقدیر کی تبدیلی کے متعلق ایک تقریر یہ ہے کہ یہ بفرضِ محال قبیل سے ہے یعنی اگر بفرضِ محال کسی کی عمر بڑھ جاتی ہے تو ماں باپ کے فرماں بردار کی عمر بڑھ جاتی ہے اس میں مبالغہ مطلوب ہے اور ترغیب دی جارہی ہے کہ ماں باپ کی خدمت کرنے پر اللہ تعالےٰ کے بہت بڑے انعامات نصیب ہوتے ہیں۔

ف : فرضِ محال کا استعمال قرآن مجید میں بھی ہے کما قال : ان کان للرحمن ولداً فانا اول العابدین ۔ یعنی بفرض محال اگر اللہ تعالیٰ کی اولاد ہوتی تو سب سے پہلے میں اسی کی عبادت کرتا ۔ یعنی نہ ہے اور نہ میں اسکی عبادت کرتا ہوں۔

اور جھوٹ سے رزق میں بے برکتی ہوتی ہے اور جس رزق میں برکت نہ ہو وہ بھی ناقص ہے۔ اسی طرح پہلی تقریر اس میں بھی جاری کریں کہ اگر بفرضِ محال رزق میں کمی ہوتی تو جھوٹ سے کمی ہوتی۔

دوسری تقریر دُعا سے وہ تقدیر بدل جاتی ہے جو معلق ہوتی ہے کہ جس کے متعلق لکھ دیا جاتا ہے کہ اگر فلاں اسباب و شرائط پائے گئے تو فلاں تقدیر بدل دی جائے گی۔ اس سے تقدیر مبرم کی تبدیلی مراد نہیں اس لیے کہ وہ کسی وقت بھی نہیں ٹل سکتی۔

سبق : دانا وہ ہے جو توحید حقانی کے حصول میں جدّ و جہد کرتا ہے یعنی اوامر شرعیہ پر عمل کرتا ہے اور نواہی سے رُکتا ہے یعنی تمام محرمات قولیہ وفعلیہ سے بچتا ہے اور مشاغل قلبیہ سے احتراز کرتا ہے بلکہ وہ ماسوی اللہ کی طرف ذرہ برابر بھی میلان نہیں رکھتا اس لیے کہ سالک کا رجوع صرف اسی درگاہ کی طرف ہے۔ یاد رہے کہ توحید بہترین اور مقبول تحفہ ہے اللہ اس تحفہ کو مذکورہ بالا شرائط سے قبول کرتا ہے ورنہ وہ توحید جو شرائط سے خالی ہو وہ اللہ تعالےٰ کی جناب میں تحفہ مقبولہ نہیں ہو سکتی۔

اور شرک عذابِ الٰہی کا سبب ہے کما قال :

ثم نذیقھم العذاب الشدید ۔ پھر ہم انھیں سخت عذاب چکھائیں گے ۔

اس میں اشارہ ہے کہ دنیا کا عذاب عذابِ آخرت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں اس لیے کہ انسان کی فطرت ہے کہ اسے ایک طریق سے دوسرے طور تبدیل کیا جائے تو اسے پہلا طور طریق بھول جاتا ہے بالخصوص جب اسے عذاب خفیف سے عذاب شدید میں مبتلا کیا جائے ۔ ہاں جسے اللہ تعالےٰ اپنی رحمت سے نواز کر کوئی خصوصیت عطا فرمائے تو وہ اس کی خوش بختی ہے ۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ م اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ
اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنَ ○ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ط اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ لا
وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ○ فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ
خَلٰٓئِفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ج فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ○ ثُمَّ بَعَثْنَا
مِنْ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ
قَبْلُ ط كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ○ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ
اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ○ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ
عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ○ قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ط اَسِحْرٌ
هٰذَا ط وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ○ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ
لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ط وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ○ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ سٰحِرٍ
عَلِيْمٍ ○ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ○ فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ
مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ لا السِّحْرُ ط اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ○ وَيُحِقُّ
اللّٰهُ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ○

ترجمہ : اور انھیں نوح علیہ السلام کا واقعہ پڑھ کر سنائیے جب انہوں نے اپنی قوم کو فرمایا کہ اے
میری قوم اگر میرا قیام اور اللہ کی نشانیوں کی یاد دہانی تمہیں گراں گزرتی ہے تو میں نے تو صرف اللہ پر بھروسہ کیا ہے
سو میری ضرر رسانی کے لیے تم سب اور تمہارے سارے جھوٹے معبود مل کر اپنی تدبیر کو پختہ کر لو پھر تمہاری اس تدبیر
میں تمہیں کسی قسم کی دلتنگی نہ ہونی چاہیے پھر جو فیصلہ کرنا ہو کر لو اور مجھے مہلت بھی نہ دو پھر اگر تم منہ پھیر لو تو میں تم سے
کوئی معاوضہ نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو میرے اللہ کے ہاں ہے اور مجھے حکم ہے کہ میں فرماں برداروں سے ہوں - پھر
کافروں نے اس کی تکذیب کی تو ہم نے اسے اور اس کے ان رفقاء کو نجات دی جو اس کے ساتھ کشتی میں تھے اور
ہم نے انھیں ان کا جانشین بنا دیا اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہم نے ان کو غرق کر دیا سو دیکھیے کہ ڈرائے ہوئے
لوگوں کا کیسا انجام برباد ہوا اس کے بعد پھر ہم نے ان کی قوموں کی طرف رسول بھیجے تو وہ ان کے ہاں روشن دلائل
لائے تو وہ بھی ایسے نہ تھے کہ وہ اس پر ایمان لاتے جسے اس سے پہلے انہوں نے جھٹلایا حد سے تجاوز کرنیوالوں
کے دلوں پر اسی طرح ہم مہر لگا دیتے ہیں ان کے بعد پھر ہم نے موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو فرعون اور اس کے

درباریوں کے ہاں اپنی آیات لے کر بھیجا تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم لوگ تھے پس جب ہماری طرف سے ان کے ہاں حق آیا تو کافر بولے یہ تو یقیناً کھلا جادو ہے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا جب تمہارے پاس حق آیا ہے تو کیا تم ایسا کہتے ہو کیا یہ جادو ہے اور جادوگر تو فلاح نہیں پا سکتے کافروں نے کہا کیا تو ہمارے ہاں اسی لیے آیا ہے کہ ہمیں اس سے پھیر دے جس پر ہم نے اپنے آبا و اجداد کو پایا ہے اور زمین پر تم دونوں کا راج ہو اور ہم تو تم دونوں کو ماننے والے نہیں اور فرعون نے کہا کہ میرے ہاں تمام اہلِ علم جادوگروں کو لاؤ پھر جب جادوگر آ گئے تو ان سے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ڈالو جو تمہیں ڈالنا ہے پس جب انہوں نے ڈالا تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا یہ جو تم لائے ہو یہ جادو ہے بیشک اللہ تعالیٰ اسے مٹا دے گا اللہ مفسدوں کا معاملہ درست نہیں فرماتا اور اللہ اپنے کلمات سے حق کو حق کر دکھاتا ہے اگرچہ مجرم لوگ ناخوش ہوں۔

تفسیر عالمانہ

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ اے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم! اہل مکہ کے مشرکین کو خبر دیجئے نَبَاَ نُوْحٍ نوح علیہ السلام کی خبر کہ ان کے ساتھ ان کی قوم نے کیا کیا جبکہ نوح علیہ السلام نے انہیں کفر و معاصی سے روکا۔

ف : البستان میں ہے کہ نوح علیہ السلام کا اسم گرامی شاکر تھا اور خوفِ الٰہی سے بکثرت گریہ و بکا کی وجہ سے آپ کو نُوح سے موسوم کیا گیا۔

ف : احکام کے نسخ اور شرائع کا امر سب سے پہلے آپ سے جاری ہوا آپ سے پہلے سگی بہن کے ساتھ نکاح جائز تھا آپ کے زمانۂ اقدس میں یہ حکم منسوخ ہوا۔

ف : آپ کو جس وقت نبوت ملی آپ اس وقت چار سو اسی سال کے تھے۔

اِذْ قَالَ یہ اُتْلُ کا معمول نہیں بلکہ نَبَاَ کا ہے اس لیے کہ اُتْلُ میں مستقبل کا معنیٰ ہے اور اذ ماضی پر داخل ہوتا ہے اور نوح علیہ السلام کی تمام خبریں نہیں بلکہ بعض مراد ہیں اس لیے کہ نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کے تمام واقعات نہ قرآن مجید میں درج ہیں اور نہ ہی حضور علیہ السلام نے تمام واقعات بیان فرمائے لِقَوْمِهٖ یہ لام تبلیغ کے متعلق ہے یٰقَوْمِ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری برادری اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ اگر میرا وجود تمہیں شاق اور سخت ہے ،

مقامی بمعنے نفسی ہے جیسے کہا جاتا ہے :

نعلتہ بمقام فلاں۔

یعنی میں نے فلاں کے ساتھ ایسا کیا۔

اسی محاورہ سے ہے :

ولمن خاف مقام ربہ جنتان - یعنی جو اپنے رب سے ڈرتا ہے اس کے لیے جنتان ہیں۔

یا نُوح علیہ السلام کا اس سے مطلب یہ ہے کہ میرا تمہارے ہاں عرصہ دراز (پچاس کم ایک ہزار سال کا ٹھہرنا سخت ہے) مقامی سے مطلق قیام مراد ہے وَتَذْكِيرِىْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اور میرا وعظ کرنا اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلائل روشن سے۔

ف : حضرات انبیاء علیہم السلام کی عاداتِ کریمہ تھیں کہ وہ کھڑے ہو کر وعظ کرتے تھے اس لیے کہ کھڑے ہو کر وعظ کرنے سے سامعین پر زیادہ اثر ہوتا ہے۔

منقول ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کھڑے ہو کر وعظ فرماتے تھے اور حواریین آپ کا وعظ بیٹھ کر سنتے تھے (ہمارے بعض واعظین اسی پر عمل کرتے ہیں) سحبان بن وائل جو ایک بہت بڑا فصیح و بلیغ ہو گزرا ہے، اس کے متعلق بھی مشہور ہے کہ وہ عصا کا سہارا لے کر گفتگو کرتا تھا۔

منبر کا پروگرام کُرسیوں اور منبروں پر وعظ کرنا کھڑے ہو کر وعظ کرنے کے قائم مقام ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مٹی کے بنائے ہوئے منبر پر خطبہ دیتے تھے۔ اس کے بعد لکڑی کا منبر تیار ہوا تو پھر آپ اسی پر بیٹھ کر خطبہ دیتے تھے[1]۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر مبارک کے تین پائے تھے یہاں تک کہ مروان نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں اس کے نیچے کی طرف چھ پائے مزید بڑھائے۔

فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ یہ شرط کا جواب ہے یعنی میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہوں اور اپنے جملہ امور اسی کی طرف سپرد کرتا ہوں اس لیے کہ تم میرے قتل کرنے اور ایذا دینے کے منصوبے بنا رہے ہو تو مجھے اس کی کوئی پروا نہیں کیونکہ میرا معین و مددگار میرا اللہ کافی ہے۔ ہم نے توکل علی الدوام کی قید اس لیے لگائی ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ وہ صرف اس وقت کرتے تھے جب کفار آپ کے درپے آزار ہوتے یہ ان کی شان کے خلاف ہے اس لیے کہ عام سالک ہر وقت اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے وہ تو برگزیدہ پیغمبر تھے وہ کیوں نہ ہر وقت متوکل علی اللہ ہوں۔

ف : ابن الشیخ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس کا جواب محذوف ہے (وہ فافعلوا ما شئتم ہے) یعنی اے کافرو! تم جو چاہو میرے ساتھ کر لو، مجھے کسی قسم کی تشویش نہیں، اس لیے کہ میں اپنے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھتا ہوں محذوف اس لیے کیا گیا ہے کہ مذکور محذوف کی ضرورت سے بے نیاز کرتا ہے فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ یہ ہمزہ قطعی از اجماع بمعنے الجزم ہے۔ کہا جاتا ہے : اجمعت علی الامر۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کام کو کرنے کا پختہ ارادہ کر لے۔ یہ لفظ علیٰ کے ساتھ متعدی ہوتا ہے لیکن یہاں پہ لفظ علیٰ حذف کر کے فعل کو بلا واسطہ اس کے مجرور کی طرف پہنچایا گیا ہے۔

ف : ابو الہیثم نے فرمایا ہے اس کا استعمال اس وقت ہوتا ہے جب کوئی اپنے کسی متفرق امر کو جمع کر لے، تو کہتا ہے، اجمعت امری۔ اور اس کے تفرق کی صورت یہ ہے کہ کہے : مرۃ افعل کذا و اخری کذا۔

---

[1] ہمارے جیسے اور ہمارے بعض بزرگانِ دین بیٹھ کر وعظ کرتے ہیں تو انہیں اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرنا نصیب ہے۔

پھر جب ایک امر پر پختہ ارادہ کرلے تو کہے اجمعتہ ای جعلتہ جمیعا۔ اب معنٰے یہ ہُوا کہ نُوح علیہ السلام نے کفار سے فرمایا کہ تم میرے ساتھ جو کچھ کرنا چاہتے ہو کر لو۔ یعنی میرے قتل و اہلاک کے لیے اپنی تمام طاقتیں صرف کر لو۔

وَشُرَكَآءَكُمْ یہ منصوب ہے اس لیے کہ واؤ بمعنے مع ہے یعنی اپنی کارروائی میں اپنے معبودوں کو بھی ساتھ ملا لو جبکہ تمہارا عقیدہ ہے کہ تمہاری عبادت پر وُہ تمہیں طاقت و قدرت بخشتے ہیں بہر حال تم سے جس طرح بن پڑتا ہے میرے قتل کرنے اور مارنے میں کوئی کسر نہ چھوڑو۔

کاشفی نے لکھا کہ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے چیلنج کے طور پر فرمایا کہ تم میرے قتل کرنے اور مارنے پر سارے کے سارے متحد ہو جاؤ۔

ثُمَّ یہ تراخی فی الرتبہ کے لیے ہے لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً پھر نہ ہو تمہارا یہ معاملہ تمہارے اُوپر پوشیدہ۔ غمّۃً بمعنے مستوراً ہے۔ یہ غمہ سے ہے بمعنے سترہ۔ یعنی اسے فلاں نے چھپایا یعنی تم میرے ساتھ کھلم کھلا مقابلہ کرو، اس لیے کہ چھُپے چھپائے کارروائی کرو گے تو اس سے پھر تم کہو گے کہ میں نے بھاگ جانے یا تمہارے حملوں سے بچنے کا کوئی تدارک کیا ہے، لہٰذا تم کر لو جو چاہو ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَیَّ پھر میرے ساتھ اپنا کام کر لو اور میری ہلاکت میں جس طرح کے ارادے رکھتے ہو اسی طرح کرو جیسے ایک مخالف سے کیا جاتا ہے وَلَا تُنْظِرُوْنِ ۝ اور مجھے مہلت بھی نہ دو بلکہ بلا انتظار میرے ساتھ اپنے مقدور مطابق کرو۔

ف: انھیں مخاطب کر کے اسی لیے بلایا تاکہ انھیں معلوم ہو کہ وُہ انھیں کسی کھاتے میں نہیں لکھتے انھیں اپنے رب تعالیٰ پر پُورا بھروسہ ہے وُہ اپنی حفاظت و عصمت سے انھیں محفوظ رکھے گا۔

فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ پس اگر تم میری نصیحت سے رُوگردانی کرو اور اپنی ضد پر اڑے ہُوئے ہو۔ اس شرط کا جواب فلا باعث لکم علی التولی ولا موجب محذوف ہے یعنی فَمَا سَاَلْتُكُمْ پس میں نے اپنے وعظ و تذکیر سے تم سے سوال نہیں کیا مِّنْ اَجْرٍ مزدوری یعنی دُنیا کا کوئی اجر جسے تم میری نصیحت کے عوض ادا کرو جس کی وجہ سے تم میرے وعظ سے روگردانی کرو یعنی میری نصیحت سے رُوگردانی کا سبب تمہاری مزدوری بنے اس معنے پر کہ تم مجھے الزام لگاؤ کہ وہ اس لیے نصیحت کرتے ہیں کہ ہم انھیں دنیا کے منافع پہنچاتے ہیں اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ نصیحت کی مزدوری یعنی اجر و ثواب میرے اللہ تعالےٰ کے ہاں ہے مجھے میری نصیحت کا وُہی ثواب بخشے گا تم ایمان قبول کرو یا رُوگردانی کرو وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ اور مجھے حکم ہے کہ میں ان لوگوں سے ہوں جو اپنی گردن اللہ تعالےٰ کے احکام کے سامنے جھکاتے ہیں۔ ایسے لوگ دین کی تبلیغ میں کسی سے کوئی شے نہیں لیتے۔

مسئلہ: دینی خدمات پر اجر و مزدوری نہیں لینی چاہیے حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام خدمت ارشاد پر متعین تھے اسی لیے علم پڑھانے پر اُجرت نہ لینا انبیاء علیہم السلام کی سنّت ہے۔

مسئلہ: دورِ حاضرہ میں متاخرین نے تعلیم و اذان، امامت و خطابت و دیگر امورِ دینی میں اُجرت لینے کو جائز رکھا ہے لیکن اُجرت لینے والے کو نیت خالص رکھنا ضروری ہے ورنہ اس پر سخت وعید وارد ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

زیاں می کند مرد تفسیر دان
کہ علم و ادب میفروشد بنان
بدیں اے فرومایہ دینی مخر
چو خر بہ انجیل عیسٰی مخر

ترجمہ: تفسیر دان مرد اپنا نقصان کر رہا ہے جو کہ روٹی کے بدلے علم و ادب بیچتا ہے اے بیوقوف! دین دے کر دُنیا نہ خرید، جیسے کوئی کمینہ گدھے کے عوض انجیل کا خریدار ہو۔

شانِ رسالت کوئی اس نیت پر کسی کی اصلاح کرے کہ اس کی اصلاح سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تبعین کی کثرت ہو جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہاری کثرت سے دُوسری اُمتوں پر فخر کروں گا۔ ایسے شخص کا بہت بلند مقام ہے اس لیے کہ وُہ اپنے دینی معاملہ میں اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم اور عزّ و جاہ کی رفعت کا خواہشمند ہے۔

حکایت رابعہ بصریہ بی بی رابعہ بصریہ رضی اللہ عنہا کے متعلق منقول ہے کہ وُہ دن اور رات میں ایک ہزار رکعت پڑھا کرتی تھیں ان سے پُوچھا گیا کہ آپ اتنے نوافل کیوں پڑھتی ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ اس سے میرا ثواب کا ارادہ نہیں بلکہ تمنّا یہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوں اور قیامت میں انبیاء علیہم السلام سے فرمائیں گے دیکھو میری اُمت کی ایک عورت یہ ہے جو دن اور رات میں ہزار رکعت پڑھتی تھی۔[1]

مسئلہ: معلّم و متعلّم دونوں کا یہی ارادہ ہو جو مذکور ہوا تو انھیں اللہ تعالےٰ بہت بڑے اجر و ثواب سے نوازے گا بلکہ بہت بلند مقام پر فائز فرمائے گا۔

فَكَذَّبُوهُ اس کا قال لقومہ پر عطف ہے یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! اپنی قوم کو نوح علیہ السلام کا قصّہ سُنائیے اور ان کی فلاں فلاں بات، یہاں تک کہ جب انہوں نے نوح علیہ السلام کی تکذیب پر اصرار کیا تو ہم نے ان سب کو غرق کر دیا فَنَجَّيْنٰهُ ہم نے نوح علیہ السلام کو غرق ہونے سے نجات دی یہ فاء فصیحیہ ہے تاکہ

---

[1] یہ تھے ہمارے اکابر، لیکن آج کے موحدین کہتے ہیں کہ جو نبی علیہ السلام کے خوش کرنے کے لیے عمل کیا جائے وہ شرک و کفر ہے۔ معاذاللہ

معلوم ہو کہ یہاں کلام محذوف ہے۔ یعنی ہم نے نوح علیہ السلام کے لیے نجات مقدر فرمائی وَمَنْ مَّعَهٗ فِی الْفُلْكِ اور ان کے لیے بھی جو ان کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے وہ اسّی ۸۰ افراد تھے چالیس مرد اور چالیس عورتیں۔ (کذا فی البستان)، یا معنیٰ یہ ہے کہ ہم نے نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو یہاں پر نجات دی اس معنیٰ پر فی الفلک' نجینٰہ سے متعلق ہے اور پہلے معنیٰ پر استقر کے وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ اور ہم نے انہیں زمین کا جانشین یعنی جو طوفان میں غرق ہو کر تباہ و برباد ہوئے ان کا انہیں جانشین بنایا۔

ف: بستان میں ہے کہ جب طوفان کے بعد وہی اسّی افراد کشتی سے باہر آئے تو سوائے نوح علیہ السلام اور آپ کے تین صاحبزادوں، سام، حام، یافث اور ان کی بیویوں کے، باقی سب مر گئے۔ کما قال تعالیٰ:

وجعلنا ذریته هم الباقین۔ ان تین حضرات کی اولاد بڑھی۔

ف: عرب وعجم، فارس و روم سام کی اور حبش، سندھ اور ہند حام کی اور یاجوج، ماجوج، مقلاب، ترک یافث کی اولاد ہے۔

وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ اور ہم نے طوفان میں آیات کی تکذیب کرنے والوں کو غرق کر دیا۔

حضرت الشیخ الشہیر با فتادہ آفندی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ طوفانِ نوح کی تاثیر ہر تیس سال کے بعد ظاہر ہوتی ہے لیکن

اعجوبہ لیکن اتنی سخت نہیں بلکہ ہلکی سی جھلک ہوتی ہے جس سے سیلاب اور بارش کی کثرت سے گاؤں کے گاؤں بہہ جاتے ہیں۔

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝ پس منذرین (ڈرائے ہوئے لوگ) کی عاقبت دیکھیے۔ اس سے نوح علیہ السلام کی قوم مراد ہے۔

ف: اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور آپ کی تکذیب کرنے والوں کو ڈرانا مقصود ہے۔ ؎

محالست چوں دوست دارد ترا
کہ در دست دشمن گذارد ترا

ترجمہ: جب تمہیں وہ دوست رکھتا ہے تو پھر محال ہے کہ وہ تجھے تیرے دشمن کے ہاتھ میں دے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا پھر ہم نے نوح علیہ السلام کے بعد بہت سے رسول بھیجے رُسُلًا کی تنوین ذاتاً و وصفاً تکثیر کی ہے یعنی وہ حضرات بے شمار اور ذی عزت و احترام تھے اِلٰی قَوْمِهِمْ ہر پیغمبر اپنی قوم کے ہاں تشریف لاتے تاکہ وہ ان حضرات سے استفادہ کریں ان سے قوم ہود و عاد و صالح و ثمود اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کی قوم یعنی بابل اور قوم شعیب یعنی قوم ایکہ اور اہل مدین وغیرہ مراد ہیں ان کے بعض کے قصے قرآن مجید میں ہیں اور بعض کے احادیث و تواریخ میں ہیں فَجَآءُوْهُمْ پس وہ تشریف لائے اپنی مخصوص قوم کے ہاں بِالْبَيِّنٰتِ معجزات واضحہ

لے کر جو ان کے دعویٰ کو ثابت کرنے والے تھے بالبیّنٰت کی با۔ یا فعل مذکور کے متعلق ہے۔ اس معنے پر یہ با، تعدیہ کی ہے یا بالبیّنٰت، جاؤ ا کی ضمیر سے حال ہے اور وہ متلبسین کے متعلق ہے مراد یہ ہے کہ ہر رسول معجزاتِ کثیرہ کے ساتھ تشریف لاتے یہ انقسام الاحاد الی الاحاد کے قبیل سے ہے جیسا کہ جاء وھم کے دونوں ضمیروں سے معلوم ہوتا ہے فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا پس نہیں تھے ایمان لاتے یعنی ان کی طبیعت میں کفر گھس چکا تھا اسی لیے ان کا ایمان قبول کرنا ممتنع ہوگیا بِمَا كَذَّبُوا بِهِ مِنْ قَبْلُ، ما موصولہ ہے اس سے وہ تمام شرائع مراد ہیں یعنی ہر ایک نبی علیہ السلام کے لائے ہوئے اصول و فروع، اس سے ان کی استمراری تکذیب مراد ہے یعنی وہ رسل کرام علیہم السلام کی تشریف آوری سے لے کر ان کی ہٹ دھرمی اور عناد تک تکذیب کرتے رہے یہ ان تمام کے آخری حال تک کا بیان ہے یا اس سے ہر رسول علیہ السلام کے اصول مراد ہیں اب معنیٰ یہ ہوگا کہ رُسل کرام کے تشریف لانے سے پیشتر ہی زمانۂ جاہلیت سے تکذیب کے درپے تھے اس لیے کہ وہ اپنے سے پہلے لوگوں سے سُنتے آئے تھے مثلاً انہوں نے قومِ عاد سے سنا اور قوم عاد نے قومِ نوح سے، وغیرہ وغیرہ۔ اس لحاظ سے ان کی حالت یعنی جہالت کے دَور والی حالت انبیاء علیہم السلام کے تشریف لانے پر اسی طرح رہی گویا رسول علیہ السلام ان کے ہاں تشریف لاتے ہی نہیں۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہُوا کہ اہلِ فترت سے قیامت میں اصول شرائع کے انکار پر مواخذہ ہوگا۔

كَذَٰلِكَ کاف مصدر محذوف کی صفت ہے یعنی مثل ذٰلك الطبع والختم والممتنع زواله یعنی اس ختم و طبع (کہ جس کا زوال ممتنع ہے) کی طرح، نَطْبَعُ عَلَىٰ قُلُوبِ الْمُعْتَدِينَ ۝ مہر ماریں گے حد سے تجاوز کرنے والے کے دلوں پر یعنی کفر پر اصرار کرنے پر تجاوز کرنے والوں کے دلوں پر۔

ف: اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو میثاق میں توحید کی دعوت دی پھر جب رُوح نے جسم کی طرف تنزل کیا تو روحِ انسانی ہمیشہ دعوتِ الٰہیہ کی طرف داعی رہی اور اسی کے تقاضا کے مطابق عمل کرتی رہی۔ لیکن جو ازلی بدبخت اور اصلی شقی تھا اس نے ازل سے ہی ایمان سے انکار کر دیا اسی لیے عالمِ دنیا میں آ کر اس نے انبیاء علیہم السلام کی نہ دعوت قبول کی نہ ان کے معجزات کو مانا در اصل دنیا میں ایمان کا انکار اسی ازلی انکار کا نتیجہ ہے اگرچہ اس وقت بھی کفّار نے بلیٰ کہا تھا لیکن تھا وہ پردے سے، یعنی الستُ بربکم کی آواز سُنی تو تھی لیکن الست کہنے والے کو دیکھ نہ سکے اسی لیے الست بربکم کی حقیقت کو سمجھے بغیر دُوسروں کے کہنے پر بلیٰ کہہ دیا اسی معنے پر ان کا ایمان تحقیقی نہیں بلکہ تقلیدی ہوا۔

منکرینِ اولیاء

جیسے اللہ تعالیٰ نے رُسل علیہم السّلام کی تکذیب کرنے والوں کے دلوں پر مہر ماری ایسے ہی منکرینِ اولیاء، گستاخوں اور بے ادبوں کے دلوں پر بھی مُہر مار دی جیسے منکرینِ رسل کے دلوں پر ایمان کی باتیں اثر انداز نہیں ہو سکتیں جس کی وجہ سے وہ زبان سے بھی ایمان قبول نہیں کرتے ایسے ہی اولیاء کا حال ہے کہ گستاخی و بے ادبی کی وجہ سے اولیاءِ کرام کی ولایت کا اعتقاد ان کے دلوں میں کبھی جاگزیں نہیں

ہو سکتا اسی لیے وہ ان کی بزرگی و ولایت کا زبان سے اقرار نہیں کرتے۔

انجام بکار بالآخر یہ انجام ہوا کہ منکرین انبیاء و گستاخانِ اولیاء کی کثرت کے باوجود آج ان کا نام و نشان یک مٹ گیا اسی طرح موجودہ اور آنے والے منکرین کا حال ہے۔

مثنوی شریف میں ہے، ؎

منبرے کو کہ بر آنجا مخبری
یا آرد روزگار منکرے
سکۂ شاہاں ھمی گردد دگر
سکۂ احمد ببیں تا مستقر
بر رُخ نقرہ و یاری زری
و انما بر سکۂ نام منکرے

ترجمہ: کسی مقام پر بھی منکر کا نام و نشان نہیں سُنا جاتا تمام بادشاہوں کے شاہی سکے مٹ گئے لیکن حضرت احمدِ مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا شاہی سکّہ تا قیامت جاری رہے گا اب سونے اور چاندی کی مہریں خالی ہوگئیں جبکہ منکر ہی دنیا میں نہ رہے۔

ہم اللہ تعالےٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اہلِ توحید سے بنائے اور تقلید[۲] کے چکر سے محفوظ فرمائے۔ آمین

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ ان رسل کرام علیہم السلام کے بعد ہم نے بھیجا مُوسٰی بن عمران علیہ السلام وَهٰرُوْنَ اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کو۔ یہ حضرت موسٰی علیہ السّلام سے تین سال عمر میں بڑے تھے اِلٰی فِرْعَوْنَ فرعون یعنی ولید بن مصعب یا قابوس جو اس زمانے کا فرعون تھا کی طرف وَمَلَائِهٖ اور اس کے برگزیدہ لوگوں کی طرف۔

سوال: حضرت موسےٰ علیہ السلام سب کے لیے نبی بن کر تشریف لائے تم نے برگزیدہ لوگوں کی تخصیص کیوں کی؟

جواب: اعلیٰ کے ذکر میں ادنیٰ خود بخود داخل ہوتے ہیں۔

بِاٰيٰتِنَا ہماری بڑی آیات لے کر۔ ان سے وہ نو (۹) معجزات مراد ہیں جو موسٰی علیہ السلام نے فرعون والوں پر

---

[۱] انہی کے ہم زماں مراد ہیں۔ آج کی اکثریت ان کے منافی نہیں۔ ۱۲

[۲] تقلید سے وہی تقلید مراد ہے جو ازل میں ایمان تقلیدی کافروں کو نصیب ہوا، ورنہ صاحب رُوح البیان خود مقلد حنفی ہیں، تفصیل فقیر کی کتاب "التقلید" میں دیکھیے۔ ۱۲

ظاہر فرمائے جو مندرجہ ذیل ہیں:

○ عصا	○ ید بیضا
○ طوفان	○ ٹڈی
○ جوئیں	○ مینڈک
○ خون	○ طمس
○ فلق البحر	

ان آیات کو اللہ تعالےٰ نے اپنی طرف اس لیے منسوب فرمایا کہ یہ امور انسانی طاقت سے باہر ہیں۔

فَاسْتَكْبَرُوا ، الاستکبار بمعنے بلا استحقاق کبر کا دعوٰی کرنا اس کی فا فصیحہ ہے یعنی موسٰی و ہارون علیہما السلام دونوں فرعون اور اس کی قوم کے ہاں تشریف لائے اور انھیں پیغام الٰہی سُنایا لیکن وہ اکڑ گئے اور ان کی فرمانبرداری سے انکار کر دیا چنانچہ اس لعین کا قول سورۂ شعرا میں ہے کہ:

الم نربك فينا وليدا ولبثت فينا من عمرك سنين ۔

وَكَانُوا قَوْمًا مُّجْرِمِينَ ○ اور تھی وہ مجرم قوم یعنی بہت بڑے بڑے جرائم کا ارتکاب کر کے حد سے گزرنیوالوں ہو گئے اس لیے کہ لفظ اجرام ان کے بڑے جرائم کی طرف اشارہ کرتا ہے اسی سے الجرم بمعنے جثہ ہے اسی وجہ سے رسالت کی تنقیص و توہین کی، کما قال:۔

فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا جب ان کے ہاں ہماری طرف سے حق آیا یہاں پر حق سے وُہ نو معجزات مراد ہیں جو موسٰے علیہ السلام نے ظاہر فرمائے اور انھیں اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اسی لیے منسوب فرمایا ہے کہ وہ اس کی تخلیق و صنعت سے ظاہر ہوئے ان میں ان کے بناوٹی جادوؤں کی طرح حیل سازی نہیں تھی اور نہ ہی خیالی امور قَالُوا إِنَّ هَٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِينٌ ○ فرعونیوں نے کہا کہ یہ جو کچھ لا کر اس کا نام معجزہ رکھ رہے ہیں یہ سب کھُلا جادُو ہے قَالَ مُوسَىٰ حضرت موسٰی علیہ السلام نے استفہام انکاری توبیخی کے طور فرمایا۔ یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے أَتَقُولُونَ لِلْحَقِّ کیا تم اس کے لیے جادُو کہتے ہو جو جادُو سے کوسوں دُور ہے اور جادُو تو باطل محض ہے اور یہ معجزات سراسر حق ہیں لَمَّا جَاءَكُمْ جب تمہارے ہاں آیا یعنی حق کی تشریف آوری کے وقت یا جب تم نے اس سے واقفیت حاصل کی یا حق کا نام سُنتے ہی بلا تامل اور بلا تاخیر تم نے انکار کر کے اسے جادُو کہہ دیا بہرحال جیسے بھی ہو تمہارا حق کو جادُو کہنا حقیقت کے سراسر خلاف ہے۔ یہاں پر اتقولون کا مقولہ محذوف ہے در اصل عبارت یُوں تھی:

اتقولون له انه سحر ۔ یعنی حق کو کوئی بھی جادُو نہیں کہتا۔

اور نہ ہی یہ دائرۂ امکان میں ہے کہ کوئی ایسا کہے، اور مقولے کو حذف کرنے کی وجہ ظاہر ہے کہ اس سے پہلے اس کا ذکر

ہو چکا ہے اور قاعدہ ہے کہ جو شے پہلے مذکور ہو چکی ہو اس کا سہارا لے کر ایسے مقامات پہ مقولہ جات کو حذف کر دیتے ہیں۔

ف : یہ بھی ہے کہ قول یہاں پر بمعنے عیب وطعن ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے :

فلان یخاف القالة۔ اسے العیب والطعن یعنی فلاں عیب وطعن سے ڈرتا ہے، اور کہتے ہیں :

وبین الناس تقاول۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب آپس میں ایک دوسرے کے متعلق بری باتیں کریں جیسے لفظ ذکر عیب وطعن کے لیے مستعمل ہے۔ کفار نے کہا :

سمعنا فتی یذکرھم۔

ہم نے سنا ہے کہ وہ نوجوان ہمارے بتوں کی مذمت کرتا ہے یعنی ان کے عیوب بیان کرتا ہے۔ اس معنے پر اب قول کو مفعول کی ضرورت نہیں اتقولون بمعنے اتعیبونه وتطعنونه ہے اور اس کا مفعول لہٗ ضمیر محذوف ہے۔

اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وہ امر جو بالکل واضح اور ایسا ظاہر ہے جس کا ہر ایک کو مشاہدہ ہے اور اس کے حق میں کسی کو شک کی گنجائش ہی نہیں جسے دیکھنے والی آنکھ نصیب ہے کیا وہ اسے جادو کہہ سکتا ہے یہ انکار موسیٰ علیہ السلام سے ہے اور واضح کرنا چاہتے ہیں کہ ذی شعور اسے جادو نہیں کہہ سکتے اور بیوقوفوں کی بات کا کوئی اعتبار نہیں اسی لیے خبر کو مبتدا پر مقدم کیا تاکہ یقین ہو کہ ان کے لائے ہوئے معجزات کا انکار ممکن ہے وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُوْنَ ۝ یہ مخاطبین سے حال ہے یعنی کیا تم حق کو جادو کہتے ہو حالانکہ جادو کے مرتکب کو کامیابی اور مقاصد کا حصول نہیں ہوتا بلکہ وہ مصائب ومشکلات میں گھر جاتا ہے اور پھر میرے جیسے سے جادو کا صدور کس طرح ہو سکتا ہے جبکہ مجھے اللہ تعالےٰ سے تائید حاصل ہے اور میرے جیسے ہر مقصد پہ کامیاب اور ہر دکھ اور تکلیف سے نجات پانے والے ہیں قَالُوْٓا یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے اور سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ جب موسےٰ علیہ السلام نے انہیں اپنے دلائل دیئے تو فرعون اور اس کی جماعت نے انہیں کیا جواب دیا ؛ اس کے جواب میں فرمایا کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے دلائل واضحہ سن کر عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے کہا اَجِئْتَنَا یہ خطاب موسیٰ علیہ السلام کو ہے اس لیے کہ معجزۂ ید بیضا ومعجزۂ عصا انہی سے ظاہر ہوا لِتَلْفِتَنَا یہ لام اجئتنا کے متعلق ہے یعنی کیا تم صرف اسی لیے آئے ہو کہ تم ہمیں پھیر دو عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اس سے کہ جس پر ہم نے اپنے آباء واجداد کو پایا یعنی کیا تم ہمیں بت پرستی سے روکنے آئے۔

ف : سعدی مفتی مرحوم نے فرمایا کہ ظاہر یہ ہے کہ یہاں غیر اللہ کی پرستش سے فرعون کی عبادت مراد ہے اس لیے کہ اس کی قوم اسی کی پرستش کرتی تھی۔

وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ اور ہو تمہارے لیے زمین کی شاہی۔

سوال : تم نے الکبریاء کا شاہی کا معنیٰ کیوں کیا !

جواب : اس لیے کہ شاہوں کو ہی کبریائی اور عظمت مخصوص ہے اور ان کا مقصد بھی یہی تھا۔

فِی الْاَرْضِ مصر کی زمین یعنی انہوں نے کہا کہ اے موسیٰ و ہارون علیہما السلام! سُن لو کہ ہم اپنے اُوپر تمہاری شاہی ہرگز قبول نہیں کریں گے۔

ربط: پہلے ایمان سے اعراض کرنے کے دو سبب بتائے اب ان کے متفرع علیہ حکم کی تصریح کرتے ہیں کہ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ○ اور ہم تمہارے لائے ہوئے احکام کی تصدیق نہیں کرتے وَقَالَ فِرْعَوْنُ فرعون نے جب دیکھا کہ اب اس کے پاس موسیٰ علیہ السلام کے دلائل کا کوئی جواب نہیں تو اب اپنی جماعت کے سرداروں سے مشورہ کیا کہ کوئی ایسی تدبیر سوچنی چاہیے کہ جس سے موسیٰ علیہ السلام ہم سے عاجز آجائیں، سب کا اتفاق ہوا کہ جادوگروں کو بلایا جائے۔ چنانچہ یہ طے پایا کما قال ائْتُونِيْ بِكُلِّ سَاحِرٍ عَلِيْمٍ ○ لاؤ میرے پاس ایسے جادوگر جو اپنے فن میں یکتا ہوں، جن کا عالم دنیا میں کوئی مدمقابل نہ ہو۔ وہ آکر موسیٰ علیہ السلام کو لاجواب کرسکیں۔ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ فاء فصیحیہ ہے یعنی جب وہ جادوگر فرعون کے ہاں موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کے لیے آئے تو قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ○ انھیں موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہیں جتنی طاقت ہے پوری صرف کر لو۔

ف: ما انتم میں ابہام کر کے موسیٰ علیہ السلام نے اُن کے جادو کی حقارت کا اظہار کیا اور واضح فرمایا کہ تمہاری اس جادو کی قوت کچھ نہیں اور نہ ہی میں اسے کسی خیال میں لاتا ہوں لیکن تم اپنی قوت آزمائی کر لو۔

سوال: موسیٰ علیہ السلام نے انھیں جادو کا حکم کیوں فرمایا اس لیے کہ جادو کا عمل کفر ہے اور کفر کا حکم دینا بھی کفر۔

جواب: موسیٰ علیہ السلام نے انہیں رسیوں اور لاٹھیوں کے ڈالنے کا حکم فرمایا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ یہ جو کچھ کر رہے ہیں بیکار عمل اور سعی باطل ہے اس سے کب ثابت ہوا کہ آپ نے انھیں جادو کے عمل کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

فَلَمَّآ اَلْقَوْا جب انہوں نے رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں اور لوگوں کو ڈرایا اور اپنے خیال میں بہت بڑا جادو چلایا قَالَ مُوْسٰى موسیٰ علیہم السلام نے انھیں بلا تاخیر فرمایا کہ مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ جو کچھ تم لائے ہو یہ تو کھلا جادو ہے اور جسے فرعون اور اس کی قوم جادو کہہ رہی ہے وہ کس طرح جادو ہوسکتا ہے جبکہ وہ اللہ تعالیٰ سے ہے ما موصولہ مبتدأ اور السحر اس کی خبر ہے خبر پر الف ولام حصر کا فائدہ دے رہا ہے اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ بیشک اللہ تعالیٰ میرے ہاتھ پر ظاہر کردہ معجزے سے تمہارے جادو کو بالکل مٹا دے گا یہاں تک کہ تمہارے جادو کا نام و نشان نہ رہے گا یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے اس کا بطلان ظاہر ہو جائے گا۔ اس معنے پر یہ سین تاکید کا ہوگا۔ ؎

اذا جاء موسیٰ و القی العصا

فقد بطل السحر و الساحر

ترجمہ: جب موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے اور عصا ڈالا تو جادو اور جادوگر سب فنا ہو گئے۔

اور ؎

سحر با معجزہ پہلو نزند ایمن باش

ترجمہ: جادو معجزہ کا مقابلہ نہیں کرتا فلہذا کوئی غم نہ کرو۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ○ بے شک اللہ تعالیٰ مفسدین کے عمل کو ثابت نہیں رکھتا بلکہ اسے بہت جلد مٹا دیتا ہے یہاں تک کہ اس کا نام ونشان بھی مٹ جاتا ہے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ جادو کی کوئی حقیقت نہیں یہ صرف خیالی امر ہوتا ہے جو چند لمحات کے بعد مٹ جاتا ہے لیکن اہلِ حقیقت فرماتے ہیں کہ اس کی حقیقت ثابت ہے یہ کوئی بناوٹی ومصنوعی معاملہ نہیں، ہاں اس کا اثر خیالی ہے تو اس کی حقیقت ثابتہ پر اثر انداز نہیں۔

وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ اور جو کچھ حق میں لایا اسے اللہ تعالیٰ ثابت کریگا اور قوت بخشے گا بِكَلِمٰتِهٖ اپنے اوامر وقضایا سے وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ○ اگرچہ وہ مجرمین کو ناپسند ہو۔ مجرمین سے وہ لوگ مراد ہیں جو جرائم سے متصف ہوں، جادوگر ہوں یا کوئی اور۔

ف: کاشفی نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ سے جو وعدۂ نصرت ہو وہ اسے پورا کرتا ہے اسے دشمنوں کی کراہت سے کوئی ڈر نہیں۔ مثنوی معنوی میں اسی معنے کی طرف اشارہ ہے: ؎

حق تعالیٰ از غم و خشم خصام
کے گزارد اولیاء را در عوام
مہ فشاند نور و سگ وع وع کند
سگ ز نور ماہ کے مرتع کند
خس خسانہ می رود بر روئے آب
آب صافی میرود بے اضطراب
مصطفےٰ مہ مے شگافد نیم شب
ژاژ می خاید ز کینہ بو لہب
آں مسیحا مردہ زندہ میکند
و آں جہود از خشم سبلت میکند

ترجمہ: اللہ تعالیٰ دشمنوں کے خطرہ سے اپنے محبوب اولیاء کو ان کے پنجہ میں کیسے دیتا ہے چاند کی کرن سے کتا بھونکتا ہے کتا چاند کے نور سے کس طرح نفع پا سکتا ہے خس وخاشاک دریا کے اوپر کمزوری

تیرتے چلے جاتے ہیں لیکن صاف پانی بلا اضطراب چلتا ہے حضور علیہ السلام نے چاند کے دو ٹکڑے کر دیئے لیکن ابُولہب، کینہ سے انگشت بدنداں رہ گیا، وُہ عیسٰی علیہ السّلام مُردے زندہ کرتے تھے لیکن یہودی تا حال ان کی مخالفت میں سرگرداں ہیں۔

تفسیر صُوفیانہ آیت میں مُوسٰی سے قلب اور ہارون سے سِرّ اور فرعون سے نفس اور اس کی صفات مراد ہیں اور مُوسٰی کی دعوت سے نفس کا انکار اسے قبول نہ کرنا مراد ہے اس لیے کہ قلب و سِر نفس کو کلمۂ توحید اور عبادتِ الٰہی کی طرف بلاتے ہیں لیکن نفس خود ربُوبیت کا مدّعی ہے اور اپنی خواہشات کے علاوہ اور کسی کی الوہیت کے قائل نہیں بلکہ وُہ انکاری ہے کہ اس کی سلطنت وحکومت میں کوئی اور تصرف کرے لیکن اللہ تعالےٰ کلمہ لا الٰہ الا اللہ کو قوت بخشتا ہے اگرچہ اہلِ ہوٰی یعنے نفوسِ متمردہ و امّارہ کو ناپسند ہو۔

حضرت حافظ قدس سرّہٗ نے فرمایا ؎

اسم اعظم بکند کار خود اے دل خوش باش

کہ بتلبیس وحیل دیو سلیماں نشود

ترجمہ: اسم اعظم اپنا کام کرتا ہے فلہٰذا دل مطمئن رکھ، مکر وفریب سے دیو سلیمان نہیں ہوسکتا۔

حکایت حضرت شیخ جنید بغدادی عجمی چالیس سال تک سلطنت کے حصول کے لیے کوشاں رہے لیکن انہیں شاہی حاصل نہ ہوسکی پھر اس کی اولاد سے روافض بادشہ پیدا ہُوئے جیسے شاہ اسماعیل وشاہ عباس و شاہ طہماسپ پھر انھیں ملوک عثمانیہ سے شکست ہُوئی شاہان عثمانیہ کی وجہ سے ان روافض بادشاہوں کا شر دفع ہُوا اور زمین فساد سے پاک ہُوئی۔

سبق: اس سے معلوم ہُوا کہ حق اہلِ حق کے ساتھ ہوتا ہے جیسے مُوسٰی وہارون علیہما السلام اہلِ حق تھے اسی لیے حق اُن کے ساتھ تھا اور اہلِ باطل کے ساتھ باطل ہوتا ہے جیسے فرعون۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر زمانہ میں فرعون ہوتے ہیں تو ان کے مٹانے کے لیے مُوسٰی بھی پیدا ہوتے ہیں اور یہ سلسلہ دجّال تک چلا جائے گا یہاں تک کہ اسکی سرکوبی کے لیے عیسٰی علیہ السلام تشریف لائیں گے۔

سوال: اس کی کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالےٰ ظالموں کو اہلِ ارض پر مسلط کرتا ہے جیسے فرعون نے عرصۂ دراز تک ذلیل وخوار کیے رکھا۔

جواب: اگر وہ نیک اور صالح ہوتے ہیں تو یہ ذلّت وخواری ان کے گناہوں کو مٹانے اور ان کے جواہر کے اظہار سے ہوتا ہے ورنہ ان کے لیے دُنیا کا عذاب۔

(بر صفحہ ۳۵۳)

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ۭ وَاِنَّ
فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ
بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ۝ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا
فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ
اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَقَالَ
مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ
سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝
قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ
اِسْرَاۗءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا ۭ حَتّٰٓى اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ
اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَاۗءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ اٰۗلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ
وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ
النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ۝

ترجمہ: پس مُوسٰے علیہ السلام پر ایمان نہ لائے مگر ان کی قوم کی اولاد میں سے چند آدمی فرعون اور اس کے درباریوں کے خوف سے کہ وہ انھیں کہیں فتنہ میں نہ ڈالیں اور بے شک فرعون زمین پر سربلند تھا اور بے شک وہ حد سے تجاوز کرنے والوں سے تھا اور مُوسٰے علیہ السّلام نے فرمایا: میری قوم اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اسی پر بھروسہ کرو اگر تم فرمانبردار ہو تو انھوں نے کہا ہم نے اللہ پر بھروسہ کیا اے ہمارے پروردگار! ہمیں ظالم لوگوں کی آزمائش نہ بنا اور اپنی رحمت سے ہمیں کافر لوگوں سے نجات دے اور ہم نے موسٰی علیہ السّلام اور ان کے بھائی کو وحی بھیجی کہ مصر میں اپنی قوم کے لیے مکانات تیار کرو اور اپنے گھروں میں جائے نماز بناؤ اور نماز کو قایم کرو اور مسلمانوں کو خوشخبری دو اور موسٰی علیہ السلام نے عرض کی اے ہمارے پروردگار! بے شک تُو نے فرعون اور اس کے درباریوں کو آرائش اور دنیا کی زندگی کا مال دیا اے ہمارے پروردگار! تاکہ وہ تیری راہ سے بہکا دیں اے ہمارے پروردگار ان کے مال و متاع کو تباہ کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے تو ایمان نہ لا سکیں یہاں تک کہ دردناک عذاب دیکھیں فرمایا تم دونوں کی دُعا مستجاب ہوئی سو تم دونوں ثابت قدم رہو اور اگر ان لوگوں کی راہ نہ چلیں، جو کچھ نہیں جانتے ہم نے بنی اسرائیل کو دریا عبور کرا دیا تو فرعون اور اس کے لشکر نے سرکشی اور ظلم کے ارادہ پر ان کا تعاقب کیا یہاں تک کہ جب اسے ڈوبنے نے گھیرا تو کہا کہ میں ایمان لایا کہ کوئی سچا معبود نہیں سوا اس کے کہ جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور

یں فرماں برداروں میں سے ہُوں کیا اب ایمان لاتا ہے اس سے قبل تو تُو نافرمان رہا اور مفسدوں سے تھا پس آج ہم تیری لاش کو ڈوبنے سے بچالیں گے تاکہ تُو اپنے پچھلوں کے لیے نشانی ہو اور بے شک بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں۔

(بقیہ تفسیر صفحہ ۲۵۱)

حکایت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلوم ہُوا کہ اہل عراق نے ان کے گورنر کو پتھر مارے ہیں اس سے آپ سخت ناراض ہُوئے اور نماز پڑھنے لگے تو نماز میں آپ کو سہو ہُوا۔ سلام پھیرتے ہُوئے عراقیوں پر بد دُعا کی کہ یا اللہ! یہ لوگ میری نماز میں سہو کا سبب بنے ہیں، تُو بھی انھیں تکلیف میں مُبتلا فرما اور ان پر ایسا نوجوان ثقفی مسلّط فرما جو ان پر جاہلیت کے امور جاری کرے ان کے نیکوں کی کوئی بات نہ مانے اور اُن کے بُروں کی بُرائیوں سے تجاوز کرے۔

ف: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ دُعا حجاج کی پیدائش سے پہلے کی ہے چنانچہ عراق پر حجاج مسلّط ہُوا تو اس کے کارنامے سب کو معلوم ہیں۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مکّہ معظمہ میں ایک قریشی نوجوان الحاد پھیلائے گا اس کا نام "عبداللہ" ہوگا، تمام لوگوں کے گناہ اس پر ہوں گے۔

حدیث شریف میں اسے تیس کہا گیا اور تیس کی تشریح آتی ہے۔

ف: انسان العیون میں ہے کہ حجّاج بن یوسف ظالم کا قریش سے ہونا ہمارے مدّعا کے خلاف نہیں اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو دُعا مانگی تھی وہ پُوری ہوگئی۔

ف: حیوٰۃ الحیوان میں ہے کہ اہلِ عرب جب کسی کی مدح کرتے ہیں تو اسے کبش سے تعبیر کرتے ہیں۔ اگر کسی کی مذمت کرتے ہیں تو اسے تیس سے موسوم کرتے ہیں اسی لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے والے کو تیس مستعار سے تعبیر فرمایا ہے۔

تفسیر عالمانہ فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ پس مُوسٰی علیہ السّلام پر صرف اس کے اپنے لوگ ایمان لائے موسٰی علیہ السّلام کی ابتدا دعوت میں یعنے عصا کے معجزہ سے ظاہر کرنے سے پہلے سوائے ان کی اپنی برادری کے نوجوانوں کے باقی کسی نے بھی ایمان قبول نہ کیا، جادوگروں نے معجزۂ عصا کے بعد ایمان قبول کیا اسی لیے یہ حصر ہمارے مقصد کے منافی نہیں۔

ف : موسیٰ علیہ السلام کی برادری کے نوجوان تو مان گئے لیکن بڑے بڑے فرعون کے خوف سے ڈر کر ایمان سے انکار کر بیٹھے۔

سوال : تم نے کہاں سے سمجھا کہ صرف نوجوانوں نے مانا تھا اور بڑوں نے انکار کر دیا۔

جواب : لفظ ذریۃ سے صاف ظاہر ہے کہ صرف نوجوان ایمان سے نوازے گئے۔

سوال : ممکن ہے کہ ذریۃً تصغیر بمعنے تحقیر کے لیے ہو۔ تحقیر بھی اسی طرف اشارہ کرتی ہے کہ ان میں چند ایک مومن ہوئے اور ذریۃ کا اصلی معنے توبگاڑا بھی نہیں جا سکتا جس سے واضح ہوتا ہے کہ چند ایک مومن ہوئے اور وہ بھی نوجوان، چنانچہ آنے والا مضمون بھی اسی کی تائید کرتا ہے کما قال :

عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ بہت بڑے خوف کے فرعون اور ان کی جماعت کے خوف سے ھُمْ کا مرجع ذریۃ ہے یعنی بنی اسرائیل کی ذریّت کے بڑے۔

سوال : ذریۃ مونث ہے پھر ھُم ضمیر جمع مذکر۔ اس ضمیر کو اس کی طرف کیسے لوٹایا گیا۔

جواب : ذریۃ بمعنے قوم ہے اور قوم معناً جمع ہے۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہُوا کہ بنی اسرائیل کے نوجوان ایمان لائے لیکن وہ فرعون اور اپنے بڑوں سے خوف زدہ تھے اور بڑے اپنے نوجوانوں کو روکتے تھے کہ کہیں انھیں فرعون ظلم وستم کا نشانہ نہ بنا دے، یہ بھی ہے کہ ھُم کا مرجع فرعون ہو اور اس سے ساری قوم مراد ہو جیسے ثمود بول کر اس سے تمام قوم مراد لی جاتی ہے۔

اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ یہ کہ فرعون انھیں عذاب پہنچائے یا ان کے والدین کو مجبور کرے کہ وہ اپنے نوجوانوں کو موسےٰ علیہ السلام کے ساتھ کفر کرنے پر مجبور کریں۔ اس معنے پر یہ بدل الاشتمال ہے اصل عبارت یوں ہے :

علیٰ خوف من فرعون فتنۃ۔

جیسے اعجبنی زید علمہٗ میں علمہٗ زید سے بدل الاشتمال ہے ایسے ہی فتنۃ فرعون سے بدل الاشتمال ہے فتنہ کا اسناد فرعون کی طرف اس لیے ہے کہ عذاب کا آمر وہی ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں موسیٰ سے قلب اور ذریۃ قومہ سے اس کی صفات مراد ہیں یعنی قلب کو صرف اسی کی صفات نے مانا، یا یوں کہو کہ قومہ کی ضمیر فرعون نفس کی طرف راجع ہے اب معنے یہ ہوا کہ قلب کو نفس کی بعض صفات نے مانا وہ اس لیے کہ نفس کی بعض صفات کو بدلنا ممکن ہے وہ اس طرح کہ اس کی صفات ذمیمہ کو اخلاق حمیدہ سے بدلا جائے علی خوف من فرعون وملا۠ئھم اس سے نفس وہوا، دنیا اور اس کی شہوات مراد ہیں یعنی امور مذکورہ ایسے ہیں کہ نفس کو اپنی جبلی عادات پہ رہنے پر مجبور کرتے ہیں اس سے معلوم ہُوا کہ اگرچہ نفس کو امارۃ سے مطمئنۃ کی طرف تبدیل کر لیا جائے تب بھی اس کے مکر و فریب سے خوف رکھنا چاہیے کہ وہ مطمئنۃ سے

امارۃ کی طرف لوٹنے میں دیر نہیں کرتا جیسے بلعام و برصیصیا اگرچہ مطمئنۃ میں اپنے نفوس کو داخل کر چکے تھے لیکن دُنیا اور اُس کی شہوات میں مبتلا ہو کر ان کے نفوس مطمئنہ اماریت کی طرف لوٹ گئے۔ معلوم ہُوا کہ نفس مطمئنیت سے اماریت کی طرف رجعت قہقری کا نہ صرف خوگر ہے بلکہ اسی کے لیے ہر وقت جدوجہد کرتا ہے۔

ف : حضرت شیخ اکبر قدس سرہ الاطہر نے مواقع النجوم میں فرمایا :

صوفی خام خیال اور صوفیت کا دعویٰ رکھنے والے کی علامت یہ ہے کہ وہ رعونت نفس اور اس کے اعراض کی طرف بہت تیز دوڑتا ہے۔

حضرت شیخ ابو سلیمان دارانی جو بہت بڑے مشایخ سے تھے فرماتے ہیں کہ وُہ اگر واصل باللہ ہوتے تو کبھی نفس کی رعونت کی طرف راجع نہ ہوتے اور جو لوگ محروم ہو جاتے ہیں اس کی اصل وجہ یہی ہوتی ہے کہ وہ اصول سلوک کو ضایع کر دیتے ہیں جو اپنے آپ کو شرعی امور کا پابند نہیں بناتا وہ کبھی محقق (ولی اللہ) نہیں ہو سکتا۔ ولی کامل کی علامت یہ ہے کہ وُہ اپنے نفس کی طبعی عادت سے بالکل فارغ اور شریعت کے آداب کا عامل ہو بلکہ اس کا ہر قدم شریعت پر اُٹھے۔

تفسیر عالمانہ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ ج اور بے شک فرعون ارض مصر پر غالب تھا اور بہت بڑا سرکش اور طاغی تھے وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ اور بے شک وہ ظلم و فساد بالقتل اور خون کے بہانے یا کبر اور سرکشی میں حد سے تجاوز کرنے والا انتہا یہاں تک کہ ربوبیت کا دعویٰ کیا اور انبیاء کی اولاد یعنی بنی اسرائیل کو غلام بنایا اور بنو اسرائیل کو ہم نے انبیاء علیہم السلام کی اولاد اس لیے کہا کہ ان کا نسب یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام سے ملتا تھا وَقَالَ مُوْسٰى اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اہلِ ایمان کو فرعون سے خوفزدہ ہوتے دیکھا تو فرمایا : يٰقَوْمِ اے میری قوم اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ اگر تم ایمان لاؤ اور اس کی آیات کی تصدیق کی اور یقین کرو کہ کسی کو منافع پہنچانا اور کسی کا ضرر دُور کرنا اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا صرف اسی پر بھروسہ کرو اس کے سوا اور کسی سے نہ ڈرو۔

ف : نُوح علیہ السلام نے توکّل کو صرف اپنے لیے محصور فرمایا کما قال :

فعلی اللّٰہ توکلت - اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مُوسیٰ علیہ السّلام کا مرتبہ نُوح علیہ السّلام سے بلند ہے۔

صاحبِ رُوح البیان نے فرمایا کہ اس سے فضیلت اور مرتبہ کی فوقیت کا ثبوت نہیں ہو سکتا اس لیے کہ وہاں نوح علیہ السّلام کا قصہ تھا اسی لیے وہاں اُن کی تخصیص کی گئی اور یہاں مُوسےٰ علیہ السّلام کی قوم کا بیان ہے اسی لیے یہاں اُن کا نام لیا گیا۔ چُونکہ قصوں کی جہتیں دُو ہیں اسی لیے ان دُو جہتوں سے توکّل کی تخصیص ہُوئی اس سے مُوسیٰ علیہ السلام اور نُوح

لہ افسوس کہ ہمارے دَور کے بعض جاہل پیروں نے جاہل مریدوں کے ذہن میں ڈال دیا ہے کہ شریعت اور ہے اور طریقت اور حالانکہ تمام مشایخ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ شریعت اور طریقت ایک حقیقت کے دو نام ہیں والتفصیل فی المطولات۔

علیہ السلام کی فضیلت کی ترجیح کا کیا معنٰی۔ اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ۝ اگر تم قضا وقدر کے سامنے سر جھکانے والے اور اس کے ساتھ مخلص ہو۔ یہ تعلیق الحکم کے قبیل سے ہے یعنے توکل دو مختلف شرطوں سے مشروط ہے:

۱۔ ایمان باللہ

۲۔ اسلام

ورنہ لازم آئے گا کہ توکل صرف ایمان باللہ سے واجب نہیں بلکہ دو علیحدہ حکم ہیں جو دو مختلف شرطوں سے مشروط ہیں مثلاً توکل علی اللہ کو ایمان باللہ سے مشروط فرمایا اس لیے کہ توکل کا تقاضا یہی ہے کہ پہلے ایمان ہو ورنہ توکل قابلِ قبول نہیں اور حصولِ توکل کو اسلام سے مشروط فرمایا اس لیے اس کی مثال ان احسن الیك فاحسن الیہ ان قدرت ہے یعنی اگر تم پر زید احسان کرے تو تم اگر قدرت رکھتے ہو تو تم بھی اس پر احسان کرو فَقَالُوْا تو بلا تامل بنی اسرائیل نے موسٰی علیہ السلام کو جواب دیا: عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ج ہم نے اللہ تعالیٰ پر توکل کیا یہ اس لیے کہ وہ مومن مخلص تھے اسی لیے ان کی دعا مستجاب ہوئی جبکہ انہوں نے دعا مانگی:

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اے ہمارے رب! ہمیں قوم ظالمین کے لیے فتنہ و آزمائش نہ بنا، یعنی ہمیں ان کے عذاب کا نشانہ نہ بنا بایں طور کہ تو ان کو ہمارے اوپر مسلط کر دے تاکہ وہ ہمیں عذاب کا نشانہ بنائیں اور ہمیں دینِ حق سے ہٹالیں وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ اور ہمیں کافروں کے مکر و فریب اور ان کے دیکھنے اور ان کی ہمسائیگی کی نحوست سے نجات دے۔

متنبی نے کہا:

و من نکد الدنیا علی الحران یری

عدوا لہ من صداقتہ بد

ترجمہ: اور جسے دُنیا کی خرابیاں معلوم ہیں وہ اس لائق ہے کہ دشمن کی صداقت کا کوئی اعتبار نہیں۔

نکتہ: توکل کو دُعا سے مقدم کرنے میں اشارہ ہے کہ انسان پر لازم ہے کہ اپنے مالک و مولا پر بھروسہ کرے تاکہ اس کی ہر دعا مستجاب ہو۔

توکل کا صُوفیانہ معنٰی صُوفیاءِ کرام کہتے ہیں کہ حقیقی توکل یہ ہے کہ ماسوی اللہ کا خوف اور اُمید دل سے اُٹھ جائے اور صرف مسبب الاسباب کے مشاہدہ میں استغراق اور ملاحظۂ اسباب سے کلی طور پر انقطاع ہو۔

ہر کہ در بحر توکل غرق گشت

ہمتش از ماسوی اللہ در گزشت

این توکل گرچہ وارد رنجہا
فہو حسبہ بخشد از وے گنجہا

ترجمہ: جو بحرِ توکل میں مستغرق ہے اس کے خیالات ماسوی اللہ سے ہٹ جاتے ہیں اگرچہ توکل میں بہت سی تکالیف ہیں لیکن اسے منجانب اللہ بہت بڑے خزانے نصیب ہوتے ہیں۔

ربط: جب ان نوجوانوں نے موسیٰ علیہ السلام کی اتباع قبول کی تو ان پر لازم ہوا کہ اپنی عبادت گاہیں تیار کریں تاکہ وہاں جمع ہو کر سکون سے عبادتِ الٰہی بجا لائیں کیونکہ فرعون ان پر غالب تھا اس نے ان کی تمام عبادت گاہیں منہدم کر دیں اور پھر نئی عبادت گاہیں بھی فرعون کے خطرے سے نہیں بنا سکتے تھے اسی لیے انہیں حکم ہوا کہ وہ اپنے گھروں میں عبادت خانے بنائیں جیسے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی دور میں مسلمانوں کو مکہ میں دارِ ارقم میں عبادت کرنے کا حکم ہوا تھا اسی طرح بنی اسرائیل کو حکم ہوا تھا کما قال وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اور ہم نے موسیٰ اور اُن کے بھائی ہارون علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی اَنْ۔ یہ ان مفعول مقدر کے لیے مفسر ہے ہم نے ان کے لیے ایک وحی بھیجی وہ یہ کہ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا یہ تبوا المکان سے ہے بمعنے اتخذہ مباۃ و منزلا۔ یعنی فلاں مکان کو منزل اور رجوع کرنے کی جگہ بنایا۔ اب معنی یہ ہوا کہ اے موسیٰ و ہارون علیہما السلام! مصر میں گھروں کو رہنے کی جگہ بناؤ۔ کواشی میں ہے کہ مصر سے شہر مصر یا اسکندریہ مراد ہے یعنی ان کے لیے گھروں کو تیار کرو تاکہ وہ سکونت پذیر ہوں اور وہاں عبادت بھی کریں وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً اور تم دونوں حضرات اور تمہارے ماننے والے نوجوان اپنے گھروں کو عبادت خانے بنا کر قبلہ کی طرف متوجہ ہوں یہاں پر قبلہ سے مراد کعبہ ہے اس لیے کہ موسیٰ علیہ السلام اسی کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھتے تھے وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ط اور انہی گھروں میں نماز قایم کرو۔

نکتہ: ان لوگوں پر صرف نماز فرض تھی اور زکوٰۃ اس لیے فرض نہیں تھی کہ وہ فقیر اور تنگ دست تھے۔

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اور اہلِ ایمان کو دنیا میں مستجاب ہونے کی اور عقبیٰ میں بہشت کی خوشخبری سنائیے، اس لیے کہ صاحب الشریعت کا کام ہے کہ وہ اپنی اُمت کو خوشخبری سُنائے۔

تفسیرِ صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اہلِ سلوک پر لازم ہے کہ عالمِ نفس سفلیہ میں عبادت گاہیں نہ بنائیں بلکہ عالمِ روحانیہ کے مصر میں اقامت گاہیں تیار فرمائیں و یقیموا الصلوٰۃ سے مراد یہ ہے کہ مقامات روحانیہ سے قربات و مواصلات ربانیہ کی طرف عروج کرنے پر مداومت رکھیں اس لیے کہ ممکنات کی سیر متناہی اور اس کا ذوق مٹنے والا ہے لیکن واجب کی طرف سیر غیر متناہی اور اس کا ذوق دنیا و آخرت میں دائمی ہے اور اس کی سیر کے ذوق کا آٹھوں بہشتوں کی لذت مقابلہ نہیں کر سکتی۔

ف: جمیع اولیاء اللہ کے کمالات و کرامات اہلِ فنا کے کمالات کے برابر نہیں ہو سکتے یہاں ان کو جتنا درد و مصائب پہنچے

اگرچہ درحقیقت ان کے لیے وہ درد و مصائب نہیں تھے لیکن جب قیامت میں اللہ تعالیٰ انہیں اپنے دیدار سے نوازے گا تو دُنیا کے تمام اولیاء ان کے مراتب و کمالات پر رشک کریں گے اور ان کے ادنیٰ رشک کا پہلا نمونہ یہی ہے کہ یہ اہلِ فنا دوسرے جملہ اولیاءؒ سے آگے آگے ہوں گے۔

ف: لیلۃ المعراج میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رشک بھی اسی قبیل سے تھا لیکن قیامت میں ایک دُوسرے پر رشک اس کو ہوگا جو مقام تنزل وارشاد میں ہوگا ورنہ اہلِ وصال جنہیں دائمی طور پر یہی شغل نصیب تھا ان کو نہ رشک ہوگا اور نہ اور تصور بلکہ وُہ اپنے لیے یہی فخر سمجھیں گے کہ انھیں اہلِ فنا میں جگہ مل گئی۔ (کذا فی الواقعات المحمودیہ)

ف: عُشّاق کی آزمائش کا سلسلہ تاقیامت جاری ہے۔

نکتہ: حضرت الشیخ الاکبر نے فرمایا: جمیع بنی آدم کو آزمایش اور ابتلاء ضروری ہے اور نہ صرف لمحہ دو لمحے بلکہ تا قیامت بلکہ دخولِ جنت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ چنانچہ مرنے کے بعد سب سے پہلے منکر نکیر کا سوال پھر قیامت میں اُٹھنے کے بعد سب سے زیادہ خوفِ الٰہی ہوگا خواہ اپنے لیے یا اُمت یا مریدین و معتقدین و متعلقین کے لیے۔ اور دنیا میں سب سے پہلا درد پیدائش کے وقت کا ہے جبکہ ہم سب سُنتے ہیں کہ بچہ پیدا ہوتے ہی چیختا ہے وُہ دراصل رحم سے مفارقت اور اس سے تنگی سے نکلنے کی وجہ سے۔ پھر نکلتے ہی اسے دُنیا کی ہوا کے جھٹکے ستاتے ہیں اسی لیے وُہ درد کو محسوس کرکے روتا ہے اگر وُہ اس حالت میں مر بھی جاتے تب بھی اُس نے دنیا کے درد و آلام سے حصہ لیا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی درد بھری کہانی

حضرت بلال رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہُوئے تو انھیں اُمیہ بن خلف سخت سے سخت تر اذیتیں پہنچاتا تھا، یہاں تک کہ آپ کو گرم ریت پر الٹا لٹا کر پُشت پر چابک مرواتا تھا اور ریت اس قدر گرم ہوتی تھی کہ اگر اس پر کچے گوشت کا ٹکڑا رکھ دیا جاتا تو وہ پک جاتا۔ جب مارنے سے تھکتے تو آپ کے سینہ پر بہت بڑے پتھر رکھ دیتے۔ لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایسی تکالیف کو خیال میں نہ لاتے بلکہ زور سے پکارتے:

احد احد۔ یعنی اللہ احد۔

یعنی حضرت بلال رضی اللہ عنہ عذاب کے کڑوے پن میں لذتِ ایمان کی حلاوت ملاتے تھے۔

عاشقِ رسول بلال رضی اللہ عنہ کے وصال کی گھڑی

مروی ہے کہ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر نزع طاری ہُوئی تو آپ کی زوجہ کہتی تھیں:

واحزناہ۔ ہائے افسوس۔

آپ اس کے جواب میں فرماتے:

واطرباہ۔ راحت ہی راحت۔

اس لیے کہ؎ نلقی غداً الا حبہ
محمداً و حزبہ

ہم اپنے محبوب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ملیں گے۔

اس واقعہ کو حضرت مولانا روم قدس سرہٗ نے یوں بیان فرمایا: ؎

گفت جفت امشب غریبے میروی
از تبار خویش غائب میشوی

گفت نے نے بلکہ امشب جان من
میرسد خود از غریبی در وطن

گفت رویت را کجا بینیم ما
گفت اندر حلقۂ خاص خدا

گفت ویراں گشت ایں خانہ دریغ
گفت اندر مہ نگر منگر بمیغ

کرد ویراں تا کند معمور تر
قوم انبہ بود و خانہ مختصر

من گدا بودم دریں خانہ چو ماہ
شاہ گشتم قصر باید بہر شاہ

انبیاء را تنگ آمد ایں جہاں
چوں شہاں رفتند اندر لامکاں

مردگاں را ایں جہاں بنمود فر
ظاہرش رفت بمعنے تنگ تر

گر نبودے تنگ ایں افغان زچیست
چوں دوتا شد ہر کہ درو ے بیش زیست

در زماں خواب چوں آزاد شد
زاں زمکاں بنگر کہ جاں چوں شاد شد

خلاصۂ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ جہان مختلف ہیں بعض وسیع بعض اس سے وسیع بعض اس سے بھی وسیع تر،

ان سب سے تنگ تر عالمِ دنیا ہے اور ان سب سے وسیع تر عالم امر اور عالم شان ہے۔

انبیاء و اولیاء حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کاملین بھی سالکانِ راہِ خدا ہیں اور یہ بھی اس راہ پہ لحظہ بہ لحظہ ترقی کرتے رہتے ہیں اسی لیے اگرچہ ان کے اجساد ظاہرہ دُنیا میں ہوتے ہیں لیکن ان کے ارواح ہر وقت حضرۃ علیا میں حاضر رہتے ہیں بنا بریں ان کے لیے ہر عالم مساوی حیثیت رکھتا ہے اسی لیے کہ وہ کسی شئے سے ایذا نہیں پاتے اور نہ ہی ماسوی اللہ سے ڈرتے ہیں اور چونکہ ان کے ماسوا (ہمارے جیسے عوام) انکے مراتب کو نہیں پہنچ سکتے اسی لیے ان کے احوال ظاہراً و باطناً مختلف رہتے ہیں اور نہ ہی انھیں توجہ الی اللہ نصیب ہوتی ہے اور نہ ہی حسنِ نیت کا درجہ پا سکتے ہیں۔ (و من اللہ العصمۃ والتوفیق)

وَقَالَ مُوْسٰی رَبَّنَآ اِنَّکَ اٰتَیْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِیْنَةً وَّاَمْوَالًا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۙ

اور مُوسٰی علیہ السلام نے عرض کی: اے ہمارے رب کریم! تُو نے فرعون اور اُس کی جماعت کو ایسی زینت بخشی کہ جس سے لوگ زیب و زینت کرتے ہیں اور سواریاں وغیرہ اور بہت سے مختلف النوع مال مثلاً نقد، متاع و اسباب عطا فرمائے۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ مصر کے علاقے اور حبشہ تک کے پہاڑوں کے جملہ سونا اور چاندی اور زبرجد وغیرہ کے خزینے دفینے سب کے سب پر فرعون قابض تھا اور اس کی شاہی کا حدود اربعہ بھی ان علاقوں تک پھیلا ہُوا تھا اسی وجہ سے اس کی قوم قبطی بھی بہت بڑی دنیا و دولت کی مالک تھی اور افرادِ قوم بڑے ٹھاٹھ باٹھ سے زندگی بسر کر رہے تھے اسی دُنیا و دولت کے نشے میں گمراہ اور گمراہ کنندہ تھے۔

کما قال رَبَّنَا تکرار تبرک کے طور ہے یعنی مُوسٰے علیہ السلام نے عرض کی لِیُضِلُّوْا عَنْ سَبِیْلِکَ ج تو انہیں دنیا و دولت سے اسی لیے مزین کیا تاکہ انجام بکار یہ ہو کہ وُہ تیرے بندوں کو ایمان سے ہٹا کر گمراہی کے گڑھے میں ڈالیں یہ لام عاقبت کی ہے جیسے شعرِ ذیل میں ہے: ؎

اموالنا لذوی المیراث نجمعها
و دارنا للخراب دهر نبینها

ترجمہ: مال و اسباب ہم اپنے وارثوں کے لیے جمع کر رہے ہیں ہمارے گھروں کو تازیست بربادی رہے گی جنھیں ہم بنا رہے ہیں۔

یا لام سببیہ ہے یعنی انھیں دولت سے اس لیے مزین کیا ہے تاکہ اہلِ ایمان کو سیدھے راستہ سے پھیر لیں اس معنے پر لام تعلیلیہ ہوگی اور یہ اس کا حقیقی نہیں بلکہ مجازی معنے ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں مال و دولت اس لیے دی تھی تاکہ وُہ ایمان لائیں اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کریں لیکن اس کے بجائے انہوں نے دنیا و دولت کو مزید بغاوت اور کفر کا سبب بنایا ان کی یہ حالت اس کے مشابہ ہوگئی کہ جسے دولت اس لیے دی جائے تاکہ وُہ دُوسروں کو گمراہ کرے، اسی

مشابہت کی بنا پر کلام لام تعلیل کے ساتھ مستعمل ہُوئی۔

مسئلہ: آیت سے واضح ہُوا کہ دُنیا و دولت گمراہی اور دُوسروں کو گمراہ کرنے کا سبب بنتی ہے اس لیے کہ انسان کی فطرت ہے کہ وُہ سرکشی کرے جب اُسے دُنیا و دولت حاصل ہو اور یہ بھی اس کی عادت ہے کہ جب کسی دُوسرے کو خوشحالی اور دُنیا و دولت کے زیب و زینت سے مزین دیکھتا ہے تو آرزو کرتا ہے کہ اسے بھی وہی دنیا و دولت اور زیب و زینت حاصل ہو جیسے قارون کو لوگوں نے دیکھا کہ وہ دنیا و دولت سے نوازا گیا تو کہا:

یالیتنا لنا مثل ما اوتی قارون۔

کاش ہمیں وہی نصیب ہوتا جو قارون کو حاصل ہُوا ہے۔

اسی لیے اولیاء کرام نے اغنیاء اور بادشاہوں اور دولت مندوں کی صحبت و رفاقت سے روکا ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا تجالسوا الموتی۔

مردگان کے ساتھ مت بیٹھو۔

ف: حدیث شریف میں "الموتی" سے دولت مند مراد ہیں۔

ملفوظ صحابی حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں بہت اُونچی عمارت سے گر کر چھ ٹکڑے ہو جاؤں میرے لیے یہی محبوب تر ہے دولت مندوں کی صحبت و رفاقت سے۔

ف: صحبت و رفاقت کا بہت بڑا گہرا اثر ہوتا ہے: ؎

باد چوں بر فضائے بد گزرد
بُوئے بد گیرد از ہوائے خبیث

ترجمہ: ہوا جب گندی فضا سے گزرتی ہے اسی فضا خبیث سے بدبُو لے کر چلتی ہے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ایک دعا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دُعا مانگی کہ اے اللہ! مجھے دنیا و دولت کی وفرت دے لیکن ساتھ مجھے اس سے بے پرواہ رکھ نہ وُہ مجھ سے بالکل ختم ہو اور نہ وُہ مجھے اس کی قلبی رغبت ہو۔

رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓی اَمْوَالِهِمْ حضرت مُوسٰی علیہ السّلام نے پہلے فرعون اور اس کے ماننے والوں کو عذابِ الٰہی سے ڈرایا، پھر ان پر بددُعا فرمائی تاکہ انھیں معلوم ہو کہ وُہ ہرگز ایمان نہ لائیں گے اور ان کے اضلال کی صفت کو دعا سے پہلے ظاہر فرما دیا تاکہ انھیں معلوم ہو کہ وہ بددُعا کے مستحق اسی اضلال کی وجہ سے ہُوئے ہیں۔

حلِ لغات: طمس بمعنے محو اور نام و نشان مٹا دینا۔ اب آیت کا معنٰی یہ ہُوا کہ اے اللہ! ان کے مال و اسباب کو

ایسا مٹا دے کہ ان کا نام ونشان تک باقی نہ رہے تاکہ ان سے نفع نہ پا سکیں اور ان کی ہیئت ایسی بدل دے کہ جس سے وہ کوئی فائدہ نہ اٹھائیں اس لیے کہ وُہ اپنے اسباب واموال کے ذریعے تیری عبادت واطاعت میں ترقی کریں لیکن انہوں نے انہیں تیری نافرمانی اور بغاوت وکفر پر صرف کیا۔

مُوسٰی علیہ السلام کا معجزہ حضرت موسٰی علیہ السلام کی بددعا کا نتیجہ یہ ہُوا کہ ان کے دراہم و دنانیر اور ان کے طعام ومیوہ جات مثلاً بادام، اخروٹ۔ اسی طرح اناج مثلاً گندم، دال مسور وغیرہ سب کے سب پتھر بن گئے اور ان کی ہیئت کذائیہ بھی تبدیل نہ ہُوئی یعنے وُہ دراہم تھے اور انہیں اٹھایا جاتا تو وہ پتھر ہوتے اسی طرح ان کے اناج اور سبزیوں کا حال تھا ایسے ہی ان کے انڈے، مرغیاں، جانور ودیگر اسباب کا حال تھا۔ (موسٰے علیہ السلام کے نو معجزات مشہورہ سے یہ ایک تھا)

وَاشۡدُدۡ عَلٰی قُلُوۡبِهِمۡ الشد بمعنے الایثاق یعنی ان کے دلوں کو سخت کر اور ان پر مُہر لگا دے تاکہ اُن کے اندر ایمان داخل نہ ہو سکے فَلَا یُؤۡمِنُوۡا یہ دُعا کا جواب ہے پس وہ ایمان نہ لائیں حَتّٰی یَرَوُا الۡعَذَابَ الۡاَلِیۡمَ ○ یہاں تک کہ وہ دیکھیں دردناک عذاب کو یعنے دردناک عذاب کو دیکھ کر یقین کریں کہ اب ایمان لانا کام نہ دے گا۔ چنانچہ ایسے ہی ہُوا کہ انہوں نے دریا میں غرق ہونے تک ایمان کو قبول نہ کیا غرق ہونے کے وقت ایمان لائے لیکن اس وقت کا ایمان غیر قابل قبول ہے اس لیے کہ ان کا ایمان لانا قبول نہ ہُوا قَالَ اللہ تعالٰے نے فرمایا قَدۡ اُجِیۡبَتۡ دَّعۡوَتُکُمَا اے مُوسٰی وہارون علیہما السلام! میں نے تم دونوں کی دُعا قبول کر لی ہے۔

سوال: مُوسٰی علیہ السلام نے تو دُعا مانگی لیکن اب ہارون علیہ السلام کی دُعا کا ذکر کیوں؟

جواب: مُوسٰی علیہ السلام دُعا مانگ رہے تھے تو ہارون علیہ السلام آمین فرماتے رہے۔ اور آمین بھی دُعا ہے اس لیے کہ اس کا معنٰے ہے استجب ہے یعنے قبول فرما۔ اسی لیے اللہ تعالٰی نے یہاں پر ان کو بھی شامل فرمایا۔

فَاسۡتَقِیۡمَا تم دونوں اپنے موقف کو نہ چھوڑو ان کو دعوتِ توحید اور الزام حجت کرتے رہو اپنے مطالبہ میں جلدی نہ کرو اور اپنے وقت پر تمہارا مدعا ضرور پُورا ہو گا۔

ف: کواشی میں ہے کہ استقامت فی الدعا یہ ہے کہ اجابت دُعا پر مغرور نہ ہو اور نہ ہی دیر سمجھے کہ مقصد پُورا نہ ہُوا ممکن ہے میں مطرود اور ٹھکرایا ہوا ہُوں۔

وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِیۡلَ الَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ○ اور میرے ساتھ لاعلموں اور جاہلوں کا طریقہ اختیار نہ کرو اس لیے کہ اللہ تعالٰی کی عادتِ کریمہ ہے کہ وُہ اپنے امور کو حکمتوں اور مصلحتوں سے معلق کرتا ہے یا یہ معنٰے ہے کہ عجلت بازی میں جاہلوں کا طریقہ اختیار نہ کرو۔

کارہا موقوف وقت آید نگہدار بدوقت

اللہ تعالیٰ کے بعض امور وقت پر موقوف ہوتے ہیں فلہذا وقت کا انتظار کرو۔

ف: حواشی سعدی المفتی میں ہے کہ مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام با فرعون۔ اولیٰ یہی قول ہے کہ اس دُعا کے بعد چالیس سال اپنی قوم میں رہے۔

اللہ تعالیٰ کا خزانہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خزانے کی کنجیاں تمہارے ہاتھ میں رکھی ہیں وُہ یہ ہے کہ تمہیں سوال کرنے کی اجازت بخشی ہے اب تم جس طرح چاہو اس کے خزانوں کے دروازے کھولو۔ یعنی جب دُعا مانگو گے تو تمہارے اُوپر اس کی نعمت کے دروازے کُھل جائیں گے بلکہ اس کی رحمت کی بارش موسلا دھار برسے گی اگر کسی وقت دُعا کی قبولیت میں دیر ہو تو تمہیں نا اُمید نہیں ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ اس کی رحمت کے خزانے نیت کے مطابق کھلتے ہیں کبھی دُعا میں تاخیر ہوتی ہے تو اس میں سائل کے اجر کو بڑھانا مقصود ہوتا ہے بلکہ اسے بڑی نعمتوں سے نوازنا مطلوب ہوتا ہے۔

حدیث شریف ہر داعی کی دُعا ضرور مستجاب ہوتی ہے یا دُعا کے مطابق اس سے بُرائی دُور ہوتی ہے یا دُعا کے بدلے اس کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں بشرطیکہ گناہ یا قطع رحمی کی دعا نہ مانگے۔ یعنی گناہ اور قطع رحمی کے وقت دُعا نہ مانگے۔ (کذا فی شرح العقاید لرمضان)

مثنوی شریف میں ہے:

جز تو پیش کہ بر آرد بندہ دست
ہم دُعا و ہم اجابت از تو است
ہم ز اوّل تو دہی میل دُعا
تو دہی آخر دعا ہا را جزا

نیز فرمایا: ؎

داد مر فرعون را صد ملک و مال
تا بگر داد دعوئ عز و جلال
در ہمہ عمرش ندید او درد سر
تا ننالد سوئے حق آں بد گہر

درد آمد بهتر از ملک جہان
تا بخوانی مر خدا را در نہان

ترجمہ : فرعون کو اللہ تعالٰے نے بہت بڑا ملک و مال اور ہر طرح کی عزت وجاہ بخشی ۔ تمام زندگی انہیں درد سر نہ ہوا تاکہ اسے اللہ تعالٰے کے حضور میں رونے کا وقت بھی نصیب نہ ہو ، اسی لیے درد تمام ملک اور جہان سے بہتر ہے تاکہ بندہ اپنے کریم کے سامنے عجز و نیاز کرے ۔

ف : اظہارِ ذلت و خواری دُعا کے شرائط میں ہے اس لیے کہ دُعا کی قبولیت کا ترتب عجز و نیاز پر ہے ۔ ایسے ہی فتح و نصرت ۔ کما قال تعالٰے ، لقد نصرکم اللہ ببدر و انتم اذلۃ ۔

حکایت حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ میں تیس سال تک عبادت الٰہی میں بہت جد و جہد کرتا رہا ، ایک دن میں نے خواب دیکھا ، کسی نے فرمایا : اے بایزید ! عبادت سے اللہ تعالٰی کے خزائن پُر ہیں اگر اللہ تعالٰے کا وصال چاہتے ہو تو عجز و نیاز کرو ۔

حضرت حافظ نے فرمایا : ؎

فقیر و خستہ بدرگاہت آمدم رحمے
کہ جز دعائے توام نیست ہیچ دست آویز

ترجمہ :

مسئلہ : آیت میں اشارہ ہے کہ جب کسی سے سخت تکلیف لاحق ہو تو موذی پر بددُعا مانگنا جائز ہے ، جیسے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے قبیلۂ مضر کے لیے دُعا مانگی ۔ جب انہوں نے آپ کو سخت اذیتیں پہنچائیں آپ نے دُعا میں فرمایا :

اے اللہ ! مضر کو سخت مصائب میں مبتلا فرما ۔ اور ان کے اوپر وہی قحط سالی نازل فرما جیسے یوسف علیہ السلام کے زمانے میں قحط سالی واقع ہوئی یعنی ان کی گرفت فرما اور انہیں قحط سالی میں مبتلا فرما ۔

آپ کی دُعا مستجاب ہوئی ۔ مضر کے لوگ قحط میں مبتلا ہوئے اور کئی سال اس ابتلا میں رہے یہاں تک کہ مردار اور چمڑے اور ہڈیاں اور گوبر اور خون ملا کر کھایا یعنے گوبر اور خون کو ملا کر آگ سے پکا پکا کر کھاتے اور ان کے دھوئیں بوجہ بھوک آسمان تک نظر آتے ۔

تفسیر صوفیانہ نفس کے لیے عذابِ الیم یہ ہے کہ اسے شہوات سے روکا جائے اور وہ جو چاہے اس سے اسے محروم رکھا جائے اس لیے کہ اسے بھی آخرت پر ایمان نہیں اور سالک پر لازم ہے کہ

وہ اس کے مطالبہ کی راہ نہ چلے بلکہ یہاں تک ہو سکے اسے دردناک عذاب میں مبتلا رکھے اس لیے کہ نفس کی موت یہی ہے کہ اس کی خواہشات پوری نہ کی جائیں۔ اور قاعدہ ہے کہ حقیقی بیداری موت کے بعد نصیب ہوتی ہے اسی لیے نفس کو جب تک ایسی موت کا مزہ نہ چکھایا جائے گا حقیقی بیداری نصیب نہ ہو گی۔ اللہ تعالےٰ ہم سب کو غفلت کی نیند سے بیدار فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

تفسیر عالمانہ

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ الْبَحْرَ اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا عبور کرا دیا۔

حلِ لغات: یہ جوز، المکان سے ہے بمعنے تخطاہ و خلفہ یعنی ایک جگہ کو طے کر کے اسے اپنے پیچھے چھوڑا، بہ باء تعدیہ کی ہے یعنی ہم نے بنی اسرائیل کے لیے دریا کو خشک کر دیا یہاں تک کہ وہ بحفاظت اس کے دوسرے کنارے پہنچ گئے۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ جب فرعون اور اس کی قوم پر عذاب کا وقت قریب آیا تو اللہ تعالےٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ہاں وحی بھیجی کہ آپ اپنی قوم لے کر مصر سے نکل جائیے اس لیے کہ قبطیوں پر عذاب کا وقت قریب آ گیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل کو لے کر شام کی طرف متوجہ ہوئے جب دریائے قلزم کے کنارے پہنچے تو دریا خشک ہو گیا اور بنی اسرائیل سلامتی سے دریا کے پار ہوئے۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

وجاوزنا ببنی اسرائیل البحر۔

یعنی ہم نے یعقوب علیہ السلام کی اولاد کو دریائے قلزم سے بسلامت پار پہنچا دیا۔

فَاَتْبَعَهُمْ تو فرعون اور اس کے لشکر نے ان کا پیچھا کیا۔

حلِ لغات: اہلِ عرب کہتے ہیں:

تبعتہ حتی اتبعتہ۔

یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی سے جانے میں سبقت کر جائے تو وہ اس کا پیچھا کر کے اسے پہنچ جائے یعنی بنی اسرائیل کا پیچھا کر کے انہیں پہنچ گیا۔

فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ فرعون اور اس کا لشکر یہاں تک ہر دو لشکر ہر ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے بلکہ قریب تھا کہ ان دونوں کا یکجا اجتماع ہو جاتا بَغْيًا وَّعَدْوًا ط یعنی درانحالیکہ فرعون اور اس کا لشکر گفتگو میں بغاوت کرنے والا اور فعل میں تجاوز کرنے والا تھا۔ یا یہ دونوں مفعول لہٗ ہیں جیسا کہ کاشفی نے لکھا کہ بغیا یعنی بنی اسرائیل پر ظلم کرنے کے لیے، وعدوا اور انہیں ظلم و ستم کا نشانہ بنانے کے لیے۔

ف: وجہ یہ ہوئی کہ فرعون اور اس کے لشکر کی لاعلمی میں حضرت موسےٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو رات کے وقت لے چلے جب فرعون ان کے جانے کا علم ہوا تو ان کا پیچھا کیا یہاں تک کہ دریا کے کنارے پہنچا اور بنی اسرائیل دریا کو عبور

کرکے دُوسرے کنارے تک پہنچ چکے تھے اور دریا ویسے ہی خشک پڑا تھا اسی لیے وہ اور اس کا لشکر دریا میں کُود پڑے۔
ف: کاشفی نے لکھا کہ فرعون اور اُس کا لشکر جب دریا پر پہنچے تو دریا کا پانی زوروں پر تھا لیکن فرعون کے گھوڑے کے سامنے جبریل علیہ السلام گھوڑی پر سوار ہو کر دریا میں چلے تو فرعون کا گھوڑا سرکش تھا وہ گھوڑی کو دیکھ کر دریا میں کُود پڑا لشکر نے فرعون کو دریا میں جاتے ہُوئے دیکھا تو وہ بھی دریا میں اُتر گیا۔ اگرچہ فرعون دریا کو عبور کرنا نہیں چاہتا تھا لیکن گھوڑے کی سرکشی نے مجبور کر دیا۔ جب فرعون اور اس کا لشکر دریا میں چلا گیا تو دریا کی خونخوار موجوں نے انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیا اور وہ سب کے سب غرق ہو گئے۔

حَتّٰۤی اِذَاۤ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ لا یہاں تک کہ فرعون کو جب غرق نے گھیرا قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ تو فرعون نے کہا کہ میں ایمان لایا ہُوں یعنی میں اس معبود کو مان گیا جس پر بنی اسرائیل کا ایمان ہے۔

نکتہ: بنی اسرائیل کی طرح ایمان کا اظہار کیا حالانکہ اسے اپنے جادوگروں کی طرح کہنا چاہیے تھا جیسے انہوں نے کہا کہ:

آمنا برب العالمین رب موسٰی وھارون۔

اس میں اشارہ ہے کہ اب میں اپنی غلطیوں سے مکمل طور تائب ہُوں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جنہیں میں اپنا نوکر اور غلام بنا کر رکھتا تھا اب میں اُن کی اتباع کا دم بھرتا ہُوں، اس نالائق نے یہ محض اس لیے کہا کہ ایسے عجز و نیاز سے اس کا ایمان قبول ہو اور وہ بنی اسرائیل کے زُمرہ میں نجات پائے۔ (کذا فی الارشاد)

لطیفہ: صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا: چاہیے تھا کہ اس کا یہ ایمان قبول ہو جاتا لیکن چونکہ اس کے ایمان سے تقلید کی بُو آتی تھی اس لیے وہ قبولیت حاصل نہ کر سکا۔ اگر اس کا ایمان تحقیقی ہوتا تو کہتا:

آمنت باللہ الذی لا الٰہ الا ھو۔

اسی لیے اس کا ایمان قبول نہ ہوا۔

وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ اور اب میں ان لوگوں سے ہُوں جو اپنے سر اللہ تعالٰی کے سامنے جھکاتے اور خالص مخلص ہو کر اسے مانتے ہیں۔ آٰلْـٰٔنَ یہ قول مقدر کے متعلق ہے یعنی اس وقت اسے کہا گیا کہ اب ایمان لاتا ہے جبکہ زندگی کی اُمیدیں منقطع ہو گئیں اور موت کا نقارہ سر پر بج رہا؟ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ یہ فعل مقدر کے فاعل سے حال ہے یعنی حالانکہ اس سے پیشتر تُو زندگی بھر اللہ تعالٰی کی نافرمانی کرتا رہا وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ۝ اور گمراہی اور دُوسروں کو گمراہ کرنے میں غلو کرتا رہا۔ عصیت اس کے اس گناہ کی طرف اشارہ ہے جس میں وہ خود مبتلا تھا اور کنت میں اس گناہ کی طرف اشارہ ہے جس میں وہ خود مبتلا ہو کر دُوسروں کو اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بناتا اور بنی اسرائیل کو ایمان سے

روکتا تھا۔

فرعون کی ایک کہانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ فرعون کے زمانہ میں دریائے خشک ہوگیا اس کی رعایا نے استدعا کی کہ آپ ہمارے خدا ہیں فلہٰذا دریائے نیل کو جاری کیجئے۔ اس نے کہا میں تم سے راضی نہیں ہوں گا جب تک مجھ سے تین دفعہ التجا نہ کرو۔ چنانچہ وہ لوگ مایوس ہوکر چلے گئے۔ چندروز کے بعد پھر آئے اور عرض کی: بادشہ سلامت! پیاس سے ہمارے جانور اور چھوٹے بچے اور ہماری عورتیں مر رہی ہیں، دریا کو جاری کیجئے ورنہ تیرے سوا کسی اور کو معبود بنالیں گے۔ فرعون نے حکم دیا کہ تم سب ایک میدان میں جمع ہوجاؤ۔ چنانچہ جب سب لوگ ایک میدان میں جمع ہوگئے تو اس نے علیحدگی میں جہاں اس کے سوا اور کوئی نہ تھا اور نہ ہی اس کی کوئی بات سنتا تھا سربسجود ہو کر ماتھا رگڑتا جاتا اور کہتا جاتا تھا: "اے اللہ کریم! میں تیرے ہاں ایسے حاضر ہوا ہوں جیسے ایک عاجز غلام اپنے آقا کے ہاں حاضر ہوتا ہے مجھے یقین ہے کہ دریا کا جاری کرنا صرف تیرے اختیار میں ہے اسی لیے میری عرض ہے کہ دریا کو جاری فرما۔" جب سجدے سے سر اٹھایا تو دریا جاری ہوچکا تھا جب رعایا کے پاس آیا تو کہا میں نے دریائے نیل جاری کردیا ہے فلہٰذا مجھے سجدہ کرو۔

فرعون کے مومن ہونے کے قائلین اور ان کی دلیل بعض لوگ فرعون کے مومن ہونے کی دلیل میں یہی آیت پیش کرتے ہیں۔

جواب: صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس سے فرعون کا مومن ہونا ثابت نہیں ہوتا اس لیے کہ ایمان اگرچہ تصدیق و اقرار کا نام ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ اس سے افعال والفاظ کفریہ بھی صادر نہ ہوں ایسے شخص سے تکذیب و انکار جب تک متحقق نہ ہو اسے ہم مومن کہیں گے لیکن شارع نے بعض معاصی کو کفر کی علامات بتائی ہیں اور وہ علامات فرعون سے واضح طور صادر ہوتیں۔ مثلاً:

۱۔ اپنی عبادت کی دعوت دینا

۲۔ اپنی قوم کا اپنے لیے سجدے کرانا وغیرہ

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ وہ کافر ہوکر مرا۔

جبریل علیہ السلام اور فرعون کی ایک تحریر مروی ہے کہ جبریل علیہ السلام ایک دن فرعون کے ہاں تشریف لائے اور کہا کہ اے بادشہ! اگر میں اپنے کسی عبد کو بادشہ بناؤں اور اسے اپنے خزانوں کی چابیاں بخشوں لیکن وہ میرا دشمن ہوجائے اور میرے دشمنوں سے دوستی کرے اور میرے دوستوں سے دشمنی۔ بتائیے میں ایسے بندے سے کیا کروں؟ فرعون نے کہا کہ اگر ایسا میرا بندہ ہو تو میں اسے بحر قلزم میں غرق کردوں۔ جبریل علیہ السلام نے فرمایا: یہی لکھ دیجئے۔ فرعون نے دوات، قلم اور کاغذ منگوا کر لکھا کہ ابوالعباس الولید بن مصعب (فرعون کا نام ہے) لکھ دیتا ہے کہ "وہ عبد جو اپنے سردار کی نعمتوں کی ناشکری کرے

وہ بحرِ قلزم میں غرق ہونے کے لائق ہے"۔

جب فرعون دریائے میں غرق ہونے لگا تو جبریل علیہ السلام اس کے سامنے وہی تحریر لائے جسے فرعون نے دیکھ کر پہچان لیا۔ جبریل علیہ السلام نے فرمایا:

"یہ تیری تحریر ہے اسی کے مطابق تجھے سزا مل گئی"۔

جواب۲ : فرعون کا ایمان اس لیے ناقابل قبول ہے کہ وہ اختیار و مکلّف ہونے کے وقت تک ایمان سے انکاری رہا۔ لیکن جب وقت گزر گیا تو پھر نہ صرف ایک بار بلکہ ۳ بار ایمان کا اقرار کیا۔ مثلاً پہلے کہا: اٰمنت۔ پھر کہا: لا الٰہ الا الذی اٰمنت بہ بنوااسرائیل۔ پھر کہا: وانا من المسلمین۔ اگر اس کے ایمان کا وقت قابلِ قبول ہوتا تو صرف ایک بار کہنا کافی تھا۔ ایمان الیأس ردّ اور قبول کے درمیان ہوتا ہے لیکن جب سکرات طاری ہو جائے تو اس کے بعد کسی اعتبار سے ایمان قابلِ قبول نہیں۔ اور یہ وقت وہ ہے کہ سانس اُوپر نیچے کو آجا رہی ہو۔ (کذا فی اسئلۃ الحکم)

ف : امام مالک رحمہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک اس وقت تک کا ایمان قبول ہے جیسے کسی پر تلوار سر قلم کرنے کے لیے کھڑی کی جائے تو کلمۂ توحید پڑھے ہم (مالکی) اس کے ظاہر پہ ایمان کا فتوی دیں گے۔ ایسے ہی جس مومن پہ حد جاری کی جائے اس کے ایمان کی بھی قبولیت کا حکم ہے۔

اسی قول پر حضرت ابن العربی الشیخ الاکبر مالکی قدس سرہٗ نے فرعون کے مومن ہونے کا حکم صادر فرمایا ہے جیسا کہ آپ کی فصوص الحکم میں ہے لیکن حتمی فیصلہ نہیں فرمایا۔ بلکہ آخر میں اس کے ایمان کو اللہ تعالیٰ کی طرف تفویض فرمایا[1]

---

[1] حضرت شیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہٗ کی اصل عبارت مع ترجمہ پھر اس کی شرح اور سوال و جواب "شرح فصوص الحکم" میں فقیر اویسی نے عرض کر دیے ہیں۔ یہاں خلاصۂ جواب عرض کر دینا مناسب سمجھتا ہے تاکہ غلط فہمی دُور ہو۔

۱۔ حضرت امام شعرانی قدس سرہٗ نے "الیواقیت والجواہر" میں فرمایا کہ یہ قول حضرت ابن العربی رضی اللہ عنہ کا الحاقی ہے۔

۲۔ ابتداء میں حضرت ابن العربی اسی قول کے قائل تھے جیسے اور ائمہ بھی اس کے قائل ہیں پھر دلائل کی روشنی میں اس سے رجوع فرمایا چنانچہ ان دونوں جوابوں کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن العربی نے فتوحات میں بار بار فرعون کو کافر جہنمی فرمایا ہے اور "فتوحات شریف" آپ کی آخری تصنیف ہے۔ وصال سے پہلے تین سال اس کی تصنیف سے فراغت پائی اور فصوص الحکم وصال سے کئی سال پہلے لکھی تھی۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ شیخ کی وفات ۶۳۶ھ میں ہوئی اور فصوص ۶۲۷ھ میں لکھی تھی چنانچہ اس کتاب کے خطبہ میں شیخ ابن العربی نے خود لکھا۔ گویا نو دس سال وفات سے پہلے لکھی اور ظاہر ہے کہ ہر مصنف کی آخری تصنیف پر اعتماد ہوتا ہے۔

ثابت ہوا کہ فصوص الحکم یا دوسری کسی اور تصنیف میں شیخ کی طرف ایمان فرعون کا قول الحاقی (مدسوس) ہے یا مرجوع عنہ ۱۲

اویسی غفرلہٗ

فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ آج ہم تمہارے بدن کو نجات دیں گے دریا کی گہرائی سے تیری قوم ڈوب کر ان کے ابدان دریا کی تہہ میں چلے جائیں۔ لیکن اے فرعون! تیرے جسم کو دریا کی سطح پر لایا جائے گا کسی اُونچی جگہ تیری لاش پھینک دیں گے تاکہ بنی اسرائیل تجھے دیکھ کر یقین کریں کہ واقعی فرعون تباہ و برباد ہوگیا۔

ف : النجوۃ ایسی اُونچی جگہ جہاں گمان ہو کہ وہاں سیلاب کا پانی نہیں پہنچے گا۔ "خرج زید بعشیرتہ" (یعنی زید اپنے قبیلہ کے ساتھ نکلا) کی طرح ببدنك میں با مصاحبت کی ہے اور با مصاحبت کی وجہ ہے جہاں اس کے بجائے لفظ مع استعمال ہوسکے۔ ببدنك اپنے مدخول کے ساتھ ننجیك کے کاف خطاب سے حال ہے یہ دراصل ملا بسًا ببدنك تھا یعنی صرف تیری لاش محفوظ رہے گی اس کے اندر رُوح نہیں ہوگی۔ اس سے فرعون کے طمع اور اُمید کو ختم کرنا مطلوب ہے جبکہ وہ چاہتا تھا کہ اسے بنی اسرائیل کی طرح نجات نصیب ہو۔ یا اس کا معنٰی یہ ہے کہ تیرے جسم کو صحیح سالم رکھا جائے گا جس میں جبہ بھر بھی کمی نہیں آئے گی[1]

---

[1] چنانچہ آج بھی اس کی لاش محفوظ ہے۔ روزنامہ "نوائے وقت" لاہور میں لکھا ہے:

"ایک اخباری اطلاع کے مطابق فرعون مصر ..عیس کی لاش کو قاہرہ کے عجائب گھر سے نکال کر بذریعہ سمندری جہاز پیرس بھیجا جا رہا ہے تاکہ اس کو از سرِ نو محفوظ کیا جا سکے۔ یہ لاش ۳۸۵۰ سال پرانی ہے اور یقین کیا جاتا ہے کہ یہ اسی فرعون کی لاش ہے جس نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا۔ اور پھر حضرت موسےٰ علیہ السلام سے مقابلہ کیا تھا۔ اس کا زمانہ ۱۳۰۴ قبل مسیح سے ۱۲۳۷ قبل مسیح تک کا ہے۔

یہ لاش ۱۹۰۲ء میں سر گرافٹن سمتھ نے دریافت کی تھی اس کی ممی بالکل محفوظ تھی، سمتھ نے جب فرعون کی ممی سے پٹیاں کھولیں تو لاش پر نمک کی ایک تہہ جمی ہوئی تھی جو کھاری پانی میں اس کی غرقابی کی ایک کھلی علامت تھی۔ سر گرافٹن سمتھ اس لاش کو مصر کے عجائب گھر واقعہ قاہرہ لے آئے تھے جہاں یہ لاش آج بھی شیشہ میں محفوظ ہے یہ مقام جہاں سے فرعون کی لاش دستیاب ہوئی تھی جزیرہ نمائے سینا کے مغربی ساحل پر موجود ہے۔ اس کو آجکل جبلِ فرعون" کہتے ہیں۔ اس کے قریب ایک گرم چشمہ بھی ہے جس کو مقامی آبادی نے "حمامِ فرعون" کا نام دے رکھا ہے۔

۶۲۲ء میں فرعون کو غرقاب ہوئے ۱۸۰۰ سال گزر چکے تھے۔ ۶۲۲ء میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ قرآنی آیت نازل ہوئی کہ:

"اے فرعون! ہم تیری لاش کو محفوظ رکھے ہوئے ہیں اور آخری زمانہ میں تیری لاش کو ظاہر کر دیں گے تاکہ آئندہ نسلوں کے لیے نشانِ عبرت بنے۔"

۱۹۰۲ء میں دغرقابی کے پورے ۳۱۳۹ سال بعد اور سورۂ یونس کے نزول کے ۱۲۸۰ سال بعد فرعون کی محفوظ لاش دستیاب ہوگئی۔ اب ہر شخص خواہ وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو قاہرہ کے عجائب گھر میں پہنچ کر دیکھ سکتا ہے۔

۱۹۰۲ء میں چند عیسائی مشنریوں اور پادریوں نے ایک وفد کی صورت میں سر گرافٹن سمتھ سے ملاقات کی اور کہا:

"آپ کے اس بیان نے (کہ یہ لاش فرعونِ موسیٰ کی ہے) مسلمانوں کی الہامی کتاب قرآن کو سچا ثابت

(باقی برصفحہ آئندہ)

تاکہ کسی کو شک و شبہ نہ رہے کہ یہ فرعون کی لاش نہیں۔ یا اس کا معنٰی یہ ہے کہ دریا میں ڈوب جانے کے بعد تجھے ننگا کر دیا جائے گا۔ یا تیرے جسم سے تیرا شاہانہ لباس اتار لیا جائے گا۔ فرعون کی عادت تھی کہ وُہ اپنے لباس کے اُوپر ایک سُنہری جُبہ پہنتا تھا۔ وہی جُبہ اس کی پہچان تھی اور اہلِ عرب درع کو بھی بدن کہتے ہیں۔ چنانچہ لیث نے فرمایا،

البدن الدرع ۔

اور جُبہ ایک خصوصی ساخت کا کپڑا جو قمیص کے مشابہ ہوتا ہے جس کی آستین بہ نسبت قمیص کے چھوٹی ہوتی ہے۔

لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ؕ تاکہ تیرے پیچھے آنے والوں کے لیے علامت ہو۔ ان سے بنو اسرائیل مراد ہیں، اس لیے کہ ان کے ذہن میں یہ بات گھر کر چکی تھی کہ فرعون مرے گا ہی نہیں۔ جب موسٰی علیہ السلام نے اس کی موت کی خبر دی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کر دیا ہے جس میں لکھا ہے کہ فرعون کی لاش کہیں محفوظ پڑی ہے اور آخری زمانے میں ظاہر ہو جائے گی تاکہ آخری زمانہ کی آخری نسل اس سے عبرت حاصل کرے۔ آپ کے اس بیان نے نہ صرف قرآن کو سچا ثابت کر دیا ہے بلکہ افریقہ، برازیل اور مصر وغیرہ میں ہماری تبلیغی مشکلات میں اضافہ کر دیا ہے۔ آپ اس بیان کو بدل ڈالیں اور کہہ دیں کہ یہ فرعونِ موسٰی کی ممی نہیں کسی اور شخص کی ہے ورنہ اسلام کے مقابلے میں ہمارے دلائل بودے ثابت ہوں گے۔"

سر گرافٹن سمتھ نے جواب دیا:

"میں ایم۔ اے (ہسٹری) ہوں اور تاریخ سے واقف ہوں۔ میں ایک حق بات کو کس طرح غلط کہہ دوں آپ اپنا کام جاری رکھیں مگر میں ایک حقیقت کو جھٹلا نہیں سکتا جسے آثار و حقائق حقائق صحیح بتلاتے ہیں۔ میں جو پہلے بیان دے چکا ہوں اس کے تاریخی ثبوت بھی واضح کر چکا ہُوں۔ میں نے کئی ممی (لاشیں) دریافت کی ہیں مگر یہ لاش جو غرق شدہ انسان کی ہے گیارہ وجوہات کی بنا پر فرعون رعمیس کی ہی لاش ہے۔ مسلمانوں کی کتاب میں اگر اس لاش کے ظاہر ہونے کی پیشگوئی درج ہے تو وہ صحیح پیشگوئی ہے میں متعصب عیسائی نہیں ہُوں اور اس معاملہ میں مَیں چرچ کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ میرا مؤقف بالکل واضح ہے۔"

سر گرافٹن سمتھ کے اس جواب پر عیسائی مشنری بڑے سیخ پا ہُوئے تھے۔"

ہمارے اس دور میں جبکہ لاش ظاہر کر دی گئی ہے اور لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور عوام نے اخبارات میں پڑھا دیکھا، لیکن افسوس ہے کہ ہمارے مسلمانوں میں بہت تھوڑے ہیں جنہوں نے عبرت حاصل کی ہوگی۔

اویسی غفرلہٗ

تو اکثر لوگوں نے مانا یہاں تک کہ خود آ کر دیکھا کہ اس کی لاش سُرخ رنگ کے چھوٹے بیل کی طرح دریا کے باہر پڑی ہے۔

ف : مروی ہے کہ فرعون کا قد سات بالشت اور داڑھی آٹھ انگلی تھی۔ عبرت ہو ان لوگوں کو جو قیامت تک آنے والی اُمتیں ہیں جب سُنیں گے کہ فرعون کا انجام برباد ہُوا۔ پھر اس کی لاش کو دیکھ کر عبرت حاصل کریں گے کہ سرکش انسان کو کتنے ہی ارفع درجات و مراتب نصیب ہوں اس کا انجام بُرا ہے اس لیے کہ اللہ واحد قہار بڑی سلطنت والے کے سامنے کسی کو دم مارنے کی طاقت نہیں سب اسی کے بندے مملوک ہیں کوئی بھی ربوبیت کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

ف : فرعون جب اپنے آپ کو فنا کے گرداب کے غرقابے سے نہیں بچا تو 'انا ربکم الاعلیٰ' کی صدا اپنے کانوں میں کیسے پہنچاتا تھا۔ ؎

عاجزا اے کو اسیر خواب و خور ست
لاف قدرت زند چہ بخبہ است
آنکہ در نفس خود زبوں باشد
صاحبِ اقتدار چوں باشد

ترجمہ : اے عاجز ! تُو خواب و خور میں مست ہو کر بہت بڑی قدرت کی لاف و گزاف مارتا ہے وُہ جو کہ اپنے نفس کی قید میں مقید ہے وہ صاحبِ اقتدار کس طرح ہو سکتا ہے۔

ف : الئٰن الخ جبریل علیہ السلام کا قول ہے جو اللہ تعالےٰ کی طرف سے آپ نے فرعون کو کہا۔ چنانچہ کاشفی میں ہے کہ جب فرعون نے ایمان کا کلمہ کہا تو اُس کے جواب میں یہی قول جبریل علیہ السلام نے فرمایا۔

ف : کواشی میں ہے کہ جبریل علیہ السلام نے فرعون کو یہی قول بطور رجعت فرمایا جیسے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر میں اہلِ قلیب (کافروں) کو فرمایا۔

اہلِ قلیب کی کہانی

واقعہ یُوں ہُوا کہ جب اہلِ کفار و مشرکین کو شکست ہُوئی تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مشرکین و مقتولین کو ایک قلیب (گڑھے) میں پھینک دو۔ آپ اس گڑھے پر تین روز کے بعد تشریف لائے اور گڑھے کے کنارے کھڑے ہو کر ہر کافر و مشرک کا نام لے کر پکارتے جاتے اور فرماتے اے فلاں بن فلاں، اے فلاں بن فلاں! کیا تم نے حق پایا ہے یا نہیں، وہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وعدہ کیا تھا الحمدُ للہ ہم نے تو اسے حق پایا ہے تم میرا بہت بُرا کنبہ ہو تم نے میری تکذیب کی اور دُوسروں نے میری تصدیق کی، تم نے مجھے اپنے گھر سے نکالا لیکن دُوسروں نے مجھے جگہ دی اور تم نے میرے ساتھ جنگیں کیں دُوسروں نے میری مدد کی۔

سماعِ موتیٰ کا ثبوت

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تمام گفتگو سُن کر عرض کی:

یارسول اللہ کیف تکلم اجساداً لا ارواح فیھا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان مٹی کے ڈھیروں سے بول رہے ہیں جن کے اندر ارواح نہیں[1]

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما انتم باسمع لما اقول منھم۔ جو میں کہہ رہا ہوں وہ تم سے بہت زیادہ توجہ سے سن رہے ہیں۔

یہی ہم اہلسنت کا عقیدہ ہے لیکن افسوس کہ اسلام کے بڑے ٹھیکیدار وہابی، نجدی، دیوبندی، مودودی سماع موتیٰ کے منکر ہیں۔ ایک روایت میں ہے:

لقد سمعوا ما قلت غیر انھم لا یستطیعون ان یردوا شیئاً۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انہوں نے سُن لیا ہے لیکن انہیں میرے سوال کا جواب دینے کی قدرت نہیں۔

اعجوبہ حضرت قتادہ نے فرمایا کہ انہیں اللہ تعالےٰ نے زندہ فرمایا تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سنیں۔ یہ ان کے ساتھ توبیخ کے طور پر ہوا تاکہ وہ حضور علیہ السلام کی طعن و تشنیع سُن کر ذلیل و خوار ہوں اور ان کی حسرت و ذلت میں اضافہ ہو۔

ف: حضرت قتادہ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ ان کے اجسام کے ساتھ ارواح کا خصوصی تعلق پیدا کر دیا گیا گویا وہ زندہ ہو گئے ورنہ حقیقۃً وہ زندہ نہیں ہوئے تھے (اگرچہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد معجزات اور اولیاءِ کرام کی بے شمار کرامات احیاء الموتیٰ میں ظاہر ہوئیں) اور زندہ کی مانند اسی لیے ہوئے تاکہ ان کی حسرت وغیرہ میں اضافہ ہو جیسا کہ ہم نے اُوپر عرض کیا ہے۔

مسئلہ: مرنے کے بعد رُوح کو جسم کے ساتھ (اگرچہ گل سڑ کر کچھ حصّہ یہاں تک کہ ریڑھ کی ہڈی تو ضرور بچ جاتی ہے) تعلق ہوتا ہے (یہی اہلسنت کا عقیدہ ہے)۔

مسئلہ: رُوح کو فنا نہیں[2] وہ ہمیشہ باقی رہے گا اگرچہ جسم مٹی ہو جائے یا اسے درندے کھا جائیں یا پرندے ہضم کر جائیں

---

[1] یہ عقیدہ کفار و مشرکین کا تھا جسے آج وہابیوں نجدیوں نے اپنا لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے استفساراً فرمایا یہ ان کا عقیدہ نہیں تھا۔

[2] رُوح کی موت صرف اتنی ہے کہ وہ جسم سے خارج ہو گئی۔ (کتاب الروح لابن القیم) اویسی غفرلہٗ

یا آگ جلاکر راکھ بنادے۔

مسئلہ وہابی کُش قبر میں رُوح کو جسم سے تعلق ہوتا ہے اسی لیے اہل قبر قبر پہ جانے والے کو پہچانتا ہے بلکہ اس سے مانوس ہوتا ہے، اس کے سلام کا جواب دیتا ہے جبکہ جانے والا اہل قبر کو کہے السلام علیکم الخ۔
(اسی طرح متعدد احادیث سے ثابت ہے۔ دلائل کے لیے دیکھیے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی کتاب "حیات الموات")

ازالۂ وہم اس سے یہ نہ سمجھنا کہ رُوح جسم سے متعلق ہوتا ہے تو وہ مُردہ دنیوی زندگی کی طرح زندہ ہوجاتا ہے بلکہ اسکی ایک ایسی کیفیت ہوتی ہے کہ وہ حی و میت کے درمیانی حالت میں ہوتا ہے اور کبھی یہ تعلق اتنا قوی ہوتا ہے کہ گویا وہ مُردہ زندہ ہوجاتا ہے۔

مسئلہ: باوجود اینہمہ جسم سے رُوح خارج ہونے کے بعد میت سے افعالِ اختیاریہ سلب کرلیے جاتے ہیں (الا الانبیاء والشہداء و الاولیاء) ہماری اس تقریر سے واضح ہوگیا کہ جن بزرگوں نے مثلاً حضرت سعد سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ تمام اہلسنت کا اتفاق ہے کہ میت میں اللہ تعالےٰ نے افعال اختیاریہ کی قدرت و دیعت نہیں فرمائی۔ (یعنی نئی قدرت رُوح کے جسم کے ساتھ تعلق کا کیا معنےٰ)

ازالۂ اوہام وہابیہ لیکن یہ جملہ بحث عام انسان کے لیے ہے ورنہ انبیاء و شہداء اس سے مستثنیٰ ہیں اس لیے کہ:

تعلق ارواحہم باجسامہم تصیر باجسادھم حیۃً کحیاتہا فی الدنیا وتقصیرھم القدرۃ والافعال الاختیاریۃ۔ (کذا فی انسان العیون) روح البیان ج ۴ ص ۸۷۔

یعنی انبیاء و اولیاء کی ارواح اجسام سے متعلق ہوتے ہی انھیں قدرت و افعال اختیاریہ سے بھی نوازا جاتا ہے اور وُہ ایسے زندہ ہوجاتے ہیں جیسے دنیا میں زندہ تھے۔[1]

وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ○ اور بہت سے لوگ ہماری آیات سے غافل ہیں کہ وُہ ان میں نہ تفکر کرتے ہیں نہ عبرت حاصل کرتے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے:

---

[1] یہ تھا اسلاف صالحین کا عقیدہ، اور بحمدہ تعالیٰ یہی ہم اہلسنت کہتے ہیں لیکن افسوس کہ اسلاف صالحین کے عقاید و مسائل پر چلنے والوں کو بدعتی کہا جارہا ہے حالانکہ انہوں نے ہی اسلاف صالحین کے عقاید کے خلاف نئے عقیدے اور مسائل گھڑے تو وہ مُوحد۔ یہ کیوں؟ صرف اس لیے کہ اسلاف صالحین کی کتابوں کا مطالعہ نہیں۔

اویسی غفرلہٗ

۵

نے ترا از وے ظاہر طاعتی

نے ترا در سر و باطنی نیتی

نے ترا شبہا مناجات و قیام

نے ترا روزان پرہیز و صیام

نے ترا حفظ زبان ز آزار کس

نے نظر کردن لعبرت پیش و پس

پیش چہ بود یاد مرگ و نزع خویش

پس چہ باشد مُردن یاران بیش

ترجمہ : نہ تجھے ظاہری طاعت نصیب ہُوئی نہ تجھے باطنی طور باطنی عبادات حاصل نہ تجھے رات کے وقت مناجات وقیام نصیب نہ تجھے دن میں پرہیز اور روزہ نہ تجھے زبان کی حفاظت اور نہ لوگوں کو ستانے سے بچاؤ، اور نہ تجھے آگے پیچھے سے عبرت حاصل، خالی موت اور سکرات یاد کرنے کا کیا فائدہ اس طرح سے یار کے سامنے مرنے کا موقعہ نصیب نہ ہوگا۔

اعجوبہ علماء کرام فرماتے ہیں کہ فرعون اگرچہ بہت بڑا متکبر اور سرکش اور عنا د سے معمور تھا لیکن پھر بھی مرتے وقت ایمان کا اظہار کر گیا (اگرچہ شرعاً اس کا ایمان ناقابلِ قبول ہُوا) لیکن اس امت کا فرعون ابُوجہل باوجود یکہ وہ بدر میں بُری طرح مارا گیا مگر اس سے ایمان کا اظہار تو کیا اُلٹا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان کے حق میں اس کے غیظ وغضب میں اضافہ ہوگیا اور اسی حالت میں اسکی رُوح جسم سے نکلی (لعنۃ اللہ علیہ)۔ یہ ابوجہل ملعون فرعون موسٰے سے سخت تر ثابت ہُوا۔

سبق : عاقل وُہ ہے جو اس واقعہ سے عبرت حاصل کرے اور سمجھے کہ ہر سرکش کافر کا انجام ایسے ہی ہوگا اور ہر ظالم فسادی کو اسی طرح سزا ملے گی۔ (نعوذ باللہ من کل شر وفساد)

ف : اللہ تعالٰے نے دشمن یعنی فرعون کو تباہ وبرباد کیا اور بنی اسرائیل کو نجات بخشی تاکہ واضح ہو کہ جس کا ایمان مضبوط اور یقین محکم ہوتا ہے اسے ایسے ہی انعامات سے نوازا جاتا ہے۔

حکایت ایک شخص حضرت شبلی قدس سرہٗ کی مجلس میں بیٹھا تھا تو ذوق ووجد سے چیخا آپ نے اٹھوا کر دریائے دجلہ میں ڈال دیا اور فرمایا کہ اگر اس کی چیخ وپکار صدق دل سے ہو تو موسٰی علیہ السلام کی طرح نجات پاجائے گا اگر ریا کے طور پر چیخا ہے تو فرعون کی طرح غرق ہوجائے گا۔ (کذا فی ربیع الابرار)

(باقی برصفحہ ۳۷۶)

وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ مُبَوَّأَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُم مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوا حَتّٰى جَآءَهُمُ
الْعِلْمُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ○ فَإِن كُنتَ فِي
شَكٍّ مِّمَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ فَسْـَٔلِ الَّذِينَ يَقْرَءُونَ الْكِتٰبَ مِن قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِن
رَّبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ○ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُونَ مِنَ
الْخٰسِرِينَ ○ إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ○ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ
حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ○ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ إِيمَانُهَآ إِلَّا قَوْمَ يُونُسَ ۚ
لَمَّآ اٰمَنُوا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ إِلٰى حِينٍ ○ وَلَوْ شَآءَ
رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَن فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا ۚ أَفَأَنتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ○ وَمَا
كَانَ لِنَفْسٍ أَن تُؤْمِنَ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ○ قُلِ
انظُرُوا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَن قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُونَ ○
فَهَلْ يَنتَظِرُونَ إِلَّا مِثْلَ أَيَّامِ الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلِهِمْ ۚ قُلْ فَانتَظِرُوٓا إِنِّي مَعَكُم مِّنَ
الْمُنتَظِرِينَ ○ ثُمَّ نُنَجِّي رُسُلَنَا وَالَّذِينَ اٰمَنُوا ۚ كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنجِ الْمُؤْمِنِينَ ○

ترجمہ : اور بے شک ہم نے بنی اسرائیل کو بہتر جگہ دی اور ہم نے انھیں پاکیزہ روزی دی پھر انھیں
اختلاف نہ کیا یہاں تک کہ اُن کے ہاں علم آیا بیشک آپ کا رب قیامت میں ان کے اختلاف کا فیصلہ فرمائیگا
پس تمھیں اگر اس میں کچھ شک ہے جو ہم نے تمہاری طرف نازل کیا تو ان سے پوچھ لیجئے جو تمہارے سے پہلے
کتاب کو پڑھتے ہیں بیشک تمہارے رب سے تمہارے ہاں حق آیا ہے تو تم ہرگز شک کرنے والوں سے نہ ہو اور
ان میں سے نہ ہو جنھوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا تو تم خسارہ والوں سے ہو جاؤ گے بیشک جن پر آپ کے رب
کی باتیں ثابت ہو چکی ہیں وہ ایمان نہیں لائیں گے اگرچہ تمام نشانیاں ان کے پاس آجائیں یہاں تک کہ دردناک
عذاب دیکھیں گے تو کوئی بستی ایسی نہ ہوئی جو ایمان لائی ہو تو اسے ایمان نے نفع دیا ہو سوائے قوم یونس کے
جب ایمان لائے تو ہم نے ان سے دنیوی زندگی میں رُسوائی کا عذاب ٹال دیا اور ایک وقت مقرر تک ہم نے
انھیں سامانِ عیش دیا اور اگر آپ کا رب چاہے تو روئے زمین کے تمام لوگ ایمان لے آئیں تو کیا آپ لوگوں کو
مجبور کر دو گے یہاں تک کہ وہ تمام ایماندار ہو جائیں اور کسی شخص میں کوئی اختیار نہیں کہ وہ اللہ کی اجازت کے بغیر
ایمان لائے اور اللہ انھیں عذاب میں مبتلا کرتا ہے جو کچھ نہیں سمجھتے۔ فرمائیے کہ دیکھو زمین اور آسمانوں میں کیا ہے
اور آیات اور رسول انھیں کوئی فائدہ نہیں دیتے جن کی قسمت میں نہیں کہ وہ ایمان لائیں۔ وہ نہیں انتظار

کر رہے ہیں مگران لوگوں کے سے ایام کا جوان سے پہلے ہو گزرے ہیں فرمایئے انتظار کرو بیشک میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں پھر ہم رسولوں اور ایمان والوں کو نجات بخشتے ہیں اسی طرح ہمارے ذمہ کرم ثابت ہو چکا کہ ہم اہلِ ایمان ہی کو نجات دیا کرتے ہیں۔

(بقیہ تفسیر صفحہ ۳۷۴)

ف: اس سے معلوم ہوا کہ نجات ایمان اور صدق و عدل میں ہے اور ہلاکت و تباہی کفر و ظلم اور کذب میں ہے۔

ف: جب فرعون نے اپنے دعوائے ربوبیت میں کذب بیانی کی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے لیے بد دعا فرمائی تو آپکی دعا مستجاب ہوئی اور قاعدہ ہے کہ ہر نبی علیہ السلام کی ہر دعا مطلقاً مستجاب ہوتی ہے[1]۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید پلید سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یزید کے کرتوتوں کی بدشہرت ہوئی تو آپ نے خطبہ کے اثنا میں دعا مانگی کہ یا اللہ! میں یزید کو اپنا جانشین بناؤں اگر وہ اس لائق ہے تو تو اسے اپنے مقاصد میں کامیاب فرما۔ اگر میں شفقت پدری سے اسے اپنا خلیفہ مقرر کر رہا ہوں تو اسے خلافت کے امور سنبھالنے سے پہلے ہی دنیا سے اٹھالے۔

چنانچہ آپ کی یزید کے حق میں یہ دعا مستجاب ہوئی اس لیے کہ یزید خلافت کے امور مکمل طور پر نہ سنبھال سکا اس لیے کہ ۶۰ ہجری میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا جانشین ہوا۔ چند سال کے اندر یعنی ۶۴ ہجری میں فوت ہوا۔ (کذا فی الصواعق لابن حجر)

ف: عالم دنیا میں اللہ تعالےٰ کی بے شمار آیات ہیں جسے اللہ تعالےٰ نے دیکھنے والی اور کان سننے والے بخشے ہیں تو وہ آثار ربانیہ کو عبرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اخبار متواترہ کو قبولیت کے کانوں سے سنتا ہے یہاں تک کہ اسے یقین نصیب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ دانا ایسا عمل نہیں کرتا جس سے دوسرے عبرت حاصل کریں۔

(تفسیر آیات صفحہ گزشتہ)

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ مُبَوَّأَ صِدْقٍ ہم نے بنی اسرائیل کو نجات دینے کے بعد اچھے اور پسندیدہ مقام پر ٹھہرایا اور ان کے دشمن فرعون کو دریا میں غرق کر کے تباہ و برباد کر دیا۔ مبوأ صدق سے بہتر اور خوشگوار علاقہ یعنی مصر و شام مراد ہے۔ چنانچہ فراعنہ و عمالقہ کی تباہی و بربادی کے بعد

---

[1] افسوس کہ دیوبندی وہابی مودودی وغیرہ اس قاعدہ کے منکر ہیں بلکہ اس قاعدہ کو غلط ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں۔
اویسی غفرلہٗ

ان علاقوں کی شاہی بنی اسرائیل کو نصیب ہوئی اور انہوں نے شام و مصر اور اس کے گرد و نواح کے علاقوں پر عرصہ تک شاہی کی۔

ف : مبوّا اسم مکان ہے اسے صدق کی طرف مضاف کرتے ہیں اس کی مدح مطلوب ہے۔ اہل عرب کی عادت ہے کہ جب کسی شے کی مدح کرتے ہیں تو اسے صدق کی طرف مضاف کر دیتے ہیں۔ مثلاً:

رَجُلُ صِدْقٍ ۔

اور قرآن مجید میں ہے:

رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ ۔

وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ۚ اور ہم نے انہیں طیبات یعنی لذیذ ثمرات وغیرہ جیسے من و سلویٰ عطا فرمائے۔ (کذا فی التبیان)

فَمَا اخْتَلَفُوْا پس انہوں نے امور دین میں اختلاف کیا حَتّٰی جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ؕ یہاں تک کہ ان کے ہاں علم آیا یعنی تورات کو پڑھنے کے باوجود دینی امور میں مختلف ہو گئے حالانکہ انہیں یقین تھا کہ تورات کے جملہ احکام حق ہیں اور ان پر ثابت قدم رہنا ان کا فریضہ تھا لیکن تاویل کا دروازہ کھول کر بہت سے مسائل کو اپنی مرضی کے مطابق کر لیا صرف اپنی (انا برقرار رکھنے اور عوام سے جو وظائف کھاتے تھے ان کے ختم ہو جانے کے خطرہ کی بنا پر۔ اسی وجہ سے ایک دوسرے پر ایسی بغاوت پھیلائی کہ کشت و خون تک نوبت پہنچی۔ افسوس کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں بعض نام نہاد علماء اور مولوی نما لیڈروں میں وہی کیفیت ہو گئی ہے جو بنی اسرائیل کے علماء میں تھی انہوں نے بھی اپنی مرضی پر قرآن مجید کے تراجم و تفاسیر لکھ کر امتِ مصطفویہ کا شیرازہ بکھیر دیا جیسے معتزلہ اور دیگر اہل ہوا غلط عقاید کے لوگ[1]

مثنوی شریف میں ہے: ؎

کردہ تاویل حرف بکر را
خویش را تاویل کن نے ذکر را
بر ہوا تاویل قرآن می کنی
پست و کژ شد از تو معنیٰ سنی

ترجمہ: اے لفظ بکر کی تاویل کرنے والے! تم اپنی بھی تاویل کرو لفظ ذکر کی تاویل کیسی۔ اپنی خواہش کے

---

[1] اور ہمارے دور میں نیچری، پرویزی، مودودی، مرزائی، وہابی، دیوبندی وغیرہ وغیرہ۔ تفصیل کے لیے دیکھیے فقیر کی کتاب احسن البیان حصہ اول۔ اویسی غفرلہٗ

مطابق قرآن مجید کی تفسیر کرتے ہو تو کمزور اور بڈھا ہو گیا ہے تمہیں حقیقت کا کیا پتہ۔

ف ۱۱ اس بنی اسرائیل سے وہ اہل کتاب مراد ہیں جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے جیسے قریظہ، نضیر اور قینقاع۔ اس لیے کہ اللہ تعالےٰ انہیں مدینہ طیبہ اور شام کے درمیان ٹھہرایا اور انہیں کھجور و انگور و دیگر ایسے عجیب قسم کے باغات سے مالا مال فرمایا کہ جن کی نظیر عالم دنیا میں ملنی مشکل تھی لیکن انہوں نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اختلاف کیا حالانکہ آپ کے معجزات آنکھوں سے دیکھے اور آپ کی نبوت و رسالت کے مشاہدات کا یقین کیا اور ان کے سنجیدہ لوگ جیسے عبد اللہ بن سلام اور اس کے ساتھی مسلمان بھی ہو گئے لیکن دوسرے بدقسمت محروم رہے۔

ف : حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہما نے فرمایا :

علم سے قرآن مراد ہے۔

اس لیے کہ قرآن علم کا سبب ہے اور مسبب بول کر مجازاً سبب مراد لینا۔ عام مشہور قاعدہ ہے :

اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِىْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ○

بیشک تمہارا رب تعالےٰ قیامت میں ان کے مابین کے اختلاف کا فیصلہ فرما کر حق اور باطل والوں کے درمیان فرق فرمائے گا۔ مثلاً حق والوں کو ثواب اور باطل والوں کو دنیا کے عذاب میں مبتلا فرمائے گا۔ دنیا میں انہیں چند روز مہلت دینا اور ان کے عیوب پر پردہ ڈالنے اعمال کی جزا نہیں اگرچہ یہ بھی انہیں ایک قسم کا عذاب ہے اس لیے کہ دنیا دار الجزا نہیں۔ اسی لیے دنیا میں ان کے اختلاف کی سزا نہیں ملے گی بلکہ آخرت میں، کیونکہ وہی سزا و جزا کا دن ہے۔ ے

چوں محک دیدی سیہ گشتی چوں محک
نقش شیری رفت و پیدا گشت کلب

ترجمہ : جب تم نے کسوٹی دیکھی تو کسوٹی کی طرح سیاہ ہو گئے شیر کی صورت مٹی تو کتے کی صورت ظاہر ہو گئی۔

فَاِنْ كُنْتَ فِىْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ پس اگر آپ شک میں ہیں اس سے جو ہم نے آپ کے ہاں اُمم سابقہ کے قصے نازل فرمائے منجملہ ان کے فرعون کا قصہ ہے اور اس کی قوم اور بنی اسرائیل کا۔

سوال : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو شک کیسا، اور آیت ہذا میں شک کی نسبت آپ کی طرف کیوں ؟

جواب : یہاں علی الفرض والتقدیر مقدر ہو گا اس لیے کہ ایک شے دوسری شے سے معلق کرنے میں ضروری نہیں کہ وہ فعل ممکن بھی ہو، بلکہ ممتنعات کے ساتھ بھی فعل کو معلق کیا جاتا ہے جیسے :

قل ان كان للرحمٰن ولداً فانا اول العابدين -

فرمائیے اگر خدا تعالیٰ کی اولاد ہو تو میں اس کا سب سے پہلا عبادت کرنے والا ہوں گا۔

جیسے یہاں فعل ممتنع سے شرط کو معلق کیا گیا ہے ایسے ہی آیت ہذا میں[1]

فَسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ؕ تو آپ سے پہلے والے پڑھے لکھے لوگوں سے سوال کیجیے اس لیے کہ ان کی کتب میں محقق اور ثابت ہے کہ آپ کی نبوت و رسالت حق ہے ان کے علماء و احبار اپنی کتب میں پڑھ کر آپ کی نبوت و رسالت کا یقین رکھتے ہیں اگرچہ آپ کو ان سے سوال کی ضرورت نہیں۔ اس میں دراصل اہل کتاب کے علماء کے علم کی مدح فرما کر اُن سے اپنے محبوب علیہ السلام کی نبوت و رسالت کی صداقت کا اظہار فرمایا ہے (اس لیے کہ الفضل ماشهدت به الاعداء، بزرگی وُہ جس کی دشمن گواہی دیں) یا اس سے اپنے محبوب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلّی و تسکین مطلوب ہے ورنہ محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو شک کیسا جبکہ وہ خود اپنے متعلق فرماتے ہیں:

لا اشك و لا اسئل۔ نہ مجھے شک ہے نہ میں سوال کرتا ہوں۔

جواب ۲: زاد المسیر میں ہے کہ یہ اِنْ نافیہ ہے یعنی آپ کو شک تو نہیں لیکن مزید تسلّی کے لیے اہلِ کتاب سے پُوچھ لیجئے۔

جواب ۳: یہ خطاب اگرچہ حضور علیہ السلام کو ہے لیکن مراد آپ کی اُمت ہے اس لیے کہ ما انزل الیه میں آپ تمام شکوک و شبہات سے معصوم ہیں۔

نکتہ: شاہانِ زمان کا قاعدہ ہے کہ وُہ اپنے ماتحت حاکم کو کسی علاقہ کا امیر بنا کر اس کے ماتحت بہت بڑی رعیت کا اختیار سپرد کرتے ہیں تو جب رعیت کو کوئی اہم معاملہ سمجھانا ہوتا ہے تو وہ بادشہ رعیت کے بجائے اپنے ماتحت امیر کو خطاب کر کے امور سمجھاتا ہے اس طرح سے رعیت کے دل سمجھئے۔

جواب ۴: یہ خطاب عام ہے ہر اس انسان کو جو اس آیت کو پڑھے سُنے گا۔

جواب ۵: شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ مدارج النبوۃ میں آیت ہذا اور اسی طرح دیگر متعدد آیات کو متشابہات میں شمار فرمایا ہے۔ تفصیل فقیر کی تفسیر اویسی میں دیکھئے۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہُوا کہ اگر کسی کو کوئی دینی مسئلہ سمجھ نہ آئے تو اسے اپنے سے زیادہ علم والے سے پُوچھنا چاہیے۔

ے

چوں چنیں وسواس دیدی زود زود

با خدا گرد و درا اندر سجود

سجدہ کہ تر کن از اشک رواں

کائے خدا یا وارہاں زین گماں

---

[1] اس آیت کو لے کر بعض گستاخ بہت خوش ہوتے ہیں کہ (معاذ اللہ) حضور علیہ السلام بھی شک میں مبتلا ہو جاتے تھے۔ تفصیل مزید تفسیر اویسی میں دیکھیے۔

کو ندانستی مراد حق ازیں
فاسئل العلم حتے تطمئن

خلاصہ: جب تمہیں کسی بھی مسئلہ میں وسوسہ ہو تو سربسجود ہو کر بارگاہِ حق میں گڑگڑائیے اور آنسو بہا کر عرض کریں کہ یا اللہ مجھے اس مصیبت سے بچائیے، اس لیے کہ حق کی مراد تم کیا جانو اس لیے اہلِ علم سے پُوچھ لیا کرو تاکہ تمہیں اطمینانِ قلب نصیب ہو۔

لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ○ بیشک آپ کے ہاں وُہ حق آیا ہے کہ اس میں شک کی گنجائش ہی نہیں اس لیے کہ وہ آپ کے رب تعالیٰ سے آیا ہے اسی لیے آپ شک کرنے والوں سے نہ ہو جائیے کہ جُھوٹے لوگوں کی باتیں سُن کر دل متذبذب ہو جائیں حالانکہ آپ کو تو جزم ویقین ہے۔ آپ اسی پر مداومت فرمائیے۔

ف: الامترار بمعنے کسی شئے میں توقف اور شک کرتے۔

ربط: انسان کا کسی معاملہ میں متذبذب ہو جانا معمولی بات ہے اسی لیے پہلے اسی تذبذب سے روکا گیا ہے اس کے بعد مکذبین کی اتباع سے منع فرمایا ہے۔ کما قال:

وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اور نہ ہو جاؤ ان لوگوں سے جو اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کرتے ہیں۔

ف: اس سے فعل پر برانگیختہ کرنا اور اس میں پُرجوش رہنے کی طرف اشارہ ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ تکذیب بہت بُرا فعل ہے اور اس کی خرابی اس نہج کو پہنچ چکی ہے کہ جس ذات سے اس کا وقوع ممتنع ہے لیکن پھر بھی انہیں روکا جا رہا ہے پھر اس کو اس سے کیوں نہ رُکاوٹ ہو جس کے لیے اس میں مبتلا ہونے کا نہ صرف امکان ایک حقیقت واقعہ ہے۔

ف: اس سے کافروں کے طمع کو ختم کرنا مطلوب ہے کہ وہ مسلمانوں سے اپنی اتباع کی اُمید بھی نہ رکھیں۔

فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ پس ذاتاً و اعمالاً خسارہ والوں سے ہو جاؤ گے۔

خشک زاہدوں کو تنبیہہ یاد رہے کہ آیات کی تصدیق لازمی اور ضروری ہے وہ آیات قرآنی ہوں جو وحی الٰہی سے نبی علیہ السلام پر نازل ہوئیں، یا آیات الہامی ہوں جیسے معارف الٰہیہ جو اولیاء کرام پر وارد ہوتے ہیں ان کی تصدیق دینی فوائد و منافع کے اعلیٰ درجات سے ہیں اور ان کی تکذیب سے خسارہ و نقصان کی کوئی حد نہیں۔ اسی لئے عارفین نے فرمایا کہ:

من لم يكن له نصيب من هذا العلم (اسے الوهبی کشفی) اخاف اليه سوء الخاتمه وادنى النصيب منه التصديق به وتسليمه لاهله واقل عقوبة من ينكره	جسے اس علم یعنی عطائی کشفی علم کا کوئی حصہ حاصل نہ ہو تو میں اس پر سوءِ خاتمہ کا خوف کرتا ہُوں اور اس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اس کی تصدیق کرے اور اس کے علم والوں کے لیے تسلیم کرے اور اس کی ادنیٰ سزا یہ ہے

ان لا یرزق منہ شیئا وھو علم الصدیقین والمقربین[1] (کذا فی احیاء العلوم)[2]

کہ اسے اس علم سے ذرہ بھر بھی نصیب نہ ہوگا حالانکہ یہ تو صدیقین ومقربین کا علم ہے۔

(روح البیان ج ۴ ص ۸۰ مطبوعہ قدیم)

اللہ والوں کے لیے ایک تلقین حضرت الشیخ الاکبر قدس سرہ الاطہر نے فرمایا کہ نبوت و ولایت کے علوم میں عقل کو دخیل بنانا اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے کے مترادف ہے۔ ہاں جنہیں اللہ تعالےٰ نے عقل سلیم سے نوازا ہے وُہ اگرچہ ان کے علوم سمجھ نہیں سکتے تو انکار نہیں کرتے بلکہ بلاحیل وحجت تصدیق کرتے ہیں ایسے لوگوں پر خیالات اور شکوک وشبہات بھی غلبہ نہیں پا سکتے اگرچہ ہم ان امور کے مکلف ہیں جن پر شرع مطہرہ نے نص فرمائی ہے باقی رہے مختلف مذاہب کے دلائل ومسائل ہم ان کے مکلف نہیں جیسے امام اشعری کے دلائل پر معتزلہ کو شکوک وشبہات ہیں ایسے ہی معتزلہ کے دلائل پر اشعری کو۔ اسی لیے بد مذاہب کی کتب کا مطالعہ عوام کو ضرر رساں ہے اس لیے اسے کسی وقت ایسی بات بھی دل پر اثر انداز ہو گی کہ جس کا مٹانا مشکل ہو جائے گا[3]۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

تنگتر آمد خیالات از عدم
زاں سبب باشد خیال اسباب غم

ترجمہ: عدم کے سارے خیالات تنگ تر ہیں اس لیے دنیوی خیالات غم کا موجب نہیں۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ وہ اہل اللہ کے الہامات کی تصدیق کرے اور طریق توحید میں سر کی بازی لگائے تاکہ شکوک وشبہات اور اندھی تقلید سے نجات پا کر وہ درجات وکمالات حاصل کرے جو منکر عنید کو نصیب نہ ہوئے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ حَقَّتْ عَلَیْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ بیشک وُہ لوگ جن پر تیرے رب تعالیٰ کا کلمہ ثابت و واجب ہوگیا۔ اس کلمہ سے ھؤلاء فی النار ولا ابالی یعنی جو لوگ ازل سے جہنمی ہیں وہ ضرور جہنم میں جائیں گے اس لیے کہ ان کے لیے ازل میں کلمہ مذکورہ سبقت کر چکا۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ) (یہ تقدیر کا مسئلہ ہے تشریح تفسیر اویسی میں دیکھیے) یا کلمہ سے

---

[1] ناظرین سوچیں کہ اولیاء مقربین کے الہامات کے تصدیق کنندہ کون ہیں اور ان کے منکر کون۔ بحمدہٖ تعالےٰ ہم اہلسنت نہ صرف تصدیق کرتے ہیں بلکہ اس کے منکر کو وہابی، نجدی، دیوبندی کہتے ہیں۔ [2] کتاب العلم، جلد اول

[3] اسی لیے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے تمام اہلسنت کے لیے احسانِ عظیم فرمایا کہ حق مذہب کو دلائل سے واضح فرما کر ہمیں مطالعہ کیلئے کافی مواد بہم پہنچایا اور لکھ دیا کہ اہلسنت کے علاوہ دیگر مذاہب کی کتابوں کو پڑھنا اپنے ہاتھوں زہر پینا ہے لیکن افسوس کہ اہلسنت کو احساس زیاں جاتا رہا۔

قضا و قدر اور حکم الٰہی مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن کے متعلق فرمایا کہ وُہ جہنم میں جائیں گے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، چنانچہ دُوسرے مقام پہ فرمایا،

ولکن حق القول منی لاملئن جہنم الخ

یعنی میری طرف سے ان پر کلمۂ حق ثابت ہوگیا اسی لیے میں ان کو جہنم میں بھروں گا۔ (کذا فی الارشاد)

اور کاشفی میں ہے کہ وُہ تحریر جو اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ پر لکھی کہ فلاں کا کفر پر خاتمہ ہوگا، اس کی خبر ملائکہ کو دے دی۔ کلمت ربک سے یہی مراد ہے۔ یہی تین اقوال مفسرین سے منقول ہیں۔ لَا یُؤْمِنُوْنَ ○ وُہ ایمان نہیں لائیں گے اس لیے اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے خلاف ہرگز نہیں ہوسکتا اور نہ ہی اس کا کلام جھُوٹا ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس کی قضا و قدر ٹوٹ سکتی ہے۔

ف ، یعنی وُہ لوگ جو ایمان قبول نہیں کرتے جو انھیں فائدہ دے اور اپنے وقت مقرر پر ہو اس شرط سے فرعون کا ایمان قابل قبول اسی لیے نہیں کہ اس نے وقت مقررہ کے بعد ایمان قبول کیا لیکن موت سے پہلے انکار کر دیا۔

وَ لَوْ جَآءَتْھُمْ کُلُّ اٰیَۃٍ اگر ان کے ہاں وہ تمام آیات آئیں جن کا انھوں نے مطالبہ کیا۔

سوال : جاءت فعل مونث اور کل فاعل مذکر، ایسا کیوں؟

جواب : کل کا مضاف الیہ مونث ہے اسی کے لحاظ سے فعل مونث لایا گیا ہے۔

ف : وُہ اس لیے ایمان نہ لائے کہ ان کے ایمان کا سبب مفقود تھا یعنی ان کے متعلق ارادۂ الٰہی نہ تھا اور ارادۂ الٰہی بندوں کے اختیار و عدم سے متعلق ہوتا ہے اور ان کا اختیار اس طرف اس لیے نہ ہُوا کہ انھوں نے اختیار و قبولِ ایمان کی استعداد ہی ختم کر ڈالی۔

حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ ○ یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب کو دیکھتے ہیں اور عذاب کی رؤیت کے بعد ایمان لانا نفع نہیں دیتا، جیسے فرعون کو معائنہ عذاب کے وقت ایمان نے نفع نہ دیا۔ فَلَوْلَا یہ حرف تحضیض بمعنے ھلّا ہے۔

قاعدہ : جب حرف تحضیض ماضی پر داخل ہو تو اس میں ترک فعل پر توبیخ مطلوب ہوتی ہے۔

کَانَتْ تامہ ہے قَرْیَۃٌ کوئی بستی تباہ شدہ اٰمَنَتْ یہ قریۃ کی صفت ہے یعنی کیوں ایمان نہ لائے معائنہ عذاب کے بعد تباہ بستی والے، جیسے فرعون اور اس کی قوم نے معائنہ عذاب کے وقت ایمان قبول کیا فَنَفَعَھَآ اِیْمَانُھَآ تو انہیں ان کا ایمان لانا نفع دیتا اور اللہ تعالیٰ ان کا ایمان قبول کرکے انھیں عذاب سے نجات بخشتا، اِلَّا قَوْمَ یُوْنُسَ ط سوائے یونس علیہ السلام کی قوم کے۔ یُونس غیر منصرف ہے بوجہ عجمی اور معرفہ ہونے کے یہ بھی ہے کہ یُونس اسم مشتق ہے۔ اسی وجہ سے غیر منصرف ہے بوجہ معرفہ اور وزن فعل کے۔

ف : یُونس علیہ السلام کے والد کا نام متّی ہے۔ بعض نے کہا متّی ان کی والدہ کا نام ہے اسی لیے اہلِ علم نے کہا کہ اپنی والدہ سے صرف یہی دو پیغمبر عیسیٰ و یونس علیہما السلام مشہور ہیں لَمَّآ اٰمَنُوْا قومِ یونس نے جب ایمان قبول کیا باوجودیکہ عذاب کا

معائنہ کیا اور ایمان لائے تو ان کا ایمان قبول ہو گیا لیکن ان پر عذاب نازل نہ ہوا کَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ ہم نے ان سے ذلت وخواری کا عذاب ہٹا دیا۔ عذاب الخزی ہر اس عذاب کو کہا جاتا ہے جس سے صاحبِ عذاب کو سخت قسم کی ذلت وخواری ہو، اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ ان پر واقعی عذاب نازل ہو چکا تھا بلکہ یوں ہوا کہ وہ عذاب میں مبتلا ہونے والے تھے تو اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل وکرم سے ان سے عذاب کو روک لیا۔ اس کی مثال قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ نے حضور علیہ السلام کے صحابہ کو بیان فرمائی: کنتم علیٰ شفا حفرة من النار فانقذکم منها تم عذاب جہنم کے کنارے تک پہنچے تھے تو اللہ تعالےٰ نے تمہیں اس سے بچا لیا، لفظ انقاذ سے ثابت ہوا کہ وہ عذاب میں مبتلا نہیں ہوئے تھے بلکہ عذاب کے کنارے تک پہنچے تھے (کذا فی التیسیر) ایسے ہی یہاں فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا حیاتِ دنیا میں، یعنے انھیں ایمان سے اس لیے نفع ہوا کہ وہ ابھی وقت یاس کو نہیں پہنچے تھے بلکہ ان کی حالت اختیار باقی تھی۔ اختیاری حالت میں ایمان لائے تبھی ان کا ایمان قبول ہوا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ○ اور انھیں ہم نے وقت مقدر فی علم اللہ تک کشفِ عذاب کے بعد نفع دیا۔ خلاصہ یہ کہ اہلِ قری کو کیا ہوا کہ وہ معائنہ عذاب سے پہلے جلدی سے ایمان قبول کر لیتے تاکہ انھیں اس ایمان سے نفع ہوتا لیکن قوم یونس اس کلیہ سے مستثنیٰ ہے کہ انہوں نے جب عذاب کے نشانات دیکھے تو بلا تاخیر ایمان لائے اگرچہ ان پر نزولِ عذاب کا وقت قریب ہو گیا تھا۔ اس معنے پر یہ استثنا منقطع ہوگا اور اسے مستثنیٰ متصل بھی بنایا جا سکتا ہے۔

ف: یہ جملہ نفی کے معنے میں ہے اس لیے کہ حرفِ تخفیض نفی کے معنے کو بھی متضمن ہے یعنی حرف لولا در اصل ہے تو تخفیض کے لیے، لیکن یہاں نفی کا معنیٰ دے رہا ہے اس لیے کہ استفہام میں بھی ایک قسم کا انکار ہوتا ہے اب معنے یہ ہوا کہ کیا ہلاکت وتباہی کے منہ میں آنے والے لوگ ایمان لائے تھے جو انھیں ان کا ایمان نفع دیتا مگر قوم یونس کہ وہ اس سے مستثنیٰ ہے (اس معنے پر یہ مستثنیٰ متصل ہے) اس تقریر پر لما آمنوا نفع ایمان قوم یونس کا بیان ہے اور جملہ مستانفہ ہے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ ایمان وہی مقبول ہے جو دل سے ہو۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

بندگی در غیب آمد خوب دکش
حفظ غیب آید در استبعاد خوش
طاعت وایمان کنوں محمود شد
بعد مرگ اندر عیاں مردود شد

ترجمہ: غائبانہ عبادت بہت عجیب ہے اس سے انسان کا بُعد دُور ہوتا ہے اور ایسا ہی ایمان اور

طاعت محدود ہے اور مرنے اور عذاب کے معاینہ کے وقت کا ایمان مردود ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام کو ارض موصل کے علاقہ نینویٰ کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا۔

قصہ یونس علیہ السلام

ف : نینویٰ بکسر النون اولاولی وفتح الثانیہ ، بعض کے نزدیک بضمہا ارض موصل میں دجلہ کے کنارے پر ایک گاؤں کا نام ہے۔

ف : موصل بفتح المیم وکسر الصاد المہملہ ایک شہر کا نام ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام اپنی قوم کو ایک مدت تک دعوتِ حق دیتے رہے لیکن قوم نے قبول نہ کیا۔ اس سے دل برداشتہ ہو گئے اور آپ طبعی طور پر ایسی باتوں سے بہت جلد غمزدہ ہو جاتے تھے۔ ایک دن قوم سے سخت بددل ہوئے تو دُعا مانگی، اے اللہ! میری قوم میری بات نہیں مانتی فلہذا اسے عذاب میں مبتلا فرما۔

ف : یونس علیہ السلام پر جب نبوت کا بوجھ پڑتا تو غم زدہ ہو جاتے اور سوائے اولوالعزم پیغمبروں کے نبوت کے بوجھ کو کوئی متحمل نہ ہو سکتا تھا۔ اولوالعزم پیغمبر یہ ہیں :

- حضرت نوح علیہ السلام
- حضرت ہود علیہ السلام
- حضرت ابراہیم علیہ السلام
- حضرت سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

نوح علیہ السلام کے متعلق دلیل یہ ہے :

یا قوم ان کان کبر علیکم مقامی و تذکیری بآیٰت اللہ ۔ (الآیہ)

اور ہود علیہ السلام کے لیے :

انی اشہد اللہ و اشہدوا انی بریٔ مما تشرکون من دونہ ۔

اور ابراہیم علیہ السلام کے لیے :

ھو والذین آمنوا معہ انا براء منکم و مما تعبدون من دون اللہ ۔

اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے :

فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل ۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صبر فرمایا۔

حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اگر تم میرا کہنا نہیں مانتے تو تیس یا چالیس روز کے اندر تم پر عذاب نازل ہوگا۔ کاشفی نے لکھا کہ یونس علیہ السلام اپنی قوم کو یہ خبر دے کر بستی سے چلے گئے اور پہاڑ کی غار میں

چُپ بیٹھے۔ جب عذاب کا وقت قریب آیا تو اللہ تعالیٰ نے مالک یعنی دوزخ کے فرشتے سے فرمایا کہ سموم دوزخ سے ایک جَو کی مقدار اُٹھا کر قومِ یونس پر ڈال دے۔ فرشتہ بحکمِ الٰہی دوزخ کا انگارہ سیاہ بادل اور سخت گاڑھے دُھوئیں کی شکل میں نینویٰ بستی کے قریب لایا۔ جب قومِ یُونس نے دیکھا کہ وُہ عذاب واقعی آ رہا ہے جس کی خبر یونس علیہ السلام نے دی تھی، تو ساری قوم اس بستی کے سردار کے پاس آئی اور صورتِ حال سے آگاہ کیا چونکہ وہ سمجھدار انسان تھا اس لیے حکم فرمایا کہ یُونس علیہ السلام کو تلاش کرو۔ تلاشِ بسیار کے یونس علیہ السلام نہ مل سکے۔ سردار نے کہا یُونس علیہ السلام نہیں ہیں تو ہمارا خدا تو باقی ہے وُہ ہمیں جانتا اور ہماری فریاد کو سنتا ہے سارے مل کر اس کی بارگاہ میں الحاح وزاری کریں۔ سردار ننگے سر اور ننگے پاؤں اور موٹے کپڑے ملبوس کر کے لوگوں سے کہنے لگا، تم بھی ایسے ہی عاجزی اختیار کرو۔ اسی طریق سے تمام قوم جنگل میں آگئی۔ مرد، عورتیں، صغار و کبار آہ و فغاں کرتے ہوئے دھاڑیں مارنے لگے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ بچّوں کو ان کی ماؤں سے علیحدہ کر دو۔

تفسیر کواشی میں ہے کہ ایک دُوسرے کے گلے لگ کر روتے تھے اسی طرح سے آوازیں ملا کر روتے تاکہ دل پر اثر اور دُعا میں خلوص پیدا ہو اور دُعا مستجاب ہو۔

سردار نے یہ حکم بھی دیا کہ جتنے ایک دُوسرے پر حقوق العباد ہیں سب ادا کرو۔ چنانچہ تمام نے ایک دُوسرے کے حقوق ادا کیے یہاں تک کہ اگر کسی نے کسی کا پتھر یا روڑا اٹھا کر اگر اپنی دیوار میں لگایا تھا تو وُہ بھی واپس کر دیا۔

اسی طرح سب کے سب خلوصِ نیت سے کہنے لگے:

قومِ یُونس کی نجات کا موجب

یا اللہ! ہم یُونس علیہ السلام کے تمام لائے ہُوئے احکام پر ایمان لاتے ہیں۔

یا یہ کہا کہ:

یا حی حین لا حی الخ یا حی ایسا کہ اس کے سوا اور کوئی زندہ نہیں اور اس وقت بھی زندہ رہے گا جب کوئی اس دنیا میں نہ ہوگا، تو ہی تمام مُردوں کو زندہ کرنے والا ہے اے حیّ و قیوم ربّ، اللہ کے سوا اور کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔

یا یُوں کہا:

اے اللہ ہمارے گناہوں کا پلہ بھاری سہی لیکن تیرے سے اور کون اعظم واجل ہو سکتا ہے۔

؎

من اُمید وارم ز لطفِ کریم
کہ خوانم گنہ پیشِ عفوِ عظیم

ترجمہ: میں لطفِ کریم سے اُمیدوار ہُوں اس لیے کہ میں بہت بڑے معاف والے کے سامنے اپنے گناہوں کا اظہار کرتا ہُوں۔

اے ہمارے رب! ہمارے ساتھ وُہی کر جس کے تُو لائق ہے ہمارے ساتھ وہ نہ کیجئے جس کے ہم لائق ہیں۔

اُن کی یہ فریاد اوّل ذوالحجہ سے دسویں محرم تک جاری رہی، اسی طرح گریہ بھی کرتے اور دُعائیں بھی۔ چالیس روز تک انھوں نے آرام وقرار اپنے اوپر حرام کر دیا۔ گریہ وزاری کے سوا کوئی اور کام نہ کیا۔

؎

چارۂ ما ساز کہ بے یاوریم
گر تو برانی بکہ رو آریم
بے طربیم از ہمہ سازندہ
جز تو ندارم نوازندہ
پیش تو گر بے سر و پا آمدیم
ہمہ بامید تو خدا آمدیم

ترجمہ: ہماری چارہ سازی کیجئے اس لیے کہ ہم بے یار و مددگار ہیں اگر تُو ہمیں ہٹا دے تو پھر کس کے در پہ جائیں ہم ہرایک کارساز سے ناخوش ہیں اے نوازش کنندہ! تیرے سوا ہمارا کون ہے اسی لیے بے سر و پا تیرے حضور میں حاضر ہیں ہمیں تیرے اُوپر اُمید ہے۔

یونس علیہ السلام کی ہدایات کے صدقے

ان میں بعض تو یوں عرض کرتے کہ یونس علیہ السلام ہمیں فرمایا کرتے تھے کہ غلام آزاد کرو۔ یا اللہ! ہم تیرے بندے ہیں ہمیں اپنے فضل و کرم سے عذاب سے آزاد فرما۔

ان میں بعض روتے ہُوئے کہتے: یا اللہ! ہمیں یُونس علیہ السلام فرمایا کرتے کہ بیچاروں اور عاجزوں کی دستگیری کرو۔ یا اللہ! ہم عاجز و بیچارے تیری درگاہ میں حاضر ہیں، ہماری دستگیری فرما۔

یا اللہ! ہمیں یونس علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ تم پر اگر کوئی ظلم وستم کرے تو تم اسے معاف کر دینا۔ یا اللہ! ہم نے اپنے اوپر ظلم وستم کیا تُو ہمیں اپنے فضل وکرم سے معاف فرما دے۔

اور بعض لوگ کہتے: یا اللہ! ہمیں یونس علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ سائلوں اور محتاجوں کو نااُمید نہ کیا کرو۔ یا اللہ! ہم تیرے سوالی فقیر و عاجز حاضر ہیں ہمیں اپنی درگاہ سے نا امید نہ فرما۔ ؎

ما تہی دستاں برآوردیم دستے در دُعا
نقد فیضے نہ بریں دست گنہگاراں ہمہ
قاضی حاجات درویشاں ومحتاجاں توئی
پس روا کن از کرم حاجات بسیار ہمہ

ترجمہ: ہم تیرے ہاں خالی ہاتھ حاضر ہیں اپنے فضل و کرم کا نقد ہمارے خالی ہاتھ پر رکھدے درویشوں اور محتاجوں کا تُو ہی قاضی حاجات ہے اس لیے ہماری تمام حاجات پُوری فرما۔

چلّہ اور جمعہ مُبارک بالآخر چالیس روز کے بعد بروز جمعہ ان کی آہ و زاری رنگ لائی۔ بارگاہِ حق سے ان کے سوز و گداز کی قبولیت کا پیغام پہنچا۔ اُن کے سروں پر منڈلانے والے عذاب کے بادل چھٹے اور رحمت کی گھٹا چھائی۔ رحمتِ باری نے اُنھیں اپنی آغوش میں لے لیا۔

یُونس علیہ السّلام مچھلی کے پیٹ میں چالیس روز کے بعد یُونس علیہ السلام واپس مڑے تو دیکھا کہ بستی پہلے سے زیادہ سرسبز و شاداب ہے حالانکہ آپ کے خیال میں تھا کہ اب وُہ عذاب الٰہی سے پِس گئے لیکن حالت اس کے برعکس تھی دل میں سوچا کہ قوم کے پاس جاؤں تو وہ پہلے سے زیادہ جھٹلائیگی کیونکہ میں نے تو کہا تھا کہ چالیس روز کے اندر عذاب آئے گا۔ اب ان پر عذاب نہیں آیا تو مجھے سخت ایذا دیں گے۔ طبعی غفلت سے غضبناک ہوکر لوٹے تو ایک کشتی میں سوار ہونے کا اتفاق ہُوا لیکن کشتی دریا میں چل نہ سکی۔ آپ نے فرمایا کہ اس کشتی میں اپنے مالک کا بھاگا ہُوا ایک آدمی بیٹھا ہے۔ اور اپنی طرف اشارہ فرمایا۔ پھر فرمایا: جب تک اس مفرور شخص کو دریا میں نہ ڈالو گے کشتی نہیں چلے گی۔ کشتی سواروں نے کہا کہ آپ تو اللہ کے نبی ہیں ہم آپ کو کیسے مجرم قرار دیکر دریا میں ڈالیں۔ آپ نے فرمایا: قُرعہ اندازی کرو، جس کے نام قُرعہ نکلے اسے دریا میں پھینک دیا جائے۔ چنانچہ تین بار قُرعہ اندازی سے آپ ہی کا نام نکلا۔ اس سے آپ نے خود دریا میں چھلانگ لگا دی تو مچھلی نے آپ کو لُقمہ بنا لیا۔

ف: شعبی نے فرمایا کہ چاشت کے وقت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں تشریف لے گئے تو اُسی شام کو مچھلی نے آپ کو دریا کے کنارے باہر نکالا۔ یعنی عصر کے بعد جبکہ سورج قریب غروب کے تھا تو آپ مچھلی کے پیٹ سے باہر تشریف لائے۔ اس روز محرم الحرام کی دسویں تاریخ تھی۔

یومِ عاشورا کے فضائل اسی وجہ سے یومِ عاشورا کو فضیلت حاصل ہے کہ اسی دن قومِ یونس سے عذاب دُور ہُوا، اسی دن حضرت یونس علیہ السّلام مچھلی کے پیٹ سے باہر تشریف لائے۔ یہ ان کے لیے آزمائش تھی جس میں آپ پُورے اُترے۔

حکایت کافروں کا قیدی اسی عاشورہ کے دن قید سے بھاگا تو اس کی طلب میں پہرہ داروں نے اس کا پیچھا کیا۔ جب اس نے دیکھا کہ پیچھے گھوڑسوار اس کو گرفتار کرنے کے لیے اس کے قریب پہنچ چکے ہیں اور یقین کیا کہ اب سوائے گرفتار ہونے کے اور کوئی چارۂ کار نہیں اسی وقت سر آسمان کی طرف اُٹھا کر کہا:

اللّٰھم بحقّ ھذا الیوم المبارک اسأل — اے اللہ! اسی مبارک دن کے صدقے مجھے ان ظالموں سے

---

[۱] مبارک اشخاص و مبارک امکنہ و مبارک ازمنہ کے طفیل دُعا مانگنا اہلسنّت کے نزدیک جائز ہے لیکن وہابی اسے شرک کہتے ہیں۔ ۱۲

ان تنجینی منھم ۔ نجات دے ۔

اس کی دُعا مستجاب ہُوئی تو اللہ تعالیٰ نے ان گھوڑسواروں کو اندھا کر دیا۔ اس طریق سے وہ تیدی بچ گیا۔ اس نے شکرانہ کے طور اسی دن روزہ رکھا۔ شام کے وقت اس کے پاس کوئی ایسی چیز نہ تھی جس سے وہ روزہ افطار کر سکتا۔ ایسے بھُوکا پیاسا ہی سوگیا تو نیند میں اسے کھلایا پلایا گیا۔ اس کی یہ برکت ہُوئی کہ وہ بیس سال تک زندہ رہا اسے کھانے پینے کی طلب نہ ہُوئی۔ (کذا فی روضتہ العلماء)

عاشورا کے روزے کا ثواب جو شخص عاشورا کے دن روزہ رکھے اسے اللہ تعالٰے دس ہزار فرشتوں کی نیکی کا اور دس ہزار حاجیوں کے حجوں کا اور دس ہزار شہیدوں کا ثواب بخشتا ہے۔ (کذا فی تنبیہ الغافلین)

عاشورا کا غسل مروی ہے کہ اسی عاشورا کے دن اللہ تعالیٰ زمزم کا پانی دُنیا کے تمام پانیوں میں پہنچاتا ہے۔ فلہذا جو شخص اس دن غسل کرے گا کسی بیماری میں مبتلا نہ ہوگا۔ (کذا فی روضتہ الفائق)

رافضیوں شیعوں کا ردّ عاشورا کے دن خیر خیرات اور روزے اور ذکر وفکر میں مشغول رہنا مستحب ہے لیکن رافضیوں شیعوں، ناصبیوں یعنی خارجیوں کی طرح اسے عید کا دن نہ بنایا جائے۔ (کذا فی عقد الدر)

عاشورا کے دن سُرمہ عاشورا کے دن سُرمہ اور دُوسری زیب وزینت اگرچہ شرعًا جائز ہے اور اس کی دلیل بھی ہے لیکن خارجی لوگوں نے اسی دن میں زیب وزینت اور سُرمہ وغیرہ کو اپنا شعار بنا رکھا ہے تو اس کا ترک سنت ہے جیسے انگشتری (چاندی کی) دائیں ہاتھ میں پہننا سنت ہے لیکن چونکہ یہ اہل بدعت کا شعار ہے اس لئے بجائے دائیں ہاتھ کے بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی میں پہننا سنت ہے یہی ہمارے زمانے کا حکم ہے[1]۔ (کذا فی شرح القہستانی)

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِیْعًا ط اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو زمین والے سب کے سب مومن ہو جائیں یعنی مومن ہونے پر سارے مجتمع ہوں کوئی بھی انمیں مختلف نہ ہو لیکن اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا اس لیے کہ یہ اسکی حکمت کے خلاف ہے کیونکہ تکوین وتشریع کی اصل غرض یہی تھی کہ ہر ایک اپنے اختیار وارادہ سے ایمان وکفر کرے ایسا نہیں ہوگا کہ بندہ تو کفر کو چاہے لیکن اللہ تعالیٰ اسے مومن بنائے اور وہ ایمان چاہے تو اللہ تعالیٰ اسے کافر بنائے اس اختیار وارادہ سے ازلی مٹھی بھرنے کی تکمیل مطلوب ہے اس لیے ہر ایک کے اندر کفر وایمان کی استعداد پیدا فرمائی تاکہ تکلیف

---

[1] اگرچہ سنت ہے لیکن متقیوں نے ترک کو افضل بتایا ہے بالخصوص ہمارے دَور میں عوام چھلے، انگشتری عام پہننے لگ گئے ہیں اسی لیے علماء کرام کو نہ پہننا چاہیے اس لیے کہ عوام کو کیا خبر کہ کتنا اور کونسی انگشتری سنت ہے۔ وُہ تو سمجھتے ہیں کہ جب علماء پہنتے ہیں تو ہم کیوں نہ پہنیں۔ پھر وہ سونا، چاندی، لوہا ہر قسم کے چھلے انگشتری وغیرہ کا عام استعمال کرتے ہیں۔

(ایمان وکفر) صحیح ہو۔

ف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت حرص تھی کہ تمام لوگ مومن ہو جائیں اور آپ کی رحمت کا تقاضا بھی یونہی تھا کیونکہ آپ کی رحمت یہی چاہتی ہے کہ تمام ایمان سے نوازے جائیں تاکہ انھیں اللہ تعالٰے کی مغفرت نصیب ہو۔

ایک ولی اللہ کی نازنینی اور اللہ تعالیٰ کی نازبرداری حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور کو جارہے تھے کہ راستے میں ایک ولی کامل سے گزر ہوا انہیں کہا السلام علیکم۔ ولی اللہ نے سلام کا جواب نہ دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور پر اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہوئے تو عرض کی : یا اللہ! میں نے راستہ میں تیرے بندے کو السلام علیکم کہا تو اس نے جواب نہیں دیا، اس کی کیا وجہ ہے؟ اللہ تعالٰے نے فرمایا : وہ میرے ساتھ چند دن سے رُوٹھا ہوا ہے وہ مجھ سے نہیں بولتا۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی وہ کیوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ کہتا ہے کہ عالم دُنیا کے تمام گنہگاروں کو بخش دے اور جتنے جہنم میں ہیں ان کو بھی جہنم سے نکال کر بہشت میں داخل کر دے۔ میں نے اپنی حکمت کے تقاضا پر اس کی بات نہیں مانی تو اس نے میرے ساتھ بولنا چھوڑ دیا۔ (کذا فی الواقعات المحمودیہ)

شانِ نزول حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ وہ چاہتے ہیں کہ تمام لوگ مومن ہو جائیں تو آیت ذیل نازل فرمائی کہ اے محبوب علیہ السلام! آپ کی اُمت کا ایمان قبول کرنا میری مشیت پر موقوف ہے۔

اَفَاَنْتَ آپ کا رب چاہے نہ چاہے کیا آپ تُكْرِهُ النَّاسَ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے خلاف مجبور کریں گے۔
حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ یہاں تک کہ وہ سب کے سب مومن ہو جائیں۔ یہ آپ کے اختیار میں نہیں۔ (کذا فی الکواشی)

یہ انکار (عدم اختیار) اس طرف متوجہ ہے کہ لوگوں کو ایمان پر مشیتِ ایزدی کے خلاف مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ (کذا فی الارشاد) اکراہ پر حرفِ استفہام کے دخول سے معلوم ہوتا ہے کہ نفس اکراہ امر ممکن ہے

وہابیت و دیوبندیت کا رد لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ بندہ اللہ تعالیٰ کو کسی امر پر مجبور کر سکتا ہے وہ بندہ کتنا ہی بلند قدر اور امر کتنا ہی سہل ہو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں کسی کو شریک نہیں کیا جا سکتا وہ ہر طرح سے اپنی قدرت کا آپ مالک ہے وہ اپنے بندوں کے قلوب جس طرف چاہے موڑ سکتا ہے، مختار ہے کسی بشر کو اختیار نہیں کہ اس کی مشیت کے خلاف کرے۔

سید شریف کے قول سے وہابیہ دیوبندیہ کا رد حضرت سید شریف شرح المفتاح میں لکھتے ہیں کہ افانت تکرہ الناس الخ سے مخاطب سے فعل کے صدور کا انکار ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ اصل فعل کے تقرر کے باوجود فاعل سے فعل کے صدور کا انکار ہے (بہرحال بات وہی ہے جو ہم نے اُوپر لکھی ہے کہ اختیار صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔ انبیاء و اولیاء اللہ تعالیٰ کی مشیت و رضا کے خلاف نہیں کرتے اور وہ جو کچھ کرتے ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا اختیار ہوتا ہے۔)

ف : انت کی تقدیم حکم انکار کی تقویت کے لیے ہے۔ (کذا فی حواشی المفتی سعدی)

ف : یہ آیت آیتِ قتال سے منسوخ ہے (کذا قال الکاشفی) لیکن تبیان میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں۔ اس لیے کہ لا اکراہ علی الایمان (ایمان کے لیے کسی کو مجبور نہیں کیا جا سکتا) کیونکہ وہ قلب کا فعل ہے اور وہ کسی کے مجبور کرنے پر مجبور نہیں ہوتا۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ جس نفس کے لیے جسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ ایمان لائے گا تو وہ ایمان نہیں لاتا اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ط اللہ تعالیٰ کے اذن سے یعنی ایمان لانا اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کی تسہیل و توفیق سے ہوتا ہے۔ اسی لیے اسے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کسی کے ایمان لانے کے لیے جدوجہد نہ فرمائیے صرف آپ کو ہدایت کی راہ دکھانے اور بتانے کے لیے بھیجا گیا ہے وہ آپ کریں، باقی کسی کو ایمان سے نوازنا نہ نوازنا میرا اپنا کام ہے۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

رضا بدادہ بدہ وز جبیں گرہ بکشا

کہ بر من و تو در اختیار نکشادہ است

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی رضا کے سامنے سر جھکاؤ اس سے چیں بہ جبیں نہ ہو، اس لیے کہ اس میں تمہارا اور ہمارا کوئی اختیار نہیں۔

وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ○ اور کفر کی نجاست ان کے نصیب ہے جو بے عقل ہیں۔

سوال: تم نے رجس کے ساتھ کفر کی قید کیوں لگائی۔

جواب۱: پہلے کفر کا ذکر ہو رہا تھا اسی لیے ہم نے اس قرینہ پر کفر کو ساتھ ملایا۔

جواب۲: الرجس ہر وہ شے جس سے طبیعت کو نفرت اور کراہت ہو۔ اسی طرح ہر قبیح کو رجس کہا جاتا ہے اور کفر سے طبع سلیم کو کراہت و نفرت ہوتی ہے نیز علمی اعتبار سے کفر سے قبیح تر اور کیا شے ہو سکتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ بے عقلوں پر باقی رکھتا ہے اور کافروں کو بے عقلوں سے اس لیے تعبیر فرمایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دلائل و آیات کو دیکھنے سننے کے باوجود ان کے عقول ایسے اندھے ہیں کہ وہ ہدایت نہیں حاصل کر سکتے اسی لیے ایمان کو اذن سے متعلق فرما کر آخر میں فرمایا کہ ایسے لوگ نتائج کفر و ضلال میں ہمیشہ ڈوبے رہیں گے۔

تفسیر صوفیانہ

ویجعل الرجس اللہ تعالیٰ حجاب کا عذاب مسلط فرماتا ہے علی الذین لا یعقلون ان لوگوں پر جو اللہ تعالیٰ کے طریقۂ ہدایت و خذلان کو نہیں جانتے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے کہ وہ ان عقول کو توحید و معرفت کی ہدایت سے نوازتا ہے جنہیں نورِ ایمان سے تائید نصیب ہوئی اور وہ عقول جو نورِ ایمان سے محروم ہیں انہیں یہ دولت حاصل نہیں ہوتی۔

ف : اس سے فلاسفہ کا رد ہوا وہ کہتے ہیں کہ نورِ ایمان کے بغیر بھی توحید و معرفت حاصل ہو سکتی ہے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

اے کہ از دفترِ عقل آیت عشق آموزی
ترسم این نکتہ بتحقیق نتوانی دانست

ترجمہ : عقل کی دفتر سے عشق کا سبق سیکھنے والو ! مجھے خطرہ ہے کہ تم اس سے کچھ نہیں سمجھ سکو گے۔

تفسیر عالمانہ قُلِ انْظُرُوْا اے اہلِ مکہ! تفکر کرو مَاذَا محلاً مرفوع مبتدا ہے فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مبتدا کی خبر ہے یعنی آسمانوں اور زمینوں کے عجائبات کیسے عجیب و غریب ہیں جنھیں اللہ تعالےٰ نے اپنی صفت سے بنایا یہ سب اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی کمال قدرت پر دلالت کرتے ہیں۔

تحقیق مَاذَا یہ دو اسموں کو ایک کیا گیا ہے اشارہ کے ساتھ اکثر استفہام کے لیے استعمال ہوتا ہے اور یہ بھی ہے کہ یہ دو اسم ہوں بمعنے ما الذی۔ ما محلاً مرفوع مبتدا ہے اور فِی السّمٰوٰتِ الخ ظرف الذی کا صلہ ہے موصول اپنے صلہ سے مل کر مبتدا کی خبر، مبتدا اپنی خبر سے مل کر محلاً مجرور ہے اس کا حرف جر محذوف ہے اس معنے پر استفہام کا تعلق انظروا سے ہوگا۔

وَمَا نافیہ ہے تُغْنِی الْاٰیٰتُ وَالنُّذُرُ یہ نذیر کی جمع ہے فعیل بمعنے مفعل یعنے منذر ہے یا نذیر مصدر ہے یعنی نفع نہیں دیتے آیات انفسیہ و آفاقیہ جو اللہ تعالےٰ کی وحدانیت پر دلالت کرتے ہیں اور نہ ہی ڈرانے والے رُسل یا ڈرانے والے امور عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ○ ان لوگوں کو جو اللہ تعالےٰ کے علم و حکم کے تحت ایمان لانے والے نہیں ۔ فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ پس کفارِ مکہ اور ان جیسے اور کفار انتظار نہیں کرتے اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ مگر اس دن کی جیسے گزشتہ لوگوں کے ایام تھے۔ یعنی ان سے پہلے مشرکین جیسے قوم نوح وعاد وثمود و اصحاب الایکہ و اہل المؤتفکہ تھے یعنی جیسے ان پر واقعات گزرے اور ان پر عذابِ الٰہی کا نزول ہوا اور وہ اس کے مستحق بھی تھے اور یہ بھی اسی عذاب کا انتظار کر رہے ہیں ۔

سوال : کفارِ مکہ تو سرے سے عذاب کے منکر تھے پھر انھیں منتظر کہنا کیسا ؟

جواب : ان کا طرز طریق منتظر جیسا تھا اسی مشابہت سے انہیں منتظر کہا گیا ۔

ف : اہل عرب کا قاعدہ ہے کہ وہ نعمتوں اور عذاب کو ایام سے تعبیر کرتے ہیں اسی طرح گزشتہ خیر و شر کے امور کو بھی ایام کہا جاتا ہے۔

قُلْ آپ ان سے تہدیداً فرمائیے فَانْتَظِرُوْٓا آپنے مقرر کردہ انجام کے عذاب کا انتظار کرو اِنِّيْ مَعَكُمْ

مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ○ میں تمہارے ساتھ اسی عذاب کا انتظار کرتا ہوں۔ بامعنٰے یہ ہے کہ تم میری ہلاکت کا انتظار کرو اور میں تمہاری ہلاکت و تباہی کا انتظار کرتا ہوں اس لیے کہ متقین کا انجام بھلائی ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے۔ ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اس کا فعل محذوف پر عطف ہے جس پر مثل ایام الذین خلوا الخ دلالت کرتا ہے در اصل عبارت یوں تھی :

نهلك ثم ننجي الخ یعنی ہم نے کفار و مشرکین کو تباہ و برباد کر کے رُسل کرام علیہم السلام اور ان پر ایمان والوں کو نزولِ عذاب سے نجات دی مضارع بمعنے ماضی ہے یعنی نهلك و ننجي بمعنے اهلكنا و انجينا ہے۔

كَذٰلِكَ ج ایسی نجات بخشنا حَقًّا عَلَيْنَا یہ فعل اور اس کے معمول کے درمیان جملہ معترضہ ہے اور حقاً فعل مقدر سے منسوب ہے در اصل حق حقاً ہے۔ نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ یعنی ہمارے ذمہ کرم واجب ہے کہ ہم اہلِ ایمان کو ہر شدت اور عذاب سے نجات بخشیں۔

سوال : یہاں پر صرف اہلِ ایمان کا ذکر کیوں؟ حالانکہ ان سے پہلے رسل کرام علیہم السلام کا ذکر ضروری تھا۔

جواب : اہلِ ایمان کی نجات کا دار و مدار رسل کرام کی نجات پر ہے اسی لیے جب طفیلیوں کا ذکر ہوا تو ان کے ذکر کی حاجت نہ رہی۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہوا کہ نجات ایمان پر موقوف ہے اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ تمام اُمتوں کے لیے جاری ہے جیسے رسل کرام علیہم السلام اور ان کے ماننے والوں سے نجات کا وعدہ فرما کر ان کے ساتھ ایفائے عہد فرمایا، ایسے ہی ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جس طرح وعدہ فرمایا اسے ثابت کر دکھلایا۔

اہلِ اسلام کو مژدۂ بہار اسی طرح قیامت تک اہلِ اسلام کو کفار کے پنجۂ ظلم اور ان کے شرور و فتنوں سے محفوظ رکھا جائے گا لیکن شرط یہ ہے کہ وہ شرعی نظام کے خود بھی پابند ہوں اور دوسروں کو بھی سختی سے پابند رکھیں۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

محالست چوں دوست دارد ترا
در دست دشمن گزارد ترا

ترجمہ : محال ہے کہ جب تجھے دوست رکھتا ہے تو دشمن کے پنجہ میں نہیں دے گا۔

موت کے فضائل مومن کی ادنیٰ نجات موت ہے اس لیے کہ موت مومن کا تحفہ ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازہ سے گزرے تو فرمایا : مستریح۔ راحت پا گیا ادصستراح یا اس سے لوگوں نے نجات پائی۔ مستریح نیک لوگوں کے لیے کہ وہ دُنیا کے گورکھ دھندوں سے اور ان کی تکالیف سے جان

پھر اگر برزخ میں روحانی ثواب سے مالا مال ہوں گے اور روحانی ثواب حقیقی نعمتوں کا نصف ہے اور دُوسرا لفظ فاسق و فاجر اور ظالم کے لیے ہے اس لیے کہ اس کے مرنے سے خلقِ خدا آرام کا سانس لے گی اور اس کے ظلم وستم سے نجات پائے گی اور وُہ خود برزخ کے روحانی عذاب میں مبتلا ہوگا اور یہ جہنّم کا نصف عذاب ہے۔ (نعوذ باللہ)

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث شریف : کشادگی کا انتظار افضل عبادت ہے۔

ف : یہ حدیث شریف آیت انتظار و انجاد کے مطابق ہے اس لیے کہ اس میں انسان کے قلب کو استراحت اور صبر کا ثواب نصیب ہوگا کیونکہ مومن کا اعتقاد ہے کہ ہر دُکھ اور تکلیف منجانب اللہ ہے اور اسے دُور کرنے والا بھی صرف وہی ہے وہی رب تعالیٰ بندے سے بلاء دفع فرماتا اور صبر کی توفیق بخشتا ہے اور وہی ہماری گھبراہٹ قلبی دُور فرمائے گا۔ اس عقیدہ کی برکت سے کتنا بڑا دُکھ درد کیوں نہ ہو، مومن چین وآرام میں ہوتا ہے بخلاف جاہل کے کہ وُہ ایسے پاک اعتقاد سے محروم یا بے خبر اور غافل ہے ایسے تصوّرات اس کے دل پر گزرتے ہی نہیں اور نہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ تو تقدیر ربانی ہے اس میں لاکھوں حکمتیں مضمر ہیں اور پھر وُہ اپنے بندوں پر لطف وکرم فرماتا ہے تو پھر مجھے گھبراہٹ کیسی۔ جب اسے یہ اعتقادات نصیب نہیں تو بسا اوقات سمجھتا ہے کہ اس بلائے عظیم سے اسے نجات ہی نہیں ملے گی اس اعتبار سے ضمناً وہ اللہ تعالےٰ کی طرف عجز کا انتساب کر رہا ہے اگرچہ غیر شعوری لحاظ سے۔ لیکن نسبت ضرور کرتا ہے اسی وجہ سے وُہ صبح و مساء دوہری تکلیف میں مبتلا رہتا ہے۔ (نعوذ باللہ)

حضرت حافظ قدس سرّہٗ نے فرمایا: ؎

اے دل صبور باش مخور غم کہ عاقبت
ایں شام صبح گردد و ایں شب سحر شود

ترجمہ : اے دل صبر کر غم نہ کھا اس لیے کہ بالآخر ہر شام کو صبح ہوگی ہر شب کی سحر ہوگی۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث شریف اشتدی ازمۃ منفرجی۔

اے قحط! تُو اپنا زور لگالے، بالآخر تُو ختم ہوگا۔

ف : حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قحط سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تُو مشقّت و شدّت میں اپنا زور لگالے اس لیے کہ بالآخر تجھے ہٹنا ہے۔

اس میں تنبیہ ہے کہ دارِ دنیا میں نہ دُکھ کو بقا ہے نہ سُکھ کو۔

حلِ لغات : ازمۃ قحط اور تنگی کو کہا جاتا ہے۔ بعض نے کہا ازمۃ ایک عورت ہے جو کسی مصیبت میں مبتلا ہُوئی

(باقی بر صفحہ ۳۹۵)

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَاۤ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ
اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ۖۚ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ۙ وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ
وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ
فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا
رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ۭ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ
جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ
وَمَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۝ۭ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚۖ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝

سُوْرَةُ هُوْدٍ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّثَلٰثٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً

الٓرٰ ۫ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝ۙ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنَّنِيْ لَكُمْ
مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ۝ۙ وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰۤى
اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ۭ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ
كَبِيْرٍ ۝ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اَلَاۤ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا
مِنْهُ ۭ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ
بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

ترجمہ : فرمائیے اے لوگو ! اگر تم میرے دین کی طرف سے شک میں ہو تو میں اس کی پرستش نہیں کروں گا جو تم اللہ
کے ماسوا کو پُوجتے ہو لیکن میں اس کی عبادت کرتا ہُوں جو تمہاری جان قبض کرے گا اور مجھے حکم ہے کہ میں اہلِ ایمان
سے ہوں اور یہ کہ اپنا منہ دین کے لیے سیدھا رکھ سب سے علیحدہ ہو کر، اور مشرکوں سے نہ ہو جاؤ اور اللہ کے سوا کسی کی عبادت
نہ کرو جو تمہیں نہ نفع دے سکتے ہیں اور نہ تمہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں پس اگر تم ایسا کروگے تو اس وقت تم ظالموں سے
ہو جاؤ گے اور اگر تمہیں اللہ کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا اسے کوئی دُور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تمہارے ساتھ
بھلائی کا ارادہ کرے تو اس کے فضل کو کوئی روکنے والا نہیں اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے پہنچاتا ہے
اور وہی بخشنے والا ہے مہربان ہے فرمائیے اے لوگو ! تمہارے ہاں تمہارے رب کی طرف سے حق آیا۔ پس جس نے
ہدایت پائی تو وہ اپنے لیے ہی ہدایت پائی اور جو گمراہ ہُوا تو وہ اپنے نقصان کرنے پر بہکا اور میں تم پر کوئی نگراں مقرر
نہیں ہُوا ، اور اس کی اتباع کیجیے جو آپ پر وحی کی جاتی ہے اور صبر کیجیے یہاں تک کہ اللہ فیصلہ فرمائے اور وہی سب سے
اچھا فیصلہ فرمانے والا ہے۔

یہ کتاب ہے جس کی آیات حکمت سے لبریز ہیں پھر تفصیل سے بیان کی گئی ہیں حکمت والے خبیر سے ہیں یہ کہ سوائے اللہ کے کسی کی عبادت نہ کرو بیشک میں تمہارے لیے اس کی طرف سے ڈرانے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں اور یہ کہ اپنے پروردگار سے بخشش مانگو پھر اس کی طرف توبہ کرو پھر ایک وقت مقررہ تک تمہیں زندگی کا بہتر سامان عطا فرماتے گا اور ہر صاحب فضیلت کو اس کا فضل دے گا اور اگر تم مُنہ پھیرو تو میں تم پر بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہُوں اللہ کی طرف تمہارا پھر جانا ہے اور وہ ہر شئے پر قادر ہے خبردار بے شک وُہ اپنے سینے دوہرے کرتے ہیں تاکہ اللہ سے چھپ جائیں خبردار جس وقت وُہ اپنے کپڑوں سے اپنے آپ کو ڈھانپ لیتے ہیں اللہ جانتا ہے جو کچھ وُہ چھپاتے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں بیشک وُہ دلوں کے راز جانتا ہے۔

(بقیہ تفسیر صفحہ ۳۹۳)

تو آپ نے اسے تسلی دیتے ہُوئے فرمایا کہ مصیبت سے مت گھبرائیو اس لیے کہ کبھی تیرے دُکھ، سُکھ سے بدل جائیں گے۔ تنفرجی، انفراج سے ہے اس کا اطلاق دُکھ ٹل جانے کے بعد نعمتوں کے حصول پر ہوتا ہے۔ مثلاً اہل عرب کہتے ہیں: تناھت الشدت انفرجت۔ دُکھ اپنی انتہا کو پہنچے ہیں تو مٹ کر رہیں گے۔ اس کے بعد سُکھ اور آرام ہی ہوگا۔ جیسے ہم کہتے ہیں: روزے رکھے ہیں تو عید بھی کرو گے۔

ف: حضرت ابوالفضل یوسف بن محمد الانصاری المعروف بابن النحوی نے اپنے قصیدے کا مطلع حدیث الفرج پر لکھا ہے حق یہ ہے کہ خوب لکھا ہے۔ (کذا فی المقاصد الحسنہ لخاتمۃ المحدثین والحفاظ للامام السخاوی قدس سرہٗ)

(تفسیر آیات صفحہ گزشتہ)

تفسیر عالمانہ قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اہلِ مکہ کو خطاب ہے اِنْ كُنْتُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ دِیْنِیْ اے اہلِ مکہ! اگر تم میرے لائے ہُوئے دین (جس کے احکام کے مطابق میں اپنے رب تعالےٰ کی عبادت کرتا ہوں) میں شک کرتے ہو کہ اس کی حقیقت اور اس کے اوصاف کیا ہیں فَلَاۤ اَعْبُدُ نہ میں عبادت کرتا ہُوں اور نہ مجھے کوئی تعلق ہے الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ جن کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ ۚۖ لیکن میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہُوں جو بواسطہ ملائکہ تمہاری ارواح قبض کرے گا پھر تمہیں مختلف عذاب میں مبتلا کرے گا۔ یعنی اے مکہ والو! یقین کرلو کہ عبادت اللہ تعالیٰ سے خاص ہے اور تم جہالت سے جن کی پرستش کرتے ہو اسے چھوڑنا ضروری اور لازمی ہے وہ اس لیے کہ ان کا شک عبادۃ الاوثان اور عبادت الٰہی کا سبب نہیں تھا بلکہ ان کے شک کا سبب دین کے اعلام واخبار پر تھا۔ تمہارا دین جس طرح کی باتیں بتاتا ہے اس کی مثال وما بکم من نعمۃ فمن اللہ ہے۔ اس آیت میں

استقرار النعمۃ مخاطبین نعمت کے حصول من اللہ کا سبب نہیں بلکہ معاملہ برعکس ہے ، وہ اخبار بحصول النعمۃ من اللہ کا سبب ہے
وَ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ اور میں مامور من اللہ ہوں کہ میں اہلِ ایمان سے ہوں۔

نکتہ : اعمال جوارح کے بعد ایمان و معرفت کی طرف مضمون کو منتقل کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ جب تک انسان کا ظاہر اعمال صالحہ سے مزین نہ ہو دل میں نورِ ایمان و معرفت جاگزین نہیں ہو سکتا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے احکامِ شرعیہ کو معرفت کی بنیاد بنایا ہے[1]

اس سے واضح ہوا کہ جس کے ہاتھ میں شریعت کا دامن نہیں معرفت کا دعویٰ محض لاف وگزاف ہے اس لیے کہ شریعت کی بنیاد پر معرفت کو استحکام نصیب ہے جب بنیاد ہی گر جائے تو پھر مکان کس طرح قایم رہ سکتا ہے - یا یوں سمجھو کہ معرفت پر شریعت لباس کی مانند ہے جب اس سے لباس اتار لیا جائے تو وہ معرفت کا وجود ہی ختم ہو جائے گا ، جیسے لالٹین کا منہ کھول کر ہوا کے تیز جھونکوں کے سامنے رکھ دیا جائے۔

س

علم آبست و عمل شد چوں سبو
چوں سبو بشکست ریزد آب ازو

ترجمہ : علم معرفت پانی ہے اور اس پر عمل کرنا بمنزلہ گھڑے کے ہے جب گھڑا ٹوٹ جائے تو پانی ختم ہو جائے گا۔

وَ اَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ اس کا عطف اَنْ اَكُوْنَ پر ہے اور یہ اَنْ مصدریہ اور موصول حرفی ہے اور ضروری نہیں کہ اس کا صلہ جملہ خبریہ ہو بخلاف موصول اسمی کے - اب معنیٰ یہ ہوا کہ میں مامور من اللہ ہوں کہ دین پر استقامت رکھوں اور ادائیگی فرائض اور برائیوں سے بچنے پر سختی سے پابندی کروں۔ (کذا فی تفسیر القاضی)

تفسیر صوفیانہ

ابن الشیخ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ اقامۃ الوجہ للدین میں اشارہ ہے کہ نفس کو کلی طور پر عبادتِ الٰہی اور اعراض عن ماسوی اللہ میں لگا دے - اور قاعدہ ہے کہ جو شخص کسی کو غور و خوض سے دیکھتا ہے تو دائیں بائیں جانب بلکہ ہر طرف سے نگاہ روک کر دیکھتا ہے اگر دائیں بائیں یا کسی اور طرف دیکھے گا تو اسے غور و خوض کا دیکھنا نہ کہا جائے گا اور رویت کا اصلی مقصد پورا نہ ہو گا اسی لیے آیت میں اشارہ کیا گیا ہے کہ اپنی تمام قوتیں دینِ حق پر صرف کر دی جائیں۔

---

[1] لیکن بعض جاہل پیر کہتے ہیں کہ احکامِ شریعت اور ہیں اور معرفت و حقیقت کے اور۔ یہ ان کی محض جہالت ہی نہیں بلکہ حماقت بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ جاہل پیروں اور جاہل مریدوں کو سمجھ عطا فرمائے (آمین) ان جاہلوں نے ہمارے مسلک اہل سنت کو بدنام کر دیا ہے۔ ۱۲

ف: تفسیر الکواشی میں ہے: آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ کامل مومن ہو کر عمل صالح صرف اللہ تعالیٰ کی رضا پر بجالاؤ اور بس۔

ے

عبادت باخلاص نیت نکوست
وگرنہ چہ آید ز بے مغز پوست

ترجمہ: خالص نیت سے عبادت ضروری ہے ورنہ صرف پوست سے کیا حاصل ہو گا۔

تفسیر عالمانہ حَنِیْفًاج یہ دین سے حال ہے یعنی ادیان باطلہ سے منہ موڑ کر دینِ حق کی طرف ایسی توجہ کیجئے کہ اس میں ہر طرح سے کسی کجی کا شائبہ تک نہ ہو وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ اور اعتقاداً و عملاً مشرکین سے نہ ہو جائیے۔ اس کا اَقِمْ پہ عطف ہے اور اسکے حکم میں داخل ہے۔

حضرت الامام نے فرمایا:

صُوفیانہ مطلب جو اپنے مالک کی معرفت سے بہرہ ور ہو کر غیر اللہ کی طرف متوجہ ہو تو صوفیاءِ کرام کے نزدیک یہ بھی شرک ہے اور اسے اہلِ دل شرکِ خفی سے تعبیر کرتے ہیں۔

ے

اگر بغیر تو کردم نگاہ در ہمہ عمر
بیاد جرم غرامت ز دیدہ ام بستاں

ترجمہ: اگر تیرے بغیر عمر میں ایک دفعہ کسی کو دیکھوں تو اس کی سزا یہ ہے کہ میری ہی آنکھیں لے لیں۔

وَلَا تَدْعُ اس کا قل یا ایھا الناس پر عطف ہے لیکن امر کے حکم میں داخل نہیں مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ تعالےٰ کے ماسوا کی استقلالاً و اشتراکاً عبادت نہ کیجئے مَا لَا يَنْفَعُكَ اس ماسوا کو جب دُکھ ٹالنے یا بھلائی کے حصول کے لیے پکارا جائے تو وہ تمہیں کسی قسم کا نفع نہیں دے سکتے وَلَا يَضُرُّكَ ج اور ان کی عبادت ترک کی جائے تو وہ تمہارے سے بھلائی روکنے کا نقصان نہیں پہنچا سکتے اور نہ ہی وہ تمہیں کسی قسم کی تکلیف میں مبتلا کر سکتے ہیں فَاِنْ فَعَلْتَ جن امور سے تمہیں روکا گیا، یعنی غیر اللہ کی پرستش سے روکنے کے باوجود اگر تم اس کا ارتکاب کرو گے فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ تو تم ظالمین سے ہو جاؤ گے یعنی اپنے آپ کو نقصان میں ڈالو گے اس لیے کہ غیر اللہ ہر طرح کے تصرف سے خالی ہے تو تم نے اس کی طرف تصرف کی اضافت کی اسی بنا پہ ایک فعل کو غیر محل میں رکھا۔ اس معنے پر ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ نے ظالم فرمایا۔ اس لئے کہ حقیقی نافع و ضار صرف اللہ تعالیٰ ہے اس کے سوا باقی ہر شے کو فنا ہے۔

ے

خیال جملہ جہاں را بنور چشم یقیں
بجنب بحرِ حقیقت سراب مے بینم

ترجمہ: چشمِ یقین کے نور سے میں تمام جہان کو بحرِ حقیقت کے سامنے سراب دیکھتا ہوں۔
وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں کسی مرض یا فقروفاقہ میں مبتلا کرنے فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ تو اسے تجھ سے کوئی ہٹانے والا نہیں اِلَّا هُوَ ج سوائے اسی واحد لاشریک لہ کے وَاِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ اور اگر وُہ تمہیں خیر و عافیت اور تونگری و راحت سے نوازے فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ط تو اس کے فضل و کرم کو کوئی ردّ کرنے والا نہیں منجملہ اس کے یہ بھی ہے کہ آپ کو ہر طرح کی خیر سے نوازا ہے تو اب کون ہے جو آپ سے یہ خیر و برکت روک سکے اس تمام تقریر میں نفع و نقصان اور خیر و شر کی نفی سے بُت مراد ہیں[1]
مسئلہ: اس سے معلوم ہُوا کہ کسی کو خیر و برکت نصیب ہوتی ہے تو وُہ اللہ تعالےٰ کا اپنا فضل و کرم ہوتا ہے اس پر کسی کا حق نہیں کہ وہ اسی کے استحقاق کے پیشِ نظر کچھ بخشے۔
سوال: خیر میں ارادہ اور شر میں لفظ مَس، اس کی کیا وجہ ہے؛ حالانکہ خیر و شر لازم و ملزوم ہیں اسی لیے ان کے لیے ایک جیسا فعل لانا ضروری تھا۔
جواب: اس میں اشارہ ہے کہ خیر رسانی اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے اور وُہ بلا سبب صادر ہوتی ہے بخلاف ضرر کے کہ وہ اس وقت پہنچتا ہے جب اس کے اسباب خارجیہ ہوں قصداً اور ارادۃً اللہ تعالیٰ کسی کو ضرر نہیں پہنچاتا اسی لیے خیر میں استثنا نہیں اور ضرر میں استثنا ہے اسی طرف اشارہ ہے کہ خیر کا تعلق اللہ تعالےٰ کے ارادے سے ہے اگر یہاں بھی استثنا ہوتا تو معنیٰ یہ ہوتا کہ اس کا ارادہ ضرر کے ساتھ بھی ہے اور خیر کے ساتھ بھی، اور یہ اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہے اس لئے کہ بیک وقت دو نقیضوں کے لیے دو ارادے نہیں ہوتے بخلاف ضرر کے کہ کشفِ ضرر کسی محال کو مستلزم نہیں۔
یُصِیْبُ بِهٖ اپنے فضل و کرم سے بھلائی پہنچاتا ہے محبوب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں یا کوئی اور سب کو اللہ تعالیٰ کا فضل شامل ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:
مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ط وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ○ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اور وہ غفور رحیم ہے اس لیے بوجہ گناہ اس کی مغفرت سے نا اُمید نہ ہو جاؤ بلکہ اس کی طاعت سے اس کی رحمت کو حاصل کرو۔
تفسیر صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ وھو الغفور یعنے اپنے ذاتی نور سے وجود صدیقین کی ظلمت کو

---

[1] لیکن وہابیت دیوبندیت کا یہ تیر سیدھا نبوت و ولایت پر برستا ہے۔ (نعوذ باللہ من الوہابیۃ وسائر المذاہب الباطلۃ) ۱۲

چھپاتا ہے الرّحیم طالبین صادقین کو اپنی رحمت کے قریب فرماتا ہے۔ اور طالبین صادقین سے وُہ لوگ مراد ہیں جن کا دین عبادتِ الٰہی اور اس کی طاعت و محبت و طلب ہے وُہ خواہش نفسانی اور دُنیا کی عبادت اور ان کی طاعت و محبت سے کوسوں دُور ہیں۔

ف : مفاتیح میں ہے کہ غفور کا معنیٰ یہ ہے کہ دُنیا میں قبائح و ذنوب کو ڈھانپے اور آخرت میں عقاب و مواخذہ نہ فرمائے اور عارفین اس اسم سے متعلق یُوں ہوں کہ وُہ اپنے بھائیوں کے عیوب و نقائص کو جہاں تک ہو سکے چھپائیں۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص اپنے بھائی مومن کو ڈھانپتا ہے تو قیامت میں اللہ تعالےٰ اسے ڈھانپے گا۔

مسئلہ : گلہ گو، لوگوں کے عیوب کی تلاش کرنے والا اور بُرائی کا بُرائی سے بدلہ دینے والا ان مراعات کے لائق نہیں، اسی لیے اسم غفور سے وہ متصف ہے جو دُوسروں کی نیکیوں کا افشا کرنا اور اُن کی بُرائیوں کو چھپاتا ہے۔

حکایت حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریین کے ساتھ ایک مردار کُتے سے گزرے جس کی بدبُو سے دماغ کھولنے لگ جاتا آپ کے حواریین نے کہا کہ کتنا بدبُودار ہے؛ آپ نے فرمایا کہ اس کے دانت کیسے صاف سُتھرے اور سفید ہیں۔ آپ کے حواریین کُتے کے عیوب اور آپ اس کی اچھائی بیان فرماتے تاکہ تنبیہ ہو کہ کوئی کتنا ہی بُرا کیوں نہ ہو تم عیوب کے بجائے اس کے محاسن بیان کرو۔ (کذا فی شرح الاسماء الحسنیٰ للامام غزالی قدس سرّہٗ)

حضرت مولانا روم قدس سرّہٗ مثنوی شریف میں لفظ رحیم کے متعلق فرماتے ہیں: ؎

بندگانِ حق رحیم و بُردبار
خُوئے حق دارند در اصلاح کار
مہرباں بے رشوتاں یاری گراں
در مقام سخت و در روزگراں

ترجمہ: اللہ کے بندے رحیم و بُردبار ہوتے ہیں وہ اصلاح کار اللہ تعالیٰ کے طریقہ پر عمل کرتے ہیں وہ بغیر کسی لالچ کے مدد کرتے ہیں جب کسی کو کوئی دکھ درد پہنچے تو۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وُہ ہم پر رحمت کا مینہ برسائے اور ہمیں اپنے فضل و مغفرت کے کاسوں سے لبریز فرمائے۔

تفسیر عالمانہ قُلْ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کفارِ مکہ سے فرمائیے یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ج اے لوگو! تمہارے ہاں تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے حق آیا، یہاں پر حق سے قرآنِ عظیم مراد ہے تمہارے ہاں قرآن مجید نازل ہُوا تم نے اسے سُنا اور اس کے دلائل واضح اور ہدایت کی باتیں ایسی

روشن ہیں کہ اب تمہیں عذر کی گنجائش نہیں اور اللہ تعالیٰ کے سامنے کوئی حجت بازی کر سکتے ہو فَمَنِ اهْتَدٰى پس وہ جو اس پر ایمان لا کر اس کے فرمودات پر عمل کرتا ہے فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ج تو وہ اپنے لیے ہدایت پاتا ہے یعنی اس کی اہتدا کا نفع اس کی اپنی ذات کو پہنچے گا وَمَنْ ضَلَّ اور وہ قرآن مجید سے اعراض اور کفر کر کے گمراہ ہو گیا فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ج تو اس کی گمراہی کا وبال بھی خصوصیت سے صرف اسی کے سر پر ہو گا۔

شانِ رسالت کی دلیل اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک دامنی کا اظہار مطلوب ہے کہ آپ تمہیں تبلیغ فرماتے ہیں تو اس میں آپ کا اپنا ذاتی نفع نہیں اور نہ ہی اس سے انہیں کوئی ضرر کا خطرہ ہے۔ آپ جو کچھ تمہیں نصیحت فرما رہے ہیں اس کا نفع و نقصان تمہارا اپنا ہے مان جاؤ گے تو فائدہ پاؤ گے نہیں مانو گے تو نقصان اُٹھاؤ گے۔ اسی لیے فعل (جاء) کا اسناد حق کی طرف ہے تاکہ کوئی شانِ رسالت پر بدگمانی جیسی لعنت میں مبتلا نہ ہو[1]

وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ○ اور میں تمہارا نگران نہیں ہوں کہ تمہارا ہر معاملہ میری طرف سپرد ہو میں تو منجانب اللہ بشیر و نذیر ہوں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے قد جاءکم الحق من ربکم میں حق سے قرآن مجید مراد ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے فمن اهتدٰی جو بھی اس مضبوط رسی کو مضبوطی سے پکڑتا ہے، فانما یہتدی لنفسہ تو اللہ تعالیٰ اسے اسفل سافلین سے نجات دے کر اعلیٰ علیین کی طرف لوٹاتا ہے ومن ضل اور جو اس رسی کو مضبوطی سے نہیں پکڑتا فانما یضل علیہا تو اس گمراہی کا نقصان اسی کو ہو گا اس لیے کہ وہ دُنیا کے گڑھے یعنی اسفل السافلین میں رہ کر اللہ تعالیٰ سے دُور رہے گا بلکہ اسے بُعد و فراق کی آگ کے دردناک عذاب میں مبتلا کیا جائے گا وما انا علیکم بوکیل میں تمہارا وکیل نہیں کہ لازماً تمہیں ان اعلیٰ مقامات اور بلند درجات پر پہنچاؤں اور اللہ تعالیٰ کے اختیار کے بغیر سفلیات و درکات میں پھینکوں بلکہ میں وحی و رسالت اور تذکیر و موعظت کی تبلیغ پر مامور ہوں۔

تفسیر عالمانہ وَاتَّبِعْ اعتقاداً وعملاً و تبلیغاً آپ تابعداری کیجئے مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ اس کی جو آپ کی طرف وحی بھیجی جاتی ہے یعنی جیسے اس میں حق کے بتائے ہوئے طریقے مؤکد طور واضح ہوئے آپ انہی پر ہر آن اور دائماً عمل فرمایئے وَاصْبِرْ آپ جب انہیں دعوتِ اسلام دیتے ہیں اور وہ آپ کو اذیت پہنچاتے ہیں تو آپ صبر فرمایئے حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ج یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے یعنی آپ کو فتح و نصرت بخشے اور آپ کے دین کو تمام ادیان پر غلبہ عطا فرمائے وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ○ وہی تمام فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہے اس لیے

---

[1] یہ ہے قانونِ حق اور وہ ہے عادت وہابیہ کی اپنے نبی علیہ السلام کے ہر معاملہ میں بدگمانی ۔۱۲

کہ اس کے فیصلے میں کسی قسم کی خطا کا وہم وگمان نہیں ہے اس لیے کہ اس کے علم کے آگے ظواہر و بواطن کی ہر شے برابر ہے۔

ے

ہر سپیدی تا سیاہی گیر و تا لوح وقلم
یک رقم از خط حکمش وھو خیرالحاکمین

ترجمہ: ہر سپیدی سے تا سیاہی پھر لوح وقلم تک اسی کا حکم نافذ ہے وہی خیر الحاکمین ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ان لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ خیر الحاکمین ہے جو دعوتِ الٰہی کو قبول کرتا اور قرآن اور اس کے احکام پر بدل وجان عمل کرتا ہے یہ اسے ہے جسے ازل سے عنایت ازلیہ نصیب ہوتی ہے اور جو دعوتِ الٰہی کو ٹھکراتا اور قرآن اور اس کے احکام پر عمل نہیں کرتے وہی ازلی بدبخت ہیں۔

ف: اسم الحاکم کا مرجع قول فیصل بین الحق والباطل کی طرف ہے اسی طرح نیک اور بُرے کے درمیان یہی اسم فرق کرتا ہے اور ہر نفس کی جزائے خیر وشر کو بیان کرتا ہے یا اس کا مرجع تمیز ما بین السعید والشقی کی طرف ہے کہ سعید کو ثواب اور شقی کو سزا نصیب ہوگی۔

ف: اس سے بندے کو فائدہ یہ ہے کہ وہ اس کے احکام کے سامنے سرِ تسلیم خم کر کے ان پر دل وجان سے عمل کرے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر کو دل سے نہیں مانتا تو اس پر تقدیر بالاجبار والاکراہ جاری ہوگی چاہے یا نہ چاہے اگر دل سے مانے تو زندگی خیر سے بسر ہوگی اور موت کے بعد بھی عیش وعشرت نصیب ہوگی اس کی دلیل اور نہ سہی تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ ہمارے لیے کافی ہے۔ چنانچہ آپ اللہ تعالیٰ کی ہر تقدیر کے سامنے سر جھکاتے اور ہر بلا ومصیبت کے وقت صبر فرماتے۔ اسی لیے زندگی مبارک گزری تو آرام سے، اور آپ کی خواہش کے مطابق آپ کے دین کو وہ فتح ونصرت حاصل ہوئی کہ آپ کے وصال کے بعد بھی دین زندہ ہے بلکہ قیامت سے پہلے چپہ چپہ پر اسی کا غلبہ ہوگا۔ پھر آپ کے وصال کے مراتب کا کیا کہنا۔

مثنوی شریف میں ہے: ے

صد ھزاراں کیمیا حق آفرید
کیمیائے ہمچوں صبر آدم ندید
چونکہ قبض آمد تو در وے بسط بین
تازہ باش و چیں میفکن بر جبین
چشم کو دل ہمچو خر در آخر ست
چشم عاقل در حساب آخر ست

او در آخر چرب می بیند علف
ویں ز قصاب آخرش بیند تلف
آں علف تلخست کیں قصاب داد
بہرلحم ما ترازوی نہاد
صبر می بیند ز پردہ اجتہاد
رُوئے چوں گلنار و زلفیں مراد

ترجمہ : اللہ تعالیٰ نے ہزاروں کیمیا پیدا فرمائے آدمی کے صبر جیسا اور کوئی کیمیا نہیں جب تم پر قبض کا ورود ہو تو اس میں بسط سمجھو تازہ ہو اور ایسے ہی چین بجبین نہ ہو - بیوقوف کے خیالات معاملات دنیویہ میں ہیں اور عقلمند کے تصورات آخرت کے حساب میں ہیں وُہ گدھے کی طرح گھاس کا خواہشمند ہے اور وہ بالآخر قصاب کا منہ دیکھتا ہے وہ گھاس اسے نقصان دہ ثابت ہُوا صبر بالآخر فائدہ دیتا ہے وہ گلنار اور مقصد کو پہنچتا ہے -

حضورِ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کفار کی اذیتوں کی داستان

ان میں ایک یہ ہے کہ جسے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ہم مسجد میں تھے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ معظمہ کے قریب نماز پڑھ رہے تھے اور قریش ایک جگہ بیٹھے ہُوئے تھے ان میں سے ابُوجہل نے کہا تم اس شخص کو دیکھ رہے ہو۔ پھر اوروں نے کہا تم میں کوئی ایسا ہے جو فلاں قبیلہ سے ذبح کردہ اونٹ کی اوجھ اٹھا لائے - ایک روایت میں مشیمۂ آنول آیا ہے جو بچہ پیدا ہونے کے بعد غلاظت نکلتی ہے - پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں جائیں تو وُہ ان کے کندھوں پر رکھ دے - اس پر بدبخت عقبہ بن ابی معیط اُٹھ کھڑا ہُوا اُس نے اُونٹ کی اوجھ لا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں شانوں کے درمیان رکھ دی - حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں رہے اور سر مبارک سجدے سے نہ اُٹھایا اور وہ سب کھڑے ہنستے رہے اور قہقہے لگا لگا کر لوٹ پوٹ ہوتے رہے - ہمیں بھی یہ خطرہ لاحق ہوا کہ وُہ ہم پر بھی ایسی ہی اوجھ لا کر ڈالیں گے، یہاں تک کہ سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا تشریف لائیں اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہ مبارک سے اس اوجھ کو اٹھا پھینکا اور ان بدبختوں کو بُرا بھلا کہتی رہیں - علاوہ ازیں ہمسایہ ہونے کی حیثیت سے چند اور بدبخت ابُولہب، الحکم بن العاص بن امیۃ وعقبہ بن ابی معیط بھی حضور علیہ السلام پر غلاظت ڈالتے تھے - آپ نے دروازے پر کھڑے ہو کر فرمایا: اے ابن عبدمناف! یہی ہمسایگی کا حق ہے - اس کے بعد ان لوگوں نے آپ کے راستہ میں گندگیاں ڈالنی شروع کیں - ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کو بشارت دی کہ تمہیں مبارک ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کو غالب فرمائے گا اور اپنا کلمۂ اسلام مکمل فرمائے گا اور اپنے

نبی کو مدد دے گا۔ اور یہی دشمن جنہیں تم دیکھ رہے ہو عنقریب تمہارے ہاتھوں ذبح ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وہ صحابہ کرام کے ہاتھوں غزوۂ بدر میں بُری طرح مارے گئے۔

ازالۂ وہم حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی اذیت سے یہ نہ سمجھنا کہ اس سے آپ کی تنقیص ہوتی بلکہ اس سے آپ کے علوِ شان و رفعتِ مراتب کا پتہ چلتا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت مرتبہ رکھتے ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی مصیبتوں سے کثیر الصبر اور علم و حوصلہ کے کوہِ استقامت ہیں ورنہ آپ کو یقین تھا کہ آپ کی ہر دُعا مستجاب ہوتی ہے[1] اور آپ کو علم تھا کہ آپ جو کچھ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی قدر و قیمت ہوتی ہے لیکن ساتھ ہی فرما دیا کہ سخت ترین مصائب انبیاء علیہم السلام پر آتے ہیں اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام کی مثال سونے کی ہے کہ جیسے سونے کو آگ سے بہتر سے بہتر بنایا جاتا ہے ایسے ہی انبیاء علیہم پر مصائب نازل کر کے ان کے مراتب و کمالات میں اضافہ کیا جاتا ہے جیسے آگ سونے کے حُسن میں اضافہ کرتی ہے ایسے ہی انبیاء علیہم السلام پر نزولِ مصائب سے رفعتِ درجات ہوتی ہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

طبع را کشتند در حمل بدی
نا حمولی گر بود ہست ایزدی

اے سلیمان درمیان زاغ و باز
حلم حق شو با ہمہ مرغان بساز

اے دو صد بلقیس حکمت را زبون
کہ اھد قومی انھم لا یعلمون

ترجمہ: تکالیف پر صبر کر کے طبع کو ذبح کیا صبر کے مراتب بلند ہیں اے سلیمان! زاغ و باز کے درمیان رہ کر حوصلہ کر کے پرندوں سے موافقت کیجئے دو صد بلقیس تیرے حکم کے آگے سرنگوں ہیں اس لیے کہ آپ نے قوم کو بد دُعا کے بجائے دُعا دی تھی۔

ہم اللہ تعالےٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ وُہ ہمیں حق مبین پر ثابت قدم رکھے اور ہمیں اپنے نفوس امّارہ پر غلبہ عطا فرمائے وہ خیر الحاکمین ہے۔

حضرت علامہ اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ بامداد ربانی و تائید امالی سورۂ یُونس کی تفسیر ۱۱ ذیقعد ۱۱۰۲ھ بروز اتوار ختم ہُوئی۔

---

[1] اس سے وُہ لوگ کچھ سمجھیں جو کہتے ہیں نبی علیہ السلام مجبورِ محض تھے آپ کی کوئی دُعا قبول نہ ہوتی سوائے چند ایک دعاؤں کے ۱۲۔

اور

فقیر اویسی رضوی غفرلہ ربہٗ اس کے ترجمہ سے شب ہفتہ بعد از نماز عشاء ۳ محرم الحرام شریف ۱۳۹۷ھ کو فارغ ہوا بفضلہ و کرمہ فصلی اللہ تعالےٰ علیٰ افضل الانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہ و اصحابہ واولیاء ملتہ وعلماء امتہ اجمعین۔

سُورۃ ہُود

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ بسم اللہ ذات اور الرحمٰن صفت جلال اور الرحیم صفتِ جمال کی طرف اشارہ ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ یہ دونوں صفتیں ذات کے ساتھ قائم ہیں باقی صفات انہی دو صفتوں پر مشتمل ہیں۔ یہ دونوں صفتیں صفات قہر و لطف سے ہیں۔ الٓرٰ یہ سورۃ الٓرٰ ہے۔ یعنی یہ سُورۃ اسی نام سے موسوم ہے۔ اس معنے پر الٓرٰ خبر ہو گی اس کا مبتداء محذوف ہوگا یا ترکیب میں اس کا کوئی محل نہیں۔ یعنی اس کا کوئی اعراب نہیں۔ یہ دوسرے حروفِ تہجیہ کی طرح، اسے تحدی کے لیے لایا گیا ہے یہاں پر یہی مفہوم صحیح ہے اس لیے کہ پہلے معنی پر آنے والی عبارت میں لفظ کتاب مبتداء کی دُوسری خبر ہو گی۔ اب مطلب یہ ہوگا کہ یہ سُورۃ کتاب ہے حالانکہ یہ معنےٰ صحیح نہیں اس لیے کہ یہ سورۃ کتاب حکیم کی چند آیات ہیں جیسے سُورۃ یونس میں ہے۔ کتاب کو بمعنے مکتوب یا لبعض کا نام لے کر کل مراد لینا بھی تکلف ہے اور تکلفات میں پڑنا بھی نامناسب ہے جب بلا تکلف معنیٰ صحیح ہو سکتا ہے تو پھر بلا وجہ تکلف کیوں اور بلا تکلف معنے کا بیان ہم نے پہلے عرض کر دیا ہے۔ (یہی فقیر کے خیال میں آیا ہے جو یقیناً درست ہوگا)

ف: حروف مقطعات کا حقیقی علم اللہ تعالیٰ کو ہے اس لیے کہ یہ اسرار مکتومہ سے ہیں۔ شعبی سے جب ان کی وضاحت طلب کی گئی تو آپ نے فرمایا:

یہ اللہ تعالیٰ کا راز ہے اس کی طلب نہ کرو۔

حروفِ مقطعات اور اولیاءِ کرام اولیاءِ کرام کو ان کے علوم حاصل ہیں۔ چند دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ صاحب رُوح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ:

واللہ تعالیٰ لا یظہر علیٰ غیبہ احداً الا من ارتضٰی من رسول او وارث رسول۔

(روح البیان ج ۴ ص ۹۰ تحت آیت ہذا مطبوعہ قدیم)

۲۔ حدیث شریف میں ہے:

ان من العلم کھیئۃ المکنون لا یعلمه الا العلماء باللہ فاذا نطقوا به لا ینکره الا اھل الغرۃ باللہ [1]

اللہ تعالےٰ کے بعض علوم پوشیدہ موتی جیسے ہیں انھیں صرف عارف باللہ جانتے ہیں اس کا انکار کرنیوالے دھوکہ خوردہ ہیں۔

(رواہ ابومنصور الدیلمی و ابوعبدالرحمٰن السلمی کذا فی الترغیب)

۳۔ رقاشی نے فرمایا:

ھی اسرار اللہ یبدیھا الیٰ امناء اولیاء [2] و سادات النبلا من غیر سماع ولا دراسته وھی من الاسرار التی لم یطلع علیھا الا الخواص۔ (کذا فی فتح القریب)

حروف مقطعہ اسرار الٰہی ہیں جو اللہ تعالےٰ نے اپنے مخصوص بندوں کو بخشے یہ کسی سے پڑھے جاتے ہیں نہ سُنے جاتے ہیں یہ ایسے اسرار ہیں جنہیں صرف خواص ہی جانتے ہیں۔

۴۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنه قال حفظت من رسول اللہ صلی اللہ علیه و سلم وعائین فاما احدھما فبثثته فیکم و اما الاٰخر فلو بثثته قطع ھذا البلعوم۔ (رواہ البخاری وفی المشکوٰۃ فی باب العلم) [2]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو برتن یاد کیے ایک میں نے تم پر واضح کیا دوسرے کو اگر ظاہر کروں تو میرا حلقوم کاٹا جائے۔

ف: امام بخاری نے فرمایا: البلعوم بمعنے مجری الطعام یعنے حلقوم ہے (کذا فی شرح الکردی علی الطریقۃ المحمدیۃ)

تفسیر عالمانہ

ف: سلطان المفسرین والموحدین حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ الٓرٰ بمعنے (انا اللہ اریٰ یعنی میں اللہ دیکھتا ہوں۔ یعنی میں وُہ خدا ہُوں جو مطیعین کی اطاعت اور عاصیوں کی معصیت کو دیکھتا ہُوں اور قیامت میں ہر ایک کو اعمال کے مطابق جزا و سزا دُوں گا۔ اس معنے پر کلمہ الٓرٰ وعد و وعید پر مشتمل ہے۔ (کذا فی تفسیر الکاشفی)

ف: بعض نے فرمایا کہ الف سے آلاؤہ (اس کی نعمتیں) اور لام سے لطفه اور راء سے ربوبیۃ مراد ہے۔

---

[1] جیسے وہابیہ دیوبندیہ وغیرہما۔

[2] یہی ہم اہلسنت کا مذہب ہے الحمدللہ ہم اسلاف صالحین کے طریقہ پر ہیں آج حق و باطل کی پہچان مشکل ہوگئی ہے لیکن یہ تو سب کو معلوم ہے کہ اسلاف صالحین حق پر تھے آج جو لوگ ان کے طریقہ پر ہوں انھیں حق سمجھنے اور جو ان کے طریقے کو گمراہی اور کفر و شرک سے تعبیر کرے اس سے کوسوں دُور بھاگئے۔ وما علینا الا البلاغ۔

(کذا فی تفسیر ابی اللیث)

ان کے علاوہ اور تاویلیں ہم آگے چل کر بیان کریں گے اِن شاء اللہ۔

کِتٰبٌ یہ قرآن کتاب ہے۔ یہی بہت سے مفسرین نے فرمایا ہے اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ اس کی آیات کو اتنا مضبوط و مستحکم کیا گیا ہے کہ ان میں لفظاً یا معناً کسی طرح بھی نقص دخلل نہیں پڑ سکتا۔ اس کو یوں سمجھیے کہ جیسے ایک پختہ مضبوط مکان تیار کیا جائے جسے پتھر، سیمنٹ، لوہا، بجری وغیرہ سے سخت سے سخت طریقوں سے مستحکم بنایا جائے یا اس کا معنٰے یہ ہے کہ اس کی آیات نسخ بمعنے تغیر سے محفوظ ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

مصطفٰے را وعدہ کرد الطاف حق
گر بمیری تو نمیرد این سبق
کس نتاید بیش و کم کردن درو
تو بہ از من حافظے دیگر مجو
تو اگر در زیر خاکے خفتۂ
چوں عصایش دان تو انچہ گفتۂ
ہست قرآن مر ترا ہمچوں عصا
کفر ہا را در کشد ہمچو اژدہا
قاصدانرا بر عصایت دست نی
تو نجیب اے شہ مبارک خفتنی

ترجمہ: الطافِ حق کے مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدے ہیں تم اگر دنیا سے رُخصت ہو جاؤ گے تب بھی وعدے ضرور پُورے ہوں گے ان وعدوں میں کمی بیشی نہ ہو گی مجھ سے بہتر آپ کا نگران اور کوئی نہ ہوگا۔ اگرچہ آپ دنیا میں زیرِ زمین مدفون ہوں گے لیکن آپ کے دین کی نگرانی مضبوط طریقے سے ہوگی، تیرا قرآن معجزانہ طور پر قیامت تک تیرے دین کو زندہ رکھے گا اور کفر کو اژدہا بن کر مٹائے گا۔ آپ آرام سے سوتے رہیں آپ کے دشمن کبھی غلبہ نہیں پا سکیں گے۔

ثُمَّ فُصِّلَتْ پھر تفصیل وار بیان کیے گئے اسی لیے ہر اس ہار کو عقد مفصل کہا جاتا ہے جس کے دو موتیوں کے درمیان خرز ڈالا جائے۔ اب معنٰے یہ ہُوا کہ اس کی آیات فوائد سے ایسے مرصّع ہیں جیسے ہار موتیوں سے مزین ہوتے ہیں۔ یعنے اس کے مقاصد مختلفہ اور معانی عجیبہ جیسے عقاید و احکام و مواعظ و امثال وغیرہ واضح طور بیان کیے گئے ہیں۔

ف : ثم تراخی فی الوجود والوقوع فی الزمان کے لیے نہیں بلکہ تفاوت فی الحکم ای الرتبہ کے لیے ہے یا اس کی تراخی فی الوقت نہیں بلکہ تراخی فی الاخبار مراد ہے اگرچہ جملوں میں عام معنیٰ یہ ہے کہ ان کے نفس مفہوم مراد ہوں کبھی ان سے الاخبار بالمفہوم بھی مراد ہوتا ہے۔ مثلاً ہم کہتے ہیں :

فلان کریم الاصل ثم کریم الفعل۔

اور تراخی سے مجازاً ترتیب مقصود ہے ظاہر ہے کہ ان دونوں خبروں میں حقیقی تراخی ملتفی ہے اس لیے کہ احکام کی خبر کے بعد فوراً تفصیل کی خبر دی گئی ہے یا اس کی تقریر یُوں ہے کہ یہ تراخی باعتبار خبر اوّل و انتہا خبر ثانی کے ہے اور یہ دونوں فعل یعنی اُحکِمَتْ و فُصِّلَتْ ـــــ سُبحان من صغرا لبعوض وکبّر الفیل کے قبیل سے ہے۔ یعنی اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ مچھر پہلے بڑا تھا تو پھر اللہ تعالیٰ نے اسے صغیر کیا، بلکہ اسے ابتداءً ہی صغیر بنا یا گیا ہے۔ اسی طرح فیل (ہاتھی) کے لیے کہا جائے گا۔ بلکہ یہی ماننا پڑے گا کہ اس کے امکان کو بمنزلہ وجود لا یا گیا ہے۔ (کذا فی شرح الہندی علی الکافیہ)

مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝ یہ کتاب کی دُوسری صفت ہے۔ کتاب کی پہلی صفت اس کی جلالت شان بالذات کی وجہ سے، دُوسری صفت من حیث الاضافہ لائی گئی ہے اور لدن بمعنیٰ عند ہے۔ فرق یہ ہے لدن قریب مکان کے لیے استعمال ہوتا ہے اور عند میں قرب بُعد کی کوئی قید نہیں جیسے ہم کہیں . عندی مال . مال حاضر ہو یا غائب لیکن لدی ولدن اس وقت بولا جائے گا جب مال موجود ہو۔ اگر غائب ہو تو لدی ولدن استعمال نہیں ہوتا۔ حکیم و خبیر یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں یعنی حکیم اس لیے کہ اس نے اپنی حکمت کے مطابق قرآن مجید نازل فرمایا ہے اور خبیر اس لیے کہ وُہ ہر ایک کو جانتا ہے کہ کون اس کے ارشاد کو بسر وچشم مانتا ہے اور کون رُوگردانی کرتا ہے۔ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ط یہ مفعول لہ ہے باوجودیکہ شرط موجود ہے لیکن تب بھی اس کے حرف لام کو حذف کر دیا گیا ہے شرط سے مراد یہ ہے کہ مفعول لہ اور معلل بہ فعل کا فاعل ایک ہے اور لام کا حذف کرنا بھی قیاساً ہے وہ یہ کہ اَن مصدریہ سے حرف جر محذوف کرنا جائز ہے۔ یہ عبارت دراصل یُوں تھی :

کتٰب احکمت اٰیٰتہ ثم فصّلت لاجل ان لا تعبدوا الّا اللّٰہ۔

یعنی اہل مکّہ غیر اللہ کی عبادت کو ترک کر کے صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت میں جدوجہد کرو۔ اس سے معلوم ہُوا کہ کتاب اللہ کے نزول کا مقصد صرف یہی ہے کہ عبادت الٰہی بجا لائی جائے باقی امور میں زندگی بسر کرنا گھاٹے اور خسارے کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ۝ بیشک میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لیے نذیر و بشیر ہُوں۔ یہ کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی فرمایا گیا ہے۔ منہ نذیر و بشیر سے حال ہے۔ دراصل عبارت یُوں تھی :

کائنا من جہۃ اللّٰہ۔

یا نذیر و بشیر کے متعلق ہے یعنی میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتا ہُوں اگر تم نے کُفر کیا یعنی اگر تم کفر اور

غیراللہ کی پرستش پہ باقی رہے اور اگر تم ایمان لائے تو میں تمہیں ثواب کی خوشخبری سُناتا ہوں۔
نکتہ : نذیر کو بشیر سے مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ تخویف (ڈرانا) تبشیر (خوشخبری) سے مقدم ہوا کرتی ہے کیونکہ اول تخلیہ پھر تحلیہ۔
وَّ اِنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اور اپنے رب تعالیٰ سے استغفار کرو۔ اس کا عطف ان لا تعبدوا پر ہے اس میں نہی و نفی کا عطف برابر ہے اور یہ ان مصدریہ ہے اور سیبویہ نے ان کا امر و نہی پر داخل ہونا جائز رکھا ہے اس لیے کہ امر و نہی مصدر پہ بھی دلالت کرتے ہیں اور اپنے امر و نہی پہ بھی قائم رہتے ہیں الاستغفار بمعنے طلب المغفرۃ ہے اور مغفرۃ یعنی اللہ تعالیٰ کا دنیا میں اپنے بندوں کے گناہ چھپانا اور آخرت میں ان کی سزا سے درگزر فرمانا۔ **ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ** پھر اس کی طرف توبہ کرو۔ یعنی اس کے حضور میں خلوص قلبی سے توبہ کرو اور پھر اس پر استقامت رکھو۔ (کذا فی بحر العلوم للسمرقندی)
ف : الارشاد میں ہے یعنی اللہ تعالےٰ نے احکام و تفصیل تمہارے لیے اس لیے فرمائی تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی خالص طور عبادت کرو اور تم سے جتنا شرک اور دیگر گناہ صادر ہوئے ان کے لیے مغفرت کی دُعا کرو پھر اس کی طاعت و عبادت میں لگ جاؤ اس معنے پر لفظ ثم اپنے حقیقی معنے تراخی زبانی پر ہوگا یا ان دونوں امور کے مختلف ہونے اور ان کے مابین بعد المنزلۃ کی وجہ سے ثم لایا گیا ہے۔ اس میں تعقیب و تراخی کا اعتبار نہیں کیا گیا اس لیے کہ توبہ اور کلی طور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے اور طلب و مغفرت میں بہت بڑا فرق ہے۔ (کذا ذکرہ الرضی)
ف : فرا نے فرمایا کہ یہاں پہ ثم بمعنے واؤ ہے اس لیے کہ استغفار توبہ کا دُوسرا نام ہے اس لحاظ سے یہ عطف تفسیری ہوگا۔
ف : صاحب رُوح البیان نے فرمایا کہ استغفار و توبہ کے درمیان فرق ہے۔ چنانچہ حدادی نے "ومن یعمل سوءً او یظلم نفسہ ثم یستغفر اللہ" کے تحت لکھا ہے کہ یہاں پہ استغفار سے توبہ صادقہ مراد ہے اس لیے کہ توبہ میں صدق ضروری ہے اور الاستغفار بالاجماع توبہ نہیں اس لیے شرعی توبہ میں ضروری ہے کہ لفظ "تبت و اسات و لا اعود الیہ ابدا فاغفرلی یارب" کہنا ضروری ہے۔
يُّمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا یہاں پر متاعًا مفعول مطلق بمعنے تمتیعًا ہے۔ اس سے زاہد حذف کرکے متاعًا پڑھا گیا ہے اور تمتیع بمعنے کسی شے کو کسی شئے سے متمتع و منتفع بنانا۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ہم تمہیں بہت خوشگوار زندگی بخشیں گے تمہاری خواہش کے مطابق تم سے کوئی شئے ختم نہ ہوگی اور نہ ہی تمہارے عیش کو کوئی شے مکدر و منغص کرے گی۔ **اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى** میعاد مقرر تک یعنی زندگی کے جتنے اوقات تمہارے لیے مقدر ہوئے ہیں اور جب تک تمہیں موت واقع نہ ہوگی تم ان اسباب سے فائدہ اُٹھاتے رہو گے۔

سیاہ خضاب فرعون کا طریقہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالےٰ نے وحی بھیجی کہ آپ فرعون کو فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالےٰ پر ایمان لاؤ تو زندگی بھر تمہیں بادشاہی سے نہیں ہٹایا جائیگا۔ اور تمہیں از سرِ نو جوانی بخشی جاتے گی۔ لیکن ہامان نے اسے روکا اور کہا کہ میں تجھے نوجوان بنا دیتا ہوں۔ چنانچہ یہ کہہ کر سیاہ خضاب تیار کر کے فرعون کی داڑھی پر لگا کر اسے سیاہ بنا دیا۔ سیاہ خضاب سب سے پہلے فرعون نے استعمال کیا۔

مسئلہ: اسی وجہ سے ہمارے نزدیک سیاہ خضاب استعمال کرنا حرام[1] ہے۔

حلِ لغات: الامتاع بمعنے الاطالۃ۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

جبل ماتع۔ بمعنے اونچا پہاڑ۔

اور کہتے ہیں:

قد متع النھار۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب دن لمبا ہو جائے۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ رہتی دُنیا تک تمہیں جڑ کٹ عذاب میں مبتلا نہیں کرے گا۔ (کذا قال العتبی)

ف: یہاں پر دو سوال ہیں:

(۱) حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الدنیا سجن المومن وجنۃ الکافر۔

دنیا مومن کی جیل اور کافر کی بہشت ہے۔

(۲) اور فرمایا:

خص البلاء بالانبیاء ثم الاولیاء ثم الامثل فالامثل۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی بلاؤں کے نزول کے لیے انبیاء علیہم السلام اور اولیاءِ کرام پھر ان کے درجہ والوں کو مخصوص فرمایا ہے۔

سوال: اسی طرح کی اور احادیث ہیں۔ ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ مطیع کو دُنیا میں کسی قسم کی راحت نصیب نہ ہوگی پھر آیت ہذا میں انھیں زندگی بھر امن و سکون کی وسعت کے وعدے کا کیا معنیٰ؟

جوابِ ۱: جس کا دل اللہ تعالےٰ پر فدا ہو جائے وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر پر راضی رہتا ہے اسی لیے اس کی زندگی خوشگوار گزرے گی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کے قول متاعاً حسنا کا معنیٰ یہ کیا گیا ہے کہ وُہ لوگ اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت پر اور اللہ تعالیٰ کی دی ہُوئی ہر تکلیف پر راضی رہتے ہیں اور جو شخص اپنے دل کو اسباب میں لگا دیتا ہے وُہ اپنی محبوب اشیاء کے ضایع ہونے پر سخت پریشان ہو جاتا ہے اسی لیے اس کی زندگی بے چینی سے گزرتی ہے۔

جوابِ ۲: دنیا کو بہ نسبت آخرت کے جیل کہا گیا ہے اس لیے کہ آخرت میں اہلِ ایمان کو جو نعمتیں نصیب ہوں گی دُنیا کی نعمتیں ان کے مقابلے میں کالعدم ہیں۔ اسی لیے آیت میں دُنیا کی راحت کا ذکر احادیث کے خلاف ہے۔

---

[1] اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کا رسالہ "حک العیب عن تسوید الشیب" کا مطالعہ کیجئے۔ ۱۲

حکایت ایک قاضی صاحب بڑے ٹھاٹھ سے اپنے نوکروں اور غلاموں سے کلفان کے بازار سے گزرے۔ دیکھنے والوں کو محسوس ہوتا تھا کہ یہ کوئی وزیر جا رہا ہے رستہ میں قاضی صاحب کو ایک کلفانی یہودی کافر ملا، جس کی شکل نہایت کمزور اور پھٹے پرانے کپڑے اور گندگی کا پسینہ جسم سے بہہ رہا تھا۔ یہودی نے قاضی صاحب کے گھوڑے کی لگام تھام لی اور کہا کہ قاضی صاحب! تمہارے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ہے:

الدنیا سجن المومن وجنۃ الکافر۔

اب حال اس کے برعکس ہے کہ آپ جس حالت میں ہیں بہشت سے کم نہیں، حالانکہ آپ مومن محمدی ہیں۔ اور مجھے آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ دنیا میرے لیے قیدخانہ نہیں تو اور کیا ہے حالانکہ میں آپ کے مذہب میں کافر یہودی ہوں۔ قاضی صاحب نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مومن کو آخرت میں بہت بڑی نعمتوں اور حور و غلمان سے نوازے گا اس کی بہ نسبت یہ دنیا مومن کے لیے قیدخانہ ہے اور کافر کو جو عذاب آخرت میں ملے گا بہ نسبت اس عذاب کے یہ دنیا کافر کے لیے بہشت ہے۔

یہ جواب سن کر یہودی سمجھ گیا اور فوراً کلمۂ اسلام پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

سوال: الیٰ اجل مسمّی سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے دو اجل ہیں۔ چنانچہ کعبی نے لکھا کہ مقتول کے دو اجل ہیں:

۱۔ اجل القتل

۲۔ اجل الموت

اگر مقتول کو قاتل قتل نہ کرتا تو وہ اپنی اجل الموت تک زندہ رہتا۔

اور فلاسفہ نے کہا کہ حیوان کا ایک اجل طبعی ہوتا ہے وہ یہ کہ جب اس کی رطوبت غریزیہ متحلل اور حرارت غریزیہ منطفی ہو، دوسرا اجل اخترامی، وہ بوجہ آفات و امراض کے آتا ہے۔

جواب: ہم اہلسنت کے نزدیک اجل صرف ایک ہوتا ہے لیکن بعض دفعہ وہ کسی سبب سے متعلق ہوتا ہے جیسے ارزاق وغیرہ کو، بعض اوقات اعمال سے متعلق ہوتے ہیں جیسے آیت ہذا میں دنیوی منفعتوں کو استغفار و توبہ سے متعلق کیا گیا ہے اور جیسے حدیث شریف میں ہے کہ صلہ رحمی سے انسان کی زندگی بڑھتی ہے لیکن وہ معلق ہونا اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا ہے بعض مواقع پر اسباب سے اس کا ظہور ہو جاتا ہے جسے فلاسفہ وغیرہ نے دو اجل سمجھ لیا، حالانکہ درحقیقت وہ ایک اجل ہے۔

وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِي فَضْلٍ اعمال و اخلاق و کمالات کے صاحب فضل کو عطا فرماتا ہے فَضْلَهٗ ط اپنا فضلِ خاص۔ یہ ضمیر ہر قسم کی جزا کی طرف راجع ہے اور فضل سے ثواب اور درجاتِ عالیہ مراد ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کسی کے نیک اعمال کی جزا میں کسی قسم کی کمی نہیں کرتا۔

ف: حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو ایک نیکی کرتا ہے اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور جو ایک

بُرائی کرتا ہے اگر وہ دُنیا میں اسی بُرائی کی وجہ سے کسی تکلیف اور درد میں مبتلا ہُوا تو قیامت میں اس کی نیکیوں سے ایک نیکی کو اس کی بُرائی کا بدلہ بنایا جائے گا، اور نو نیکیاں اسے واپس کر دی جائیں گی۔

ف : جوربانی نے فرمایا کہ ذو فضل وہ خوش قسمت انسان ہے جسے ازل سے صاحبِ فضل لکھا گیا ہے اسی لیے عالمِ دُنیا میں آنے کے بعد ذو فضل بنایا جاتا ہے۔ اور جسے یہ فضل نصیب ہوگا اس سے چھینا نہیں جائے گا۔

وَاِنْ تَوَلَّوْا اگر تم توبہ و استغفار سے رُوگردانی کرکے اس پر ڈٹے رہے۔

نکتہ : اسے بشارت کے بعد ذکر کرنے میں اشارہ ہے کہ رحمت کو غضب پر سبقت ہے۔

فَاِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ تو شفقت و رحمت کی وجہ سے تمہارے لیے خوف زدہ ہوں یا امید رکھتا ہُوں عَذَابَ یَوْمٍ کَبِیْرٍ○ بہت بڑی مشقت بھرے دن کے عذاب سے، اس سے قیامت کا دن مراد ہے۔ تبیان میں لکھا ہے کہ قیامت کو یوم کبیر اس لیے کہا گیا ہے کہ اس میں بہت ہولناک امور ہیں۔ اِلَی اللّٰهِ مَرْجِعُکُمْ جہ اللہ تعالیٰ کی طرف تمہارا لوٹنا ہوگا۔ یعنی مرنے کے بعد پھر سزا و جزا کے لیے اُٹھنے کے بعد تمہارا اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہے۔

سوال : مرجع بکسر الجیم از باب ضرب یضرب، قاعدہ ہے کہ جو باب ضرب کا مصدر میمی ہو اسے بفتح العین پڑھا جاتا ہے لیکن یہاں بکسر العین کیوں؟

جواب : یہ شاذ ہے۔

سوال : اللہ تعالیٰ کے کلام میں شاذ کیوں، یہ تو فصاحت کے خلاف ہے۔

جواب : قرآن مجید عرب کی زبان کے مطابق نازل ہُوا ہے اور اہلِ عرب کے نزدیک شاذ فصاحت کے خلاف نہیں اور قرآن مجید میں دُوسرے الفاظ شاذ بھی استعمال ہوئے ہیں۔ چنانچہ یابی اللہ فعل مضارع شاذ ہے اس لیے کہ یہ منع یمنع کے باب پر ہے حالانکہ اس کا قاعدہ ہے کہ عین و لام کے مقابلہ میں حرف حلقی کا ہونا ضروری ہے۔[1]

وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ○ اور وہ ہر شے پر قادر ہے اسی لیے اے کافرو! وہ اللہ تعالیٰ تمہارے عذاب پہنچانے پر بھی قدرت رکھتا ہے کیونکہ عذاب و ثواب اس کے مقدورات میں ہیں۔

مسئلہ : آیت سے توحید و استغفار کی فضیلت ثابت ہُوئی یہی وجہ مومن مستغفر کو دنیا کے عیش و عشرت سے نوازتی ہے واضح ہو کہ توبہ و استغفار سعادتِ دارین کی کُنجی ہے۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث شریف لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ بہشت کا ثمن ہے۔

---

[1] تفصیل کے لیے فقیر کی شرح "ابواب الصرف" دیکھئے۔

حدیث شریف آدم علیہ السلام نے عرض کی، یا اللہ! تُو نے مجھ پر شیطان کو مسلط کیا اور تیری امداد کے بغیر میں اسے بھگا نہیں سکتا۔

اللہ تعالےٰ نے فرمایا! اسے آپ کی تمام اولاد پر مسلط کیا ہے لیکن ان کے لیے محافظین بھی مقرر کیے ہیں جو شیطان کے مکروفریب اور بُرے ساتھیوں سے بچائیں گے۔

آدم علیہ السلام نے عرض کی، کچھ اور عنایت فرمائیے۔

اللہ تعالےٰ نے فرمایا، ایک نیکی کے بجائے دس نیکیاں۔

پھر عرض کی، اس سے کچھ اور عنایت ہو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ کی اولاد کے لیے مَیں اس وقت تک توبہ قبول کروں گا جب تک ان کے جسم میں جان ہو گی۔

عرض کی: کچھ اور۔

اللہ تعالےٰ نے فرمایا: قل یعبادی الذین اسرفوا علیٰ انفسہم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا انہ ھو الغفور الرحیم۔

مسئلہ: یہ ضروری نہیں کہ استغفار گناہوں سے ہو بلکہ استغفار عبادت کے لیے بھی ہوتی ہے بلکہ بہترین عبادت ہے۔ چنانچہ مروی ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر عبادت کے ساتھ استغفار بھی کرتے تھے۔

عرفی نے فرمایا: ؎

مالب آلودہ بہر توبہ بجشایم لب
بانگِ عصیاں می زند ناقوس استغفار ما

ترجمہ: ہم گنہ گاروں نے توبہ کے لیے لب کھولے ہمارے گناہ استغفار کا ناقوس بجاتے ہیں۔

فوائدِ جلیلہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ الٓرٰ میں الف اللہ تعالیٰ اور لام جبریل علیہ السلام اور راء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کرتی ہے کتٰبٌ اُحکمت اٰیٰتہ یہ قرآن ایسی کتاب ہے جس کی آیات حکمتوں سے محکم ہیں۔ کما قال تعالیٰ:

ویعلمکم الکتٰب والحکمۃ۔

اس آیت میں کتاب، قرآن اور الحکمۃ سے وہ حقائق ومعانی واسرار مراد ہیں جو قرآن کی آیات میں مندرج ہیں۔ ثمّ فصلت قرآن کے حقائق اور حکمتیں قلوبِ عارفین کے لیے تفصیل کی گئیں۔ من لدن حکیم یعنی اللہ تعالےٰ نے ان آیات میں وہ حکمتیں امانت رکھی ہیں جنھیں اس کے سوا اور کوئی ان ہیں کوئی امانت نہیں رکھ سکتا۔

اعجاز القرآن کے اسرار سے ایک راز یہ بھی ہے خبیدا اس کی تعلیم اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں دے سکتا اور نہ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے خبر دے۔ کما قال تعالیٰ :

فوجد اعبدا من عباد نا اٰتینٰہ رحمۃ من عند نا وعلمناہ من لدن علما۔

اس میں اشارہ ہے کہ قرآن کے ظاہر معانی ہیں جنہیں اہل لغت جانتے ہیں اور باطنی معانی ہیں ان پر صرف اہل قلوب (اولیاء کرام) کو اطلاع بخشی گئی ہے۔ یہ وہی لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے علم لدنی سے نوازا۔ اور رأس الحکمۃ اور اس کے اسرار یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا اے محبوب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم! اپنی امت سے فرمایئے کہ تم مامور من اللہ ہو کر لا تعبدوا الا اللہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، نہ شیطان کی نہ دنیا، نہ خواہشات نفسانی کی، نہ ماسوی اللہ کی، اننی لکم منہ نذیر میں تمہیں ہجر و فراق سے ڈراتا ہوں اگر تم غیر اللہ کی عبادت یا اس سے محبت یا اس کی اطاعت کرو گے۔ اسی طرح دوزخ میں بعد کے عذاب سے ڈراتا ہوں و بشیر اور تمہیں بشارت سناتا ہوں جب تم اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت اور اس سے محبت کرو تو تمہیں وصال نصیب ہوگا اور وصال بھی دار الجلال میں۔

ف : اس دعوت کے لیے بجائے دوسرے انبیاء علیہم السلام کے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخصوص کیا گیا ہے۔ کما قال تعالیٰ :

یاَیھا النبی انا ارسلنٰک شاھداً و مبشراً و نذیراً و داعیاً الی اللہ باذنہ۔

وان استغفروا ربکم اور اپنے رب تعالیٰ سے بخشش مانگو ان کوتاہیوں کی جو تم سے زندگی میں ہوئیں جبکہ تم نے غیر اللہ کی طلب میں وقت ضایع کیا اور اللہ تعالیٰ کی طلب کو ترک کیا اس سے تمہیں حجابات نصیب ہوئے اور تم سے استعداد فطری ضایع ہوئی۔ استغفار سے تمہارے نفوس کو تزکیہ اور تمہارے قلوب کو تصفیہ نصیب ہوگا[1] ثُمَّ تُوبُوٓا الیہ قدم سلوک سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو تاکہ استغفار کے تزکیہ کے بعد توبہ سے تمہیں تحلیہ نصیب ہو۔ کما قال یمتعکم متاعاً حسناً اس سے سفلیات سے علویات کے بلند مقامات پھر وہاں سے حضرت العلی الکبیر کی طرف ترقی مراد ہے، اِلیٰ اَجَلٍ مُّسَمًّی اس سے مقامات سلوک کا انقضاء اور درجات الوصول کی ابتداء مراد ہے ویؤت کل ذی فضل ذی فضل سے ذی صدق و ذی اجتہاد فی الطلب مراد ہے اور فضلہ سے درجات الوصول مراد ہیں اس لیے کہ مجاہدات کے مطابق مشاہدات نصیب ہوتے ہیں وان تولوا اور اگر تم طلب اور سیر الی اللہ سے روگردانی کرو گے تو محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! انہیں فرمایئے فانی اخاف علیکم عذاب یوم کبیر کہ میں تمہیں اللہ الکبیر سے منقطع ہوجانے کے بڑے دن سے ڈراتا ہوں، صوفیاء کے نزدیک سب سے بڑا گناہ یہی ہے اور انسان کے لیے سب سے بڑا عذاب بھی

---

[1] یہ خطابات عوام کو ہیں۔ ۱۲

یہی ہے الی اللہ مرجعکم اللہ تعالیٰ کی طرف سب کو لوٹنا ہے طوعاً یا کرہاً۔ اگر طوعاً لوٹو گے تو تمہیں جذبات عنایات کے ساتھ اپنے قریب فرمائے گا کما قال: جو شخص ایک بالشت میرے قریب ہوتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہو جاتا ہوں۔ اگر بالاجبار لوٹو گے تو پھر مُنہ کے بل گھسیٹ کر تمہیں جہنم میں لیجایا جائے گا وھو علیٰ کل شیءٍ قدیر وہ ہر شئے پر لطف سے بھی اور قہر سے بھی قدرت رکھتا ہے۔

تفسیر عالمانہ اَلَآ خبردار رہو اے مومنو اِنَّهُمْ بیشک وُہ مشرکین مکہ یَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ ثنیٰ یثنی سے ہے بمعنے عطف و حرف یعنی پلیٹتے ہیں اپنے سینے میں کفر و اعراض عن الحق اور عداوت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یعنے جیسے کپڑے کو لپیٹ کر اس کے اندر کوئی شئے چھپائی جاتی ہے یہ بھی اپنے سینے سے لپیٹ کر اس کے اندر مذکورہ بالا امور چھپائے ہوئے ہیں۔ لِیَسْتَخْفُوْا مِنْهُ یہ استخفاء سے ہے بمعنے الاستتار تاکہ اللہ اسے سے چھپ جائیں۔ یہ ان کی جہالت ہے ورنہ اللہ تعالیٰ سے کون چھپ سکتا ہے۔

شانِ نزول حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ یہ آیت اخنس بن شریق زہری کے حق میں نازل ہوئی وُہ بہت بڑا باتونی اور چرب زبان تھا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا اظہار کرتا تھا حالانکہ دل میں بُغض و عداوت کو ڈھکے ہوئے تھا۔

شانِ نزول کی دُوسری روایت یہ آیت ان منافقین کے حق میں نازل ہُوئی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سے گزرتے تو اپنی پیٹھ اور سینہ چھپا کر اور سر نیچا کر کے اور چہرہ چھپا کر حضور علیہ السلام سے آنکھ چُرا کر نکل جاتے اس ارادہ سے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دیکھ نہ پائیں تاکہ جو جی چاہے کریں، اور ساتھ ہی یہ خیال کرتے تھے کہ اگر انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ لیا تو پھر ان کے ساتھ بیٹھنا پڑے گا اور ان کا ساتھ دینا پڑے گا، بسا اوقات ان کی ایسی کارگزاری سے ان کا کفر و نفاق ظاہر ہو جاتا۔ (کذا قال ابن شداد)

سوال: یہ آیت مکیہ ہے اور منافقین مدینہ طیبہ میں ہُوئے۔

جواب ۱: منافقین کی منافقت تو پہلے سے تھی صرف اس کا ظہور مدینہ میں ہُوا۔

جواب ۲: یہ آیت ان آیات میں سے ہے جن میں غیبی خبریں دی گئی ہیں اور یہ بھی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات سے ایک ہے[1]

---

[1] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی غیبی خبر کو اسلاف صالحین معجزہ سے تعبیر کرتے۔ چنانچہ صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا: هذا من باب الاخبار وھو من جملة المعجزات۔ لیکن وہابی دیوبندی اس عقیدہ کو کفر و شرک سے تعبیر کرتے ہیں۔ ۱۲

اَلَا حِیْنَ یَسْتَغْشُوْنَ ثِیَابَهُمْ ۙ ان سے، خبردار ہو اے مسلمانو! جبکہ وہ مشرکین اپنے آپ کو ڈھانپتے ہیں۔ چنانچہ ابن شداد سے ایسے ہی منقول ہے۔

کافروں کی ایک بیوقوفی مروی ہے کہ بعض کافروں کا طریقہ تھا کہ اپنے گھر میں داخل ہو کر دروازے پر پردہ لٹکا دیتے اور پیٹھ نیچے کر کے کپڑے سے چھپ کر کہتے کیا اب بھی اللہ تعالیٰ میرے دل کی باتوں کو جانتا ہوگا۔ اس سے ثابت ہوا کہ آیت کے اس جملے کا معنیٰ ہوا کہ جب وہ اپنے بستروں میں آتے ہیں تو اپنے کپڑوں میں چھپ جاتے ہیں۔

ف: کواشی نے لکھا کہ لفظ حین توقیت علم کے لیے نہیں بلکہ تغطی کی توقیت کے لیے ہے۔

سوال: تم نے حین کی توقیت سے علم کی نفی کیوں کی؟

جواب: تاکہ اللہ تعالیٰ کا علم مقید نہ ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ظاہر و باطن کو صرف انہی اوقات میں جانتا ہے حالانکہ یہ ہمارے عقیدے کے خلاف ہے ہم سب کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت ہر آن ہر شئے کو جانتا ہے۔

ف: اس سے اللہ تعالیٰ کے علم مبارک کی وسعت کا بیان ہے کہ وہ کریم جب کفار کو ایسے مخفی اور پوشیدہ حال میں جانتا ہے، تو اس کے لائق ہے کہ وہ اس حالت کے علاوہ اور حالتوں میں بھی ہر ایک کو جانے۔

ف: یہ بھی ہم نے عوام کو سمجھانے کے لیے کہا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کا علم تفاوتِ احوالِ خلق سے متفاوت نہیں ہوتا۔

یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو وہ اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں وَمَا یُعْلِنُوْنَ ج اور وہ جو ظاہر کرتے ہیں۔ یہ ما مصدریہ اس معنے پر یسرون و یعلنون بمعنے اسرارھم و اعلانھم کے ہے یا ما بمعنے الذی کے ہے اس کا عاید محذوف ہے۔

نکتہ: سرّ کو علانیۃ سے اس لیے مقدم کیا گیا ہے کہ مرتبۂ سر مرتبۂ بطن سے مقدم ہوتا ہے کیونکہ ہر وہ شے جسے ظاہر کیا جائے وہ خود یا اس کے اسباب پہلے ہی دل میں پوشیدہ ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ پہلے اسی پوشیدہ امر سے متعلق ہوتا ہے پھر علانیہ سے۔

اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ○ وہ سینہ والوں کو جانتا ہے یعنی تمام انسانوں کے دلوں میں کتنی ہی باتیں پوشیدہ ہوں اللہ تعالیٰ سے حبہ بھر بھی پوشیدہ نہیں اس لیے کہ اس کے علم کے آگے پوشیدہ اور علانیہ امور برابر ہیں۔ ؎

اے کہ در دل نہاں کنی سرے
آنکہ دل آفرید میداند

ترجمہ: دل میں کتنا راز چھپاؤ پیدا کرنے والا اسے جانتا ہے۔

اس آیت کا معنٰی یہ ہوا کہ وہ لوگ جو کفر و عداوت کو چھپاتے ہیں وہ ہمارے سے مخفی نہیں ہم انہیں قیامت میں ان کے

بُرے اعمال کی مکمل طور سزا دیں گے اسی لیے بندوں کو چاہیے کہ اب بھی وقت ہے کہ خدا تعالےٰ سے ڈریں اور وہ امور جو ہماری رضا کے خلاف ہیں انہیں یک لخت چھوڑ دیں۔ سہ

صورت ظاہر ندارد اعتبار
باطنی باید مبرا از غبار

ترجمہ : ظاہری صورت کا کوئی اعتبار نہیں باطن کو غبار سے مبرا رکھنا ضروری ہے۔

تفسیر صوفیانہ دل کی اصلاح جملہ امور سے اہم ہے اس لیے کہ قلب اقلیم بدن میں بمنزلہ بادشاہ ہے کہ تمام اعضا پر اسی کا حکم نافذ ہوتا ہے تمام اعضا اسی کے خدام و رعایا ہیں اور منافقت دل کی تمام مذموم صفات سے مذموم تر ہے اور منافقت کا معنیٰ یہ ہے کہ ظاہر و باطن اور قول و فعل کے منافی ہو۔

منافقت کی نشانی لوگوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے عرض کی کہ ہم اپنے بادشاہوں اور حاکموں کے ہاں حاضر ہوتے تو دل میں کچھ اور زبان پر کچھ اور ہوتا یعنی دل کی باتوں کے خلاف ان کے ساتھ باتیں کرتے اور جب ان سے فارغ ہو کر جاتے تو ہمارا معاملہ برعکس ہوتا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں اسے منافقت سے تعبیر کرتے۔ یعنی آپ کے زمانہ اقدس جو بھی اس طریقہ سے حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتا تو ہم اسے منافق کہتے۔

ف : حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہمارے زمانہ کے منافقین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کے منافقین سے بدتر ہیں اس لیے کہ حضور علیہ السلام کے منافقین پوشیدہ باتیں کرتے تھے لیکن ہمارے زمانہ کے منافقین کھلم کھلا بکواس کرتے ہیں۔ سہ

ہر کہ سازد نفاق پیشۂ خویش
خوار گردد بنزد خالق و خلق

ترجمہ : جو منافقت کی عادت رکھتا ہے وہ خالق و مخلوق کے نزدیک ذلیل ہے۔

نسخۂ روحانی عداوت قلب کے آفات سے ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ دل کے غیر اللہ میں مشغول ہونے کی ایک بیماری عداوت بھی ہے۔ سہ

ہر کہ پیشہ کند عداوت خلق
از ہمہ خیمہ ہا جدا گردد
کہ دلش خستۂ عنا باشد
کہ تنش بستۂ بلا گردد

ترجمہ: جو خلقِ خدا کے ساتھ عداوت کا طریقہ رکھتا ہے وہ تمام بھلائیوں سے دُور ہو جائے گا اسی لیے
اس کا دل ہر وقت دُکھ میں رہے گا اس کا جسم بھی بلاؤں میں مبتلا رہے گا۔

اسی معنے پر شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ؎

دلم خانۂ مہر یار ست و بس
ازاں جا نگنجد در و کین کس

آیت میں شریعت کے منکرین کا ذکر ہے اس لیے کہ منکرینِ شریعت بھی اپنے آپ کو کپڑوں میں ڈھانپتے ہیں تاکہ قرآن و حدیث نہ سُن سکیں اسی طرح حقیقۃ کے منکرین (وہابیہ، دیوبندیہ، مودودیہ فرقے) کی عادت ہے کہ وُہ صوفیاءِ کرام کے ذکر کو سُننا گوارا ہی نہیں کرتے اور نہ ہی مشایخ کے اسرار و رموز اور قرآن کے حقایق سُننا چاہتے ہیں بلکہ ایسی باتوں سے تنگ ظرفی کا ثبوت دیتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ظاہر و باطن کو نہیں جانتا اور نہ ہی انہیں اعراض عن الحق اور اولیاء کی عداوت پر کسی قسم کی سزا دے گا۔

صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ پارہ نمبر ۱۱ ۔ ۱۸ ذیقعد ۱۱۰۲ھ کو ختم ہُوا، گویا آپ کو سورۂ یونس سے پارہ کے اختتام تک ایک ہفتہ لگا۔

صاحبِ رُوح البیان قدس سرہ العزیز کو غالباً ہجومِ مصروفیت تھا، فقیر علاقہ لودھراں ضلع ملتان کے ایک گاؤں میں وعظ و تبلیغ کے لیے بھی حاضری دے آیا اور پھر تھکانِ سفر کے باوجود اسے ایک دن میں ختم کر ڈالا یعنی ۳ محرم الحرام ۱۳۹۷ھ بروز اتوار بوقت تقریباً ۹ بجے صُبح ترجمہ ختم ہوا۔

انا الفقیر القادری ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی غفرلہٗ، بہاولپور

فہرست مضامین پارہ ۱۱